بیاد ـــــ زینب النساء

فرحت آراء

مدیر اعلیٰ ـــــ مشتاق احمد قریشی

مدیرہ ـــــ قیصر آرا

نائب مدیرہ ـــــ سعیدہ نثار

مدیر و معاونین ـــــ ندا رضوان / عثمان عبداللہ

مدیر خصوصی ـــــ طاہر احمد قریشی

ماہنامہ حجاب کراچی

جلد	03
شمارہ	02
دسمبر	2017

infohijab@aanchal.com.pk

aanchalpk.com

پبلشر: مشتاق احمد قریشی پرنٹر: جمیل حسن ابن حسن پرنٹنگ پریس
ہاکی اسٹیڈیم کراچی۔ دفتر کا پتا: 7 فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔ 74400

نہایت اہم التماس

قارئین انتظار کے لیے معذرت خواہ ہیں لیکن آپ بخوبی واقف ہیں کے دُنیا میں ہر کوئی اپنے کاروبار کے لیے محنت کرتا ہے تاکہ منافع حاصل کر سکے لیکن اگر ہماری وجہ سے کسی کے کاروبار کو نقصان کا اندیشہ ہو تو ہمیں جان بوجھ کر ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ دیکھیں ہر ڈائجسٹ کے پبلشر بہت محنت کے ساتھ ہر مہینے ڈائجسٹ شائع کرتے ہیں تاکہ وہ مارکیٹ میں فروخت ہو سکے اور اُن کو منافع حاصل ہو سکے لیکن آج کے اس انٹرنیٹ دور میں جب وہی ڈائجسٹ یا رسالہ مارکیٹ میں پوری طرح آنے سے قبل ہی آن لائن پی ڈی ایف میں مل جائے تو مارکیٹ سے خریداری بہت کم رہ جاتی ہے جس کی وجہ سے پبلشر کا بہت نقصان ہوتا۔ لہذا اس سارے معاملے کو خاطر میں رکھتے ہوئے urdusoftbooks.com کی انتظامیہ نے یہ فیصلہ کیا ہے کے آئندہ ماہ سے کوئی بھی ڈائجسٹ رواں مہینہ کی **30** تاریخ سے پہلے Upload نہیں کیا جائے گا تاکہ پبلشرز کا نقصان نہ ہو۔

خوشخبری

انشاءاللہ آئندہ urdusoftbooks.com پر تمام ڈائجسٹ بغیر واٹر مارک کے Upload ہوا کریں گے تاکہ قارعین کو پڑھنے میں دکت کا سامنا نہ کرنا پڑے

قارئین سے مزید درخواست ہے کہ urdusoftbooks.com کے لیے اپنے ویب براؤزر سے Adblocker ڈس ایبل کر دیں تاکہ ویب سائٹ پر سپانسر اشتہارات نظر آ سکیں اور ویب سائٹ کو تھوڑی سی آمدن ہو سکے انہی سپانسر اشتہارات کی آمدن سے ویب سائٹ کے ماہانہ اخراجات پورے کیے جاتے ہیں لہذا آپ کا تھوڑا سا تعاون urdusoftbooks.com کو مستقل آن لائن رکھنے میں بہت مددگار ثابت ہوگا۔ شُکریہ

سرورق: ماہ نور آرائش: عینی بائے سلیک ملبوسات: جیم بوتیک

عکاسی: ایم کاشف 0331-4546116

مستقل سلسلے

خط وکتابت کا پتہ: "آنچل" پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون: 021-35620771/2

فیکس: 021-35620773 کے از مطبوعات نئے افق پبلی کیشنز۔ ای میل Infohijab@aanchal.com.pk

editorhijab@aanchal.com.pk
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

دسمبر ۲۰۱۷ء کا حجاب حاضر مطالعہ ہے۔

اللہ سبحان وتعالیٰ کا جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے اس مختصر عرصے میں آپ کے حجاب نے ترقی اور کامیابی کی جو منازل طے کی ہیں۔ سب اللہ کے کرم اور آپ بہنوں کے تعاون کے کچھ نہیں۔ میں اور میری ساتھی اور ادارے کے تمام ارکان اللہ سبحان وتعالیٰ کے حضور سر بسجود ہیں اور آپ تمام بہنوں کے شکر گزار بھی یقیناً یہ بات درست ہے کہ آپ کی آرا اور مشورے ہمارے لیے رہنمائی کے باعث بنتے ہیں میری اور میری ساتھیوں کی ہمیشہ سے کوشش یہی رہی ہے کہ آپ کی پسند کو مدنظر رکھتے ہوئے کہانیوں کا انتخاب کیا جائے۔ بہنوں یہ ماہنامہ آنچل اور حجاب آپ کے اپنے ماہنامے ہیں انہیں سجانے سنوارنے میں آپ پوری طرح میری شریک کار ہوتی ہیں اللہ سبحان وتعالیٰ کا شکر واحسان ہے کہ اس نے یہ دن دکھایا۔ ہماری لکھاری بہنوں کا بھی تہہ دل سے شکریہ کہ وہ اس قدر محنت اور محبت سے اپنی تحریریں ارسال کر رہی ہیں کہ ہمیں سوچنا پڑتا ہے ایک بار پھر وہی پوزیشن ہوتی جا رہی ہے جو آپ کے حجاب کی اشاعت سے قبل ہو رہی تھی جس کے سبب حجاب کا اجرا کرنا پڑا' کہانیاں اور دیگر اشاعتی مضامین اس قدر جمع ہو جاتے ہیں کہ ان کی اشاعت کے لیے آنچل اور حجاب کے صفحات اب پھر سے کم پڑنے لگے۔ ایسے میں نئی لکھنے والی بہنوں کی حوصلہ افزائی کا تناسب کم ہوتا جا رہا ہے میرا اور میرے ادارے کا ہمیشہ سے یہ معمول رہا ہے کہ نئی لکھنے والی بہنوں کی زیادہ سے زیادہ حوصلہ افزائی کی جائے لیکن ان کی حوصلہ افزائی کے لیے تجربہ کار اور منجھی ہوئی قلم کار بہنوں کو کسی بھی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کیونکہ نامور مصنفین کو قارئین کی پسند کی سند حاصل ہوتی ہے اور نئی مصنفین کو اپنا آپ منوانا پڑتا ہے۔ بہر حال یہ سب آپ کی پسند پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ کیا پسند کرتی ہیں۔ میں اور میرا ادارہ ہمیشہ سے آپ بہنوں کی پسند کو اولیت دیتے ہیں اور ہمیشہ دیتے رہیں گے ان شاء اللہ۔

آیئے اب چلتے ہیں اس ماہ کے ستاروں کی جانب:۔

بشریٰ ماہا' قرۃ العین سکندر' مونا شاہ قریشی' کوثر ناز' حمیرا نوشین' عالیہ توصیف' زینب ملک ندیم' عائشہ تنویر' شازیہ الطاف' حرا قریشی' گل مینا خان۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعا گو

قیصر آرا

حمد

اے خدائے پاک رب ذوالجلال

دو جہاں کی نعمتوں سے کر نہال

چاند، سورج، کہکشاں میں تیرا نور

یہ جہان رنگ و بو تیرا جمال

تو نے پیدا کی ہے ساری کائنات

آسمان بے ستوں تیرا کمال

زلزلے، سیلاب اور بیماریاں

مجھ کو ان آفات سے یا رب نکال

یاد کرتا ہوں تجھے، دن رات میں

ذکر تیرا ہر گھڑی تیرا خیال

بجلیاں، طوفان اور باد سموم

اہل عالم کے لیے تیرا جلال

کرلیا ہے مجھ کو دنیا نے اسیر

یا الٰہی اپنی الفت دل میں ڈال

ابرار اسیر

نعت

کوئی مثل مصطفیٰ کا کبھی تھا نہ ہے نہ ہوگا

کسی اور کا یہ رتبہ کبھی تھا نہ ہے نہ ہوگا

انہیں خلق کر کے نازاں ہوا خود ہی دست قدرت

کوئی شاہکار ایسا کبھی تھا نہ ہے نہ ہوگا

کسی وہم نے صدا دی کوئی آپ کا مماثل

تو یقیں پکار اٹھا کبھی تھا نہ ہے نہ ہوگا

مرے طاقِ جاں میں نسبت کے چراغ چل رہے ہیں

مجھے خوف تیرگی کا کبھی تھا نہ ہے نہ ہوگا

مرے دامن طلب کو ہے انہیں کے در سے نسبت

کہیں اور سے یہ رشتہ کبھی تھا نہ ہے نہ ہوگا

سرحشر ان کی رحمت کا صبیح میں ہوں طالب

مجھے کچھ عمل کا دعویٰ کبھی تھا نہ ہے نہ ہوگا

سید صبیح الدین رحمانی

ذکر اس پری وش کا

زینب احمد

سدرہ بنت نجمی

حجاب اسٹاف رائٹرز اینڈ ریڈرز کو میری طرف سے السلام علیکم میں 13 مارچ کو اس دنیا میں تشریف لائی میرا تعلق شہر فیصل آباد سے ہے۔ بہن بھائیوں میں دوسرے نمبر پر ہوں میری کاسٹ انصاری ہے میں آئی کام پارٹ ون کی اسٹوڈنٹ ہوں اور مطالعہ کی بہت شوقین ہوں ارے آپ یہ مت سمجھیے گا کہ مجھے اپنے کورس کی بکس پڑھنے کا شوق ہے بلکہ مجھے تو اسٹوریز بکس پڑھنے کا شوق ہے بلکہ مجھے تو اسٹوریز بکس پڑھنے کا شوق ہے چاہے وہ بچوں والی ہوں یا بڑوں والی لکھنے کا جنون ہے زیادہ فنکشنز میں جانا پسند نہیں کرتی ڈریسز سادہ ہی پسند ہیں جیولری پسند نہیں کرتی ہوں چوڑیاں اور مہندی بالکل بھی پسند نہیں ہیں جہاں تک بات ہے خوبیوں اور خامیوں کی تو خامی یہ ہے کہ غصہ جلدی آجاتا ہے اور جذباتی بھی ہوں اور خوبیاں مجھے نہیں پتا کہ کون سی ہیں ہاں بس جھوٹ نہیں بولتی (مگر کبھی کبھی وہ بھی بول لیتی ہوں) چلیے اب چلتے ہیں کھانوں کی طرف تو کھانے میں چاول پسند ہیں فروٹ ہر طرح کا پسند ہے میٹھے میں کھیر، کسٹرڈ پسند ہیں۔ قدرتی مناظر بہت پسند ہیں اور خوب اٹریکٹ کرتے ہیں پسندیدہ شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، شاعری سے لگاؤ ہے خوشبو پسند ہے مگر دھیمی سی پھول سارے ہی پسند ہیں مگر سرخ گلاب کو دیکھ کر تو میں پاگل سی ہو جاتی ہوں رائٹرز میں مجھے ساری ہی رائٹرز پسند ہیں اور بے حد پسند ہیں بٹ ام مریم آئی لائک یو ویری مچ ناول تقریباً سارے ہی پسند ہیں مگر ''متاع جاں ہے تو'' اور ''جو چلے تو جاں سے گزر گئے'' لگتا ہے کبھی نہیں بھول سکتی میرا فیورٹ کلر بلیک اور پنک ہے فرینڈز بہت ساری ہیں جن میں ماہ نور، عینی، اشنا، زنیرہ، لائبہ (جو کہ میری کزن بھی ہے) علینہ اور زوبار یہ بیسٹ فرینڈز ہیں بال پہلے مجھے چھوٹے پسند تھے مگر اب لمبے پسند ہے سفر کرنا اچھا نہیں لگتا اور شرارتیں کرنے میں مزہ آتا ہے اور کرتی بھی ہوں مگر حد میں رہ کر۔ اپنا بہت سارا خیال رکھیے گا آپ کو میرا تعارف کیسا لگا اور دعاؤں میں یاد رکھیے گا اللہ حافظ اینڈ بائے بائے۔

پری وش

سب سے پہلے تمام جاننے والوں اور انجان لوگوں کو پری وش کا کھٹا میٹھا سلام۔ حال چال میں آپ لوگوں کا بالکل نہیں پوچھوں گی کیونکہ آپ نے کون سا ڈائجسٹ سے باہر نکل کر بتا ہی دینا ہے بس امید پر دنیا قائم ہے میں امید کرتی ہوں کہ آپ سب لوگ ٹھیک ٹھاک ہوں گے ویسے بھی حجاب سے شغل فرما رہی ہیں تو یقیناً ٹھیک ہی ہوں گے ''رب سوہنا تہانوں ستی واں نہ لاوے'' اور اسی طرح صحت مند اور ہشاش بشاش رکھے۔ اب آتی ہوں تعارف کی طرف جب سے حجاب پڑھنا شروع کیا ان گنت کڑیوں کے تعارف پڑھے اور اپنا نادان دل بھی تڑپ اٹھا کہ ہم بھی تعارف بھیجیں سو حاضر ہیں ماورائی نام پری وش سے تو آپ لوگ متعارف ہو ہی چکے ہیں مگر جس رفتار سے وزن بڑھ رہا ہے ڈر ہے، بہت جلد لوگ موٹی پری، موٹی پری پکارنے لگے گے خیر آپ سب دعا کیجیے گا کہ جلد از جلد میرا وزن کم ہو جائے چلیں یار چھوڑیں یہ تو میرا ازلی پرابلم ہے موٹاپے کا قصہ شروع کیا تو کہیں آپ لوگ بور نہ ہو جائیں اس لیے آگے بڑھتی ہوں ماشاءاللہ نو بہن

بھائی پیدا ہو چکے تھے جب میں آخری پیس کے طور پر پاکستان کی آبادی میں اضافہ کرنے چلی آئی ضرورت تو نہیں تھی اس دنیا میں میری لیکن شاید خدا کو میرے بغیر دنیا سونی محسوس ہوئی تو مجھے بھی دنیا کو مزید رنگین کرنے بھیج دیا۔

بہن بھائیوں کے ناموں کی تفصیل میں نہیں جاؤں گی کہ خالی خولی بتانے کا کیا فائدہ ناموں کے ساتھ شکلیں تو نظر آئیں گی نہیں اس لیے نام بھی رہنے ہی دیں بس اتنا بتا دیتی ہوں کہ میرے اور ایک چھوٹے بھائی کے علاوہ سب خیر سے شادی شدہ اور اہل عیال والے ہیں اور سب کی آل اولادوں نے مل کر گھر کو وہ مچھلی بازار بنا رکھا ہے کہ خدا کی پناہ پتا نہیں کس طرح لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں اپنی بھتیجی بھتیجے سے پیار ہے یہاں تو میری جان اتنی آواز ہے کہ بتا نہیں سکتی بھئی ہوسکتا ایسا لکھنے والوں کے گھر میں ایک آدھ بچہ ہی ہو، ہماری طرح پوری کرکٹ ٹیم تھوڑی نا ہوگی تو بس پھر کیا کریں پیار بھی تو ہمیں ان پر ایسے ہی شاز و نادر آتا ہے جیسے بجلی کا بل پانچ سو سے کم آجائے اب بات کرتی ہوں کچھ اپنی پسند و ناپسند کی کلرز میں مجھے بلیک کلر پسند ہے بلکہ پسند تو رہ گئی ایک طرف اصل بات تو یہ ہے کہ بھلا ہو ندایاسر کا اس کے ہی ایک شو میں پتا چلا کہ بلیک کلر پہننے سے انسان دبلا و پتلا لگتا ہے اور موٹاپا کسی حد کم لگتا ہے تو بس پھر جب سے سنا اس کے بعد کوئی اور رنگ نگاہوں میں جچا ہی نہیں دے بلیک دے بلیک اب یہ حال ہے کہ شادی ہو یا بیاہ عید ہو یا شب برات یہاں تک کہ فوتگی میں بھی کالا رنگ ہی پہن کے جاتی ہوں لاکھ بہنوں نے مزید بلیک کلر خریدنے سے باز رکھا دلیل کے طور پر کسی میگزین سے بھی پڑھ کر بتایا کہ کالا رنگ پسند کرنے والے لوگ شکی مزاج ثابت ہوتے ہیں مگر میں بھی اپنے نمبر کی ایک ہی ہوں، اب تو لگتا ہے بس شادی پر بری، جہیز میں ملنے والے ڈریسز میں ہی کوئی کلر مجبوراً پہنوں گی ورنہ بس چلتا تو وہ جوڑے بھی بلیک ہی رکھواتی۔ جی تو اب باری ہے جیولری کی سچی بات کہوں تو یقین مانیں پانچ چھ سال پہلے بالکل بھی جیولری پہننے کا سینس بارہ تیرہ سال کے معصوم چہرے پر یہ بڑے بڑے بندے ٹیکے سجاتی کہ محفلوں میں لوگ دیکھ کر قہقہے لگاتے نہ تھکتے تھے لیکن اب خدا عمر دراز کرے ان مورننگ شو والیوں کا جو ہمیں روزانہ سجنے، سنورنے کے گر بتانے کے لیے اپنی میٹھی نیندوں کی قربانی دیتی ہیں اور نتیجے کے طور پر اب جیولری سلیکشن ایسی ہے کہ اب خود سے جلنے والوں پر میں قہقہے لگاتی ہوں۔ پرفیومز تو میرا بس چلے میں ایسی اعلیٰ لگاؤں کہ کیا نواز شریف کیا نواز کی بیٹی مریم نواز بھی لگاتی ہوگی مگر کیا کروں جیب بھی تو اجازت دے نا اس لیے روز میری پر اکتفا کرلیتی ہوں۔ کھانوں میں یہ لکھنا فضول ہے کہ مجھے بریانی پسند ہے، کوفتے پسند، کھیر پسند، برگر کیونکہ خدا بری نظر سے بچائے مجھے شادیوں کی بریانی قورموں سے لے کر گھر میں آپ کی دال سبزی تک سب کچھ پسند ہے۔ ویسے مجھے کسی سے بھی کوئی اتنا خاص پیار و یار نہیں ہے لیکن اگر کوئی بھائی برگر کھلانے کا وعدہ کرے تو دن بھر آتے جاتے اس کی نظر اتارنا بالکل نہیں بھولتی یقین مانیں ہمارے گھر میں کوئی قیمتی سے قیمتی گفٹ لے آئے میں کبھی بھی اس سے اتنا امپریس نہیں ہوتی جتنا کیک اور مٹھائی لانے والے مہمان کو سر آنکھوں پر بٹھاتی ہوں، مقصد آپ کو بتانا چاہتی ہوں کہ مجھے خدا کی سب نعمتیں پسند ہیں اور میں ایک شکر گزار لڑکی ہوں اور بنا ناک چڑھائے سب کچھ ذوق وشوق سے کھالیتی ہوں۔ عادتوں کی بات کی جائے تو آپ یقین نہیں کریں گے پھر بھی بتا دیتی ہوں کہ میں اتنی

اچھی ہوں کہ پھر بھی میرے ہاتھ پر بیٹھا میرا خون چوس رہا تو اسے مارنے کی بجائے انتظار کرتی ہوں کہ بچانے کا پیٹ بھر جائے جب مجھے لگتا ہے کہ اس کا پیٹ بھر گیا ہے تو نرمی سے اٹھا کر چھت کی دیوار پر بٹھا دیتی ہوں تاکہ ممانا آرام سے اڑ کر اپنی منزل پر پہنچ جائے یعنی کہ رحم دلی مجھ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے تو پھر ایسے میں بدتمیزی کرنا، غصہ کرنا یا کسی کے ساتھ طریقے سے پیش آنے کے بارے میں تو آپ میرے متعلق سوچ بھی نہیں سکتے انہیں اچھی عادتوں کی وجہ سے میری بہت سی سہیلیاں ہیں اگر آپ میں سے کوئی دوستی کرنا چاہے تو بندی حاضر ہے ابھی بھی ڈھیر ساری باتیں باقی ہیں لیکن مجھے ڈر ہے کہیں لکھنے کی محنت فضول نہ چلی جائے اور تعارف چھپے ہی نہ اس لیے اب تک کے لیے اتنا ہی کافی ہے سب کے ایک جیسے تعارف پڑھ پڑھ کر میں نے سوچا کچھ الگ ہونا چاہے اس لیے اپنی چٹ پٹی شخصیت لے کر آپ کے سامنے جلوہ افروز ہوگئی میرا یہ ذراہٹ کے والا تعارف کیسا لگا بتایئے ضرور اللہ حافظ۔

نادیہ قریشی

ڈیئر حجاب اسٹاف اینڈ قارئین آپ سب کو میرا پیار اور عزت احترام بھرا سلام قبول ہو کیا حال چال ہے امید ہے سب ٹھیک ٹھاک ہوں گے خدا کے فضل وکرم سے میں بھی ٹھیک ہوں پہلی بار حجاب میں لکھنے کی ہمت اور جسارت کی آئی ہوپ کہ آپ مجھے مایوس نہیں کریں گے مائی نک نیم نادیہ اور گھر والے بھی اسی نام سے بلاتے ہیں مابدولت نے 26 اکتوبر کو اپنے گھر کو رونق بخشی اور اس دنیا فانی میں آئے میں نے بی اے کیا ہے اور اب ایم اے اردو کر رہی ہوں میں نے اپنی ساری تعلیم پرائیویٹ حاصل کی ہے میٹرک ریگولر کیا ہے کیونکہ ہمارے گاؤں میں لڑکے لڑکیوں کے لیے میٹک تک اسکول موجود ہے ہر انسان میں خامیاں اور خوبیاں ہوتی ہیں مجھ میں بھی ہے خامی یہ ہے کہ انسانوں کی پرکھ نہیں کرسکتی جو میٹھا بول دے اسی کو سچ مان لیتی ہوں چاہے وہ انسان اندر سے کتنا ہی کڑوا کیوں نہ ہو۔ جلد لوگوں پر اعتبار کر لیتی ہوں اس وجہ سے کئی بار نقصان بھی اٹھا چکی ہوں، میرے پانچ بھائی ہے اور ہم چار بہنیں ہے میں تیسرے نمبر پر ہوں میرے ابو استاد ہے وہ ہم پر پڑھائی کے معاملے میں بہت سختی کرتے ہیں میں اپنے اماں ابا سے بہت پیار کرتی ہوں مجھے میرے گاؤں سے بہت محبت ہے ہمارا گاؤں بہت خوب صورت ہے یہاں کے لوگ بڑھے پلکھے ہیں۔ کھانے میں مجھے بریانی، کباب اور دال چاول پسند ہے سبزیاں بھی شوق سے کھاتی ہوں۔ کھاتی ہی نہیں پکاتی بھی بہت شوق سے ہوں اور تقریباً ہر چیز پکا لیتی ہوں موسموں میں مجھے سردی کا موسم پسند ہے بارش اور بارش میں بھیگنا اچھا لگتا ہے مزاج کی سادہ ہوں اور سادہ زندگی کو پسند کرتی ہوں لباس بھی سادہ ہی پسند ہے کرتا شلوار میرا فیورٹ ہے۔ آنچل اور حجاب بہت شوق سے پڑھتی ہوں مگر حجاب نے تو مجھے اپنا دیوانہ بنالیا ہے اور اب میں زندگی میں حجاب کو کبھی نہیں چھوڑ سکتی۔ ڈرامے دیکھنے کی شوقین ہوں گانے بھی سن لیتی ہوں کچھ لوگ زندگی میں ناراض ہیں دعا ہے کہ وہ مان جائے مستقبل میں ایک اچھی استاد بننے کا شوق ہے۔ آخر میں ایک چھوٹی سی بات کے ساتھ آپ سے رخصت چاہوں گی کہ اپنی زندگی میں اپنے رشتوں کی قدر کریں کیونکہ دنیا کی ہر نعمت انسان کو ہر دور میں مل جاتی ہے مگر آپ کے رشتے یہ اتنے انمول ہے کہ اگر چھن جائے تو کبھی نہیں ملتے ان کی دل سے کیئر کریں او کے فرینڈز میری بورسی باتیں سن کر کیسا لگا مجھے ضرور بتایئے گا اپنا خیال رکھیں، خدا حافظ۔

رابعہ منظور

السلام علیکم! تمام پڑھنے والوں کو مابدولت کا سلام قبول ہو جناب کو رابعہ منظور کہتے ہے میں 25 جون کو تپتی ہوئی دوپہر کو کراچی میں پیدا ہوئی ہم تین بہنیں اور دو بھائی ہیں مجھ سے بڑی بہن عائشہ جن کی شادی ہو چکی ہے اور ایک عدد پیارے سے بیٹے کی ماں ہیں اس سے چھوٹی میں ہوں تعلیم میری انٹر مجھ سے چھوٹی بہن ہے سعدیہ ساتویں کلاس میں پڑھتی ہے اس سے چھوٹا بھائی ظہور آٹھویں میں پڑھتا ہے اور سب سے آخر میں بابر جو چھٹی کلاس میں پڑھتا ہے جب ہم چھوٹے سے تھے تو ابو اس دنیا سے چلے گئے میری امی گھریلو عورت ہیں اب آتے ہیں پسند ناپسند کی تعریف تو جناب کھانے میں مجھے بریانی، بھنڈی اور آلو چاہے جس طرح بھی بنے ہو شوق سے کھالیتی ہو میٹھے سے دور بھاگتی ہے رنگوں میں مجھے کالا اور لال رنگ پسند ہے اور پہننے میں فیشن ہو اس کے مطابق چلتی ہو پر چوڑ دار پاجامہ اور لمبے فراک پسند ہے جیولری میں صرف کہیں آتے جاتے وقت پہنتی ہوں ورنہ عموماً گھر میں جیولری بالکل استعمال نہیں کرتی چھوٹے چھوٹے ٹاپس پسند ہیں جیولری کے نام پر دوستوں میں میرا حلقہ اتنا بڑا نہیں ہے میری دوستوں میں عائشہ میری بہن امرینہ میری کزن سعدیہ تمہارے نام بھی لکھ رہی ہوں، اسکول دوست تو سب پرائی ہوگئی کسی سے رابطہ نہیں اگر آنچل کے توسط سے کوئی دوست بننا چاہے تو موسٹ ویلکم جب میں چھٹی کلاس میں پڑھتی تو آنچل تب پڑھنا شروع کیا خوبیاں اور خامیاں ان کے متعلق بات ہوجائے تو خوبیاں تو ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گی پر اپنے منہ میاں مٹھو چلو خود ہی بتا دیتی ہو خوبیاں یہ ہے کہ جھوٹ نہیں بولتی اپنے کام سے کام رکھتی ہو دوسروں کے معاملوں میں انٹرفیئر نہیں کرتی اور خامی یہ ہے کہ میں جیسی خود ہوں دوسروں سے بھی ایسا ہی چاہتی ہو پر اگر سامنے سے ایسا نہ ملے تو بہت دکھ ہوتا ہے اب بات ہوجائے نیچر کی تو میں بہت ہنس مکھ ہو کاسٹ ہماری ہزارہ ہے ایف ایم شوق سے سنتی ہوں آر جے فارینہ دانش، آر جے محفوظ 100 آر جے ساحر لودھی، 107,4، میرے فیورٹ آر جے ہیں یقیناً آپ لوگ مجھ سے بور ہو رہے ہوں گے لیکن تھوڑی دیر اور برداشت کرلیں اب ذرا بات ہوجائے پسندیدہ کہانیوں کی تو میری پسندیدہ کہانیوں میں محبت دل پہ دستک، پتھروں کی پلکوں پر، ٹوٹا ہوا تارا، بھیگی پلکوں پر، جنت کے پتے شامل ہیں اور پسندیدہ رائٹر میں نازی کنول نازی سمیرا شریف، نمرہ احمد، ام مریم، فاخرہ گل، عفت سحر، اقرا صغیر، صائمہ قریشی اور باقی بھی بہت ساری ہیں آنچل کے علاوہ اور بھی ڈائجسٹ ملتی ہیں سب کو ایک دن کے اندر چاٹ لیتی ہوں آنچل کے توسط سے طیبہ نذیر، پروین افضل، ارم کمال، مدیحہ نورین، کرن شہزادی، ایس گوہر، عائشہ اختر، عائشہ پرویز، حرا قریشی، دلکش مریم، فوزیہ سلطانہ اور باقی جتنی بھی قادری ہے دوستی کا ہاتھ بڑھانا چاہتی ہوں امید ہے آپ مجھے خالی ہاتھ واپس نہیں کرے گی یہ مت سمجھنا کہ پہلی دفعہ آئی اور دوستی کا ہاتھ بڑھالیا ایسا بالکل نہیں ہے میں گئی سالوں سے آنچل کی خاموش قاری ہو چلے جی اب میرا جانے کا وقت آ گیا ہے اس امید کے ساتھ کہ زندہ رہے تو دوبارہ ملاقات ہوگی جہاں رہ خوش رہے اور دوسروں کو بھی اپنی ذات سے خوشی دیں۔ اللہ حافظ۔

سباس گل

زریں قمر صاحبہ اردو ادب کا ایک ایسا چمکتا ستارہ ہیں جن کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں انہیں ایک مصنفہ، شاعرہ، گلوکارہ اور بہترین اسکول ایڈمنسٹریٹر کے طور پر ہم سب ہی جانتے ہیں زرین قمر نے 1969ء سے اپنے قلمی سفر کا آغاز کیا ان کی پہلی تحریر ہمدرد نونہال میں شائع ہوئی ناولٹ، ناولز، بچی کہانیاں لکھیں اب تک ان کے لگ بھگ چھ ہزار صفحات شائع ہو چکے ہیں کشمیر اور غزہ کے حالات پر آپ کی حساس تحریریں دل کو چھو لینے والی ہیں ویب سائٹ پر ای بک کی صورت میں موجود ہیں۔

www.urducolors.com

تعارف کے بعد اب ہم زرین قمر صاحبہ سے باقاعدہ انٹرویو شروع کرتے ہیں میرا پہلا سوال ہے۔

س: آپ کے دل میں کہانیاں لکھنے کا خیال کیسے آیا؟

ج: سباس ڈیئر بات یہ ہے کہ میں نے جس گھرانے

اس کے بعد انہوں نے اردو ڈائجسٹ، حکایت ڈائجسٹ، آنگن لاہور، سسپنس، ایکشن، نیا رخ اور آنچل ڈائجسٹ میں لکھا 1976ء میں کراچی یونیورسٹی سے جرنلزم میں ماسٹرز کرنے کے بعد بحیثیت سب ایڈیٹر آنچل ڈائجسٹ سے اپنے کیریئر کا آغاز کیا۔ یہ ایک طویل عرصہ ریڈیو پاکستان سے وابستہ رہیں اور بے شمار انعامات اور اعزازات حاصل کیے ریڈیو کے لیے کئی پروگراموں کے اسکرپٹ لکھے رسالوں کے لیے ان گنت، افسانے،

میں آنکھ کھولی وہاں کے افراد کا ذریعہ معاش لوگوں کو تعلیم و تربیت سے آراستہ کرنا تھا میرے نانا، ماموں، خالائیں، پھوپھیاں سب ہی اس پیشے سے کسی نہ کسی قدر منسلک تھے پرنسپل، ٹیچر یا اسکول و کالج کی ایڈمنسٹریشن سے تعلق تھا جب میں نے ہوش سنبھالا تو دیکھا کہ میرے والدین اپنی ڈائریز میں شعر و شاعری کرتے ہیں ڈائریز میں اس لیے کہا کہ کبھی بھی انہوں نے اپنا کلام شائع کرانے کے بارے میں نہیں سوچا میری والدہ نے ایک ناول بھی تحریر کیا تھا وہ

روز رات کو گھر کے کاموں سے فارغ ہونے کے بعد سونے سے پہلے اپنے ناول کے کچھ صفحات ضرور لکھتی تھیں بعد میں جب ناول مکمل ہوگیا تو انہوں نے مجھ سے اس کو خوش خط لکھوایا اور یکجا کیا لیکن اس کو بھی شائع نہ کرواسکیں کیونکہ کچھ عرصے بعد ہی ان کا انتقال ہوگیا تھا کہنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ جب بچپن سے یہ ماحول ملا کہ ہر وقت لکھنے پڑھنے ہی کی باتیں ہوتی تھیں تو میری طبیعت

تلفظ اور مطلب جاننے میں لگ جاتے تھے اور جب یہ مسئلہ حل ہوجاتا تو کہانی کا سلسلہ آگے بڑھتا اس طرح ہمیں یہ اطمینان ہوتا کہ کہانی ہم نے پوری پڑھ اور سمجھ لی ہے کیونکہ پھر ہم سے اس کہانی کے بارے میں سوالات پوچھے جاتے تھے جن میں یہ سوال ضرور ہوتا تھا کہ ہم نے اس کہانی سے کیا سیکھا ہماری نظر میں کہانیوں کی بہت اہمیت تھی چنانچہ ہمارا بھی دل چاہا کہ ہم بھی کہانیاں لکھیں

میں بھی وہی چیز عود کر آئی بچپن میں گڑیاں کھیلنے کے بجائے میں نے اور میرے بھائی نے ایک ادبی لائبریری بنائی جس میں ساری ان تمام کہانیوں کی کتابیں رکھیں جو ہمارے والدین ہمیں لا کر دیا کرتے تھے اور ہم نے پڑھ لی تھیں چنانچہ اب اپنے دوستوں اور سہیلیوں کو پڑھوانے اور ایک شغل کے طور پر لائبریری بنائی گئی تھی ہم نے کہانی کی کتابوں سے ہی پڑھا اور نئے نئے الفاظ سیکھے کیونکہ جب کوئی مشکل لفظ کہانی میں آجاتا تو ہماری کہانی وہیں رک جاتی تھی اور اس لفظ کا مطلب جاننا ضروری ہوتا تھا تاکہ اندازہ ہو کہ کہانی آگے کیسے بڑھ رہی ہے پھر اس لفظ کا

پھر میں نے اور میرے بھائی نے الگ الگ کاپیاں بنائیں جن پر ہم کہانیاں لکھا کرتے تھے اس وقت ہم پرائمری اسکول میں زیر تعلیم تھے پھر آہستہ آہستہ وقت گزرتا گیا کلاسیں بڑھتی گئیں میرے بھائی ایڈورٹائزنگ کی طرف چلے گئے اور میں نے میٹرک کے بعد باقاعدہ لکھنے کا کام شروع کردیا ساتھ ساتھ تعلیم بھی جاری رہی جب ''ہمدرد نونہال'' میں میری پہلی کہانی ''موتی کی تلاش'' شائع ہوئی تو حکیم محمد

سعید صاحب حیات تھے انہوں نے مجھے خط لکھا اور اس کہانی کی بہت تعریف کی جس سے میری حوصلہ افزائی

ہوئی اور میں نے فوراً دوسری کہانی "روشنی کی رہبر" لکھ کر بھیج دی جو کہ انگریزی ادب سے ترجمہ تھی اور مشہور زمانہ "ہیلن کیلر" کے بارے میں تھی جو دو سال کی عمر میں بیمار ہونے کے بعد گونگی، بہری اور اندھی ہوگئی تھی وہ میرا انگریزی ادب سے پہلا ترجمہ تھا جس کے بعد مجھے بہت پزیرائی ملی اور انٹر میں تھی تب میں نے روزنامہ جنگ میں "بابائے اردو مولوی عبدالحق، سر سید احمد خان، علامہ اقبال وغیرہ پر آرٹیکلز لکھے جو یکے بعد دیگرے شائع ہوگئے اور پھر لکھنے کا باقاعدہ سلسلہ چل نکلا گویا۔

درد بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔

س: زرین قمر صاحبہ آپ اپنی کالج لائف کے بارے میں کچھ بتائیے؟

اس وقت تک میں بہت لا ابالی تھی خواہ کالج کی غیر نصابی سرگرمیاں یا نصابی میں بغیر سوچے سمجھے ہر سرگرمی میں حصہ لے لیتی تھی چنانچہ ساری کالج لائف میں بہت ایکٹیو رہی میں ایئرپورٹ پر واقع علامہ اقبال کالج میں پڑھتی تھی وہاں پر طالبات کی اسٹوڈنٹس یونین کی صدر بھی بنی اور بہت دھوم دھام سے "ہفتہ طلبا" منایا اس موقع پر ہم نے تقسیم اسناد کی تقریب میں اس وقت کی سندھ کی گورنر محترمہ رعنا لیاقت علی کو مہمان خصوصی کے طور پر مدعو کیا میں نے کئی انعامات حاصل کیے جن میں اسناد اور شیلڈز شامل تھیں اس موقع پر بیگم رعنا لیاقت علی نے مجھے شیلڈ دیتے ہوئے کہا۔

"آپ کی کارکردگی دیکھ کر کہا جاسکتا ہے کہ آپ مستقبل میں ضرور کامیاب شخصیت کے طور پر ابھریں گی۔"

ان کا یہ جملہ اکثر میرے ذہن میں گونجتا ہے اور مجھے تھکنے نہیں دیتا۔

س: کالج کے بعد جب آپ نے یونیورسٹی میں قدم رکھا تو اسے کیسا پایا؟

وہاں کالج کی طرح زیادہ پابندیاں نہیں تھیں میں نے ماسٹرز کرنے کے لیے صحافت کے شعبے کو منتخب کیا یونیورسٹی میں ہمیں پڑھانے کے ساتھ ساتھ ایک مخصوص عرصے کے لیے ٹریننگ پر بھی بھیجا جاتا تھا مجھے اخبار خواتین کے

دفتر بھیجا گیا جہاں ہمیں اس وقت کے بہترین صحافیوں اور لکھاریوں کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا جن میں سلمیٰ رضا، رعنا فاروقی اور حسن عابدی قابل ذکر ہیں اس ٹریننگ کے بعد پھر ہمارا تعلیمی سلسلہ مکمل ہوگیا اور ہمیں صحافت کی ماسٹرز کی سند سے نوازا گیا۔

س: آپ نے باقاعدہ صحافت میں عملی قدم کب رکھا اور کس رسالے سے آغاز کیا؟

س: پھر لکھنے کی طرف کیسے آئیں، خاص طور سے ڈائجسٹوں کی طرف؟

وہ تو میں نے آپ کو بتایا کہ بچپن ہی سے شوق تھا اس وقت تک میں اخبارات اور رسائل میں لکھنے لگی تھی لیکن باقاعدہ خواتین ڈائجسٹ میں میں نے آنچل سے ہی لکھنا شروع کیا اس کے لیے مجھے اظہر کلیم صاحب نے اکسایا اور میری رہنمائی بھی کی وہ اس وقت نئے افق کے ایڈیٹر

بس ماسٹر کرنے کے بعد فوراً 77-76ء کا زمانہ تھا اور آج میں جس خواتین کے رسالے کے لیے آپ کو انٹرویو دے رہی ہوں اسی کے رہبر یعنی آنچل اس کا پہلا شمارہ آنے کی تیاریاں ہو رہی تھیں اخبار میں میں نے اشتہار دیکھا کہ خواتین کے ایک ماہنامہ کے لیے سب ایڈیٹر کی ضرورت ہے تو درخواست بھیج دی پھر انٹرویو ہوا جو مشتاق احمد قریشی صاحب (نگراں اعلیٰ) نے لیا اور ایک ہفتے بعد ہی ہمیں اپائنمنٹ لیٹر مل گیا وہ ایک صحافی کی حیثیت سے میری پہلی ملازمت تھی اور میں آنچل کا پہلا شمارہ مشتاق صاحب کی نگرانی میں ترتیب دے رہی تھی۔

تھے اور میرے اور ان کے کمرے ساتھ ساتھ ہی تھے آنچل کے بعد میں نے کچھ عرصہ کرن ڈائجسٹ میں بھی سب ایڈیٹر کے طور پر ملازمت کی اور پھر میری شادی ہوگئی شادی کے بعد بھی نئے افق پبلی کیشنز سے رابطہ قائم رہا اور لکھنے لکھانے کا سلسلہ چلتا رہا۔

س: آپ ایک طویل عرصے تک ادبی منظر سے غائب بھی رہیں اس کی کیا وجہ تھی؟

بس شادی کے بعد مصروفیات بدل گئیں اور باقاعدہ ایک گھریلو زندگی کا آغاز ہوا جہاں سسرال شوہر اور بچوں کے علاوہ کوئی اور دلچسپی نہیں رہی تھی میں نے وہ ذمہ داریاں

خوش اسلوبی سے ادا کی اس عرصے میں بھی نئے افق پبلی کیشنز کے لیے لکھتی رہی ملازمت نہیں کی لیکن فری لانسر کام جاری رہا پھر شادی کے چودہ سال بعد میرے شوہر کا انتقال ہوگیا اور ساری ذمہ داری مجھ پر آپڑی تب میں نے ملازمت کی اور ایک انگلش میڈیم اسکول میں وائس پرنسپل کی حیثیت سے ذمہ داریاں سنبھالیں۔ اتفاق کی بات ہے کہ وہ اسکول بھی اس علاقے میں کوسٹ گارڈز کا پہلا اسکول تھا جب ہمارا اپائمنٹ ہوا تو وہاں کوئی ایڈمیشن نہیں ہوا تھا اور پھر اٹھارہ سال کی محنت کے بعد آج وہ علاقے کا بہترین اسکول ہے اور ایک ہزار اسٹوڈنٹس تعلیم حاصل کر رہے ہیں میں چار سال پہلے وہاں سے ریٹائر ہوئی ہوں اور اب دوبارہ لکھنے کا آغاز کیا ہے۔

س: اب تک آپ کے کتنے ناولز آچکے ہیں؟

ناولز تو بے شمار لکھے ہیں جو رسالوں میں طویل ناول کے طور پر بعض میں قسط وار چھپ چکے ہیں لیکن ابھی کتابی شکل میں نہیں آئے ہیں ویسے میری بچوں کی کہانیوں کی ایک کتاب جلد ہی آنے والی ہے اس کا نام کتابوں کا مقدمہ ہے اس میں بچوں کے لیے سبق آموز کہانیاں جو مختلف رسالوں میں چھپی تھیں اور انہیں خاصی پزیرائی ملی تھی ان میں سے کچھ انعام یافتہ بھی ہیں۔

س: لکھنے کے علاوہ آپ کے اور کیا مشاغل ہیں؟

مجھے اچھے اور نت نئے کھانے پکانے کا شوق ہے اس کے علاوہ کڑھائی، پینٹنگ، مکرامے، بنانے کا بھی شوق ہے میں اپنے زیادہ تر کپڑے خود ہی ڈیزائن کرتی ہوں۔

س: آپ شاعری بھی کرتی ہیں اس کا خیال کیسے آیا؟

بس جب سے نثر لکھ رہی ہیں تب ہی سے شاعری بھی کر رہی ہوں دراصل نثر نگاری، شاعری، مصوری، اداکاری یہ سب اظہار کے ذریعے ہیں جو سب نے اپنی پسند سے منتخب کیے ہوتے ہیں اور اپنی سوچ، جذبات اور رجحانات کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔

س: اب تک آپ نے جتنی بھی تخلیقات کیں ان میں سب سے زیادہ مزہ کس تخلیق میں آیا۔

مجھے جدوجہد آزادی کی کہانیاں لکھنے میں زیادہ مزہ آیا جو میں نے عراق، شام، کشمیر اور پاکستان پر لکھیں اور یہ سب حقائق پر مبنی ہیں اس کے لیے میں باقاعدہ ریسرچ کر کے میٹر جمع کرتی ہوں اور پھر کہانی میں ڈھالتی ہوں اس کے علاوہ بچی کہانیاں، افسانے، ناولز اور نان فکشن جن میں ہارر، سسپنس، تھیلر شامل ہیں۔

س: کسی رسالے میں مستقل بھی لکھتی ہیں؟

جی ہاں، نئے افق میں ہر ماہ ایک کہانی دینا ہوتی ہے یہ اقبال بھٹی صاحب کا حکم ہے جسے میں رد نہیں کرسکتی اور یہ ان کی محبت ہے کہ وہ اور طاہر قریشی مجھے اس قابل سمجھتے ہیں۔

س: آپ اپنی بیاض سے کچھ اچھے اشعار عنایت کریں گی؟

ہاں کیوں نہیں میں نے پچھلے ماہ ایک حمد کہی جو مجھے بہت پسند ہے اور سوشل میڈیا پر تو لوگوں نے اسے بہت پزیرائی دی ہے۔

تمہیں کیا کیا بتاؤں
میرے رب کی اک نشانی ہے
ہوا مٹی سمندر
سب پہ اس کی حکمرانی ہے
وہ حضرت نوح کی
کفار سے ایسے بچاتا ہے
فرشتے بھیج کے
کشتی بنانا خود سکھاتا ہے
اگر دریا
کبھی حد سے گزرتے ہیں
بھینٹ لیتے ہیں
عمرؓ کے لکھے پیغام خدا پر

بہنے لگتے ہیں
تمہیں کیا کیا بتاؤں
میرے رب کی اک نشانی ہے
ہوا، مٹی، سمندر
سب پہ اس کی حکمرانی ہے
وہ موسیٰ کو فتح دیتا ہے
فرعون کو ڈبوتا ہے
اس کے حکم سے تو نیل
خود رستہ بناتا ہے
جو کلمہ لکھ کے ڈالو تو سمندر
ساتھ دیتے ہیں
ہوا چلتی ہے دشمن کانپتے ہیں
رخ بدلتے ہیں
تمہیں کیا کیا بتاؤں
میرے رب کی اک نشانی ہے
ہوا، مٹی، سمندر
سب پہ اس کی حکمرانی ہے

ایک نظم

تتلیاں قید تھیں مقدر کی
ان کو آزاد کر دیا میں نے
آؤ نیکی کا حق ادا کر دو
سب کو رستہ دکھا دیا میں نے
زندگی ان کو دان کر رہی ہے
دوست کیا برا کیا میں نے
تم چلے آؤ نقش پا یہ میرے
تم کو چلنا سکھا دیا میں نے
زرین کہتے ہیں لوگ ہرجائی
تم کہو ایسا کیا، کیا میں نے

ایک اور حمد

روز ازل کچھ بھی نہ تھا
بس میرے رب کی ذات تھی
ہر سمت نور نور تھا
اور نور کی برسات تھی
اس نور سے اللہ نے
پیدا کیا اپنا نبی
ذات نبی ہی وجہ
تخلیق کائنات تھی

ایک نظم کتابیں تو کتابیں

کتابیں تو کتابیں ہیں
کتابیں روٹھتی ہیں
پیار کرتی ہیں
کبھی ناراض ہوتی ہیں
وہ مجھ کو دیکھتی ہیں
یاد کرتی ہیں
مجھے سیراب کرتی ہیں
بلاتی ہیں کبھی فریاد کرتی ہیں
وہ کیا دن تھے
کتابوں کا جھمیلا تھا
کبھی زانو پہ گودوں میں
انہی کا ایک میلا تھا
کبھی سینے پہ رکھ کے
خواب میں ہم کھو سے جاتے تھے
کبھی ہاتھوں میں پکڑے
دوستوں سے دل لگاتے تھے
کہ پڑھنے کے بہانے
مہ رخوں سے ملنے جاتے تھے
کتابوں کا گرانا پھر اٹھانا
اک بہانہ تھا
وہ ان کے ساتھ میری دوستی کا
کیا زمانہ تھا

وہ اب ناراض رہتی ہیں
مجھے بس تکتی رہتی ہیں
مہینوں ان کو چھونے کی
مجھے فرصت نہیں ہوتی
گرانے کی، اٹھانے کی
کبھی چاہت نہیں ہوتی
اور اب تو اک کلک پر
مہ رخوں سے بات ہوتی ہے
ہزاروں فاصلوں پر بھی
لگی بارات ہوتی ہے
بس اب اس اک کلک پر
ساری دنیا گھوم لیتا ہوں
ہزاروں علم کے دریا
ذرا میں رول لیتا ہوں
مرا لیپ ٹاپ ہی اب میری
نالج کا سہارا ہے
کہ اس نے زندگی کو اس طرح
میری سنوارا ہے
مگر جب بھی کبھی کھولوں
کتابیں مسکراتی ہیں
گئے لمحوں کے سوکھے پھول
وہ مجھ کو دکھاتی ہیں
انہی پھولوں کی خوشبو سے
مہکتی، گنگناتی ہیں
میرے محبوب کی تصویر
یوں مجھ کو دکھاتی ہیں
کتابیں میری ساتھی ہیں
مجھے محسوس کرتی ہیں
وہ میری ہیں
مری ہم راز ہیں
اور بچی ساتھی ہیں
کتابیں تو کتابیں ہیں
کتابیں روٹھتی ہیں
پیار کرتی ہیں

ماں

بس ترے واسطے ہی رب نے بنایا ہے اسے
درد دل دے کر محبت سے سجایا ہے اسے
پھوار جھرنوں کی مہک پھولوں کی اس نے پائی
اس کے لہجے میں مٹھاس ایک عجب سی آئی
پیار ہی پیار سجایا ہے اس کی بانہوں میں
فرش بھی کانپ سا جاتا ہے اس کی آہوں میں
ماں وہ ہستی ہے کہ جو پیار پیدا کرتی ہے
اپنے بچوں کے لیے رب سے دعا کرتی ہے
اس کو لوگوں کی نظر بد سے بچا کر رکھنا
اپنے دل کے کسی گوشے میں چھپا کر رکھنا
جب مصیبت ترے سر پر کوئی منڈلاتی ہے
تیز ہوا چل کے ترے بالوں کو بکھراتی ہے
ڈھال بن جاتی ہے ماں اک تری چاہت کے لیے
ہر طرف باڑ لگاتی ہے حفاظت کے لیے
جو اسے چھوڑ کر تم آگے نکل جاؤ گے
ہاتھ ملتے ہوئے اس دنیا میں رہ جاؤ گے
ایسی ہستی کہیں دنیا میں نہیں پاؤ گے
یاد رکھو اسے کھو کر بڑا پچھتاؤ گے
آؤ میں تم کو بتاتی ہوں سمجھنا سیکھو
اسے چوم و اسے آنکھوں سے لگانا سیکھو
وہ جو ایک ماں ہے برا تو نہیں کہہ پائے گی
ہاں دعاؤں ہی سے دامن تیرا بھر جائے گی

دعائیہ نظم برائے آنچل

آؤ خوشیاں منائیں آنچل کی
محفلیں ہم سجائیں آنچل کی

یوں غزل گنگنائیں آنچل کی
سکھیاں سب جھوم جائیں آنچل کی
رنگ برنگ پھول ہر طرف بکھریں
ہوں معطر فضائیں آنچل کی
اس کی شہرت کی ایسے دھوم مچے
گونجیں ہر سو صدائیں آنچل کی
کھل اٹھیں سب کے دل کی امیدیں
کلیاں یوں مسکرائیں آنچل کی
ہوں زباں پر سبھی کے تعریفیں
یوں ہوں روشن فضائیں آنچل کی
میرا اللہ اس کو عزت دے
زرین کی سب دعائیں آنچل کی

غزل

میری طرف آنے سے پہلے مجھ کو تو بتلانا تھا
کیوں چپکے سے آئے تم کیا میرا گھر ویرانہ تھا
آپ جسے کہتے ہیں الفت کہہ لیجیے حق آپ کو ہے
ورنہ میرے محبوب حقیقت یہ ہے دل بہلانا تھا
کیوں آئے تم میری طرف پھر قدموں کی بوجھل چاپ کے ساتھ
زخم کے ٹانکے توڑنے والے جاکر پھر نہ آنا تھا
صبح کی روشن دیوی مجھ کو لاکھ صدائیں دیتی رہی
لیکن تیری یاد کا عالم ہوش کے پھر آنا تھا
ایک تڑپتی آس سہی زریں کے لیے سرمایہ ہے
جس کی خاطر ذرہ ذرہ روز ازل دیوانہ تھا

س: آپ کی نظر میں ادب کیا ہے؟

ادب کسی بھی زبان کا تحریری سرمایہ ہوتا ہے اس کی کچھ خصوصیات ہوتی ہیں ادب میں تحریر میں اس بات کو ملحوظ رکھا جاتا ہے کہ جمالیاتی مسرت، حیات و کائنات اور فرد کے بارے میں ایسی آگہی دینا جس سے قاری کے قلب و ذہن کو جلا ملے یعنی جس تحریر میں احساس، جذبے، تاثر اور تخیل کی کارفرمائی کے ساتھ اسلوب کی خوب صورتی بھی موجود ہو وہ ادب کے زمرے میں آئے گی یوں کہہ لیجیے کہ زبان کو نکھار، سنوار کر لکھنا اور بولنا ادب ہے اس نکھار سنوار کو آپ جمالیات کا نام دے لیں یا شائستگی اور شگفتگی کہہ لیں۔

س: ادب کا مقصد کیا ہے؟

میرے خیال میں مقاصد تو سب کے اپنے اپنے ہوتے ہیں لیکن ایک مشترکہ نکتہ یہ بیان کیا جاسکتا ہے کہ اپنی بات موثر انداز میں دوسروں تک پہنچانا۔

س: آپ کے خیال میں موجودہ لکھنے والوں میں کون اچھا ادب تخلیق کررہا ہے؟

ہر لکھنے والے کا اپنا اپنا الگ انداز ہے، ہم اپنی پسند کے مطابق کسی کے ادب کو اچھا یا برا نہیں کہہ سکتے بلکہ یہ دیکھنا ہوگا کہ مجموعی طور پر قارئین کسے اچھا ادیب مانتے ہیں اور کس کی تخلیقات کو ادب میں مقام حاصل ہے ہماری بد قسمتی ہے کہ اس کا فیصلہ ہمارے معاشرے میں ادب تخلیق کرنے والے کی زندگی میں نہیں ہوتا بلکہ اس کے مرنے کے بعد قصیدے پڑھے جاتے ہیں اپنی رائے اس سلسلے میں محفوظ رکھنا چاہتی ہوں۔

آغوش مادر

اقرأ جٹ

تو میری سانسوں کی دھڑکن تو میری خوش بو کا نام
تجھ سے ہے عزت میری تجھ سے ملا ہے احترام
تیرے لب سے جو نکلتی ہے دعا مقبول ہے
مانگتی ہوں تجھ سے میں، تیری خوشی کا انتظام
جس کو ملی تیری دعا جنت کا وہ حقدار ہے
جس کو ملی ہے بددعا تیری، دوزخ اسی کا ہے مقام
بیت جائے عمر میری تیری خدمت میں تمام
میری ہر تکلیف میں بے چین ہوجانا تیرا
میں ادا کیسے کروں کلمات میں تیرا مقام
دیکھ لے جو میری آنکھوں میں جھلک تکلیف کی
نیند اڑ جائے تیری اور ختم ہوجائے آرام
کاش میں پورا کروں تو مجھ سے جو خواہش کرے
تجھ تلک آنے نہ دوں میں تھام لوں تیرے آلام
یا الٰہی ہمیں رہے حاصل ہماری ماں کی دعا
ہمارے سروں پر ان کی شفقت کا رہے سایہ دوام

رات کا آخری پہر دھیمے دھیمے طلوع سحر کی جانب گامزن ہے الفاظ کا جوڑ توڑ اور رات کی پر فسوں خاموشی دونوں مل کر الفاظ کو بھلے انداز میں مرتب کرنے پر میرے معاون ثابت ہو رہے ہیں پورے عالم پر چھائی ہوئی نامعلوم سی سکوت کی دبیز چادر میرے احساسات میں طلاطم خیز موجوں کو جنم دے رہی ہے انہی احساسات کی طلاطم خیز لہروں سے الفاظ ٹکراتے ہوئے صفحہ قرطاس پر بکھرتے جا رہے ہیں میرے قلب وجگر میں جاگزین آغوش مادر پر بنی ہوئی موتیوں کی مالا کب سے منتظر ہے کہ کب میں اسے لفظوں کی مالا میں ڈھالوں گی مگر قلت وقت کا رونا کچھ اپنی غیر مستقل مزاجی ایک لمبے وقت سے میرے ارادوں کو منقطع کرتی آ رہی ہے مگر آج دل ناداں کو ڈپٹتے ہوئے قلت وقت اور غیر مستقل مزاجی سے عارضی چھٹی لے کر آغوش مادر کے سلسلے میں اپنے احساسات کی ترجمانی ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں کرنے کے لیے اپنی پیاری بہنوں کی خدمت میں حاضر ہوں عزیزی حجاب کائنات کا سب سے خوب صورت رشتہ اور حسین شخصیت ماں ہے پریم نگر حجاب کسی نے نقطہ اٹھایا ماں کیا ہے؟ قدرت نے کہا۔ میری جانب سے قیمتی اور نایاب تحفہ، استاد نے کہا ایک ایسی ہستی جو اولاد کے لیے ایک بہترین درسگاہ ہے جنت نے کہا اتنی عظمت والی ہستی کہ میں اس کے قدموں تلے ہوں شاعر نے کہا ایک ایسی غزل جو سننے والے کو رلا دے۔ دل نے کہا ایک ایسی راز داں ہستی جس کا قلب محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہے آغوش مادر ہی بچوں کی اصل درسگاہ ہے جو باقی درس گاہوں سے جداگانہ منفرد و ممتاز ہے خوش نصیب ہیں وہ عورتیں جو ماں کہلواتی ہیں کہتے ہیں کہ عورت مکمل تب ہوتی ہے جب وہ ماں بنتی ہے۔ ماں دنیا کی وہ واحد ہستی ہے جس کی لغت میں اولاد کے لیے ناراضگی کا لفظ ہی موجود نہیں اس کی خود ساختہ ناراضگی میں بھی اولاد کے لیے بے پناہ چاہت اور اولاد کی بھلائی پوشیدہ ہوتی ہے من موہنے حجاب ماں کی محبت تو آسمان کی وسعتوں کو چھو لیتی ہے ماں وہ واحد ہستی ہے جب یہ فرش پر چلتی ہے تو اس کی آہٹیں عرش سے آتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں ماں مجھے الفاظ سے کھیلنا نہیں آتا مگر اتنا ضرور کہوں گی کہ میری کامیابیوں کا راز تیری دعاؤں میں پنہاں ہے بقول شاعر

گر پیار کرتا ہے نیازی زمانہ مجھ سے
یہ میری ماں کی دعاؤں کا اثر لگتا ہے

آغوش مادر ظل شجر ہے تپتے صحرا میں آغوش مادر وہ احساس جو کہ روح کی تسکین، آنکھوں کی ٹھنڈک، دل کا چین، سانسوں کا قرار اور وہ انمول نگینہ ہے جس کی دنیا میں کوئی قیمت نہیں ہے وہ ہستی جو صبر و تحمل، ایثار و قربانی، شفقت و محبت کا انمول نمونہ ہے وہ دعا جو کہ دل کا سفینہ رحمتوں کا خزینہ جو رد نہ ہو عرش بریں سے وہی بے مثال قرینہ ہے وہ جزا ہے جس کا کوئی نعم البدل نہیں وہ جیون جس کے بغیر جینا تو زندگی بھی زندگی نہیں بوعلی سینا نے کہا اپنی زندگی میں محبت کی سب سے اعلیٰ مثال میں نے اپنی ماں کی صورت میں دیکھی ہے جب سیب چار تھے اور ہم پانچ تھے تب میری ماں نے کہا مجھے سیب پسند ہی نہیں، ماں وہ ہستی ہے جو اپنے بچوں میں تفریق کے نام سے ہی نا آشنا ہے آغوش مادر تاریکی میں روشنی کا اضطرابی کیفیت میں اطمینان کا دوسرا نام ہے ماں تیری عظمت کو یہ خاک ساری کامنی لڑکی لفظوں کے جلو میں بیان کر ہی نہیں سکتی دنیا کی جتنی لائبریاں ہیں ان میں جتنی کتابیں ہیں اور ان کتابوں میں جتنے الفاظ مقید ہیں اگر تیری عظمت پر لکھوں تو یہ بھی کم پڑ جائیں مگر تیری توصیف بیان پھر بھی نہ ہو پائے ماں بہت قیمتی اثاثہ ہے ان کی قدر ان کو ہی ہوتی ہے جو اس کی شفقت سے محروم ہو چکے ہیں اور جو نہیں اس ثمر والے شجر کے سائے تلے زندگی کے لمحات کو جی رہی ہیں ان سے اتنا ہی کہوں گی عزیزی بہنوں

ہمیشہ ماں باپ کی خدمت کرو
کتنے روز یہ بوڑھے شجر نہیں معلوم

اب اجازت چاہوں گی میں اپنی فیملی حجاب سے دعائیہ کلمات کے ساتھ اللہ پاک ہم سب کی ماؤں کو قیامت کی سحر ہونے تک حیات و جاوداں رکھے ان کو ہماری جانب سے دلی سکون و عافیت عطا فرمائے اور ان کی صحت و تندرستی کی نعمت سے مالا مال کرے، آمین۔

اقراٗ جٹ

میری ماں میری پیاری ماں
تجھ پر دل جاں ہیں قرباں

ماں کا وجود اس دنیا میں ہمارے لیے بہترین سہارا ہے ماں خود گیلے پر سو کر اپنے بچے کو سوکھے پر سلاتی ہے خود بھوکی رہ لیتی ہے پر اپنے بچے کا پیٹ بھر دیتی ہے ہر اذیت دکھ خود سہتی ہے اور اپنے بچے پر آنچ نہیں آنے دیتی ماں اپنے بچے کو خود ڈانٹ لیتی ہے تاکہ اس کے لخت جگر کو کوئی دوسرا او جو دنہ ڈانٹے ماں کا احسان کوئی نہیں دے سکتا ماں کی دعائیں انسان کو عروج پر پہنچا دیتی ہیں ماں کی بد دعا آسمانوں کا کلیجہ چیر دیتی ہے میری ماں بھی دنیا کی عزیز ترین ماؤں میں سے ایک ہے جو ہمارے حق کی خاطر لڑتی ہے سب خود سہہ لیتی ہے مگر ہمیں اف نہیں کہنے دیتی آئی لو یو سوچ امی جی دنیا میں جب سب رشتے ساتھ چھوڑ جاتے ہیں پھر بھی ان کا رشتہ ساتھ ہوتا ہے ماں کی دعا کامیابیوں کا راز ہوتی۔ ماں کی محبت سمندر کی گہرائی سے زیادہ گہری ہوتی۔ ریت کے ذروں سے زیادہ اور پھول سے زیادہ تر و تازہ، لطیف اور خوش بودار ہوتی ہے ماں کی خوب صورتی اس کی محبت ہے اور میری ماں دنیا کی خوب صورت ماں ہے (محمد علی جوہر) ماں کی آغوش انسان کی پہلی درسگاہ ہوتی ہے ہر مصیبت، دکھ درد غم و تکلیف میں جو سب سے پہلے یاد آتی ہے وہ ماں ہوتی ہے ماں کو یاد کرنے سے اسے خوش رکھنے سے دلی سکون ملتا ہے

ماں کی خوشنودی دنیا میں باعث عزت اور آخرت میں باعث نجات ہے (شیخ سعدی) جب ہمارے پاس ماں جیسا انمول، بے مثال تحفہ موجود ہو تب ہم ان کی قدر نہیں کرتے ان کی دعائیں نہیں لیتے، بوڑھے ہونے پر انہیں سڑکوں پر اولڈ ہومز میں منتقل کردیتے ہیں اور یہ ہماری بدقسمتی ہے ماں کی نافرمانی خدا کو سخت ناپسند ہے ماں کی نافرمانی کرنا کبیرہ گناہوں میں سے سب سے بڑا گناہ ہے (حدیث نبوی ﷺ) ماں کے بغیر گھر ایک قبرستان کی مانند معلوم ہوتا ہے جب مائیں اس دنیا سے رخصت ہوجاتی ہیں لوگ بے چین ہوجاتے ہیں انہیں سکون نہیں ملتا کیونکہ ان کے لیے کوئی ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے والا نہیں ہوتا ماں کا غصہ ہمارے لیے بہت فائدہ مند ہوتا ہے ان کے پیار کا ایک حصہ ہوتا ہے ماں کا دامن ساون کی طرح ہوتا ہے ماں کا آنچل دھوپ میں بادل کی طرح ہم پر موجود ہوتا ہے ماں کا رتبہ بہت بلند ہے ماں چاہے ان پڑھ ہو مگر پوری زندگی کا سبق سکھاتی ہے، دنیا کی ٹھوکروں، ہواؤں سے ہمیں بچاتی ہے جن کی مائیں موجود ہیں خدارا ان کی خدمت کریں ان کا لمس، شفقت محسوس کریں، ماں کی محبت کو محسوس کریں ماں کی خدمت کریں ہر گناہ کی معافی مل جائے گی۔

ترجمہ: اور ہم نے انسان کو حکم دیا اپنے ماں باپ سے بھلائی کرے۔''

ماں کی نافرمانی کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا (حدیث نبوی ﷺ)

میری طرف سے ہر ماں کو اس کی عزت وعظمت کو سلام۔ میری دعا ہے کہ اللہ رب العزت سب کے والدین کو صحت وتندرستی عطا فرمائے ان کا سایہ ان کے بچوں پر ہمیشہ قائم رکھے، آمین۔

میری ماں بہت اچھی عظیم ماں ہیں میری ڈھیروں دعائیں اپنی امی جان کے لیے میری پیاری ماں اللہ پاک آپ کو ہمیشہ خوش رکھے اور لمبی زندگی عطا فرمائے اور کبھی کسی کا محتاج نہ کرے آمین لکھنا بہت کچھ چاہتی ہوں مگر لکھ نہیں پا رہی اتنی بڑی ہستی کے لیے میرا قلم چاہے جتنا بھی لفظ ''ماں'' کے لیے لکھ لے حق پھر بھی نہیں ادا کرسکتا۔ جگ جگ جیو میری امی جان اللہ حافظ۔

ماں دل کی راحت ہے
ماں جنت کا راستہ ہے
ماں مہکتا آنچل ہے
ماں انمول ہستی ہے
ماں رہبر و رہنما ہے
ماں کی محبت
سمندر کے پانی اور گہرائی سے بھی زیادہ ہے
ماں کی محبت ریت کے ذروں سے بھی زیادہ ہے
ماں کی محبت صحرا میں سمندر ہے
ہر ماں کو
میرا سلام میرا پرخلوص سلام

سالگرہ کا دن آیا ہے

ندا رضوان

۱:۔ ”ہر بول تیرا دل سے ٹکرا کے گزرتا ہے۔“ کے بقول حجاب کی کہانی یا نظم کا کوئی مصرعہ، کوئی اچھی بات جو آپ کے دل میں اتر گئی ہو۔

۲:۔ مستقل سلسلوں میں آپ کا پسندیدہ سلسلہ کون سا ہے اور اگر تبدیلی چاہتی ہیں تو کیسی تبدیلی اور نیا سلسلہ کون سا ہو؟

۳:۔ اس سال حجاب کی بہترین تحریر آپ کی نظر میں کون سی رہی؟

۴:۔ شاعر و ادیب میں سے کسی کا انٹرویو جسے آپ حجاب کے صفحات پر پڑھنا چاہیں؟

۵:۔ آئندہ آنے والے ماہ و سال میں کس رائٹر کو حجاب میں پڑھنا پسند کریں گی؟

۶:۔ حجاب کی تمام مصنفین یا بالخصوص کسی ایک کے لیے آپ کا پیغام۔

☆......☆......☆......☆

نور المثال شہزادی...... کھڈیاں قصور

☆ پروین شاکر کی شاعری اچھی لگتی ہے اس کے علاوہ میں نے ایک انتخاب شدہ نظم بھیجی تھی وہ شائع ہوئی بہت اچھی لگی۔

☆ مستقل سلسلوں میں انٹرویو والا سلسلہ اچھا لگتا ہے اس کے علاوہ حجاب میں در جواب آں والا سلسلہ ہونا چاہیے۔ تبدیلی تو کوئی نہیں چاہتی اس کے علاوہ سیرت الصحابیاتؓ کے نام سے سلسلہ شروع کیا جائے، جس میں صحابیاتؓ کی سیرت بیان ہو۔

☆ حجاب کی بہترین تحریر ”الفت دیوتا“ لگی۔

☆ عمیرہ احمد۔

☆ ام مریم نازیہ کنول نازی، نمرہ احمد۔

☆ رائٹرز اصلاحی کہانیاں لکھیں۔

صائمہ سکندر سومرو...... حیدرآباد سندھ

السلام علیکم! قارئین حجاب ولکھاریوں اور حجاب کی پوری ٹیم آپ سب کو دل کی گہرائیوں سے پیارے راج دلارے حجاب کی دوسری سالگرہ بہت بہت مبارک ہو اللہ پاک حجاب کو سلامت رکھے اور آپ سب کو بھی سدا صحت سے بھرپور زندگی کے ساتھ خیر و عافیت سے سلامت رکھے۔ ادارہ نئے افق پبلشر سدا کامیابیوں اور کامرانیوں کا سفر طے کرتا جائے نئے افق آنچل وحجاب کو دن دگنی رات چوگنی ترقی دے آمین۔ اب آتے ہیں سروے کی جانب جس کے سوالات بہت ہی عمدہ اور مزے کے ہیں۔

☆ کچھ لوگوں کی صرف دعائیں ہی آپ کا زاد راہ ہوتی ہیں کہ چاہتے ہوئے بھی وہ آپ کے قدم سے قدم ملا کر نہیں چل سکتے۔ کیوں کے یہ بات نہیں کہ وہ آپ کے ساتھ چلنا نہیں چاہتے بلکہ اس لیے کہ ان کا ساتھ آپ کے سفر کو مزید مشکل بنا سکتا ہے۔ ناول ”موسم گل آنے کو ہے“ از ام ایمان قاضی کے یہ الفاظ دل میں اتر گئے۔

☆ مستقل سلسلوں میں عالم میں انتخاب بہت پسند ہے۔ تبدیلی تو نہیں باقی نیا سلسلہ دوستوں کے نام پیغامات کا سلسلہ اگر شروع کیا جائے تو بہت اچھا رہے گا۔

☆ اس سال کی بہترین کہانیاں ریحانہ آفتاب کی ”کچھ مینوں مرن دا شوق وی سی“ صائمہ قریشی کا ”لائف ان پاگل خانہ“ سمیت نائلہ طارق کا سلسلے وار ناول لگا مجھے تو۔

☆ عمیرہ احمد۔ ریحانہ آفتاب۔ راشد ترین اور بھی بہت سارے نام ہیں لکھنے بیٹھوں گی تو لسٹ لمبی ہو جائی گی۔

☆ آئندہ آنے والے ماہ و سال میں سعدیہ امل کاشف اور نازیہ کنول نازی کو لازم پڑھنا چاہتی ہوں۔

☆ تمام مصنفین سے گزارش ہے کے ہمارے

معاشرے میں بڑھتی ہوئی مغربی اور پڑوسی ملک کی غیر ضروری رسموں کو بھی زیرِ قلم لائیں جو غریبوں کے لیے وبالِ جان اور سرمایہ کاروں کے لیے تفریحی پروگرام بنتی جارہی ہیں۔

عروج رشید...... چک ہمتہ لودھراں

میری طرف سے مدیرہ، طاہر بھائی، سعیدہ آپا، اور ادارے کے تمام کارکنان کو حجاب کی برتھ ڈے مبارک ہو۔ ہمیشہ ایسا ہی ہنستا مسکراتا گنگناتا ہوا پرچہ ہمارے سامنے آتا رہے، آمین۔

☆ مجھے ذکر اس پری وش کا پڑھ کر بہت مزہ آتا ہے۔ سارے سلسلے اچھے ہیں، اگر ہوسکے تو ایک افسانچے کا سلسلہ بھی شروع کریں، اس طرح زیادہ لکھنے والوں کو موقع ملے گا۔

☆ میری نگاہ میں اس سال کی سب سے بہترین تحریر، صدف آصف کا سلسلہ وار ناول دل کے دریچے رہا، بہت ہی منجھے ہوئے انداز میں لکھی ہوئی محبت کی پر اثر کہانی جس کی ہر قسط لاجواب ہے۔

☆ مجھے شاعری سے تو بہت خاص دلچسپی نہیں ہے، لکھاریوں میں مجھے عمیرہ آپی کا انٹرویو پڑھنے کا شوق ہے

☆ میں نئے پرانے سارے ہی لکھنے والوں کو پڑھنا چاہوں گی مگر خاص طور پر حیا بخاری، اقبال بانو، سویرا فلک، نائلہ اور صدف آصف کو پڑھنا چاہوں گی۔

☆ میرا پیغام اقبال بانو، ندا حسنین اور صدف آصف کے لیے ہے کہ یہ خاص طور پر حجاب کے لیے کوئی طویل ناول لکھیں۔

سائرہ راؤ...... دنیاپور

رفعتیں اور بلندی بھی تجھ پہ ناز کرے
تیری یہ عمر خدا اور بھی دراز کرے
حسین چہرے کی تابندگی مبارک ہو تجھے حجاب
یہ سالگرہ کی خوشی مبارک ہو

مجھے آنچل و حجاب شروع سے ہی بہت پسند ہیں، ان میں چھپنے والی سبق آموز کہانیوں اور دلچسپ فن پاروں نے ہمیشہ میرے لیے ایک دوست کا کام کیا۔ اسی لیے میرے اور میرے گھر والوں کی جانب سے حجاب کو دوسری سالگرہ کی بہت بہت مبارک باد قبول ہو۔

اب آتی ہوں سروے کی جانب......

☆ مجھے تو حجاب کے سارے ہی سلسلے پسند ہیں، ہاں ایک چیز میں چاہتی ہوں کہ آپ حجاب اور آنچل رائٹرز سے سوال جواب کا ایک ایسا سلسلہ شروع کریں، جس میں ان کی زندگی کے حوالے سے بات چیت ہو۔

☆ مجھے حجاب میں چھپنے والے قسط وار ناول "دل کے دریچے" کے ایک کردار فائز نے بہت زیادہ متاثر کیا ہے۔ دنیا میں مردوں کی وفا کی ایسی مثال کم دیکھنے میں آتی ہے مگر جس طرح سے اس نے اپنی محبت کی قربانی دے کر کزن سفینہ کو رسوائی سے بچایا ہے اس نے دل پر گہرا اثر چھوڑا۔ فائز کا کردار ناقابلِ فراموش ہے۔

☆ ویسے تو بہت ساری کہانیاں، ناولٹ اور ناول مجھے پسند آئے مگر میں سال کی بہترین تحریر کے لیے صدف آصف کے ناول "دل کے دریچے" کا نام دوں گی۔ جواب اختتام کی جانب ہے مگر اتنے مکمل انداز میں لکھا گیا کہ کوئی تشنگی باقی نہ رہی۔

☆ وصی شاہ، عالیہ بخاری۔

☆ صدف آصف، اقبال بانو، رفعت سراج، نازیہ کنول نازی، تمثیلہ زاہد، سحرش فاطمہ، عالیہ بخاری، ندا حسنین، نگہت عبداللہ۔

☆ میں حجاب کی تمام لکھاریوں کے لیے نیک خواہشات کا اظہار کرتی ہوں ایسا ہی اچھا اچھا لکھتی رہیں۔

نرمین سرھیو...... حیدرآباد

حجاب کی آمد لکھاریوں اور قارئین کے لیے خوش آئیند رہی بلکہ ہمیں رائیٹرز کی مزید تحریریں پڑھنے کا موقع ملتا رہتا ہے۔

☆ حجاب میں سعدیہ عابد کے انٹرویو میں ایک جملہ اچھا لگا تھا' جملہ تو یاد نہیں اب۔

☆ مستقل سلسلوں میں رفاقت جاوید کا پروین شاکر کے بارے میں بتانا سب سے پسندیدہ ہے۔ میرا خیال ہے کہ اگر مائیکرو فکشن اور سو لفظی کہانیوں کے لیے بھی سلسلہ ہو تو اچھا رہے گا۔ تبدیلی یہ چاہتی ہوں کہ شاعروں بچاروں کو تو کوئی پوچھتا نہیں تو اگر آنچل میں ہر ماہ جو نظمیں غزلیں لگتی ہیں ان میں سے سب سے اچھی غزل' نظم بھیجنے والی کو گفٹ بھجوایا جائے تو...... اچھا رہے گا۔

☆ ایک رائٹر کی وہ تحریر جس میں ہیرو اپنی بیکری کھولتا ہے اور ہیروئین کا پہلے جیج ہوتا ہے آنلائن بیکنگ آرڈرز کا پھر وہ ہیرو کی بیکری میں جاب کرتی ہے۔

☆ نیلم بشیر، سمیرا احمید، نمرہ احمد، مدیحہ تبسم، عمیرہ احمد، صائمہ اکرم، فرحت اشتیاق اور بھی بہت سی ہیں کس کس کا نام لوں۔

☆ امِ طیفور، ریحانہ آفتاب، صائمہ قریشی اور بھی بہت سی ہیں۔

☆ کہانیوں سے سیکھیں، انھیں سر پر سوار نہ کریں۔ تنقید کریں لیکن اصلاحی۔ کہانیوں کو نقل نہ کریں بلکہ مدد لیں۔ کوشش کریں ہمت نہ ہاریں۔

رافعہ شاہین......سرگودھا

جب اکتوبر کا حجاب ہاتھ میں آیا تو بہت خوشی ہوئی کیونکہ بہت عرصے بعد دیکھا کیا کریں ملتا جو نہیں تھا اور پتہ چلا کہ حجاب کی سالگرہ ہے حجاب کو سالگرہ بہت بہت مبارک اور اُن تمام لوگوں کو جنھوں نے حجاب کی ترقی کے لیے بہت محنت کی اصل مبارک کے حقدار تو آپ سب ہیں۔

ہمارے تمام رائٹر بہت اچھا لکھتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں لیکن سب سے اچھی تحریریں رہیں صدف آصف آپی کی "دل کے دریچے" اور نادیہ فاطمہ رضوی کی "میرے خواب زندہ ہیں" مکمل ناول بھی بہت اچھے تھے اور تمام افسانے بھی اچھے ہیں۔

شاعری اور غزلیں بھی اچھی تھیں اور رخ سخن میں کیا گیا انٹرویو اچھا تھا بہت اچھے سوال پوچھے گئے اور مزید سباس گل اپیا صبا ایشل اور صدف آصف اپیا کا انٹرویو ہونا چاہیے اور نمرہ احمد کو اور سباس گل اپیا کو بھی حجاب میں لکھنا چاہیے اللہ حجاب کو اور بہت سی ترقی دے اور حجاب کے تمام اسٹاف کو ہمیشہ خوش رکھے

صبا خان......ڈی جی خاں

حجاب کی سالگرہ کا سن کر بہت زیادہ خوشی ہوئی ،وقت کیسے گزر جاتا ہے، پتا ہی نہیں چلتا، مجھے بھی یہ اعزاز حاصل ہے کہ میری ایک کاوش حجاب میں چھپی ہے اور وہ لمحہ میرے لیے بڑا یادگار تھا۔ حجاب میں شائع ہونے والے ناول دل کے دریچے کا ایک جملہ میرے ذہن میں گردش کرتا ہے "انسان بے خبر ہو تو ایسے راستوں پر سے بھی گزرتا چلا جاتا ہے، جس کا اختتام منزل پر نہ ہو، مگر جان بوجھ کر کون بے نشاں راہوں پر چلتا ہے" اس سال حجاب میں چھپنے والے سارے سلسلے وار ناول بہترین ہیں مجھے تو سب ہی لکھنے والے اچھے لکھتے ہیں اور آپ لوگ باری باری سب کا انٹرویو لگا رہے ہیں مگر مجھے صائمہ اکرام چوہدری، نازیہ کنول نازی' طیبہ عنصر، سباس گل اور صدف آصف کا انٹرویو پڑھنا ہے۔ صبا خان کو ہاہاہا۔ مذاق کر رہی تھی مگر سب ہی اچھا لکھ رہے ہیں اس لیے سب کو ہی پڑھنے کی خواہش ہے میں تمام مصنفات کو مبارک باد پیش کرنا چاہوں گی جن کی محنت سے حجاب چمکتا چاند بن گیا ہے۔

ملاقات

ایڈمن پینل

فرح بھٹو

حیدرآباد سے تعلق رکھنے والی فرح بھٹو نئے لکھنے والوں میں بہترین اضافہ ہیں۔انہوں نے اسلامک اسٹڈیز میں ماسٹرز کیا ہے۔دو سال سے باقاعدہ لکھ رہی ہیں۔شاعری اور نثر دونوں انواع پر لکھتی ہیں۔ان کی شاعری کی کتاب ”تو ہے کہ اجنبی“ گزشتہ برس منظر عام پر آئی۔ گزشتہ برس مطالعات افسانہ نگاری کے مقابلے میں ان کے افسانے نے نمایاں پوزیشن حاصل کی اور انہیں اعزازی شیلڈ سے نوازا گیا۔محبت نبی ﷺ کے عنوان سے ایک مقابلے میں انہوں نے ایوارڈ حاصل کیا۔

داستان پبلشرز کے ایک مقابلے میں ان کی تحریر کو سراہا گیا اور اسے پبلش بھی کیا گیا۔اس کے علاوہ آن لائن مقابلوں میں بہت بار انعام جیت چکی ہیں

آنچل حجاب و نئے افق کے علاوہ متعدد خواتین کے رسائل میں اپنی جگہ بنا رہی ہیں۔

یہ تھا فرح بھٹو کا مختصر تعارف۔

ان کے اور ان کی تحریروں کے بارے میں مزید جاننے کے لیے ہمارے آفیشل فورم میں ہمارے ایڈمن پینل نے نئے لکھنے والوں کے انٹرویو کا سلسلہ شروع کرتے ہوئے فرح بھٹو کے انٹرویو کا انعقاد کیا۔جس میں ہمارے قارئین اور لکھاری ممبرز نے ان سے سوالات کیے۔سوال و جواب کا حصہ من وعن قارئین کے لیے پیش کیا جا رہا ہے۔

ماورا طلحہ

سوال: فرح اپنی فیملی اور اپنے بارے میں کچھ بتائیے؟

فرح: 3 دسمبر کو حیدرآباد میں پیدا ہوئی۔میں نے نوبل کڈز اکیڈمی سے ابتدائی تعلیم حاصل کی پھر شاہ لطیف کالج سے ایف ایس سی کیا۔سندھ یونیورسٹی سے اسلامک اسٹڈیز میں ماسٹرز کیا۔

فیملی میں مجھے سب عینی کے نام سے پکارتے ہیں جو مجھے بہت پسند ہے۔الحمدللہ ہم سات بہنیں ہیں اور سب ہی گھر بار والی ہیں۔میں سب سے چھوٹی اور امی کی بے حد لاڈلی ہوں۔ سسرال میں میرے شوہر اور دو بیٹے ہیں۔دو نندیں شادی شدہ ہیں۔اور ساس سسر اب حیات نہیں۔

سوال: فیملی میں بحیثیت لکھاری کیسا رسپونس ملتا ہے؟

جب کنواری تھی تو لکھ لکھ کر ڈائریاں بھرتی رہتی اور امی کو سناتی وہ میری حوصلہ افزائی کرتیں' بہت خوش ہوتیں' ان کی دعاؤں کی وجہ سے آج میں اس مقام تک پہنچی ہوں۔دو بہنیں جو ادب سے دلچسپی رکھتی ہیں ان کو پڑھواتی ہوں' میری بہن آسیہ ابھی تک میری ہر اسٹوری جو ڈائجسٹ میں آتی ہے شوق سے خرید کر پڑھتی ہے اور پھر مفصل رائے دیتی ہے۔میں اپنے سارے آئیڈیاز اسی سے ڈسکس کرتی ہوں' میرے ہزبینڈ بھی میرے لکھنے کو سراہتے ہیں۔میں پانچویں جماعت میں تھی جب پہلا شعر کہا پھر اسی دوران بچوں کی کچھ کہانیاں لکھیں جو مقامی اخبارات میں شائع ہوئیں پھر بس تعلیم پر توجہ تھی تو فارغ وقت میں لکھتی رہتی پر کبھی شائع کروانے کا نہ سوچا۔شادی کے بعد پھر پچھلے سال 2016ء میں میری شاعری کی کتاب ”تو ہے کہ اجنبی“ شائع ہوئی بس پھر اسی سال آنچل میں دو اقساط بھیجیں جو الحمد منتخب ہوگئیں' حوصلہ ملتا گیا الحمدللہ کئی ڈائجسٹ میں کہانیاں شائع ہوئی ہیں' اس کے ساتھ آن لائن نثر اور شاعری کے مقابلوں میں بھی کامیابی نصیب ہوئی۔ادبی افسانہ نگاری کے مقابلے میں ایوارڈ بھی ملا' حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ”محبت مصطفیٰ“ مضمون نگاری میں بھی ایوارڈ ملا۔

عانش سلیم ہاشمی

سوال: آپ کیوں لکھتی ہیں؟ لکھنے کے پیچھے آپ کا کیا مقصد ہے؟

جواب: میں بہت کم گو ہوں اسی لیے لکھتی ہوں تا کہ میرا کتھارسس ہوتا رہے۔

سوال: آپ نے معاشرتی موضوعات پر زیادہ لکھا ہے جیسے آپ کی ایک تحریر پڑھی تھی ”ونی“ کیا ایسے موضوعات پر قلم کشائی کے پیچھے آپ کا مشاہدہ ہے یا صرف روایات سے آگاہی ہے؟

فرح: جب آپ کم بولتے ہیں تو آپ کے اندر الفاظ شور مچانے لگتے ہیں۔ان کو کسی نہ کسی صورت باہر نکلنا ہوتا ہے اور یہ بہت ضروری ہے۔

ونی نام کی کوئی تحریر میں نے نہیں لکھی ہاں قرآن سے شادی کے موضوع پر قلم اٹھایا ہے اس تحریر کا نام ”زر زمین اور زندگی“

ہے جو نئے افق میں پبلش ہوئی۔
سوال: آپ ایک شاعرہ بھی ہیں اور ماشاء اللہ آج کل آپ کی شاعری بھی نظروں سے گزرتی رہتی ہے۔ آپ کے نزدیک شاعری ٹوٹے ہوئے دل کی صدا ہے یا الفاظ کا ہیر پھیر؟
فرح: نہ ٹوٹے دل کی صدا نہ الفاظ کا ہیر پھیر شاعری کسی ایک کیفیت کا نام نہیں ہے یہ تو احساسات کے مجموعہ سے مل کر بنی ہے۔

عائشہ تنویر

فرح بہت ٹیلنٹڈ رائٹر ہیں۔ ان کا انٹرویو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔
سوال: فرح یہ خیال کب آیا کہ آپ لکھ سکتی ہیں؟ سب سے پہلی تحریر کب لکھی اور کیسی تھی؟ سب سے پہلا قاری کون تھا اس کا؟
فرح: پانچویں جماعت میں تھی جب بچوں کی تین چار کہانیاں لکھیں وہ مقامی اخبارات میں شائع بھی ہوئیں پھر کچھ نہ لکھا میٹرک تک ہلکی پھلکی شاعری کرتی رہی پھر نثر کی طرف آئی کہانیاں لکھ کر ڈائریز بھرتی رہتی لیکن کہیں بھیجی نہیں بس شوق تھا یہ فرصت کے لمحات کا۔ پہلی کہانی بچوں کی لکھی تھی پھر بے یقینی سے دیکھتی رہی کہ میں نے لکھی ہے پھر خوشی خوشی بڑی باجی کو سنائی انہوں نے کافی سراہا۔
سوال: آپ کے خیال میں خواتین کے جرائد کا معاشرے اور ادب میں کیا مقام ہے؟
جواب: خواتین کے جرائد کو بہت مقبولیت حاصل ہے۔ ہر عمر کی خواتین ان کو پڑھتی ہیں۔ اس لحاظ سے معاشرے میں ان جرائد کو ایک منفرد مقام حاصل ہے۔ یہ براہ راست گھر بیٹھی ہاؤس وائف، ملازمت پیشہ خواتین اور تعلیم حاصل کرتی لڑکیوں پر اثر انداز ہوتے ہیں رہی بات ادب کی تو یہ ایک عام قاری تک پہنچنے والا سہل ادب ہے۔
سوال: ایک لکھاری کا اس کی تحریر میں کس حد تک عکس نظر آتا ہے؟
فرح: لکھاری تو تحریر میں موجود ہی ہوتا ہے۔ اس کی سوچ کی جھلک کہیں نا کہیں تحریر میں دکھائی دیتی ہے۔

خدیجہ عطا

ماشاء اللہ فرح بہت اچھا لکھتی ہیں۔
لکھاریوں کے انٹرویو کے لیے شروع کیے گئے اس بہترین سلسلے میں ان کا نام دیکھ کر دلی خوشی ہوئی۔
لکھنے لکھانے کے حوالے سے سوالات باقی بہنیں کر چکی ہوں سو میرا پہلا سوال فرح سے یہ ہے کہ آپ کے نزدیک کامیاب زندگی گزارنے کا بہترین اصول کیا ہے؟ وہ اصول بتائیے جس پر آپ خود بھی عمل پیرا ہوں۔
فرح: کامیاب زندگی کے لیے اصول واضع کرنے والی میں کون ہوتی ہوں۔ جس مالک نے زندگی تخلیق کی ہے اسی نے اپنی پاک کتاب قرآن مجید میں کامیاب زندگی کے اصول بیان فرما دیئے ہیں۔ اللہ پر توکل اور اس کی رضا میں راضی رہنا ہی اصل کامیابی ہے۔ میں کوشش کرتی ہوں کہ ان دونوں پر عمل پیرا ہوں۔
سوال: آپ کی اپنی وہ تحریر جو دل کے بہت قریب ہو؟
فرح: ایک تحریر جو ابھی تکمیل کے مراحل میں ہے میرے دل کے بہت قریب ہے۔
سوال: اگر کبھی بہت روانی سے چلتا قلم اچانک رک جائے، الفاظ بیچ راستے میں ہی آپ کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ جائیں تو ایسے میں روٹھے لفظوں کو منانے کے لیے کیا کریں گی آپ؟
فرح: یہ کیفیت مجھ پر وارد ہوتی رہتی ہے۔ قلم رک جاتا ہے الفاظ روٹھ جاتے ہیں اور میں بہت بے چینی محسوس کرتی ہوں۔ روٹھے لفظوں کو منانا آسان نہیں۔ سو میں ان کو روٹھا ہی رہنے دیتی ہوں اور یقین کریں کچھ عرصے بعد خود بہ خود ہی وہ مان بھی جاتے ہیں۔

ریحانہ اعجاز

سوال: فرح بھٹو بے شک آپ ایک آئیڈیل لائف گذار رہی ہیں لیکن پھر بھی زندگی اگر ایک موقع مزید دے تو آپ زندگی سے کیا چاہیں گی......؟
فرح: الحمدللہ زندگی بہت اچھی گزر رہی ہے لیکن خواہشوں کی کوئی حد ہوتی ہے نہ تمناؤں کا کوئی آخری کنارہ۔ انسان بہتر سے بہترین کی چاہ میں بے قرار ہی رہتا ہے اور زندگی ہمیں آخری سانس تک مواقع دیتی رہتی ہے میں چاہوں گی کہ ایک بہت اچھی رائٹر بن کر ابھروں۔
سوال: کیا آپ کوئی ایسا شہرۂ آفاق ناول لکھ پائیں گی جو راتوں رات آپ کو شہرت کی بلندیوں پر لے جائے......اور یہ کہ کس موضوع پر لکھنا چاہیں گی؟
فرح: شہرۂ آفاق ناول چاہ سے تو نہیں قسمت سے لکھا جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے میں کوئی تحریر اس زعم میں لکھوں کہ یہ ضرور بہت پسند کی جائے گی اور لوگوں کو وہ معمولی لگے۔ اس لیے قبل از

وقت سوچنا بیکار ہے میری کوشش اچھا لکھنے کی ہے اور اللہ ان تحاریر کو خود ہی شہرت دے دے گا ان شاء اللہ۔

سوال: ادب میں فن، مزاح، مذاق اور پھکڑ پن میں واضح فرق کیا ہے؟ جس طرح آج کل رشتوں کا یا کسی کی ذات کا مذاق بنا کر قہقہے لگائے جاتے ہیں کیا یہ ادب کے زمرے میں آتا ہے؟

فرح: ادیب کبھی بے ادب نہیں ہوتا۔ جو بے ادب ہو وہ کچھ بھی ہو سکتا ہے پر ادیب نہیں۔

اور ادب میں فن اور مزاح (جو حد میں رہ کر کیا جائے) کے علاوہ کسی مذاق اور پھکڑ پن کی گنجائش نہیں۔

کوثر ناز

فرح کو بطور شاعرہ زیادہ پڑھا ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ اچھی نثر نگار بھی ہوں گی۔

فرح: میں اپنی تحریریں شیئر کرتی رہتی ہوں۔

سوال: اب تک جتنا بھی لکھا اس سفر میں سب سے زیادہ کس نے سراہا؟

فرح: میرے تحریری سفر میں مجھے میری امی کی حوصلہ افزائی اور دعاؤں نے بہت تقویت دی رہی بات سراہنے کی تو میری بہنیں سراہتی بھی ہیں اور اصلاحی تنقید بھی کرتی ہیں۔

سوال: لکھنے کے لئے کوئی مخصوص وقت درکار ہوتا ہے یا جب دل چاہے؟

فرح: میرڈ لائف میں نہ مخصوص وقت دیکھا جا سکتا ہے نہ دل کی چاہت۔ بس جب موقع ملے لکھنا شروع ہو جاتی ہوں۔

سوال: آج کل مشکل الفاظ کا استعمال کرنے والوں کو اچھا ادیب یا اعلیٰ پائے کا نثر نگار کہہ دیا جاتا ہے جب کہ عام قاری کو الف ب تک کی سمجھ نہیں آتی۔

میرے نزدیک ادیب یا لکھاری وہ ہے جسے اکثریت نہ صرف شوق سے پڑھے بلکہ دلچسپی بھی لے...... آپ کیا کہتی ہیں؟

فرح: یہ بات بالکل ٹھیک کہی آپ نے۔

جو سادہ الفاظ عام قاری تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں وہ ان گنجلک الفاظ سے کئی گنا بہتر ہیں جن کو سمجھنے کے لیے لغت کی کتاب کا سہارا لینا پڑے۔ آپ کلاسک ادب کو ہی دیکھ لیں، بہت سادہ پیرائے میں لکھاری اپنی بات قاری تک پہنچا دیا کرتے تھے

طیبہ عنصر

سوال: مصنف کو ہمیشہ ہمہ جہت تحریروں کی تحریک رہتی ہے اور کچھ موضوعات ایسے ہوتے ہیں جو مصنفین کو بے چین رکھتے ہیں کہ ان کو احاطہ تحریر میں لائیں لیکن جب ادارے کی پالیسی کی مجبوری آڑے آتی ہے تو مصنف کو جس کرب سے گزرنا پڑتا ہے کیا ایسا کبھی آپ کے ساتھ بھی ہوا؟

فرح: آپ نے درست فرمایا ایک لکھاری دو دلوں میں پلتے محبت کے الوہی جذبے سے لے کر معاشرے میں پنپتے ناسوروں تک سب کچھ لکھ لینا چاہتا ہے لیکن اس کے ہاتھ بندھ جاتے ہیں جب اس کو کچھ خاص موضوعات زیر قلم لانے سے روک دیا جاتا ہے۔ میری تو شروعات ہے سو ابھی اس کرب کا سامنا اتنا نہیں ہوا۔

عباس بھٹی

سوال: لکھنا کب اور کیسے شروع کیا...... کسی سے متاثر ہو کر یا ڈائجسٹ اور رسالے پڑھ پڑھ کے خود بھی لکھنے لگیں؟

فرح: میں نے کچی عمر سے لکھنا شروع کیا تھا۔ اس عمر کے حساب سے تحریر میں روانی اور پختگی تھی جس کی وجہ میرا مطالعہ ہی تھا۔ نا صرف ڈائجسٹ بلکہ ناول اور سفرنامے۔ اخبارات کے ادارتی صفحات اردو میگزینز اور جو ہاتھ آتا پڑھ لیتی تھی۔

سوال: زیادہ تر کس موضوع پر لکھتی ہیں، محبت کے موضوع پر یا سماجی و معاشرتی موضوعات پر؟

فرح: مجھے سماجی موضوعات پر لکھنا اچھا لگتا ہے اور محبت سماج کا ایک اہم حصہ ہے تو وہ خود بخود تحریر میں چلی آتی ہے۔ یہاں میں محبت کی بات کر رہی ہوں جو ایک آفاقی جذبہ ہے ضروری نہیں وہ مرد و زن کے درمیان ہی ہو۔

سوال: آپ کا کوئی افسانہ یا ناول یا شاعری جو آپ کی پہچان بنے ہوں اور آگے بڑھنے میں مدد کی ہو؟

فرح: میری شاعری کافی پسند کی گئی پھر نثر کی طرف آئی تو یہاں بھی پزیرائی ملی۔

ریا ایمان

سوال: آپ کی کہانیوں کے موضوع کس طرح کے ہوتے ہیں اور آپ پڑھنے والوں سے کیا امید کرتی ہیں؟

فرح: سماجی موضوعات اور پڑھنے والوں سے توقع کرتی ہوں کہ وہ میری تحریر میں دیئے گئے مثبت پیغام کو سمجھیں۔

سوال: لکھنے کے لیے آپ کا کوئی اصول جس سے نئے لکھنے والوں کو بھی فائدہ ہو؟

فرح: ایک ہی اصول ہے دیانت داری۔ نہ کسی کو دھوکہ دو نہ کسی تذلیل کا سامنا ہو۔

انعم خان

سب سے پہلے تو تمہارے اور تمہارے قلم کے لیے بے شمار دعائیں' ہر گزرتے دن کے ساتھ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔

سوال: کبھی کسی کردار میں اپنا آپ لکھنے کی کوشش کی ہو، جیسے اسکول کالج کا کوئی واقعہ، اپنی کوئی خاص عادت، کوئی ایک خاص لمحہ جو ہمیشہ دل ودماغ کو خوشگوار رکھے' آپ کو سکون دیتا ہو' کسی کردار نے آپ کی ڈیمانڈ کی کہ مجھے اپنا آپ سونپ کر لکھو؟

فرح: میرے لیے اپنے آپ کو کسی کردار میں لے کر آنا بہت مشکل ہے۔ شعوری کوشش کبھی نہیں کی ہاں لاشعوری طور پر کبھی کوئی جھلک آگئی ہو تو الگ بات ہے۔ باقی میری سوچ میرے خیالات تو ہوتے ہی ہیں کرداروں میں لیکن منفی رویے لکھنے پڑ جائیں تو ان کو ذہن میں رکھ کر لکھتی ہوں پھر سوچ میری ہوتی ہے نہ خیالات۔ ابھی تک تو کسی کردار نے مجھ سے اپنا آپ سونپنے کی ڈیمانڈ نہیں کی۔

سوال: کہانی کا کلائمکس لکھتے وقت کبھی سوچا کہ یوں لکھا تو پڑھنے والے بور ہوں گے، یا پسند نہیں کریں گے۔ رائٹر وہی لکھتا ہے جو کہانی کی ڈیمانڈ ہوتی ہے لیکن پھر بھی قارئین کی سوچ کو مدِنظر رکھتے ہوئے آپ نے کبھی لکھا؟

فرح: کہانی کا کلائمیکس میں اس کی بنت کے حساب سے کرتی ہوں اور یہ نہیں سوچتی کہ قاری بور ہوگا یا ناپسند کرے گا۔ مجھے لگتا ہے جب میں کلائمیکس سے مطمئن ہوں تو قاری بھی ہوجائے گا۔

سوال: رائٹر قلم کے ذریعے کس حد تک معاشرے میں اپنا کردار ادا کرتا ہے؟

آج کل فیس بک، رائٹرز اور ریڈرز کو بہت قریب لے آیا ہے۔ آپ اسے کس نظر سے دیکھتی ہیں؟

فرح: رائٹر کے پاس ایک قلم ہی تو ہوتا ہے جس کے ذریعہ وہ معاشرے میں اپنا کردار ادا کرتا ہے قلم ایک امانت ہے اور ایک رائٹر کو یہ شعور ہونا چاہیے کہ اس عظیم امانت کو مثبت انداز میں کام میں لانا چاہیے۔

ریمل آرزو

سوال: آنچل وحجاب سے آپ کا تعارف کب اور کیسے ہوا تھا؟

فرح: ڈیئر آنچل اور حجاب سے تعارف باقاعدہ ایک سال قبل اسی فورم پر ہوا اس سے پہلے میں آنچل ڈائجسٹ بڑے شوق سے پڑھا کرتی تھی پر لکھنے کا ارادہ اس ادارے کے با اخلاق اور فرینڈلی لوگوں کو دیکھ کر ہوا۔

سوال: شاعری اور افسانہ نگاری میں سے زیادہ لگاؤ کس سے ہے؟

فرح: شاعری میری خوشی ہے اس کو لکھ کر مجھے مزہ آتا ہے باقی افسانہ نگاری میرا شوق ہے جو اب شوق سے بڑھ کر میرا جنون بنتا جارہا ہے۔

سوال: آپ کی کتابوں کے انتساب کس کے نام ہیں؟

فرح: میری شاعری کی کتاب کا انتساب میں نے اپنی پیاری ماں کے نام سے منسوب کیا ہے جن کی حوصلہ افزائی تب سے میرے ساتھ ہے جب سے میں نے پہلا شعر کہا اور پہلی کہانی لکھی۔ نثر کی کتاب کا انتساب باہمت و باوفا مشرقی لڑکیوں کے نام ہے۔

رفعت ورڈز ورتھ

سوال: آپ کن موضوعات پر کہانیاں لکھنا پسند کرتی ہیں؟

فرح: مجھے معاشرتی موضوعات پر لکھنا اچھا لگتا ہے۔ ہمارے آس پاس کہانیاں بکھری پڑی ہیں۔ ضرورت ان کو عمدہ طور پر زیرِ قلم لانے کی ہے۔

سوال: افسانہ ناول یا ناولٹ میں کیا لکھنا پسند ہے؟

مجھے افسانہ لکھنے میں مزہ آتا ہے۔

ام ایمان

سوال: آپ کتنے دنوں میں ایک افسانہ مکمل کر لیتی ہیں؟

فرح: کبھی تو ایک ہی نشست میں لکھ لیتی ہوں' کبھی ایک ماہ بھی لگ جاتا ہے۔ یہ وقت اور موڈ پر انحصار کرتا ہے۔

سوال: آپ اکیلے بیٹھ کر آسانی سے لکھ لیتی ہیں یا کوئی بھی آس پاس ہو آپ کو مسئلہ نہیں ہوتا؟ شاعری یا افسانہ لکھتے وقت آپ کے تصور یا تخیل میں کون ہوتا ہے؟

فرح: اگر میرا ذہن کسی کہانی پر اپنا مکمل ہوم ورک کر چکا ہو تو پھر مجھے آس پاس کے ماحول سے کوئی مسئلہ نہیں ہوتا۔

شاعری تو بے ساختہ آمد کا نام ہے کوئی بات کوئی واقعہ کوئی تصویر یا کوئی لہجہ دل کو چھو جائے یا دل دکھا دے تو الفاظ خود بہ خود شاعری کا روپ دھار لیتے ہیں۔

ایمان ذیشان

سوال: سندھی ادب سے لگاؤ؟

فرح: سندھی ادب اچھا لگتا ہے بڑی بے ساختگی اور حقیقت پسندی ہے سندھی ادب میں۔

سوال: پسندیدہ سندھی شاعر/شاعرہ/مصنفین؟

فرح: سندھی شاعری میں شاہ صاحب کا کلام بہت عمدہ اور خوب صورت ہے ان کے بعد شیخ ایاز میرے پسندیدہ شاعر ہیں۔

سوال: سندھی میں کچھ تحریر کیا کوئی شاعری افسانہ ناول وغیرہ؟

فرح: سندھی میں شاعری کی ہے لیکن بہت کم اب ارادہ ہے اس میں آگے آنے کا۔

عائشہ پرویز صدیقی

تیری تحریر کی سجاوٹ بنے تیرا مقدر
سج جائے تیری زندگی تیری تحریر کی مانند

لکھنا ایک ایسا عمل ہے، جس میں صفحہ قرطاس پر زندگی کے وہ رنگ بکھیرنے کی کوشش کی جاتی ہے، جن کی آرزو ہوتی ہے۔

ناول میں خوشی، دکھ، آنسو، بے بسی، امید، ناامیدی، شکر، ناشکری، یقین، گمان، اعتبار، بے اعتباری، محبت، نفرت، خوش گمانی، غرض یہ کہ احساسات و جذبات کے کئی رنگ ہوتے ہیں جو زندگی کو خوب صورت بناتے ہیں اور بدصورت بھی کر دیتے ہیں کہ رشتہ کوئی بھی ہو محبت، خلوص، دوستی، خون...... ہر ایک رشتہ کو اعتبار و یقین کی اشد ضرورت ہوتی ہے کہ اعتبار کے بناء رشتے بے رنگ اور زندگی بے رونق ہو جاتی ہے۔

سوال: آپ کو کس ناول سے خاص لگاؤ رہا ہے کون سا ایسا کردار ہے، جس کے زیر اثر رہی ہوں؟

فرح: تحریر کی بات کروں تو جو تحریر زیر قلم ہوتی ہے اس کے سب کرداروں سے لگاؤ ہو جاتا ہے ایک سحر سا سوار ہوتا ہے، جو قلم رکھنے پر ہی ٹوٹتا ہے۔

سوال: پڑھنے والے کی نظر میں اور لکھنے والے کی نظر میں فرق کیا ہے؟

فرح: پڑھنے والا اگر لکھنے والے کے محسوسات تک پہنچ جائے جو اس کے کسی کہانی کو تحریر کرتے وقت تھے تو یہ لکھنے والے کے لیے بڑی کامیابی ہوتی ہے۔ اکثر قاری، بہت زیرک اور حساس ہوتے ہیں جو بین السطور پیغام تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں کچھ سطحی نظر سے پڑھ کر رکھ دیتے ہیں تو فرق تو ہوتا ہے نظریات کا محسوسات کا۔

سوال: وقت انسان کو کچھ نہ کچھ دے جاتا ہے۔ آپ پیچھے مڑ کر دیکھتی ہیں تو اپنے دامن میں کیا پاتی ہیں۔ کوئی تجربہ، کوئی احساس، کوئی سبق جو آپ کی تحریز زندگی نے آپ کو دیا ہو؟

فرح: زندگی تو وہ استاد ہے، جو ہر گھڑی ایک نیا سبق دینے پر کمر بستہ رہتی ہے۔ تجربہ اچھا ہو یا برا کوئی نہ کوئی سبق ضرور چھوڑ جاتا ہے۔ میں نے بہت کچھ سیکھا اور بہت کچھ سیکھنا باقی ہے۔ رہی بات پیچھے مڑ کر دیکھنے کی تو اپنے ساتھ اللہ کی رحمت اور کرم ہی نظر آتا ہے۔

ام ربیعہ

سوال: اگر آپ کسی وجہ سے نہیں لکھ پاتیں تو کیا کرتی ہیں میرا مطلب ہے کہ آپ کی کیفیت اس وقت کیا ہوتی کے آپ لکھنا چاہتی ہیں مگر لکھ نہ پائیں؟

فرح: بہت برا محسوس ہوتا ہے اللہ کا احسان جس نے راہوں کو سہل بنا دیا۔

سوال: اگر آپ لکھاری نہ ہوتی تو کیا ہوتیں؟

فرح: اگر لکھاری نہ ہوتی تو سمپل ہاؤس وائف ہوتی۔

سوال: اگر شریک حیات ہی زندگی مشکل کر دے تو اس مشکل سے کیسے نمٹا جائے؟

فرح: اللہ مشکلات سے نکالنے والا ہے شریک حیات کے لیے ہدایت کی دعا اور اچھے وقت کا انتظار ہی بہترین حل ہے کیونکہ وقت کبھی ایک سا نہیں رہتا آج ان کی حکمرانی ہے تو کل بیوی کی بھی ہوگی صبر شرط ہے۔

شفقت شاہین

سوال: کس موضوع پہ آپ کی خواہش ہے کہ آپ اس پہ لکھیں جس پہ ابھی تک لکھا نہ ہو یا لکھا ہو تو دوبارہ لکھنا چاہتی ہیں؟

فرح: ہر موضوع پر ہی طبع آزمائی کی جا چکی ہے۔ ہر لکھاری کا اپنا انداز بیاں موضوع کو منفرد بناتا ہے ورنہ یہاں کچھ بھی نیا نہیں۔

سوال: کبھی ایسا ہوا کہ آپ نے کوئی لائن پڑھی ہو اور اس پہ کہانی لکھ دی ہو؟

فرح: میں ایک لفظ دیکھ کر بھی کہانی لکھ سکتی ہوں بشرط وہ مجھے کلک کر جائے۔

سوال: آپ کی کہانی کا کوئی کردار جو آپ کو بہت پسند ہو؟

فرح: مجھے ہر وہ کردار پسند ہے، جو مضبوط کردار کا اور مخلص ہو۔

تانو جهان

سوال: نئے لکھنے والوں میں کس نے متاثر کیا؟

فرح: نئے لکھنے والوں میں بہت سے نام میری فرینڈ لسٹ

سے جڑے ہیں جن سے مجھے محبت ہے اور ان سے میں متاثر ہوں سو سب کے نام لینا ممکن نہیں۔

صبا ایشل

سوال: ایک وقت ہوتا ہے جب ہمیں لکھنے کا صرف شوق ہوتا ہے یا کہہ لیجیے حسرت ہوتی ہے کیسے اور کب علم ہوا کہ آپ لکھ سکتی ہیں؟

فرح: میں نے جس عمر میں ٹوٹا پھوٹا ہی سہی لکھنا شروع کیا تب شوق تھا نہ حسرت۔ بس ایک حیرانگی تھی کہ میں لکھ سکتی ہوں پھر رفتہ رفتہ یہ حیرت خوشی میں بدل گئی اور شوق جاگ اٹھا کہ اور اچھا لکھوں۔

سوال: کسی بھی شخص کی صلاحیتوں کو باہر لانے کے لیے کسی ایک شخص کا بالواسطہ یا بلاواسطہ تعلق ضرور ہوتا ہے۔ وہ پہلا خیال، کردار یا شخص جس نے آپ کو قلم اٹھانے پر مجبور کیا وہ کیا تھا یا کس قریبی رشتے نے آپ کو یہ احساس دلایا کہ آپ بھی لکھ سکتی ہیں؟

فرح: میری امی نے میری بہت حوصلہ افزائی کی۔ ان کو خود بھی مطالعہ کا بہت شوق تھا اور مجھے بھی پڑھنے پر اکساتی تھیں۔ وہ سمجھتی تھی کہ مطالعہ سوچ کو وسعت اور خیالات کو مثبت راہ دکھاتا ہے۔ میں شروع سے کم گو اور اپنے آپ میں گم رہنے والی لڑکی تھی سو وہ مجھے جب کسی جگہ خاموش بیٹھے دیکھتی کوئی نا کوئی کتاب تھما دیتیں پھر جب میں نے لکھنا شروع کیا تو اپنا ہر شعر اپنی ہر تحریر ان کو پڑھ کر سناتی وہ خوش ہوتی سراہتی ہمارے درمیان دوستی کا انمٹ رشتہ ہے اللہ ان کو صحت اور لمبی عمر دے آمین۔

سوال: کہانی لکھنے کے لیے کیسا ماحول درکار ہوتا ہے؟

فرح: کہانی لکھنے کے لیے ماحول کے ساتھ میرے موڈ کا بڑا عمل دخل ہے ماحول ساز گار ہو اور موڈ نہ بنے تو بالکل نہیں لکھ سکتی۔ اور موڈ بن جائے تو ماحول کیسا بھی ہو پروا نہیں کرتی اور لکھنا شروع ہو جاتی ہوں۔

سوال: کہانی شائع ہونے کے لیے انتظار تو کرنا ہی پڑتا ہے۔ یہ وقت کیسے گزرتا ہے؟

فرح: انتظار بہت مشکل ہے لیکن اس کے سوا چارہ بھی کوئی نہیں۔ میں پھر ایک ہی کہانی کو لے کر نہیں بیٹھ جاتی کہ کب چھپے گی بلکہ میں دوسری تحریریں لکھنا شروع ہو جاتی ہوں۔

سوال: آپ کی تحریریں ماشاءاللہ نظر آتی رہتی ہیں اس کو سامنے رکھتے ہوئے محنت، سفارش یا قسمت میں سے کسے چنیں گی؟

فرح: قسمت اور محنت دونوں ضروری ہیں۔

سوال: آج کل جو نئے رائٹرز آرہے ہیں ان میں بچپنا بہت زیادہ نظر آتا ہے دو کہانیوں کے بعد وہ سینئرز لکھاریوں تک کی عزت لحاظ اور مروت تک بھول جاتے ہیں ایسے لکھاریوں سے کیا کہنا چاہیں گی۔؟

فرح: سینئرز بہت محترم ہیں ہم نے ان کی تحریریں پڑھ کر لکھنا سیکھا سو ان سے بے ادبی یا بدتمیزی کرنا بہت بری بات ہے۔ ہم ان کو عزت دیں گے تو ہمیں عزت ملے گی کہ ہمیں بھی کبھی ان کی جگہ آنا ہے۔ نئے لکھاریوں کو چاہیے وہ دس تحریریں لکھ لیں تو خود کو توپ چیز نہیں سمجھنا چاہیے۔

سوال: ہمارے گروپ میں آپ ایک عرصے سے ہیں پینل کے ایڈمنز راؤ رفاقت، حنا مہر، ماورا طلحہ اور صبا ایشل کو بطور ایڈمن آپ نے کیسا پایا؟ سعیدہ نثار آپا اور طاہر قریشی بھائی کے لیے کوئی ایک جملہ؟

فرح: یہ ایک آئیڈیل گروپ ہے جس کے ایڈمنز صبا ایشل، راؤ رفاقت، حنا مہر اور ماورا طلحہ انتہائی تعاون کرنے والے اور با اخلاق ہیں۔ یہ اس آفیشل گروپ کو بخوبی چلا رہے ہیں۔

سعیدہ آپی اور طاہر قریشی صاحب کے لیے کچھ لکھنا سورج کو چراغ دکھلانے کے مترادف ہے۔ اتنے ادب پرور اور حسن اخلاق سے مزین ہیں کہ دونوں کے لیے دل سے دعا نکلتی ہے اللہ ان کو درازی عمر اور صحت کاملہ عطا فرمائے آمین اور یہ دونوں ہمیشہ اس ادارے کے سر پر تاج کی طرح براجمان رہیں۔

سوال: نئے لکھنے والوں اور قارئین حجاب کے لیے کوئی خاص پیغام؟

فرح: نئے مصنفین سے یہی کہوں گی کہ وہ کبھی ہمت نہ ہاریں اور یقین رکھیں کہ جس اللہ نے ان کو لکھنے کی صلاحیت دی ہے وہ ان کے لیے آگے بڑھنے کے راستے بھی کھولے گا صبر اور محنت شرط ہے اور حجاب کے قارئین کے لیے یہ پیغام کہ مطالعہ کو اپنی عادت بنالیں اس سے ذہن کو مثبت سوچ اور خیالات کو وسعت ملتی ہے۔

میں چاہوں تجھے بے انتہا

بشریٰ ماہا

بھی بھی ہم زندگی کی غلطیوں سے سیکھنے کے بجائے زندگی کو ہی غلط سمجھنے لگتے ہیں۔ کچھ باتیں زندگی کو اتنا تلخ بنا دیتی ہیں کہ پھر ہم چاہ کر بھی میٹھا بول ہی نہیں پاتے‘ زندگی ہمارے لیے بس ایک چیلنج بن کر رہ جاتی ہے جسے ہر حال میں بس گزارنی ہی ہوتی ہے‘ زندگی کے اس سفر میں ہم سب سے دور ہو جاتے ہیں‘ کوئی نا ہمسفر ہوتا نا کسی کی ہمراہی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور یہ بات وہ اپنے پورے یقین سے کہہ سکتی تھی۔

وہ جس کے پاس سب کچھ تھا۔ دولت‘ خوب صورتی‘ تعلیم اور ماں باپ زندگی کی ہر آسائش وہ جو چاہتی تھی اسے مل جایا کرتی تھا لیکن پھر بھی وہ خوش نہیں تھی۔ یہ انسانی فطرت میں شامل ہے جو اس کے پاس نہیں ہوتا اس ہی کی طلب اسے سب سے زیادہ ہوتی ہے اور وہ اس طلب کو اپنی زندگی کا حاصل بنا لیتا ہے۔ ہر آسائش پسِ پشت چلی جاتی ہے اور بس ایک وہ ہی طلب ساری زندگی پہ حاوی ہو جاتی ہے‘ اسے حاصل کرنے کے لیے انسان روتا‘ تڑپتا ہے اس کے پیچھے بھاگتا ہے لیکن فاصلہ ختم ہی نہیں ہوتا اور جب وہ تھک کر ایک جگہ بیٹھ جاتا ہے‘ وہ طلب اس کے دل سے مٹ جاتی ہے تو پھر وہ چیز خود بخود اس کے ہاتھوں میں آجاتی ہے اس کی زندگی کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ جو حاصلِ زیست تھا وہ پاس تو تھا لیکن دل سے دور‘ ماہ رخ وقاص کی زندگی کی کہانی بھی عجیب تھی اور اسے عجیب بنانے میں کس کی غلطی تھی یہ تو وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔ اس نے یونیورسٹی میں ایڈمشن لیا اور کل اس کی پہلی کلاس تھی دیر تک لیپ ٹاپ پہ کام کرتے جب اس کی آنکھیں دکھنے لگیں تو اس نے لیپ ٹاپ بند کیا اور بیڈ پر لیٹتے ہی گہری نیند نے اسے اپنی باہنوں میں سمو لیا تھا۔

☆......☆☆......☆

وہ صبح بے حد خوب صورت تھی‘ دھند میں لپٹی‘ ٹھنڈی ہوا اس کو اپنے سنگ لاتی...... اس نے قد آور آئینے میں نظر آتے اپنے سراپا پہ آخری تنقیدی نگاہ ڈالی۔ رائل بلو شرٹ‘ بلیک جینز اور گلے میں مفلر کی طرح دوپٹہ لپیٹے‘ گھٹنوں تک آتا لانگ کوٹ پہنے۔ لمبے خوب صورت بالوں کو بینڈ میں جکڑے ہاتھ میں فائلیں لیے یونیورسٹی کے لیے وہ بالکل تیار کھڑی تھی۔

”ماہ رخ وقاص‘ تم ہمیشہ کی طرح آج بھی بہت حسین لگ رہی ہو۔“ وہ آئینے میں نظر آتے اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے بولی اور ہلکا سا مسکرا کر اپنی کار کی چابیاں اٹھائے باہر چلی آئی۔

وہ ایک ہاتھ میں فائلیں تھامے اور دوسرے ہاتھ سے موبائل فون پر نمبر ڈائل کرنے میں مصروف تھی‘ وہ سرخ اینٹوں سے بنی روش پہ تیزی سے چل رہی تھی اس کا سارا دھیان فون پر تھا اس لیے ہی وہ سامنے سے آتے بندے کو دیکھ نہیں سکی اور اس سے بری طرح ٹکرا گئی تھی‘ آنے والے کا سر بری طرح اس کے سر سے ٹکرایا تھا اور اسے صحیح معنوں میں دن میں تارے نظر آنے لگے تھے۔ جب کہ اس کا لیٹیسٹ ماڈل کا آئی فون پتھریلے فرش پہ گرنے سے ٹوٹ گیا تھا اور فائل سے صفحے اڑ کر اِدھر اُدھر بکھر گئے تھے۔

”اندھے ہو یا یہ دو بڑی بڑی آنکھیں اللہ نے چہرے پہ سجانے کے لیے دی ہیں۔“ وہ نہایت غصے سے بنا مقابل کی طرف دیکھے بولی‘ اس کا سارا دھیان اپنے نوٹس کی طرف تھا جو تیز ہوا کے سبب تتر بتر ہو گئے تھے۔ فون سے زیادہ اسے نوٹس کی فکر تھی جو اس نے رات دیر تک بیٹھ کر بنائے تھے۔

”جتنی زبان چلانا جانتی ہیں ناں آپ اتنا ہی اگر دماغ چلا لیتیں تو آج آپ کو مجھ سے لڑنا نہیں پڑتا۔“ بلیک تھری پیس میں ملبوس شاندار پرسنالٹی کا مرد نہایت طنزیہ لہجے میں بولا تھا۔

”کیا مطلب ہے آپ کا؟ میں آپ سے جان بوجھ کر ٹکرائی ہوں۔“ وہ غصے سے ماتھے پہ بل ڈال کر بولی۔ ابھی تک اس کی اس شخص کے چہرے پہ نظر نہیں پڑی تھی وہ مسلسل اپنے نوٹس سمیٹنے میں مگن تھی۔ اسے یونیورسٹی وقت پہ پہنچنا تھا اور جتنی جلدی وہ کر رہی تھی اتنی ہی دیر ہوئی جا رہی تھی۔

”عموماً خوب صورت مردوں سے لڑکیاں جان کر ہی ٹکراتی ہیں اور شاید آپ بھی......“ وہ دل جلانے والی مسکراہٹ لبوں پہ سجا کر دانستہ بات ادھوری چھوڑ گیا اور ماہ رخ کا تو غصے سے برا حال ہو گیا تھا وہ اندر ہی اندر کھول کر رہ گئی تھی۔

”او ہیلو مسٹر جو بھی ہو خوش فہمی سے نکل کر چلتے پھرتے نظر آؤ ماہ رخ وقاص اتنی ارزاں نہیں کہ تم جیسوں سے جان کر ٹکرائے اور اگر میں نے کبھی کسی سے ٹکرانے کا سوچا بھی تو وہ کوئی بہت خاص ہوگا‘ تم جیسا کوئی عام سا بندہ نہیں۔“ وہ بنا اس کے چہرے کی طرف دیکھے بول رہی تھی۔ سارے نوٹس اکٹھے کرنے کے بعد اس نے پن اپ کیے اور ابھی فائل میں رکھ ہی رہی تھی کہ اس شخص

کا نام اس کی سماعت میں گونجا۔

"میرا نام جنید آفتاب گردیزی ہے اور اگر آپ مجھے کوئی عام انسان سمجھ رہی ہیں تو یہ آپ کی بھول ہے اور پہلی بھول جنید اکثر معاف کر دیتا ہے۔" وہ اس کے غصے سے محظوظ ہوتا بولا اس کے چہرے پہ آئے ہر رنگ کا جنید آفتاب بغور معائنہ کر رہا تھا۔

اس کی بات سن کر اس کے ہاتھ سے نوٹس کی فائل ایک بار پھر گری تھی۔ ماہ رخ نے اس پر ایک ناوانستگی میں اٹھی نظر کے بعد دوسری نظر ڈالنا بھی پسند نہیں کیا تھا۔ ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے دونوں فریقین ایک دوسرے کو سخت ناپسند کرتے تھے اور اس ناپسندیدگی کے پیچھے بھی ایک بڑی وجہ چھپی تھی۔

ماہ رخ وقاص کے سامنے کھڑا جنید آفتاب نہیں جانتا تھا کہ آج کی خوب صورت صبح اس کا سامنا ایک بے حد ناگوار ہستی سے کروانے والی ہے۔ وہ کچھ دن پہلے ہی لندن سے اپنی پڑھائی مکمل کر کے لوٹا تھا اب اس کا ارادہ اپنے ہی شہر میں بزنس کرنے کا تھا' اس کے پاس سرمایہ بھی تھا اور علم بھی' وہ ہارورڈ یونیورسٹی کا گولڈ میڈلسٹ تھا کچھ دن پہلے اس کا انٹرویو ایک میگزین میں بھی شائع ہوا تھا اور آج صبح وقاص انکل سے ملنے آتے ہوئے اسے ہرگز یہ اندازہ نہیں تھا کہ اس کی ملاقات ماہ رخ سے ہو جائے گی بلکہ اس نے تو پوری کوشش کی تھی کہ وہ اس وقت وہاں پہنچے جب ماہ رخ یونیورسٹی کے لیے نکل چکی ہو مگر قدرت کو ان کی ملاقات منظور تھی۔

"مجھے آپ کے نام میں کوئی دلچسپی نہیں ایک اور بات آپ ایک بے حد بدتمیز انسان ہیں اور میں آپ جیسوں سے بات کرنا بھی اپنی توہین سمجھتی ہوں۔" وہ انگلی اٹھا کر تحقیر سے بولتی آگے بڑھ گئی۔ وہ اس سے جتنی نفرت کرتی تھی اس کا احساس دلانا نہیں بھولی تھی۔ وہ سن کر خاموش ہونے والوں میں سے نہیں تھی اسے بدلا لینا اچھی طرح سے آتا تھا۔

"ایک منٹ رکیں مس ماہ رخ وقاص یہ لیجیے آپ کی فائل' مجھے ہرگز نہیں پتا تھا کہ مجھے دیکھ کر آپ اتنی پُرجوش ہو جائیں گی کہ اپنی اہم چیزیں بھی بھولنے لگیں گی۔" اس نے زمین سے اس کی فائل اٹھائی اور اس کی غائب دماغی پہ طنز کیا۔

"اور ہاں یاد رکھیں آپ کا یہ رویہ آپ کی پہلی غلطی سمجھ کر معاف کر رہا ہوں لیکن دوبارہ اگر مجھ سے کبھی آپ نے اس انداز میں بات کی تو آپ کے حق میں بالکل اچھا نہیں ہوگا۔" وہ طیش سے اس کی طرف فائل اچھالتا بولا۔ اس کا انداز چبھتا ہوا اور لہجے میں چٹانوں جیسی سختی تھی۔ ماہ رخ نگاہوں میں ناپسندیدگی لیے بس اسے گھورتی رہ گئی اور وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا گھر کے اندر چلا گیا۔

جنید آفتاب کو دیکھتے ہی ماہ رخ کو سب یاد آ گیا تھا۔ وہ ایک تلخ یاد جو ان کی خوشگوار یادوں کو کھا گئی تھی ایک بار پھر اس کی خوب صورت آنکھوں میں کرچیاں بھر گئی تھیں۔ بھلا وہ سب اسے بھولا ہی کب تھا جس نے ان کی بے لوث چاندی سی شفاف دوستی کو گرہن لگا دیا تھا۔ کیا زندگی پہلے کم مشکل تھی جو اب یہ پھر سے لوٹ آیا ہے اس نے تلخی سے سوچا۔ اس کا دل چاہا کہ ابھی اندر جائے اور اسے بے عزت کر کے اپنے گھر سے نکال دے مگر وہ ایسا نہیں کر سکتی تھی ایسا کرنے کا اختیار ہی کب تھا اس کے پاس۔ وہ پاپا کا انتہائی لاڈلا تھا جتنی کہ وہ خود تھی اور کبھی کبھی تو اسے لگتا تھا جیسے اس سے زیادہ جنید پاپا کو پسند ہو۔ وہ جس وقت یونیورسٹی پہنچی کافی لیٹ ہو چکی تھی۔ اس کی واحد سہیلی مہوش پہلے ہی کلاس میں جا چکی تھی اور کلاس شروع ہونے میں صرف پانچ منٹ رہ گئے تھے۔ وہ تیزی سے کلاس کی طرف بڑھی اور جو پہلی کرسی اسے خالی نظر آئی اس پہ ہی بیٹھ گئی تھی۔ اس نے بیگ سے پانی کی بوتل نکال کر لبوں سے لگائی۔ سانس درست ہوا تو اسے احساس ہوا کہ اس کے قریب بیٹھا لڑکا اسے مسکراتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

"کیا ہوا میں کوئی کارٹون ہوں جو آپ یوں دیکھ کر مسکرائے جا رہے ہیں۔" وہ ناگواری سے بولی۔

"نہیں کارٹون تو نہیں ہیں مگر یہ آپ کے ہاتھوں پہ مٹی لگی ہوئی ہے۔ آپ کہیں گر گئی تھیں؟" وہ لڑکا اس کی شرٹ کی آستینوں کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔

"یہ لیں ٹشو صاف کر لیں۔" اسے خاموش دیکھ کر اس نے ٹشو آگے بڑھایا۔

"تھینک یو سوچ۔" اس نے ٹشو لے لیا۔

"ویسے میرا نام سرمد لغاری ہے۔" وہ ماہ رخ کی طرف دلچسپی سے دیکھتا بولا۔

"میرا نام ماہ رخ ہے۔" جواباً اس نے بھی خود کو متعارف کرایا۔

"کیا میں آپ سے دوستی کا شرف حاصل کر سکتا ہوں؟" سرمد نے فوراً اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ غالباً یہ حوصلہ اسے ماہ رخ کی خوش اخلاقی سے ملا تھا۔

"نو تھینکس میں دوست نہیں بناتی اور آپ کو میں جانتی بھی نہیں تو دوست بنانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" وہ اس بار سرد مہری سے بولی بنا اس کی طرف دیکھے مغرورانہ انداز اپنائے۔

"اس کا مطلب آپ خوب صورت ہونے کے ساتھ مغرور

بھی ہیں۔ ڈیشنگ نائس، خوب صورت لوگوں پہ تو غرور ویسے بھی بجتا ہے۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔

"اور آپ احمق ہونے کے ساتھ ساتھ بہت ہی چیپو بھی ہیں۔" وہ ناگواری سے کہتی وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسے بلاوجہ فری ہونے والے مرد سخت زہر لگتے تھے۔ یہ ماہ رخ وقاص کی سرمد لغاری سے پہلی ملاقات تھی۔

☆☆......☆......☆☆

اسے بی بی اے کیے چار سال ہو چکے تھے، درمیان کے عرصے میں اس نے اور مہوش نے پاپا کے آفس کو رونق بخشی تھی اور چونکہ اتنے سال وہ فارغ رہی تھی اور اب اتنے عرصے بعد ایک بار پھر یونیورسٹی لائف میں قدم رکھا تھا تو سب کچھ بے حد عجیب سا لگ رہا تھا۔ روٹین چینج ہوئی تھی جس کی وجہ سے جسم میں سستی بھر گئی تھی اور یہ ہی وجہ تھی کہ گھر آتے ہی وہ سو گئی اور جب اٹھی تو ہر طرف سناٹے بول رہے تھے۔ رات اپنے پر پھیلا کر رفتہ رفتہ ہر شے پہ حاوی ہونے لگی تھی۔ ایک ہاتھ سے اپنے کندھے کے پٹھوں کو دباتے وہ کچن میں چلی آئی جہاں خانساماں رات کے کھانے کی تیاری کر رہا تھا۔

"شماد چچا...... ایک کپ کافی تو بنا دیں مجھے۔ میں لاؤنج میں بیٹھی ہوں۔" وہ حکم دیتی لاؤنج میں چلی آئی جہاں آیا لاؤنج کی ڈسٹنگ کر رہی تھی۔ مما بابا کے آنے سے پہلے وہ نئے سرے سے سارا گھر چمکاتی تھیں۔

"آیا...... ذرا میرے کندھوں کا مساج کر دیں بہت درد ہو رہا ہے۔" وہ کسملندی سے بولتی صوفے پہ بیٹھ گئی۔

"جی اچھا ماہا بی بی۔" وہ فوراً کام چھوڑ کر اس کے پاس آئیں۔ ان کے انداز میں فکر تھی۔ بچپن میں اس کی دیکھ بھال وہ ہی کرتی تھیں اور اگر یہ کہا جائے کہ اس کی پرورش میں بڑا ہاتھ آیا کا تھا تو غلط نا ہوگا۔

آیا کے ہاتھ مہارت سے اس کے کندھوں کا مساج کر رہے تھے اور ایک سکون سا اس کے رگ و پے میں اترنے لگا تھا۔ اس نے آنکھیں موند کر سر صوفے کی پشت گاہ سے ٹکا لیا تھا۔ جس کا مطلب تھا آیا اب آپ جا سکتی ہیں۔ شماد چچا کافی کا کپ رکھ کر جا چکے تھے۔ لاؤنج میں صرف وہ تھی یا پھر گہری خاموشی۔ باہر لان میں ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی اور سردیوں کا موسم تھا اور بارش کی وجہ سے مزید ٹھنڈ میں اضافہ ہو گیا تھا۔ یادوں کی ڈائری اس کے سامنے کھلی رکھی تھی اور ڈھیر سے ڈھیر سے صفحے پلٹتی وہ کسی بیتے دن کی یادوں میں کھوئی گئی تھی۔

کافی کے سرمئی دھوئیں میں نئے رنگ ابھرنے لگے تھے، منظر بدل رہا تھا۔ اسے یاد آیا وہ جنوری کی ایک ٹھنڈی اور دھند میں لپٹی خوشگوار صبح تھی۔ سورج بھی بار بار بادلوں کی اوٹ میں چھپ کر آنکھ مچولی کھیل رہا تھا بچے سردیوں کی دھوپ سینکنے اسکول کے پلے گراؤنڈ میں جمع تھے وہ سب اسکول کے پچھلے گراؤنڈ میں نیم کے پیڑ تلے بیٹھے تھے۔ ارسلان، جنید، ثانیہ، مہوش اور ماہ رخ۔ اس مشہور و معروف اسکول کے پانچ چمکتے اور سب سے روشن ستارے۔ وہ پانچوں اس وقت اپنے گروپ کی شہزادی ماہ رخ کی سالگرہ سیلیبریٹ کر رہے تھے۔ کیک کاٹا جا چکا تھا اور اب ماہ رخ سب سے پہلے اپنے سب سے بہترین دوست جنید کو کیک کھلا رہی تھی۔ ویسے بھی یہ سالگرہ جنید نے ہی اسے سرپرائز دینے کے لیے پلان کی تھی۔ وہ دونوں بچپن کے ساتھی ہونے کے ساتھ ساتھ ہمسائے بھی تھے اور دونوں کی فیملیز کی بھی آپس میں گہری دوستی تھی اور خود جنید کی مما بھی ماہ رخ کے پاپا کی دور کی کزن تھیں۔

"بھئی یہ بات تو کلیئر ہے کہ کچھ بھی ہو جائے جو جگہ جنید کے دل میں ماہ رخ کی ہے وہ کوئی نہیں لے سکتا۔ اب یہ ہی دیکھ لو سالگرہ سیلبریٹ کرنا جنید کو کتنا ناپسند ہے لیکن ماہ رخ کی خوشی کے لیے اس نے وہ بھی کی۔" ثانیہ ستائش سے بولتی ہنسی تھی۔

"یہ تو ہے، جنید ویسے تو بہت کیئرنگ ہے مگر ماہ رخ کے لیے تو اس کا ہر انداز بہت خاص ہوتا ہے۔ وہ دونوں جتنا آپس میں لڑتے ہیں اس سے زیادہ ایک دوسرے کی کیئر کرتے ہیں۔" ارسلان نے بھی ہاں میں ہاں ملائی جب کہ ماہ رخ اور جنید مسکراتے ہوئے ان کے تبصرے سنتے رہے۔

"اچھا یار جلدی جلدی کھاؤ تاں بریک ٹائم ختم ہونے والا ہے۔ ویسے جنید یہ کس بیکری کا کیک ہے، بہت مزے دار ہے۔" مہوش نے بات بدلی اور مزے سے ایک پیس منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔

"یہ کسی بیکری کا نہیں بلکہ میری مما نے خود بیک کیا ہے کیونکہ محترمہ خود مما کی بھی تو بے حد لاڈلی ہیں۔" وہ مسکراتا ہوا بولا۔ جنید فطرتاً کم گو تھا اور وہ ہی تھا ان کے گروپ میں جو خاموش رہتا تھا ورنہ باقی سب تو ہر وقت ہلا گلا مچائے رکھتے تھے۔

"میں ہوں ہی اتنی پیاری کہ سب کو مجھ پہ پیارا آتا ہے اور تم سب کو جلنے کی بالکل ضرورت نہیں۔" وہ اترا کر بولی اور باقی سب ہنس دیے تھے۔

"ماہ رخ بی بی...... میٹھے میں کیا پکانا ہے؟" منظر فوراً بدلا اور

اس کے سامنے آیا آ کھڑی ہوئی تھیں۔ سات سال کے بعد آج پہلی بار اس کا اس انسان سے سامنا ہوا تھا جو کبھی اس کا بہترین دوست ہوا کرتا تھا مگر اب تو ذکر بھی تکلیف دہ تھا۔

☆☆......☆......☆☆

"میں نے ایک بات نوٹ کی ہے یہ جو سرمد لغاری ہے کچھ زیادہ ہی تمہیں گھور گھور کے نہیں دیکھتا۔ مجھے تو اکثر محسوس ہوا ہے جیسے وہ تمہیں ہی دیکھتا رہتا ہے۔" مہوش چیز سینڈوچ کھاتے ہوئے تجسس سے بولی۔ وہ دونوں اس وقت یونی ورسٹی کے کیفے ٹیریا میں بیٹھی ہوئی تھیں۔

"میرے پاس ان فضول باتوں کے لیے بالکل وقت نہیں۔ میں یہاں پڑھنے آئی ہوں نا کہ ان عجیب وغریب لڑکوں کو نوٹس کرنے۔" وہ نخوت سے بولی۔

"تم بھی ناں...... میرے خیال سے نخرہ شاید ماہ رخ وقاص پہ ہی ختم ہے۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"تو کیا ہوا نخرہ سجتا بھی تو مجھ ہی پہ ہے۔" وہ مزید اترائی اور یہ مذاق نہیں تھا وہ سیریس تھی اور وہ تھی بھی بے حد خود پسند لڑکی۔

"ویسے جتنا تم اسے عجیب وغریب سمجھ رہی ہو اتنا ہے نہیں۔ کمال کی پرسنالٹی ہے اور لگتا بھی اچھے خاندان کا ہی ہے۔ بس تمہارے معاملے میں ہی بے چارہ دیوانہ لگنے لگا ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"تو کیا کروں یار...... مجھے لڑکیوں کو گھورنے والے لڑکے بالکل پسند نہیں اور تم بھی ذرا اس پہ فوکس کم کردو۔" وہ بےزاریت سے بولی۔

"وہ گھورتا نہیں ہے، بس دیکھتا ہے اور وہ بھی صرف تمہیں۔" وہ آخری جملہ اس کا نظر انداز کرتی بولی۔

"تم میری دوست ہو کر اس کی اتنی سائیڈ کیوں لے رہی ہو تمہارا کیا بھائی لگتا ہے وہ؟" ماہ رخ چڑ سی گئی۔

"میں صرف بات کر رہی ہوں اور یہ بات ہماری پوری کلاس کرتی ہے اور دوسری بات اتنے ہینڈسم بندے کو میں اپنا بھائی بالکل نہیں بنا سکتی۔" مہوش صاف گوئی سے بولی۔

"ہاں ٹھیک ہے دعا کروں گی یہ ہینڈسم سا بندہ تمہیں گھورنے لگے۔" وہ ہنسی دباتے ہوئے شرارت سے بولی اور سینڈوچ کھانے لگی۔

"شرم کرو دعا تو ڈھنگ کی کرلیا کرو تم یہ بھی کہہ سکتی تھی کہ......" اس کی باقی بات منہ میں ہی رہ گئی تھی۔ سرمد لغاری ان کے بالکل پاس ہی کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"اسکیوزمی گرلز کیا میں آپ کو جوائن کرسکتا ہوں؟" وہ دونوں ہاتھ سینے پہ باندھے ایک ادا سے مسکراتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"کس لیے؟" اس سے پہلے کہ مہوش اثبات میں جواب دیتی ماہ رخ بے حد تیکھے انداز میں مخاطب ہوئی۔

"دراصل مجھے مہوش زوار سے کچھ ضروری پوائنٹس ڈسکس کرنے ہیں۔ ویسے کیا سینڈوچ میں کچھ زیادہ ہی مرچیں تھیں؟" اس نے حد معصومیت اور سنجیدگی سے پوچھا۔

"اب تک تو نہیں تھیں مگر اب آپ کے آنے کے بعد یہ سینڈوچ تیکھا تو نہیں لیکن کڑوا ضرور لگنے لگا ہے۔" وہ سینڈوچ پلیٹ میں رکھتے طنز سے بولی اور بیگ اور نوٹس سمیٹتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ مہوش نے مسکراتے ہوئے اپنی نک چڑی سہیلی کو دیکھا مگر بولی کچھ نہیں۔

☆☆......☆......☆☆

وقاص احمد اور زارا دونوں نے پسند کی شادی کی تھی۔ شادی سے پہلے دونوں ہی ایک دوسرے سے بے پناہ محبت کرتے تھے مگر شادی کے بعد جیسے جیسے سال گزرتے گئے ان کی محبت میں کمی آتی گئی اور پھر بات لڑائی جھگڑوں تک پہنچ گئی۔ روز کے لڑائی جھگڑے دیکھ دیکھ کر ماہ رخ جوان ہوئی تھی۔ اسے ماں اور باپ دونوں سے ہی شدید محبت تھی اور وہ دونوں کو ہی خوش وخرم دیکھنا چاہتی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ دونوں میں سے کوئی ایک بھی اس سے دور جائے۔ دادی جانو بتاتی تھیں کہ یونیورسٹی کے زمانے میں مما کی محبت میں پاپا کس قدر دیوانے تھے ہر وقت ان کی زبان پہ زارا کا ہی ذکر رہتا تھا۔ مگر اس نے جب سے شعور سنبھالا تھا ایک پل کے لیے بھی کبھی دونوں کو ایک ساتھ ہنستا مسکراتا نہیں دیکھا تھا۔ اسے حیرت ہوتی تھی یہ جان کر کہ یہ ان دونوں کی محبت کی شادی ہے۔ وہ محبت سے چڑنے لگی۔ اسے محبت کی باتیں کرنے والے لوگ بھی اچھے نہیں لگتے تھے۔

وہ دراز قد اور سرخ سفید رنگت اور تیکھے نقوش کی مالک بہت حسین لڑکی تھی۔ اس پہ اس کی ذہانت اسے سب پر ہی ممتاز بنائے رکھتی تھی۔ یونیورسٹی کے شروع کے دنوں میں بہت سے ہاتھ محبت کا پیامبر بن کر اس کی طرف بڑھے تھے مگر اس نے نہایت غصے سے ہر بڑھا ہوا ہاتھ ٹھکرا دیا تھا۔ وقاص احمد اور زارا ایک دوسرے سے چاہے کتنا ہی بیزار کیوں ناں ہوں وہ اپنی بیٹی ماہ رخ پہ تو جان چھڑکتے تھے اور ماہ رخ ہی تھی جو اب تک ان دونوں کو اس رشتے میں باندھے ہوئے تھی۔ چاہے ان کا رشتہ کتنا ہی کمزور کیوں نا ہو پر اب تک قائم تھا اور اس کی خاص وجہ ماہ رخ

وقاص تھی۔ وہ ماں باپ کے درمیان ایک کڑی تھی جس نے دونوں کو باندھا ہوا تھا۔ مگر اسے لگتا تھا جیسے اس سے کوئی پیار نہیں کرتا اور نا ہی کسی کو اس کی فکر ہے اور اس کی ایک بڑی وجہ زارا اور وقاص احمد کی حد سے بڑھی مصروفیات تھیں اور ان مصروفیات کے سبب ان دونوں کو اکلوتی بیٹی کے ساتھ وقت گزارنے کا بھی موقع نہیں ملتا اور توجہ کی کمی کی وجہ سے ماہ رخ باغی ہوگئی تھی۔

☆☆......☆......☆☆

جاڑوں کی شامیں بھی عام شاموں سے کتنی مختلف ہوتی ہیں۔ سرد اور خاموش جیسے جیسے یہ خشک شامیں اپنے پر پھیلاتی ہیں ویسے ویسے ہر چیز اداسی کی چادر اوڑھنے لگتی ہے۔ یاتیں چھوٹی ہونے لگتی ہیں اور سوچیں لمبی یہ بھی ایک ایسی ہی شام تھی جب مما زبردستی اسے اپنے ساتھ ایک سیمینار میں شرکت کے لیے لے آئی تھیں اور اب وہ بے حساب بور ہو رہی تھی۔ وہ سیمینار مما کی این جی اوز کی طرف سے آج کل ہونے والے بچوں کے اغواء کے موضوع پر ہو رہا تھا۔ وہ یہاں نہیں آنا چاہتی تھی مگر مما اسے یہ کہہ کر لے آئی تھیں کہ تم اکیلی گھر پہ بور ہوتی رہتی ہو باہر نکلو دنیا کو دیکھو ان سے ملو رابطے بناؤ لیکن لگتا تھا مما اسے یہاں لا کر جیسے بھول گئی تھیں وہ خود تو اپنی فرینڈز کے ساتھ بزی ہوگئی تھیں اور ماہ رخ ایک طرف بیٹھی لوگوں کو دیکھ رہی تھی۔ یوں اکیلے بیٹھ کر اس پر غنودگی طاری ہونے لگی تھی اس لیے اس نے ہینڈ فری کانوں میں لگا کر موبائل پہ سونگ سننا شروع کر دیا تھا۔

"اوہ ہو ماہ رخ وقاص......! آپ یہاں؟" وہ جو مگن سے انداز میں بیٹھی سونگز سن رہی تھی اپنی پشت پہ ابھرنے والی شناسا سا آواز سن کر چونکی۔

"آہاں سرمد لغاری آپ......؟" وہ ہلکا سا مسکرائی۔

"آپ مجھے پہچان گئیں یہ میرے لیے بے حد اعزاز کی بات ہے۔" وہ شرارت سے اس کی نخریلی طبیعت کو نشانہ بناتا بولا۔

"سوری سرمد...... اگر یہ جوک تھا تو مجھے بالکل ہنسی نہیں آئی۔" اس نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"آپ مسکراتے ہوئے اتنی بھی بری نہیں لگتیں اور آواز بھی ٹھیک ہی ہے اس لیے بنا گھبرائے ہنسا بولا کریں۔" وہ اس کے مقابل کرسی پہ بیٹھتا ایک بار پھر شرارت سے بولا۔

"مجھے ابھی ابھی پتا چلا ہے کہ سرمد لغاری تعریف کرنے میں بالکل کورے ہیں اور دوسری بات میں جانتی ہوں میں مسکراتے ہوئے بے حد حسین لگتی ہوں اس لیے ہی کم مسکراتی ہوں۔" وہ غرور سے اتراتے ہوئے بولی۔

"یہ خوب صورت لوگ مغرور کیوں ہوتے ہیں؟" سرمد نے منہ بنایا۔

"آپ کے سوال میں ہی جواب چھپا ہے خود تلاش کر لیں۔ ویسے آپ یہاں کیسے؟" ماہ رخ نے مسکراتے ہوئے بات بدلی۔

"یہ ایونٹ مما نے آرگنائز کیا ہے وہ اس این جی او کی آنر ہیں اور زبردستی مجھے یہاں لے آئی ہیں۔" لگتا تھا وہ یہاں آ کر سخت بدمزہ ہوا ہے اس لیے منہ بناتا بولا۔

"ویسے لگتا تو نہیں کہ کوئی آپ کے ساتھ زبردستی کر سکتا ہے۔"

"مما کر سکتی ہیں صرف انہیں ہی یہ حق حاصل ہے۔ ویسے آپ کے چہرے سے لگ رہا ہے آپ بھی یہاں زبردستی ہی لائی گئی ہیں۔"

"ہاں مما پتہ نہیں کیوں مجھے یہاں لائی ہیں اتنا تو میں گھر میں بھی بور نہیں ہوتی جتنا یہاں ہو رہی ہوں۔" اس نے منہ بسورا اور ایک نظر دور اسٹیج پہ بیٹھی مما پہ ڈالی۔

"تصحیح کر لیں جناب بور ہو رہی تھیں۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"کیا مطلب......؟" ماہ رخ ناسمجھی سے بولی۔

"مطلب میرے آنے کے بعد تو آپ ہرگز بور نہیں ہوسکتیں۔"

"آہم...... کیا یہ خوش فہمی ہے یا پھر خود پسندی۔" ماہ رخ نے شرارتی انداز اپنایا۔ اسے سرمد سے بات کرنا اچھا لگ رہا تھا۔

"اسے خود شناسی کہتے ہیں میڈم۔" وہ سر کو خم دیتا بولا۔

"اچھا ویسے آپ باتیں اچھی کر لیتے ہیں۔ مگر لڑکیوں کو اتنا گھورتے کیوں ہیں آپ؟" وہ صاف گوئی سے بولی۔

"تصحیح کر لیں لڑکیوں نہیں صرف ایک لڑکی کو گھورتا نہیں بس دیکھتا ہوں۔" وہ اس سے بھی زیادہ صاف گو نکلا۔

"اور وہ کس لیے؟" اس نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"یہ تو مجھے خود بھی نہیں معلوم کسی دن دل سے پوچھیے گا شاید آپ کو بتا دے۔" وہ آواز کو گمبھیر بناتا بولا۔

"شٹ اپ سرمد۔" ماہ رخ نے اس کے انداز سے گھبرا کر اسے ڈپٹا۔

"مذاق کر رہا تھا مگر ذرا سہہ نہیں پایا آپ کا دل۔" وہ شرارت سے بولا۔

"اب اگر مزید بکواس کی ناں تو میں یہ کولڈ ڈرنک کا گلاس آپ کے اوپر انڈیل دوں گی۔" وہ وارننگ دیتی بولی۔

"اوکے...... اوکے بابا نہیں کرتا مذاق۔"

☆☆......☆☆......☆......☆☆

اتوار کو یونیورسٹی سے آف ہونے کی وجہ سے وہ خاصی دیر تک سوتی رہی' جب اٹھی تو دن کے بارہ بج رہے تھے۔ فریش ہونے کے بعد جب اپنے روم سے باہر آئی تو گھر میں معمول سے زیادہ چہل پہل تھی اور کچن سے اٹھتی اشتہاء انگیز کھانوں کی مہک ہر سو پھیلی ہوئی تھی۔

"مما یہ سب تیاریاں اتنے مزے مزے کی ڈشز......؟" وہ کچن میں اتنے سارے شیف دیکھ کر حیران ہی رہ گئی تھی۔ وہ کچن میں کھڑی ہدایت دیتی مما کے کندھے پہ ٹھوڑی ٹکا کر بولی۔ آج اس کا موڈ بہت اچھا تھا اس لیے وہ مما سے اس طرح محبت کا اظہار کررہی تھی۔

"تمہارے پاپا کے بزنس فرینڈز آج ڈنر پہ مدعو ہیں' سمجھو ایک چھوٹی سی پارٹی ہے شام کو' جس میں تمہارے پاپا کے سارے فرینڈز اپنی فیملیز کے ساتھ انوائیٹڈ ہیں یہ سب تیاریاں ان ہی کے اعزاز میں کی جارہی ہیں تم بیٹھو میں ابھی آپا کو کہہ کر تمہارا ناشتہ تیار کرواتی ہوں۔" وہ مصروف سے انداز میں بولیں۔

"او کے میں اپنے روم میں جارہی ہوں وہیں بھجوا دیجیے گا۔" اپنے پیار کے جواب میں ان کا روکھا پھیکا رویہ دیکھ کر ماہ رخ کا دل ہی خراب ہوگیا تھا۔ مگر انہوں نے تو شاید محسوس بھی نہیں کیا تھا۔

وہ اپنے سیل فون پہ گیم کھیل رہی تھی جب کمرے کا دروازہ کھول کر اس کے ڈیئر پاپا اندر آئے تھے۔ لیکن وہ حیران ان کے ہاتھ میں پکڑی ناشتے کی ٹرے دیکھ کر ہوئی تھی۔ وہ فوراً کھڑی ہوئی اور ان کے ہاتھ سے ناشتے کی ٹرے لے کر ٹیبل پہ رکھ دی۔

"پاپا......! آپ کیوں لے کر آئے ناشتہ؟ آپا کو کہہ دیا ہوتا۔" وہ شرمندہ سی بولی۔

"ارے تو کیا ہوا اگر اپنی بیٹی کا ناشتہ میں لے آیا' ویسے بھی میرا دل تم سے ڈھیروں باتیں کرنے کا کررہا تھا۔" وہ اسے بازو کے گھیرے میں لیا لے کر بیڈ تک آئے۔

"سوری بیٹا' میں پورا ہفتہ اتنا مصروف رہتا ہوں کہ چاہ کر بھی تمہیں وقت نہیں دے پاتا لیکن میرا سنڈے صرف میری بیٹی کے نام ہے۔" وہ محبت سے بولتے اس کے لیے ٹوسٹ پہ مکھن لگانے لگے تھے۔

"بس رہنے دیں پاپا' یہ صرف کہنے کی باتیں ہیں' ورنہ تو آج سنڈے کے دن بھی آپ اپنے بزنس فرینڈز کو ڈنر پہ انوائیٹ کرچکے ہیں۔" وہ بھی ماہ رخ تھی' بنا کسی جھجک کے ناراضگی کا اظہار کرگئی اور اس کے پھولے ہوئے منہ کو دیکھ کر پاپا بے اختیار ہنس دیے۔

"پاپا میں نے آپ کو کوئی جوک سنایا ہے کیا؟" اس کی خفگی میں اضافہ ہوا۔

"نہیں' جوک تو نہیں سنایا لیکن بیٹا خود سوچو میں یہ سب بزنس کس کے لیے اسٹیبلش کررہا ہوں' صرف تمہارے لیے ناں تا کہ تم ہمیشہ ایک لگژری لائف گزار سکو اور پھر بزنس بڑھانے کے لیے میل جول بھی بے حد ضروری ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولے۔

"لیکن مجھے نہیں چاہیے یہ شاندار زندگی' مجھے میرے ماں باپ چاہئیں' یہ جو شاندار ہر سہولت سے مزین سونے کا پنجرہ بنایا ہے ناں آپ نے میرے لیے' یہ مجھے خوش نہیں رکھ سکتا' مجھے اگر کوئی خوشی دے سکتا ہے تو وہ آپ کا اور مما کا ساتھ ہے۔" وہ اپنی بات پہ زور دیتے ٹوٹے بکھرے لہجے میں بولی اور ہمیشہ کی طرح اس بار بھی پاپا اس موڑ پہ آ کر موضوع بدل گئے تھے۔

"ناشتہ کرو ماہ' دیکھو ٹھنڈا ہورہا ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولے۔ وہ اپنے دل کا حال اسے بتا نہیں سکتے تھے کچھ دکھ اور پریشانیاں جوان بچوں سے بھی شیئر نہیں کی جاسکتیں تھیں' وہ اسے کیسے کہہ دیتے کہ تمہاری ماں سے شادی کرنا ان کی زندگی کی سب سے بڑی بھول تھی۔ وہ چاہے جیسی بھی عورت تھی' مگر ماہ رخ کی تو ماں تھی ناں' کیسے۔ وہ ایک بیٹی کے سامنے اس کی ماں کی زندگی کا تاریک پہلو کھول کر رکھ دیتے۔

"مجھے نہیں کرنا ناشتہ' بے شک ٹھنڈا ہوجائے۔" وہ بھی ضد میں آگئی تھی۔

"ماہ رخ بیٹا پاپا کی بات سے انکار نہیں کرتے' ناشتہ کرلو اور پھر تیار ہوکر باہر آجاؤ' مجھے یقین ہے تم مہمانوں کے ساتھ اچھے سے پیش آؤ گی۔" وہ سنجیدگی سے کہتے باہر چلے گئے اور پاپا سے کبھی انکار نا کرسکنے والی ماہ رخ مجبوراً اس ٹھنڈے ناشتے کو حلق سے اتارنے لگی تھی۔

"پتہ نہیں پاپا اور مما ایسے کیوں ہیں' میری فرینڈز کے پیرنٹس کتنے اچھے ہیں اور میرے مما پاپا نہ' ان کے پاس ایک دوسرے کے لیے وقت ہے اور نہ ہی میرے لیے' جو مجھے چاہیے وہ تو کبھی مجھے دینا ہی نہیں چاہتے۔" وہ تنفر سے سوچنے لگی منفی سوچوں کا جال اس کے ذہن میں بنتا جارہا تھا۔

ناشتے کے بعد اپنی وارڈ روب سے بلیک کلر کی گھیر دار فراک جس پہ اسٹون لگے ہوئے تھے نکال کر اس نے آپا کو پریس

کرنے کو دی تھی۔ ویسے تو الماری میں ہینگ ہوئے اس کے سارے کپڑے پہلے سے پریس شدہ تھے مگر اس کی عادت تھی کہ پہننے سے پہلے ایک بار پھر سے استری کرواتی۔ اس کے بعد اس نے سیل فون اٹھایا اور مہوش کو کال ملائی۔ دوسری بیل پہ ہی اس نے کال ریسیو کرلی تھی۔

"مہوش کیا کررہی ہو آج تم؟" ہائے ہیلو کے بعد ماہ رخ گویا ہوئی۔

"کچھ خاص نہیں بس آج مما ہم سب کے لیے خود لنچ بنارہی ہیں اور پاپا اور میں ان کی مدد کررہے ہیں۔" دوسری طرف وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"اچھا ایسا ہے کہ میں نے تمہیں آج ڈنر پہ انوائٹ کرنے کے لیے کال کی ہے کیا تم آسکتی ہو؟" وہ کام کی بات پہ آئی۔

"آج تو مشکل ہے یار، ہم سب گھر والوں کا اصول ہے کہ چھٹی کا دن صرف گھر والوں کے ساتھ ہی گزاریں۔" دوسری طرف وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔

"میں کوئی اصول نہیں جانتی میں نے انوائٹ کیا ہے اور تم آرہی ہو بس......" اس نے ضدی لہجے میں کہہ کر بنا مہوش کی بات سنے فون رکھ دیا اور اسے یقین تھا اگلے کچھ گھنٹوں میں مہوش اس کے سامنے ہوگی۔

آیا اس کے کپڑے پریس کرکے رکھ گئی تھیں، کچھ دیر نیٹ یوز کرنے کے بعد اس نے وہ کپڑے اٹھائے اور چینج کرنے چل دی۔ کپڑے چینج کرنے کے بعد اس نے اپنے سیاہ سلکی بالوں کو کرل کیا اور آنکھوں میں کاجل لگایا لمبی خمدار گھنی پلکوں میں مسکارے کا ٹچ دیا اور جس وقت وہ اپنے گلابی ہونٹوں پہ نیچرل کلر کی لپ اسٹک لگارہی تھی اس ہی وقت مہوش دروازہ کھول کر اس کے کمرے میں داخل ہوئی۔

"بدتمیز لڑکی خبردار اگر مجھے اتنے شارٹ نوٹس پہ انوائٹ کیا تو۔" وہ اس کے کندھے پر مصنوعی غصے سے ہاتھ مار کر بولی اور ماہ رخ اس کی اس حرکت پہ مسکرادی۔

"جناب اب اکلوتی دوست پہ حق نا جتلاؤں گی تو کیا پڑوسیوں کی بیٹی پہ حق جتلاؤں گی، ویسے بھی تمہارے بنا مجھے کسی فنکشن میں مزہ نہیں آتا۔" وہ محبت سے اس کے گلے میں بازو حمائل کرتے بولی۔

"اچھا بس بس جلدی تیار ہو جاؤ گیسٹس آنا شروع ہو جائیں گے۔" اس نے خود کو ماہ رخ سے الگ کرتے کہا۔

"اوکے بابا تیار ہورہی ہوں۔" ماہ رخ نے اپنے دودھیا بے داغ پیروں میں بیلو رنگ کے سینڈلز پہنتے کہا اور مہوش مسحور سی اس کے پیروں کو دیکھتی رہ گئی۔ وہ دونوں ایک ہی کلاس سے تعلق رکھتی تھیں مگر پھر بھی دونوں کے مزاج میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ مہوش جتنی نرم طبیعت کی تھی ماہ رخ اتنی ہی مغرور اور خود پسند اور اس کا غرور کچھ کچھ جائز بھی تھا وہ تھی ہی اتنی حسین کہ جو نگاہ اس کی طرف اٹھتی ٹھٹک کر اس ہی پہ جم سی جاتی۔ جو دیکھتا مسحور ہوجاتا اور اس پہ اس کا مغرور انداز لوگوں کی توجہ اپنی طرف کھینچ لیتا۔ مرد تو پھر مرد تھے لڑکیاں تک اس کے حسن سے مرعوب ہوجاتی تھیں۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو مہوش ٹھیک نہیں لگ رہی کیا؟" ماہ رخ نے مہوش کی نظریں خود پہ مرکوز پاکر سوال کیا۔

"دیکھ رہی ہوں کتنی حسین ہو تم اور ابھی تو اور بھی زیادہ پیاری لگ رہی ہو۔" مہوش ستائش سے بولی، خود وہ بھی خوب صورت تھی مگر ہزاروں ستاروں کے بیچ چاند تو ایک ہی ہوتا ہے۔

"ہاہاہا...... تم بھی ناں......" وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ "ویسے میری فرینڈ بھی بہت بہت پیاری ہے، بہت معصوم اور رئیلی سوری مہوش میں نے تمہارا اتنا خاص دن خراب کردیا۔" وہ محبت سے بولی۔

"اچھا چلو کوئی بات نہیں ہماری زندگی میں تو یہ خاص لمحے ان شاءاللہ آتے ہی رہیں گے۔" وہ سادگی سے بولی اور ماہ رخ اس کا پُرسکون چہرہ دیکھ کر اندر ہی اندر اداس ہوگئی تھی۔

☆☆......☆......☆☆

ڈیفنس میں جہاں بڑے بڑے امرأ کی کوٹھیاں شان سے ایستادہ تھیں، وہیں سی بلاک میں وقاص آفندی کی شاندار کوٹھی اس وقت مہمانوں کی چہل پہل اور قہقہوں سے گونج رہی تھی، رات کی تاریکی میں وہ کوٹھی ستاروں کی طرح چمک رہی تھی۔ شہر کے بڑے بڑے بزنس مین اپنی فیملی کے ساتھ ان کے گھر ڈنر پہ مدعو تھے۔ ماہ رخ اور مہوش جس وقت کمرے سے باہر آئیں لاؤنج میں مما کی فرینڈز بیٹھی ہوئی تھیں پارٹی کا انتظام لان میں کیا گیا تھا اس لیے وہ دونوں بھی وہیں چلی آئی تھیں۔ پاپا اپنے فرینڈز سے گپ شپ میں مصروف تھے مما بھی لان میں آگئی تھیں اور اب پاپا کے فرینڈز کی بیگمات سے فیشن پہ سیر حاصل گفتگو کررہی تھیں، جب کہ ان کے ساتھ آئی ینگ جنریشن ایک طرف بیٹھ کر بور ہورہی تھی۔ ماہ رخ نے ایک سرسری نظر سب پہ ڈال کر ارد گرد کا جائزہ لیا اور سامنے صوفے پہ بیٹھے سرمد لغاری کو دیکھ کر چونک گئی۔

"مہوش یار یہ یہاں کیا کررہا ہے۔" وہ حیرانی سے بولی۔

"کون یہاں کیا کررہا ہے؟" مہوش اس کے بونگے سوال پر

چڑ کر بولی۔
"اوفو...... سامنے دیکھو لائٹ بلیو شرٹ میں سرمد لغاری ہی ہے ناں۔" اس نے مہوش کی توجہ اس کی طرف مبذول کرائی۔
"تم نے انوائٹ کیا ہے اسے؟" اب کے حیران ہونے کی باری مہوش کی تھی۔
"پاگل ہو گیا؟ ماہ رخ وقاص ہر عام سے بندے کو انویٹیشن نہیں دیتی۔" وہ تفاخر سے بولی۔
"خیر عام سا تو وہ کہیں سے بھی نہیں لگتا' اتنا ہینڈسم' گڈ لکنگ اور شاندار پرسنالٹی کا مالک ہمارے پورے ڈیپارٹمنٹ میں کوئی نہیں۔" مہوش ستائش سے بولی۔
"ایکسیوزمی' کیا آپ لوگ میرے بارے میں بات کررہے ہیں؟" سرمد لغاری بھی ان دونوں کو دیکھ چکا تھا اور اب وہ ان ہی کی طرف آتے ہوئے بولا۔
"کیا آپ کو اپنا آپ اتنا خاص لگتا ہے؟" وہ شرارت سے بولی۔
"بالکل اس سے بھی کہیں زیادہ خاص لگتا ہے اور اس لیے ہی مجھے لگ رہا ہے جیسے آج کل ماہ رخ وقاص میری پیروی کررہی ہیں۔" وہ بے حد سنجیدگی سے بولا۔
"ماہ رخ بیٹا ایک منٹ ادھر آنا آپ کو کسی سے ملوانا ہے۔" وہ جواب دینے کے لیے منہ کھول ہی رہی تھی کہ پاپا نے اسے آواز دے کر بلا لیا اور وہ کندھے اچکا کر آگے بڑھ گئی۔ مگر پھر اس نے جاتے ہوئے پلٹ کر سرمد کو دیکھا اور انگوٹھا الٹا کر کے منہ بنا کر اسے چڑ لیا۔ اس کی اس حرکت پہ سرمد اور مہوش دونوں ہی مسکرا دیے تھے۔
"ویسے آپ کی فرینڈ بہت خود پسند ہیں۔" اس کے جانے کے بعد سرمد نے تبصرہ کیا۔
"خود پسند کا تو پتہ نہیں' ہاں اتنا جانتی ہوں وہ مغرور بہت ہے لیکن وہ اتنی پیاری ہے کہ اس پہ یہ غرور بھی سجتا ہے۔" وہ دوست کے بارے میں محبت سے بولی۔
"بائی دا وے آپ بھی بہت نائس ہیں۔" سرمد لغاری رسماً بولا مگر تھا سچ۔ اور مہوش' جسے سرمد پہلے بھی بہت پسند تھا اور اب اس کے منہ سے اپنی تعریف سن کر تو جیسے وہ کھل سی اٹھی تھی۔
دوسری طرف وقاص آفندی اپنی لاڈلی بیٹی کو بازو کے گھیرے میں لیے کسی کی طرف بڑھے تھے۔ ان کے لب مسکرا رہے تھے۔ جب کہ ماہ رخ حیران سی تھی۔ آج تک پاپا نے اپنے کسی فرینڈ سے اسے یوں متعارف نہیں کروایا تھا۔ ہاں یہ ڈیوٹی مما ضرور سر انجام دیتی تھیں۔

"اس سے ملو ماہا بیٹا' یہ ہیں جنید آفتاب گردیزی۔" پاپا بے حد پُرجوش سے بولے اور ماہ رخ نے سپاٹ نظروں سے جنید کی طرف دیکھا اور نگاہیں پھیر لیں۔
سامنے جنید آفتاب کھڑا تھا۔ وہ جنید جو کبھی اس کا بہترین دوست ہوا کرتا تھا مگر آج حقیقت یہ تھی کہ ماہ رخ اس سے شدید نفرت کرتی تھی اور محبت تو خیر جنید کے دل میں بھی نہیں تھی۔ اس ہی لیے وہ بھی اس وقت ایک ماہ رخ کے علاوہ سب کو ہی دیکھ رہا تھا۔ بلیک ویسٹ کوٹ' وائٹ شرٹ اور بلیک پینٹ پہنے وہ ہمیشہ سے زیادہ وجیہہ لگ رہا تھا۔
"کیا ہوا بیٹا؟ لگتا ہے جنید' ماہا تمہیں دیکھ کر شاک میں ہے۔" پاپا مسکرائے تھے۔ وہ جب بہت موڈ میں ہوتے تو اسے ماہا ہی کہتے تھے۔
"جی انکل مجھے بھی کچھ ایسا ہی لگ رہا ہے۔ میڈم آپ کا سرپرائز سہہ نہیں پائیں۔" وہ بظاہر مسکراتا ہوا بولا تھا مگر ماہ رخ جانتی تھی یہ مسکراہٹ میں چھپا طنز تھا۔
"ماہا بیٹا سلام کرو۔" جنید کو پاپا نے اسے خاموش دیکھ کر کہا۔ تقریباً سب ہی کی نظریں اس وقت ان پہ جمی تھیں۔ خود مہوش بھی ششدر سی یہ منظر دیکھ رہی تھی۔
"سوری پاپا...... ماہ رخ وقاص ہر ایرے غیرے کو سلام نہیں کرتی۔" وہ تنفر سے بولی۔ جنید آفتاب' جس کہ لیے ایک دنیا پاگل تھی اور آج کے وقت میں وہ سب سے قابل بزنس مین تصور کیا جاتا تھا اپنی اس بے عزتی پہ سلگ ہی تو اٹھا تھا۔
"ماہ رخ یہ کیا بدتمیزی ہے سوری کرو جنید سے ابھی اور اسی وقت۔" وقاص احمد غصے سے بولے۔
"لیکن پاپا میں نے کچھ غلط......" وہ حیرانی سے باپ کا غصے سے سرخ چہرہ دیکھتی کچھ بولنے کی کوشش کرنے لگی مگر وقاص آفندی نے اس کی بات درمیان میں ہی کاٹ دی تھی۔
"معافی مانگو جنید آفتاب سے۔" وہ اپنی بات پہ زور دے کر بولے اور بس ان کا ہی خیال کر کے اس نے جنید سے ایکسکیوز کیا تھا۔ اسے جنید کی انسلٹ اپنے پاپا کی عزت سے زیادہ پیاری تو نہیں تھی۔ جنید نے اس کی سوری کا کوئی ریسپانس نہیں دیا اسے بالکل نظر انداز کرتا وقاص آفریدی کی طرف بڑھا تھا۔
"کول ڈاون انکل' اتنی سی بات پہ اتنا غصہ کیوں کررہے ہیں۔ شاید ابھی وہ مجھ سے ناراض ہے اس لیے اس نے ایسا کہا۔" پتہ نہیں اس نے ایسا بول کر کس کا بھرم رکھا تھا۔ وہ مسکراتا ہوا انہیں

پُرسکون کرنے لگا اور اس کے اس انداز پہ وقاص آفریدی کے دل میں جنید کے لیے پیار اور بھی بڑھ گیا تھا۔ جب کے ماہ رخ پہ انہیں مزید غصہ آیا تھا۔

اپنی اتنی انسلٹ پہ ماہ رخ روتی ہوئی وہاں سے واک آؤٹ کر گئی تھی۔ اس کا تو بس نہیں چل رہا تھا کہ جنید کو شوٹ ہی کر ڈالے۔ اور اس سب سے بے نیاز جنید خود سے کچھ دور کھڑی مہوش کی طرف بڑھا تھا جو حیران پریشان سی تھی۔

"السلام علیکم کیسی ہو مہوش.....؟" وہ دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈالے مسکراتے ہوئے یوں بولا جیسے اب سے پہلے کچھ ہوا ہی نہیں۔

"وعلیکم السلام! میں ٹھیک ہوں تم سناؤ کیسے ہو؟" وہ لہجے میں بشاشت سموتے بولی اسے اس وقت ماہ رخ کی ٹینشن ہو رہی تھی۔

"میں بہت اچھا ہوں اور تم سے مل کر بہت خوش بھی مگر لگتا ہے تم خوش نہیں ہو مجھے اتنے سال بعد اپنے سامنے دیکھ کر؟" وہ اس کے چہرے کا بھرپور تجزیہ کرتے بولا۔ وہ بھی بہت سنجیدہ اور خاموش ہوا کرتا تھا اور اب باتیں کرنے کے ساتھ ساتھ چہرے پڑھنا بھی سیکھ گیا تھا۔

"خیر ایسی تو کوئی بات نہیں بہت اچھا لگ رہا ہے اتنے سالوں بعد تم سے مل کر اور بھی اچھا لگتا اگر آج جو ہوا وہ نا ہوتا۔" وہ سادگی سے مسکرا کر بولی۔

"او یار ٹینشن مت لو....." وہ بے فکری سے مسکرایا۔

"ہمم...... یہ بتاؤ تم پاکستان کب آئے اور مجھ سے کانٹیکٹ کیوں نہیں کیا کہیں ایسا تو نہیں کہ تم ہم سب کو بھول چکے ہو۔" وہ بھی نارمل ہوتے مسکرائی۔

"میں کچھ عرصہ پہلے ہی پاکستان شفٹ ہوا ہوں اور بزنس کی مصروفیات میں الجھ کر تو میں خود کو بھی بھول چکا تھا مگر تم سب کو پھر بھی نہیں بھول سکا۔" وہ جیسے کچھ یاد کرتا بولا۔

"ویل ایک بات کہوں جنید، تم مائنڈ تو نہیں کرو گے؟"

"مہوش میرے لیے تم اب بھی اتنی ہی امپورٹنٹ ہو جتنی اسکول کے دنوں میں تھیں تم مجھ سے اب بھی بے جھجک کچھ بھی کہہ سکتی ہو دوستوں کی باتوں کا کم از کم میں تو برا نہیں مانتا۔"

"میں یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ جنید جو کچھ ماضی میں ہماری زندگی میں ہو چکا اس کے بعد تمہیں ماہ رخ کی زندگی میں دوبارہ نہیں آنا چاہیے تھا۔ تم بھی جانتے ہو کہ وہ تمہیں کتنا ناپسند کرتی ہے پھر یہاں آنے کا مقصد؟" اس نے سنجیدگی سے بولتے صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔

"مہوش تمہاری اس بات پہ مجھے بہت ہنسی آرہی ہے لیکن کیونکہ تم سنجیدہ ہو اس لیے میں بھی تمہیں بے حد سنجیدگی سے بتا رہا ہوں کہ ماہ رخ وقاص میرے لیے زمین پہ پڑے پتھر جتنی اہمیت بھی نہیں رکھتی اور رہی بات اس کی ناپسندیدگی کی تو مہوش زوار ایک بات یاد رکھو۔ جنید آفتاب تو ماہ رخ کو اپنی ناپسندیدگی کے لائق بھی نہیں سمجھتا میں یہاں کھڑا ہوں تو وقاص انکل کی خاطر، ان سے میرا ایک بے حد مضبوط رشتہ ہے۔ جسے کوئی نہیں جھٹلا سکتا اور اس کے علاوہ اب انکل اور میں بزنس پارٹنرز بھی ہیں اور آج یہ پارٹی بھی ہماری پارٹنر شپ کے اعزاز میں ہی دی گئی تھی جسے تمہاری ڈیئریسٹ فرینڈ اسپوائل کر چکی ہیں۔" وہ تلخی سے بھرپور لہجے میں بولتا مہوش کو حیران کر گیا تھا۔

اور وہ سوچ رہی تھی کہ کیا یہ وہ ہی جنید آفتاب گردیزی ہے جس کی باتیں انداز سب کچھ کتنا سادہ ہوا کرتا تھا جس کی دنیا صرف اپنے دوستوں کے گرد ہی گھوما کرتی تھی لیکن اب وہ بدل چکا تھا اور درمیان میں دس سال حائل تھے۔

☆☆......☆......☆☆

وہ بہار کی ایک خوب صورت صبح تھی۔ پھولوں کی کونپلیں پھوٹ رہی تھیں، رنگ ہی رنگ ہر سو بکھرے ہوئے تھے چڑیوں کی چہچہاہٹوں کا بھی الگ ہی انداز تھا۔ ڈرائیور کچھ دیر پہلے ہی اسے اسکول گیٹ پہ ڈراپ کر کے گیا تھا۔ وہ نیم کے پیڑ کے نیچے کھڑی اپنے دوستوں کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ ریسٹ واچ پر نظر ڈالتے بار بار گیٹ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ آج ان کا رزلٹ اناؤنس ہونا تھا اور اس کے فرینڈز اب تک نہیں آئے تھے۔ ان کے گروپ کا اصول تھا جب تک سارے فرینڈز نا آجائیں کوئی کلاس میں نہیں جائے گا اور جو بھی پہلے آئے گا وہ باقی دوستوں کا اس درخت کے نیچے کھڑے ہو کر انتظار کرے گا۔ ہمیشہ ماہ رخ ہی سب سے آخر میں آتی تھی اور باقی سب اس کا انتظار کرتے تھے مگر آج وہ رزلٹ کی ایکسائٹمینٹ میں ذرا جلدی آگئی تھی جب کہ باقی سب فرینڈز اب تک نہیں آئے تھے۔ وہ بیزاری سے درخت سے ٹیک لگائے جوگرز کی نوک سے کچی زمین کو کھود رہی تھی جب اچانک کسی نے پیچھے سے آکر اسے ڈرایا تھا۔

"حد ہے یار یہ کیا طریقہ تھا....." اپنے پیچھے کھڑے عامر کو دانت نکال کر ہنستا دیکھ کر وہ بری طرح چڑی تھی۔ وہ ان کے گروپ میں سب سے زیادہ شراتی تھا۔

"کیا ہوا ماہ رخ موڈ کیوں خراب ہے تمہارا اور تم بے وقوفوں کی طرح کیوں ہنس رہے ہو۔" مہوش سیدھی ان دونوں کے پاس آئی تھی اور حیرت سے بولی۔

"اوہ یار یہ اپنی ماہ رخ زمین میں پتہ نہیں کون سا خزانہ تلاش کر رہی تھی میں نے پیچھے سے آ کر ہاؤ کیا تو ڈر گئی۔" وہ ہنستے ہوئے بتانے لگا تھا۔

"ایک تو تانیہ اور جنید پتہ نہیں کہاں رہ گئے ہیں' کوئی کسی کو اتنا انتظار کرواتا ہے کیا؟" ماہ رخ سخت غصے سے بول رہی تھی۔ ساتھ ہی بار بار گھڑی میں ٹائم بھی دیکھ رہی تھی۔

"اچھا تو میڈم جو آپ روزانہ ہم سب کو انتظار کرواتی ہیں وہ کیا؟ ہمیں بھی اتنا ہی غصہ آتا ہے ویسے بھی بار بار گھڑی دیکھنے سے وقت جلدی نہیں گزرتا۔" عامر نے اسے احساس دلانے کی کوشش کی اور تب ہی دور سے تانیہ اور جنید کو آتا دیکھ تینوں نے سکون کا سانس لیا تھا۔

"تم آج اتنا لیٹ کیسے ہوگئے جنید؟ تم تو ہمیشہ ٹائم پہ پہنچتے ہو۔"

"مما جانی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے ان کو سانس لینے میں پرابلم ہو رہا تھا اس لیے انہیں رات کو ہی میں ڈاکٹر کے پاس لے گیا تھا اور انہوں نے مما کو ایڈمٹ کرلیا تھا' ابھی صبح وہیں سے آیا ہوں اس لیے آج دیر ہوگئی۔" وہ پریشانی اور اداسی کے ملے جلے تاثر سے بولا تھا۔ ماہ رخ نے دیکھا وہ روزانہ کی طرح ایکٹیو اور فریش نہیں لگ رہا تھا۔ اس کی جھیل سی آنکھوں میں اس وقت سرخی صاف نظر آ رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ رات بھر جاگا ہوا ہو۔

جنید کے پاپا کی تین سال پہلے ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں ڈیتھ ہوگئی تھی اور اب جنید کی فیملی میں وہ اور اس کی مما ہی رہ گئے تھے۔

"حد ہے یار جنید ہم ایک ہی بلاک میں رہتے ہیں' آنٹی کی اتنی طبیعت خراب ہوگئی اور تم نے ہمیں انفارم کرنا بھی ضروری نہیں سمجھا۔" ماہ رخ غصے سے بولی تھی۔

"میں اتنی رات گئے کسی کو ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتا تھا' ویسے بھی میں تھا ناں مما کے پاس اور اب تو وہ پہلے سے بہت بہتر ہیں۔" ماہ رخ کا خفا خفا سا چہرہ دیکھ کر وہ مسکرایا تھا۔

وہ سب ایک ہی ایریا میں رہتے تھے اور ایک ہی اسکول میں پڑھتے تھے مگر ان کی کلاسز ایک نہیں تھی۔ عامر تانیہ اور جنید میٹرک کلاس کے طالب علم تھے جب کے مہوش اور ماہ رخ ساتویں جماعت کی طلبہ اس وقت جنید کی عمر صرف سولا سال تھی مگر اتنی سی عمر میں بھی وہ بے حد خودار انسان تھا۔ کسی سے مدد مانگنا اسے بھی پسند نہیں رہا تھا' یہ ہی وجہ تھی کہ مما کی طبیعت خرابی کا اس نے کسی کو نہیں بتایا تھا۔

"ایک تو تمہاری یہ عادت بہت بری لگتی مجھے جنید چھٹی کے بعد مجھے بھی ملنے جانا ہے ہاسپٹل اور اب میں کچھ نہیں سنوں گی۔" ماہ رخ ضدی لہجے میں بولی تھی۔

"صرف ماہ رخ ہی نہیں' ہم سب بھی جائیں گے آنٹی سے ملنے۔" باقی سب بھی ایک آواز میں بولے تھے اور ان کی محبت پہ جنید دل سے مسکرا دیا تھا۔

چھٹی کے ٹائم ماہ رخ نے ڈرائیور کو یہ کہہ کر واپس بھیج دیا تھا کہ وہ جنید کے ساتھ آئے گی اور ڈرائیور کیونکہ جنید کو بخوبی جانتا تھا اس لیے بنا اعتراض کیے چلا گیا تھا اور وہ آنٹی سے ملنے جنید کے ساتھ ہوسپٹل چلی آئی تھی۔ آنٹی کی رنگت زرد ہو رہی تھی اور بے حد بیمار اور نڈھال لگ رہی تھیں مگر اس کے باوجود ماہ رخ کو دیکھتے ہی ان کے بیمار چہرے پہ مسکراہٹ دوڑ گئی تھی اور وہ کھل سی اٹھی تھیں وہ ان کے قریب آئی تو انہوں نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں بھر کر خود سے قریب کیا اور اس کی صبیح پیشانی پہ بوسہ دیا تھا۔

"کیسی ہو ماہ رخ بیٹا؟" وہ بہت پیار سے بولی تھیں' ماہ رخ نے ہمیشہ ان کے لہجے میں اپنے لیے محبت محسوس کی تھی۔ وہ پاپا کی کزن بھی تھیں اور اس حوالے سے وہ ماہ رخ کی پھوپو لگتی تھیں۔ پاپا کی کوئی بہن نہیں تھی اور اس وجہ سے پاپا ان سے بہت محبت کرتے تھے مگر مما کے انداز میں آنٹی کے لیے ماہ رخ نے کبھی گرم جوشی نہیں دیکھی تھی جب کے اس کے برعکس آنٹی ہمیشہ مما کا بے حد محبت سے ذکر کرتی تھیں۔

"رزلٹ کیسا رہا میری بیٹی کا؟" انہوں نے مزید پوچھا۔

"آپ کی دعا سے اے پلس آیا ہے آنٹی۔" وہ مسکرا کر بولی تھی۔ جتنی دیر وہ وہاں بیٹھی رہی آنٹی اس سے محبت بھری باتیں کرتی رہی تھیں...... وہ بہت زندہ دل خاتون تھیں' وہ بڑی سے بڑی پریشانی بھی مسکراہٹ کے پیچھے چھپا لیتی تھیں۔ اس لمحے ماہ رخ انہیں اس طرح بیڈ پہ لیٹا دیکھ کر بہت اداس ہوگئی تھی۔

"آنٹی بس اب آپ جلدی سے ٹھیک ہو کر گھر آ جائیں۔ آپ کی ماہ رخ آپ کو اس حال میں نہیں دیکھ سکتی۔" وہ بے حد گلوگیر لہجے میں بولی تھی اور پھر جھک کر ان کا گال چوما تھا۔

وہ جس وقت گھر پہنچی تو مما لاؤنج میں ہی بیٹھی تھیں' اسے حیرت ہوئی تھی اس وقت مما کو گھر پہ دیکھ کر وہ تو شام سے پہلے کبھی

گھر میں دکھائی نہیں دیتی تھیں‘ جب کے اس وقت ساڑھے تین ہورہے تھے۔
"مما جانی آپ اس وقت گھر میں......!" وہ اپنی حیرانی چھپا نہیں سکی تھی۔
"تمہارے اسکول کی چھٹی پونے دو بجے ہوتی ہے اور اس وقت ساڑھے تین ہورہے ہیں‘ کہاں تھیں تم اور اس وقت کہاں سے آرہی ہو؟" وہ اس کا سوال نظر انداز کرتی غصے سے بولی تھی۔ اور ماہ رخ ہکابکا سی ماں کے تیور دیکھتی رہ گئی تھی۔ آج تک بھلا انہوں نے اس کی فکر کب کی تھی۔
"جنید کی مما جان ہاسپٹل میں ایڈمیٹ ہیں ان ہی سے ملنے گئی تھی۔" وہ بے حد سنجیدگی سے بولی تھی۔
"کس کی اجازت سے؟" دوسرا سوال پہلے سے بھی زیادہ غصے سے کیا گیا تھا۔
"کیا مطلب کس کی اجازت سے‘ مجھے اچانک پتہ چلا تو میں ملنے چلی گئی۔ ویسے بھی آپ لوگ کون سا گھر ہوتے ہیں جو پرمیشن لی جائے۔" وہ اب ان کے انداز پہ حیران ہورہی تھی۔ اس لیے خود بھی تیکھے لہجے میں بولی۔ جنید کوئی اجنبی تو نہیں تھا۔
"وہ عورت جو میرا گھر برباد کرنے پہ تلی ہوئی ہے‘ جس نے میرے شوہر کو تو مجھ سے چھین ہی لیا ہے اور اب تمہیں بھی چھیننا چاہتی ہے تم اس ہی عورت کے لیے میرے سامنے کھڑی ہوکر بول رہی ہو۔" مما طیش سے چلائی تھیں۔
"یہ...... یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ......!" چودہ سال کی وہ معصوم سی بچی اتنی سی بات پہ ماں کا اتنا شدید رویہ دیکھ کر سہم سی گئی تھی اور شاید یہ بات مما نے بھی محسوس کی تھی اس لیے وہ خود پہ کنٹرول کرتیں اس کے پاس آئیں اور اسے کندھوں سے تھام کر اپنے سامنے کرتیں پیار سے بولیں۔
"کوئی بھی انسان ماں باپ سے زیادہ اپنا نہیں ہوتا کسی پہ آنکھیں بند کرکے بھروسہ کرنا بے وقوفی ہے جو جتنا اپنا لگتا ہے وہ اتنا شدید دھوکہ دیتا ہے۔ تمہاری آنٹی اچھی نہیں ہیں‘ وہ آپ کے پاپا اور مما کو الگ کرنا چاہتی ہیں‘ وہ ایک شاطر عورت ہیں اور میری ماہ رخ اب ان سے دور رہے گی ہیں ناں بیٹا۔" وہ کچھ بھی نا سمجھ آنے کے باوجود اثبات میں سر ہلا گئی تھی۔
"آنٹی تو اتنی نائس ہیں پھر مما انہیں اتنا ناپسند کیوں کرتی ہیں؟" پہلی بار اس کے دماغ میں یہ سوال ابھرا تھا۔
☆☆......☆......☆☆

یہ جاتی گرمیوں کی بات تھی‘ مما پاپا کے درمیان بہت دنوں سے بات چیت بند تھی لیکن اس دن تو حد ہی ہوگئی تھی نہ جانے کیا بات تھی کہ وہ دونوں تیز تیز آواز میں لڑرہے تھے۔ وہ لاؤنج میں بیٹھی اسکول کا کام کررہی تھی اور بآسانی سب کچھ سن رہی تھی۔
"تمہاری ہمت کیسے ہوئی زارا...... کہ تم نے فریحہ پہ الزام تراشی کی‘ تم خود کیا ہو؟ اپنا کریکٹر دیکھا ہے تم نے......؟" پاپا کی آواز غصے سے کانپ رہی تھی وہ بری طرح مما پہ چلارہے تھے۔ یہ مما پاپا بار بار آنٹی کا نام لے کر کیوں لڑرہے ہیں وہ حیرانی سے سوچنے لگی تھی۔
"میں جو بھی ہوں جیسی بھی ہوں کم سے کم آپ کی اور فریحہ کی طرح جھوٹی نہیں ہوں‘ وہ عورت جو خود کو پارسا سمجھتی ہے‘ مجھ سے میرے ہی شوہر کو بدظن کررہی ہے‘ چھین رہی ہے‘ مجھ سے آپ کو اس کا کردار کیا ہوگا سب جانتے ہیں۔" مما تمسخر اڑاتے بولی تھیں اور اس وقت پاپا کا ہاتھ اٹھا تھا اور مما کے گال پہ نشان چھوڑ گیا تھا۔ ماہ رخ وہ تو ششدر رہ گئی تھی۔ ماہ رخ سے رہا نہیں گیا تو وہ سب کچھ چھوڑ کر پاپا کے روم کی طرف چل دی تھی اور دونوں ہاتھوں سے اس نے بند دروازے کو بجانا شروع کردیا تھا۔
پاپا نے دروازہ کھولا اور غصے سے اسے دیکھا وہ گھبراہٹ کے مارے کچھ بول ہی نا سکی اور چپ چاپ مڑ کر اپنے کمرے میں چل دی تھی۔ اس دن وہ پوری رات روئی تھی۔ اسے پہلی بار مما کی باتیں سچ لگی تھیں اور آنٹی سے نفرت محسوس ہوئی تھی۔ دوسرے دن اسکول میں بھی وہ خاموش خاموش سی رہی تھی‘ کسی سے بات نہیں کی تھی یہاں تک کہ جنید جو کہ اس کا بیسٹ فرینڈ تھا۔ اسے بھی نظر انداز کررہی تھی لیکن جب بریک تک بھی اس کا وہ ہی رویہ رہا تو جنید پریشان ہوگیا تھا۔
"یار پرابلم کیا ہے آخر کچھ بول کیوں نہیں رہی ہو‘ کوئی مسئلہ ہے تو شیئر کرو؟ مگر خدارا یوں خاموش مت رہو۔" وہ فکرمندی سے بولا تھا۔ اور ماہ رخ اس کے ذہن میں جو رات بھر سے لاوا پک رہا تھا وہ پھٹ گیا۔
"ہاں ہے پرابلم جاننا چاہتے ہو کیا ہے تو سنو پرابلم تمہاری مما ہیں‘ شاطر عورت جنہوں نے اپنی گھٹیا چالوں سے میرے مما پاپا کا رشتہ توڑنے کی کوشش کی ہے۔" وہ نا کسی کا لحاظ کیے پھٹ پڑی تھی۔
"شٹ اپ ماہ رخ کیا بکواس کررہی ہو یقیناً یہ زہر زارا آنٹی نے تمہارے دل میں بھرا ہے‘ تمہاری مما تو ہیں ہی نفسیاتی مریضہ۔" وہ اپنی مما کے بارے میں اس کی زبان سے اتنے نازیبا الفاظ سن کر غصے سے بولا تھا اور ماہ رخ یہ برداشت نہیں کرپائی تھی

اوراس کا ہاتھ اٹھ گیا تھا۔

جنید حیرانی سے اپنا منہ کھولے اسے دیکھ رہا تھا بریک آور ہونے کی وجہ سے سارے اسٹوڈینٹس لان میں کھڑے یہ تماشا دیکھ رہے تھے لیکن ماہ رخ کو تو کوئی احساس ہی نہیں تھا۔ اس دن پہلی بار ماہ رخ کے دل نے جنید آفتاب کے لیے نفرت محسوس کی تھی۔

☆☆......☆......☆☆

پتہ نہیں زارا وقاص نے فریحہ بیگم کو ایسا کیا کہا کہ ان کی حالت اچانک بگڑ گئی تھی۔ ان کا سانس اکھڑ رہا تھا۔ جنید جس وقت گھر پہنچا تھا تو اس نے زارا آنٹی کو گھر سے نکلتے دیکھا تھا۔ پریشانی میں اسے سمجھ ہی نہیں آرہا تھا کہ کرے تو کیا کرے۔ وہ انہیں ہاسپٹل لایا تو ڈاکٹرز نے بتایا انہیں مائنر اٹیک ہوا تھا لیکن کیونکہ جنید انہیں وقت پہ ہاسپٹل لے آیا تھا اس لیے زیادہ سیریس پرابلم نہیں ہوئی تھی۔ جب ان کی حالت بہتر ہوئی تو جنید نے سکون کا سانس لیا تھا۔ پہلی بار اس نے خود کو بے حد تنہا محسوس کیا تھا۔ مما اپنے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی تھیں' وقاص انکل ان کے اکلوتے کزن تھے جبکہ جنید کے پاپا کے بھائی' بہن لندن میں سیٹل تھے۔ وہ اکثر جنید اور فریحہ بیگم کو بھی اپنے پاس آنے کا کہتے رہتے تھے لیکن مما کبھی راضی نہیں ہوئیں اور نا ہی کبھی جنید کا دل کیا کہ اپنے وطن اور اپنے دوستوں کو چھوڑنے کا۔ یہاں جا بجا پاپا کی یادیں بکھری ہوئی تھیں' پاپا مما سے شادی کرنے کے بعد پاکستان میں ہی سیٹل ہو گئے تھے مما کو اپنے وطن پاکستان سے شدید محبت تھی اور پاپا نے ان کی محبت کا خیال کرتے اپنی زندگی یہیں گزارنے کا فیصلہ کرلیا تھا ورنہ ان کی جڑیں تو لندن کی مٹی میں پھیلی ہوئی تھیں اور پھر جب پاپا کی ڈیتھ ہوئی تو ان ہی کی وصیت پہ عمل کرتے مما نے انہیں لندن میں ہی دفن کروایا تھا' لیکن پھر وہ خود زیادہ عرصہ وہاں نا رہ سکیں اور واپس پاکستان آ گئیں' چاچو نے تب بھی ان دونوں کو بہت روکا تھا لیکن مما اپنے اس گھر کو جہاں جا بجا پاپا کی یادیں بکھری ہوئی تھیں چھوڑنے کی ہمت خود میں نہیں رکھتی تھیں۔ اور جنید اسے دونوں ہی بے حد پیارے تھے اپنے دوست بھی اور اپنا شہر بھی لیکن آج پہلی بار اس کا دل کیا کہ سب کچھ چھوڑ دے' گھر' دوست' شہر' وطن سب کچھ اور مما کو لے کر ہمیشہ کے لیے چاچو کے پاس چلا جائے اسے پہلی بار احساس ہوا تھا کہ یہاں کوئی اپنا نہیں ہے' سوائے ایک وقاص انکل کے مگر اب ماہ رخ کی اتنی بدتمیزی کے بعد وہ ان سے بھی تعلق نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ وہ تو خود رشتوں کی زنجیر میں جکڑے ہوئے تھے۔ آج مما کو تیسرا دن تھا ہاسپٹل میں ایڈمیٹ ہوئے کل جنید کے سارے دوست مہوش تانیہ عامر مما سے ملنے آئے تھے۔ وقاص انکل نے بھی کال کی تھی اور وہ مما سے ملنے بھی آنا چاہتے تھے مگر خود جنید نے ہی انہیں آنے سے منع کردیا تھا اور انکل نے بھی کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ وہ اب اپنی ماں کے بے داغ کردار پہ مزید کوئی انگلی نہیں اٹھنے دینا چاہتا تھا۔

''کن سوچوں میں گم ہو جنید' کوئی بات ہوئی ہے؟'' مما نے اسے یوں خاموشی سے کسی نکتے کو تکتے دیکھ کر سوال کیا۔

''نہیں مما...... بس یوں ہی کچھ سوچ رہا تھا۔'' وہ ہلکا سا مسکرایا۔

''کیا سوچ رہے ہو میری جان؟'' مما نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر ہلکا سا دبایا۔

''پہلے آپ بتائیں' آپ نے کھانا کھایا۔'' اس نے کچھ کہنے سے پہلے تمہید باندھی۔

''میں جانتی ہوں جنید تم کچھ ضروری بات کرنا چاہتے ہو اس لیے تمہید مت باندھو سیدھی بات کرو۔'' وہ اس کی فوراً سمجھ گئی تھیں۔

''مما...... میں چاہتا ہوں ہم دونوں چاچو کے پاس شفٹ ہو جائیں' وہ کب سے ہمیں اپنے پاس بلا رہے ہیں اور مجھے لگتا ہے اب ہمیں اپنوں کے پاس لوٹ جانا چاہیے' یہاں ہمارا کوئی بھی نہیں ہے۔'' وہ جو کچھ کہنے نہ کہنے کی کشمکش میں ڈول رہا تھا ہمت کر کے دل کی بات کو زبان پہ لے ہی آیا تھا اور اسے جو لگتا تھا کہ مما راضی نہیں ہوں گی ضد کریں گی' اس وقت حیران ہی رہ گیا جب مما نے کہا جیسے تم چاہو جنید۔

اور پھر وہ پاکستان سے چلے گئے تھے' لندن میں کچھ عرصہ گزارنے کے بعد ہی مما اس دنیا کو چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے ابدی نیند سو گئی تھیں' پاپا کو بھی لندن میں دفن کیا گیا اور پھر مما کو بھی وہیں دفن کردیا گیا تھا' وہ دل کی مریضہ تھیں اور دل کا کیا اعتبار کب دھوکا دے جائے ان کا دل بھی دغا دے گیا تھا۔

☆☆......☆......☆☆

وہ ساری رات روتی رہی تھی اسے رہ رہ کر اپنی بے عزتی یاد آتی رہی۔ پاپا نے کیسے ایک غیر کے لیے اپنی سگی بیٹی کو بے عزت کیا اور دھتکارا تھا اس کا غم کسی طرح کم نہیں ہو رہا تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے جنید نے پانچ سال پہلے کی گئی بے عزتی کا بدلا لے لیا ہو۔ اس نے جنید کو اسکول کے بچوں کے سامنے بے عزت کیا تھا۔ پاپا ایک بار بھی اسے منانے نہیں آئے تھے رات گزر گئی اور اب صبح سے دوپہر ہو رہی تھی مما کئی بار اس کا دروازہ بجا کر جا چکی

تھیں لیکن اس وقت وہ کسی سے بھی بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ خود بھی نہیں جانتی تھی کہ ماں باپ کے درمیان ہونے والی لڑائیوں نے اسے کس قدر خودسر باغی بدتمیز ضدی اور مغرور بنادیا تھا' آج تک جب اسے ان کی ضرورت تھی تو ان دونوں کے پاس اس لیے وقت نہیں تھا اور اس اکیلے پن کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ وہ بگڑ گئی تھی۔ اسے مما پاپا سے محبت تو تھی مگر احساس نہیں تھا وہ صرف وہ کام کرتی جس پہ اس کا دل راضی ہوتا اور اس کا دل کہتا تھا کہ تمہیں جنید سے اس بے عزتی کا بدلہ لینا چاہیے مگر وہ کیا جانتی تھی کہ یہ جنید آفتاب تھا' کوئی عام انسان نہیں اور ابھی تو جنید کا انتقام شروع ہوا تھا' ابھی تو ماہ رخ وقاص کو بہت کچھ سہنا تھا۔

☆☆......☆......☆☆

وہ بہار کی ایک خوب صورت شام تھی' فضا میں جاتی سردیوں کی خنکی اب تک باقی تھی۔ لان میں پھولوں کی پتیوں کو دیکھ کر اسے ایک پرانی مگر رنگوں سے بجی یاد نے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ سفید رنگ لان کا فرش اور کیاریوں کا منظر' صبح سویرے اسمبلی سے پہلے کا وقت تھا جب سارے دوست درخت کی چھاؤں میں کھڑے اس کا انتظار کررہے تھے اور ماہ رخ وقاص ہاتھوں میں ڈیزی ٹیولپس اور سفید گلابوں سے سجا بکے لیے آہستہ آہستہ نیم کے درخت کی طرف بڑھ رہی تھی۔

"ارے واہ اتنا پیارا بکے کس کے لیے لائی ہو ماہ رخ۔" تانیہ کا دل مچلا تھا' اسے پھول ہمیشہ سے بہت پسند رہے تھے۔

"ہمارے گروپ کے اسٹار یعنی جنید آفتاب کے لیے۔" وہ مسکرا کر بولی تھی اور پھولوں کا بکے حیران سے کھڑے جنید کی طرف بڑھایا تھا۔

"یہ کس لیے......" وہ حیران پریشان سا بکے تھامتا ہوا بولا۔

"کل تمہارا کرکٹ میچ تھا اور تمہاری ٹیم جیت گئی تھی ناں پاپا بتا رہے تھے اور انہوں نے یہ بھی بتایا کہ یہ جیت صرف تمہاری وجہ سے ممکن ہوئی تھی۔" وہ فخر سے بولی تھی جیسے جنید نہیں وہ جیتی ہو۔

"انکل تو بس یوں ہی میری تعریف کرتے ہیں' ورنہ تو کسی بھی کھیل کی کامیابی اس کی پوری ٹیم کی محنت کا نتیجہ ہوتی ہے۔" ہر انسان کی طرح وہ بھی اپنی تعریف پہ خوش بھی ہوا تھا۔

"خیر پاپا یوں ہی تو کسی کی تعریف نہیں کرتے اور ہاں جنید تمہیں ہمیشہ یوں ہی جیتتے رہنا ہے' کیونکہ ماہ رخ وقاص کو ہارنے والے لوگ بالکل پسند نہیں۔" وہ اترا کر بولی تھی۔

"بی بی جی چائے......" اس کی سوچوں کے ارتکاز کو ملازمہ کی آواز نے توڑا تھا' اسکول' لان' درخت کی چھاؤں' صبح کی چہل پہل سب غائب ہوگیا تھا' اس کی نگاہوں کے سامنے ایک بار پھر ڈیزی کے پھول ہوا کے دوش پہ اڑ رہے تھے۔ اس نے کھوئے ہوئے انداز میں اپنے سامنے چائے اور دیگر لوازمات سے بجی ٹرے کو دیکھا پھر مؤدب کھڑی ملازمہ کو ہاتھ کے اشارے سے جانے کا حکم دیا۔

وہ جب دور تھا تو اس سے جڑی یادیں بھی دور تھیں اور اب جب وہ ایک بار پھر اس کی دنیا میں لوٹ آیا تھا تو مہکی ہوا بھی اس کے قصے سناتی تھی' یہ سب ماہ رخ کے لیے آسان نہ تھا' گزرے دس سالوں میں اس نے جنید آفتاب سے صرف نفرت ہی تو کی تھی' بے حد بے حساب اور وہ اب اسے جب بھی دیکھتی تو اس کا جنون اور ضد اس کی نفرت سب کچھ بھڑک اٹھتے تھے' وہ کبھی نہیں بھول سکتی تھی کہ جنید آفتاب نے اس کی ماں کی انسلٹ کی تھی' جان سے پیاری مما کی۔ وہ اس کے لیے ہیرو کی طرح تھا اور یہ آئیڈل تب چکنا چور ہوا تھا جب ماہ رخ کے سامنے بے حد بدتمیزی سے اس نے اس ہی کی مما کے بارے میں برا کہا' اس نے چھوٹی سی عمر میں آئیڈل تراشا تھا اور وہ چھوٹی ہی عمر میں ٹوٹ بھی گیا تھا' جب اسے سنبھلنے کے لیے کسی کی ضرورت تھی تب مما' پاپا کے پاس اس کے لیے وقت نہیں تھا۔

☆☆......☆......☆☆

اس دن وہ اپنے کچھ کلائنٹس کے ساتھ پی سی میں لنچ پہ آیا تھا اور تب ہی اس کی نظر لڑکے لڑکیوں کے ایک گروپ میں بیٹھی ماہ رخ وقاص اور مہوش زوار پہ پڑی تھی' وہ تین لڑکوں اور پانچ لڑکیوں کا گروپ تھا اور اس میں سے شاید کسی کی برتھ ڈے تھی کیونکہ ویٹر ابھی ان کے سامنے کیک رکھ کے گیا تھا۔ ریسٹورینٹ کے پُرفسوں ماحول میں ان سب کے بلند بانگ قہقہے گونج رہے تھے اس وقت لنچ آور ہونے کی وجہ سے سارے ٹیبلز فل تھیں اور جنید کی ٹیبل اتفاق سے ماہ رخ کے گروپ کے بالکل سامنے ہی تھی۔ وہ ایک سنجیدہ سی نظر ان لوگوں پہ ڈال کر اپنی ٹیبل پہ آگیا تھا' آج اس کی فرانس سے آئے بزنس ڈیلیگیشن کے ساتھ ایک بے حد امپورٹینٹ میٹنگ تھی۔ اپنا آڈر دینے کے بعد وہ لوگ بزنس کے حوالے سے کچھ ضروری پوائنٹس ڈسکس کررہے تھے جب اس کی سماعت سے کسی کی آواز ٹکرائی تھی۔

"سر مدیہ مشہور بزنس مین جنید آفتاب گردیزی ہی ہیں ناں' جن کا کچھ دن پہلے ایک میگزین میں انٹرویو شائع ہوا تھا۔" وہ

ایک تجسس اشتیاق اور جوش سے بھری نسوانی آواز تھی۔
"ہاں وہ ہی ہیں۔" جس کو مخاطب کیا گیا تھا وہ اثبات میں سر ہلاتا بولا۔
"او مائے گاڈ سرمد تمہاری برتھ ڈے تو سچ میں ہمارے لیے لکی ثابت ہوئی ہے اف میں بتا نہیں سکتی میری کتنی بڑی خواہش تھی ان سے ملنے کی۔" ایک اور لڑکی دبے دبے جوش سے بولی' غالباً وہ سب بزنس کے اسٹوڈینٹ تھے۔
"مزے کی بات بتاؤں تم سب کو..... یہ مشہور بزنس مین ماہ رخ کے پاپا کے بزنس پارٹنر اور مہوش نزوار کے بیسٹ فرینڈ بھی ہیں۔"
"رئیلی.....! ماہ رخ مہوش کتنی خوش قسمت ہو تم دونوں' پلیز ہم لوگوں کو بھی انٹروڈیوس کرواؤ ناں ان سے۔" اب کے لڑکوں کی بھی دلچسپی بڑھی تھی جب کے ماہ رخ کا حلق تک کڑوا ہو گیا تھا' ہاں یہ سچ تھا کہ جنید نے ہاؤ یونیورسٹی میں ٹاپ کیا تھا۔ دوسری طرف ماہ رخ کے سامنے اپنی تعریف پہ نجانے کیوں جنید کو بہت خوشی ہوئی تھی جیسے کوئی بہت پرانا بدلا پورا ہو رہا ہو۔
"بس کرو صائم اور وریشہ اب جنید اتنا بھی کوئی خاص نہیں جو تم لوگ اس سے ملنے کے لیے یوں دیوانے ہو رہے ہو۔ ویسے بھی دوسروں کے حق مارنے والے لوگ یوں ہی مشہور ہوتے ہیں۔" اپنے کلاس فیلوز کو اس کی تعریف کرتا دیکھ کر اسے پتہ نہیں کیوں جلن سی ہوئی تھی۔
"شٹ اپ ماہ رخ' صائم وریشہ قندیل یہ سچ ہے کہ جنید آفتاب گردیزی میرے بیسٹ فرینڈ ہیں' ہم نے اسکول پریڈ ساتھ گزارا ہے اور جنید ہمیشہ سے بے حد ذہین رہا ہے اور اب اگر وہ اس مقام پہ ہے تو اس لیے کیونکہ اس نے بہت محنت کی ہے اور اگر تم لوگ جنید سے ملنا چاہتے ہو تو میں ضرور ملواؤں گی مگر آج نہیں کیونکہ اس وقت وہ اہم میٹنگ میں ہے۔" وہ مسکرا کر بولی تھی' اس نے پہلی بار اس طرح ماہ رخ کو شٹ اپ کہا تھا کیونکہ جتنی ماہ رخ اس کے لیے خاص تھی اتنی ہی جنید کی ریسپیکٹ بھی اس کے لیے اہم تھی اور ساری باتیں سنتا جنید اطمینان سے مسکرا دیا تھا اور ساتھ ہی ماہ رخ کے لیے اس کی ناپسندیدگی میں مزید اضافہ ہوا تھا۔
اور ماہ رخ نے حیرت سے اسے دیکھا' تذلیل کا ایک گہرا احساس ہوا تھا اسے اور اس ہی احساس کے تحت اس نے غصے سے اپنا کلچ اٹھایا اور تیز قدموں سے وہاں سے نکل آئی تھی' جب کے باقی سب حیرت سے اسے دیکھ رہے تھے۔
"اسے کیا ہوا؟" وریشہ حیرت سے بولی۔
"ایک منٹ میں دیکھتا ہوں۔" سرمد چیئر کھسکا کر اٹھتے ہوئے بولا وہ پہلے ہی بہت اصرار کر کے اسے لایا تھا اور اب اسے یوں جاتا دیکھ کر اسے اپنی یہ چھوٹی سی پارٹی خراب ہوتی محسوس ہوئی تھی۔
"ابھی مت جائیں آپ اس کے پیچھے سرمد میں بچپن سے جانتی ہوں اسے وہ جب غصے میں ہوتی ہے تو کسی کی بھی نہیں سنتی جب اس کا غصہ ٹھنڈا ہوگا تو میں خود منالوں گی اسے۔" مہوش نے اسے جاتے دیکھ کر روکا اور سمجھایا اور سرمد سر ہلاتا دوبارہ بیٹھ گیا تھا۔
جب کہ اپنے مہمانوں کے ساتھ لنچ کرتا جنید یہ سب دیکھ اور سن رہا تھا' عین اس ہی وقت اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اس مغرور لڑکی کا غرور کرچی کرچی کرے گا۔
☆☆......☆......☆☆
"پاپا آپ بے شک مجھ سے خفا ہو جائیں مگر یوں نظر انداز تو مت کریں کتنے دن ہو گئے ہیں آپ کی خفگی کو آپ نا میری طرف دیکھتے ہیں اور نا ہی مجھ سے بات کرتے ہیں' کیا آپ کو جنید آفتاب ماہ رخ وقاص سے بھی زیادہ پیارا ہے؟" وہ ان کے گھٹنے پہ ہاتھ رکھ کر ان کے قدموں میں بیٹھی التجا کرتے ہوئے بولی۔
آج پاپا آفس سے جلدی آ گئے تھے اور اس وقت لان میں بیٹھے چائے پیتے ہوئے اخبار بھی پڑھ رہے تھے۔ ماہ رخ سو کر اٹھی اور کھڑکیوں سے پردے ہٹائے تو لان میں بیٹھے پاپا اسے نظر آئے اور وہ سب کچھ چھوڑ کر انہیں منانے چلی آئی تھی' آج کتنے دنوں بعد اس نے پاپا کو گھر پہ دیکھا تھا ورنہ تو کئی کئی دن گزر جاتے اور ان کی ملاقات نہیں ہوتی تھی۔
"ماہ رخ..... میں تم سے ناراض نہیں بس حیران ہوں کہ میری بیٹی کیا اتنی بدتمیز ہے کہ اسے اپنے پاپا کی عزت کا بھی خیال نہیں اور رہی جنید کی بات اگر وہ مجھے تم سے زیادہ پیارا نہیں تو تم سے کم بھی نہیں۔" پاپا نے گلاسز اتار کر ٹیبل پہ رکھا جب کے پیپر اب تک ان کے ہاتھ میں ہی تھا۔
"پاپا..... مجھے وہ بالکل پسند نہیں آئی ہیٹ ہم۔" وہ تنک کر بولی۔
"بٹ آئی لو ہم..... ماہ رخ تم نہیں جانتی اس سے میرا کتنا گہرا رشتہ ہے وہ اس عورت کا بیٹا ہے جس کا مجھ پہ بہت احسان ہیں' کسی دن فرصت میں بتاؤں گا تمہیں۔" وہ نا جانے کیوں اداس ہو گئے تھے۔
"اچھا پاپا چھوڑیں کسی اور کی باتوں کو یہ بتائیں اب تو آپ مجھ سے ناراض نہیں۔" وہ لاڈ سے بولتی اٹھلائی۔

"بالکل نہیں ہوں لیکن ماہ رخ میں نے تمہاری زندگی کے بارے میں ایک فیصلہ کیا ہے اور مجھے لگتا ہے یہ میری زندگی کا سب سے خوب صورت اور سب سے اچھا اور بہترین فیصلہ ہے۔" وہ اس کے بالوں کو نرمی سے سہلاتے ہوئے بولے۔

"کیسا فیصلہ پاپا؟" ماہ رخ نے چونک کر سر اٹھایا اور حیران نظروں سے باپ کے چہرے کی طرف دیکھا جہاں اطمینان رقم تھا۔

"تمہاری شادی کا۔" وہ مسکرائے۔

"کس سے؟" ماہ رخ کے دل و دماغ میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔

"جنید آفتاب گردیزی سے۔" انہوں نے یک دم بم پھوڑا۔

"نہیں پاپا ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔" وہ بے یقینی کی کیفیت میں بولی۔

"ماہ رخ جنید بہت اچھا انسان ہے' تمہارے لیے ہر لحاظ سے پرفیکٹ۔" انہوں نے سمجھانے کی کوشش کی۔

"اور مجھے اس سے زیادہ برا اور کوئی نہیں لگتا' وہ دنیا کا آخری شخص بھی ہوا تو میں اس سے شادی نہیں کروں گی۔" وہ نفی میں گردن ہلا کر بولی۔

"یہ میرا فیصلہ ہے ماہ رخ۔" انہوں نے اسے مسلسل انکار کرتا دیکھ کر جذباتی سہارا لینا چاہا۔

"اور یہ میرا فیصلہ ہے پاپا' میری زندگی کے بارے میں۔" وہ بھی ان کی بیٹی تھی ان ہی کے انداز میں بولی۔

"میں تمہارا باپ ہوں' تم میرے فیصلے سے کیسے انکار کرسکتی ہو۔" وہ حیران تھے یا شاید بے یقین۔

"اگر صرف پیدا کرنے سے کوئی باپ بن جاتا ہے تو ہاں ہیں آپ میرے باپ' ورنہ آج تک یاد کریں کب آپ کے پاس میرے لیے وقت رہا ہے' کب آپ نے میرے سر پہ شفقت سے ہاتھ رکھا' کب آپ نے مجھے حوصلہ دیا' کب آپ نے احساس دلایا کہ آپ میرے باپ ہیں۔" وہ بھرپور طنز کرتے بولی۔

"تم چاہے کچھ بھی کہو مگر تمہاری شادی جنید سے ہی ہوگی۔ کان کھول کر سن لو......" وہ اب سختی پہ اتر آئے تھے۔

"اور آپ بھی سن لیں میں مر جاؤں گی مگر جنید سے شادی نہیں کروں گی۔" وہ ہٹ دھرمی سے بولی۔

"تو بس ٹھیک ہے' تم اگر جنید سے شادی نہیں کرسکتی تو میں بھی تمہاری ماں کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتا میں۔ ڈائیورس پیپر تیار کرواتا ہوں۔" اب ان کا چہرہ اور انداز دونوں ہی سپاٹ تھے۔

"پاپا...... ایا آپ کیسی باتیں کررہے ہیں۔" وہ خوف اور بے یقینی کی ملی جلی کیفیت میں چلا کر بولی۔

"وہ ہی جو تم سن رہی ہو' میں نے اتنے سال تمہاری ماں کو تمہارے ہی لیے برداشت کیا تھا' ورنہ اس جیسی عورت کے ساتھ کوئی ایک لمحہ بھی نہیں گزار سکتا' اتنے سال میں نے تمہارے خاطر قربانی دی مگر جب تمہیں میری پروا نہیں تو میں کیوں کروں تمہاری پروا۔" ان کا انداز سفاک تھا۔ اتنا کہہ کر وہ وہاں سے اٹھ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتے چلے گئے تھے۔

☆☆......☆......☆☆

کمرے میں پھیلی گہری خاموشی کو غزل کی آواز توڑ رہی تھی' ڈیک پر دھیمے سروں میں یہ غزل چل رہی تھی اور ماہ رخ کو یوں لگ رہا تھا جیسے گلوکار یہ غزل اس ہی کے لیے گا رہا ہو' کمرے کی ہر چیز بکھری ہوئی تھی' نرم ملائم قیمتی قالین پہ نازک کانچ کے ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے' یہ ان شوپیس اور گل دانوں کے ٹکڑے تھے جو کل رات دیوار پہ مار کر ماہ رخ نے توڑے تھے' کل سے اب تک وہ کتنی ہی قیمتی چیزیں توڑ چکی تھی۔ خود اس کا اپنا برا حال تھا۔ گہری جھیل سی آنکھیں رات بھر رو رو کر اور مسلسل جاگنے سے سرخ ہوچکی تھیں' ہونٹ سوکھ رہے تھے' بال الجھے ہوئے تھے' اوندھے منہ بیڈ پہ لیٹی اور غزل سنتے ہوئے ماہ رخ کے آنسو ایک بار پھر بہنا شروع ہوگئے تھے۔

کیا ماں باپ ایسے ہوتے ہیں' خود غرض' بے پروا کیا ان کے دل میں اولاد کے لیے ذرا محبت نہیں ہوتی' کیا ان کے نزدیک اولاد کی خواہشوں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی' بے حد محبت کرنے والے ماں باپ' بیٹی کی زندگی کا اتنا اہم فیصلہ کرتے اتنے بے حس اور خود غرض کیوں ہوجاتے ہیں' کیوں انہیں اولاد کے آنسو نظر نہیں آتے' اس کا ذہن منفی سوچوں سے بھرا ہوا تھا۔ اسے پہلی ایسا محسوس ہوا کہ جیسے وہ بدنصیب ہو۔ وہ جو چاہتی تھی وہ کبھی نہیں ہوسکتا تھا اور جو نہیں چاہتی تھی وہ ہونے سے روک نہیں سکتی تھی۔

"مجھے جنید سے بات کرنی چاہیے' جتنی نفرت میں اس سے کرتی ہوں وہ بھی تو مجھ سے اتنی ہی نفرت کرتا ہے' مجھے اسے بتا دینا چاہیے کہ میں اس سے شادی نہیں کروں گی۔" اس نے چکراتے ذہن سے سوچا اور بیڈ سے اٹھ کر تیار ہونے چل دی' اسے ابھی وقت جنید سے ملنا تھا۔

وہ جس وقت اس کے آفس پہنچی دوپہر کے دو بج رہے تھے اور جنید اپنے آفس میں لنچ کررہا تھا‘ اس کے پی اے نے جب اسے ماہ رخ وقاص کے آنے کی اطلاع دی تو پہلے تو وہ حیران ہوا اور پھر اسے انتظار کرنے کا کہہ کر دوبارہ کھانا کھانے لگا تھا اور باہر ویٹنگ لاؤنج میں بیٹھی ماہ رخ غصے سے پیچ وتاب کھانے لگی تھی‘ اگر ابھی اسے جنید سے کام نا ہوتا تو وہ اسے اچھا خاصا سنا کر جاتی مگر خیر‘ کام کے وقت گدھے کو بھی باپ بنانا پڑتا ہے۔ اس نے تنفر سے سوچا۔ دس منٹ بعد جنید نے اسے اندر بلالیا تھا۔

”کیا یہ ماہ رخ وقاص ہیں‘ وہ ہی ماہ رخ وقاص جو مجھ سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتیں‘ کیا وہ ہی ماہ رخ وقاص اس وقت میرے آفس میں موجود ہیں......!“ وہ حیران نہیں تھا‘ وہ تو اس کا تمسخر اڑاتا بولا۔

”میں اب بھی تم سے بات کرنا پسند نہیں کرتی اور اس وقت ایک ضروری کام سے مجھے یہاں آنا ہوا ہے ورنہ تمہاری صورت دیکھنے کا مجھے کوئی شوق نہیں۔“ وہ نامرعوب ہوئے بولی‘ کسی کے سامنے جھکنا اس نے کبھی سیکھا ہی نہیں تھا اور یہ تو پھر جنید آفتاب تھا۔

”خیر میں چاہوں تو جواب میں بہت کچھ کہہ سکتا ہوں مگر تم اس وقت میری مہمان ہو اور میں اپنے مہمانوں کو بے عزت نہیں کرتا۔“ اس نے لفظ ”میں“ پر زور دیتے کہا۔ جنید کو اسے بیٹھنے کا بولنا نہیں پڑا تھا وہ خود ہی بیٹھ گئی تھی۔

”جنید بات یہ ہے کہ پاپا چاہتے ہیں کہ میں تم سے شادی کے لیے ہاں کہہ دوں مگر میں چاہتی ہوں کہ تم خود اس رشتے سے انکار کردو‘ ویسے بھی ہم دونوں ہی ایک دوسرے سے سخت نفرت کرتے ہیں اور ہماری شادی کی صورت میں ہم دونوں ہی کی زندگی خراب ہوجائے گی......“ وہ بنا کسی تمہید کے بولی۔

”ایک منٹ‘ میں صرف دو باتیں کہنا چاہوں گا تم سے‘ وہ مزید کچھ بولنا چاہ رہی تھی کہ جنید نے انگلی اٹھا کر اسے ٹوکا۔

”پہلی بات‘ تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ میں تمہاری چاہت کی پروا کروں گا‘ تم کیا چاہتی ہو کیا نہیں مجھے کوئی دلچسپی نہیں یہ جاننے میں اور دوسری بات‘ وقاص انکل کی خواہش میں کبھی رد نہیں کرسکتا‘ وہ بھی تم جیسی لڑکی کے لیے تو بالکل بھی نہیں جسے نہ رشتوں کا پاس ہے اور نا احترام۔“ وہ بھرپور طنز سے بولا۔

”شٹ اپ...... میری ہی غلطی تھی جو میں تم جیسے انسان سے کسی بھلائی کی توقع کرنے لگی تھی‘ لیکن ایک بات تم ہمیشہ یاد رکھنا جنید میں جان دینا پسند کروں گی لیکن تم سے شادی کرنا ہرگز نہیں۔“ اس نے بے حد نفرت اور غرور سے کہا اور کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

”اوہ...... اتنا غرور ہے خود پہ‘ تو پھر میری بھی ایک بات ذہن میں بٹھا لو اب تو میں تم سے شادی کرکے ہی دکھاؤں گا یاد رکھنا میری بات‘ کیونکہ میں نے کبھی ہارنا نہیں سیکھا تم اگر آج ریکویسٹ کرتیں تو شاید میں مان بھی جاتا تمہاری بات مگر بات تمہارے غرور کی ہے اور اسے میں ختم کرکے ہی رہوں گا۔“ وہ چیلنجنگ انداز میں بولا۔

”بڑے بڑے دعوے کرنے والے منہ کے بل گرتے ہیں۔“ وہ جاتے ہوئے مڑی اور تمسخر اڑاتی بولی۔

”ہاں اب یہ ہی دیکھنا ہے کہ گرتا کون ہے اور اب تم جاسکتی ہو۔“ وہ بے حد غصے سے بولا اور ماہ رخ اس انسلٹ پہ پیر پٹختی وہاں سے چلی گئی تھی۔

انتہائی ریش ڈرائیو کرتی وہ جس وقت گھر پہنچی مما سامنے ہی بیٹھی تھیں۔ اس نے ایک طنز سے بھری نظر ماں پہ ڈالی اور منہ موڑ کر اپنے کمرے میں جانے لگی۔ اس وقت اس کا موڈ بے حد خراب تھا۔ زارا بیگم حیران ہوئی تھیں‘ وہ تو جب بھی گھر پہ ہوتیں ماہ رخ بے حد خوش ہوتی تھی۔

”ماہ رخ بیٹا کہاں جارہی ہو‘ یہاں آؤ مما کو تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔“

”اس لیے ہی آج آپ گھر میں موجود ہیں ناں کہ آپ کو مجھ سے بات کرنی ہے‘ مگر سوری ٹو سے مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔“ وہ ایڑی کے بل گھوم کر بولی۔

”کس طرح بات کررہی ہو ماہا میں تمہاری ماں ہوں۔“ وہ بیٹی کے تیور دیکھ کر حیران ہوئیں۔ انہیں جب زیادہ پیار کا اظہار کرنا ہوتا تو وہ اسے ماہا بلاتی تھیں‘ یہ اس کا پیار کا نام تھا۔

”نہیں مما آپ صرف میری مدر ہیں‘ میری ماں تو کبھی آپ بن ہی سکیں‘ آج آپ کو میرے انداز سے شکایت ہے مگر جب میرے انداز بگڑ رہے تھے تب تو آپ کے پاس میرے لیے وقت ہی نہیں تھا بلکہ حقیقت تو یہ ہے آپ دونوں ہی کے پاس میرے لیے کبھی وقت نہیں تھا میں نے ماں باپ کے ہوتے ہوئے بھی یتیموں جیسی زندگی گزاری۔ آج میری ماں ہونے کا دعویٰ کرتی ہیں مگر کیسی ماں تھیں آپ کہ آپ کی بیٹی اندر ہی اندر ٹوٹ کر بکھرتی رہی مگر آپ کو نا کبھی احساس ہوا اور نا ہی پتہ چل سکا‘ آپ کو فکر تھی تو مما اپنے اسٹیٹس کی‘ پارٹیز کی‘ اپنی امارت کی

آپ کو دنیا دکھاوے کی فکر تھی لیکن آپ کو اپنے گھر کی فکر نہیں تھی۔“
وہ ٹوٹے بکھرے لہجے میں درد سے بھری آواز میں چلا رہی تھی۔ چیخنے سے اس کے گلے میں خراشیں پڑ گئی تھیں مگر اسے کسی بات کی فکر نہیں تھی۔ زارا بیگم حیران نظروں سے اپنی سوبر بیٹی کا یہ وحشی انداز دیکھ رہی تھیں۔ لیکن وہ اب بھی اس کا درد شاید محسوس نہیں کر سکی تھیں۔ انہیں فکر تھی اپنی تو اس بات کی جو انہیں اس سے کرنی تھی۔

”کیا ہو گیا ہے ماہا بیٹا یہ کس طرح کی باتیں کر رہی ہو میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں‘ تمہارے پاپا مجھے ڈائیورس دے رہے ہیں۔“ وہ آنکھوں میں آنسو بھرتے بولیں۔ اب پتہ نہیں یہ آنسو اصلی تھے یا نقلی‘ ماہ رخ کو تو اب کسی پہ بھی بھروسہ نہیں رہا تھا۔

”بہت اچھا کر رہے ہیں پاپا...... بلکہ مجھے تو لگتا ہے یہ انہیں بہت پہلے کر دینا چاہیے تھا‘ کم از کم یہ بھرم ہی رہ جاتا کہ آپ میرے پاس نہیں۔“ وہ تمسخر سے کہتی اذیت سے بھرپور ہنسی تھی۔ آج بہت سالوں کا غبار تھا جو نکلتا چلا جا رہا تھا۔

”میں تمہارے بنا نہیں رہ سکتی ماہا۔“ انہوں نے جذباتی ہوتے کہا۔ ان کا ہر جواب الگ تھا‘ جیسے وہ سن ہی نہیں رہی تھیں۔

”ہاہاہاہاہاہا......“ ان کی اس بات پہ وہ پاگلوں کی طرح ہنسی تھی۔

”یہ اس سال کا سب سے بڑا جوک تھا مما۔“ ہنستے ہوئے اس کی آنکھیں پانیوں سے بھر گئی تھیں۔

”آپ کو ایک بات بتاؤں مما آپ سب کے بنا رہ سکتی ہیں سوائے آسائشات کے۔“ وہ ہنسی روک کر لفظ چبا چبا کر بولی۔

”پتہ نہیں تمہیں کیا ہو گیا ہے‘ میں چاہتی تھی تم اپنے پاپا سے بات کرو وہ تمہاری بات کبھی نہیں ٹالتے مگر تم بھی اپنے باپ کی طرح بے حس نکلیں‘ تمہیں نا میرا احساس ہے اور نہ ہی میری قربانیوں کا‘ تم بھی اپنے باپ ہی کی طرح خود غرض ہو ماہ رخ۔“ وہ غصے سے بولتی اٹھ کر جانے لگیں۔

”آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں میں خود غرض ہوں لیکن پاپا کی طرح نہیں‘ آپ دونوں کی طرح جنہوں نے اپنی اپنی زندگی کو فوقیت دی مگر کبھی میرا نہیں سوچا اور یہ خود غرضی مجھے آپ دونوں سے وراثت میں ملی ہے۔“ وہ ان کو جاتا دیکھ تیز آواز میں بولی۔

پہلی بار احساس ہوا تھا کہ وہ صحیح کہہ رہی ہے اپنی زندگی جیتے وہ ماہ رخ کو تو بالکل فراموش کر چکی تھیں‘ وہ بس نام کی اس کی ماں تھیں اس کے فرض تو ادا نہیں کیے تھے نا پرورش کی اور نہ ہی جینے کے اصول بتائے۔ انہوں نے پلٹ کر شرمندہ نظروں سے بیٹی کے ٹوٹے بکھرے وجود کو دیکھا اور پہلی بار انہیں احساس ہوا کہ دنیا کی بھیڑ میں اپنی جگہ بنانے کی خواہش میں انہوں نے اپنی بیٹی کے کتنے حقوق ضبط کر لیے تھے۔ وہ قاتل تھیں اپنی بیٹی کی خوشیوں کی‘ اس کی خواہشات کی اور سب سے بڑھ کر اس کی معصومیت کی۔

☆☆......☆......☆☆

”پاپا آپ چاہتے ہیں ناں میں جنید سے شادی کر لوں‘ تو میں تیار ہوں اس سے شادی کے لیے‘ باوجود اس کے کہ میں اس سے کتنی نفرت کرتی ہوں‘ میں اس کے ساتھ زندگی گزارنے کے لیے تیار ہوں‘ مگر پلیز آپ مما کو ڈائیورس مت دیں‘ آپ دونوں جیسے بھی ہیں اچھے یا برے‘ مگر مجھے بے حد پیارے ہیں اور میں آپ دونوں کو ہمیشہ ساتھ دیکھنا چاہتی ہوں گو کہ اس ساتھ نے بھی مجھے ادھورے پن کے سوا کچھ نہیں دیا مگر پھر بھی مجھے ہر نفع نقصان سے بے پروا ہو کر آپ دونوں کا ساتھ چاہیے۔“ رات جب پاپا اسٹڈی میں اپنا آفس ورک کر رہے تھے تو ماہ رخ ان کے لیے کافی لے کر آئی تھی‘ دراصل کافی تو ان سے بات کرنے کا بہانہ تھا۔

”میں جانتا ہوں ماہ رخ بیٹا کہ میں آج تک تمہارے ساتھ زیادتی کرتا آیا ہوں مگر ایک دن تمہیں احساس ہوگا کہ تمہارے پاپا کا یہ فیصلہ کتنا درست تھا اور اس دن تمہیں اپنے باپ پہ فخر ہوگا‘ میں آج تک تمہیں کچھ بھی تو نہیں دے سکا مگر جنید کی صورت میں میں تمہیں وہ تحفہ دینا چاہتا ہوں جو تمہاری زندگی سے ادھورا پن اور اداسیاں مٹا کر تمہاری زندگی میں محبت کے جگنو بھر دے۔“ وہ بیٹی کے سر پہ ہاتھ رکھ کر کہہ رہے تھے۔ ان کی آنکھوں سے ان کے دل کی خوشی جھلک رہی تھی اور انہیں خوش دیکھ کر اس کی روح تک میں سکون اتر آیا تھا۔

”اب آپ مما کو طلاق تو نہیں دیں گے ناں پاپا؟“ وہ جھجکتے ہوئے بولی۔

”کبھی نہیں میری جان‘ میری ماہا‘ کبھی بھی نہیں‘ تم اگر اپنے پاپا کا مان رکھ سکتی ہو تو پاپا کو بھی تمہاری خواہش بے حد عزیز ہے۔“ وہ بیٹی کو سینے سے لگا کر آبدیدہ ہو گئے۔

اور ماہ رخ کو لگ رہا تھا جیسے اب وہ کبھی سر اٹھا کے نہیں جی سکے گی‘ وہ جو بڑے دعویٰ سے اسے کہہ کر آئی تھی کہ مر جاؤں گی لیکن تم سے شادی نہیں کروں گی‘ آج اس کے سارے دعویٰ کا کچ

کی طرح چکنا چور ہو گئے تھے۔

☆☆......☆......☆☆

یونیورسٹی کا لان اس وقت مختلف اسٹوڈینٹ سے بھرا ہوا تھا' ہنسی اور قہقہے ہوا میں بکھر رہے تھے ایسے میں وہ دونوں نسبتاً سنسان گوشے میں نیم کے درخت سے ٹیک لگائے بیٹھی تھیں۔ دونوں کے چہروں پہ تناؤ کی کیفیت تھی اور اس وقت وہ لوگ کسی بات پہ بحث کر رہی تھیں۔

"تم ایک ایسے انسان سے شادی کرنے پہ کیسے راضی ہو سکتی ہو جس سے تم سخت نفرت کرتی ہو' اسے عمر بھر کا ساتھی بنا کر کیوں تم اپنی زندگی کے ساتھ کھیل رہی ہو۔ یہ تو ظلم کر رہی ہو تم خود اپنے ساتھ۔" مہوش جرح کرتے بولی۔

"میں کچھ نہیں کر سکتی سوائے چپ چاپ تماشہ دیکھنے کے۔ میں جو آج تک اس گمان میں رہی کہ مجھے کوئی ہرا نہیں سکتا' میں عام لڑکیوں کی طرح نہیں جو روایات اور ماں باپ کے خوف کے سبب اپنی زندگی تک نہیں گزار سکتیں تو آج پتہ چلا کہ میری سوچ میرا گمان' میرا خود پہ یقین سب بے بنیاد تھا' میں بھی ان عام لڑکیوں کی طرح نکلی جو اپنے جذبات اور خواہشوں کو کچل کر ماں باپ کے فیصلوں پہ سر کو جھکا دیتی ہیں اور پھر چاہے وہ فیصلے غلط ہی کیوں نا ہوں' کہنے کو پاپا مجھ سے شدید محبت کرتے ہیں اور ان کا تو یہ بھی کہنا تھا کہ وہ اپنی بیٹی کو ہر باپ سے زیادہ چاہتے ہیں مگر آج محسوس ہوا کہ میں تو بالکل غلط تھی' کوئی نہیں چاہتا مجھے' کسی کو بھی تو مجھ سے محبت نہیں۔ یہ دنیا اگر ایک اسٹیج ہے تو میری حیثیت ایک کردار سے زیادہ اور کچھ نہیں۔" وہ شکستگی سے بولی اور آج پہلی بار مہوش زوار نے ماہ رخ وقاص کی آنکھ میں نمی دیکھی تھی۔

"کیوں کچھ نہیں کر سکتی' بولو آخر کیا مجبوری ہے' جس کی وجہ سے تم اتنا غلط فیصلہ لینے پہ مجبور ہو گئی ہو جواب دو ماہ رخ...... بتاؤ مجھے۔" مہوش اس کا چہرہ دیکھتی ضدی لہجے میں بولی' ماہ رخ کی آنکھ کی نمی اسے بے چین کر گئی تھی۔

"نہیں بتا سکتی۔" وہ اداسی سے بولی اور بیگ سے ٹشو نکال کر آہستہ سے نمی صاف کی۔

"لیکن کیوں؟" مہوش حیران ہوئی۔ "ہم بیسٹ فرینڈ ہیں اور اچھے دوستوں کے درمیان کچھ راز نہیں ہوتا۔"

"نہیں مہوش...... کچھ باتیں دوستوں سے بھی شیئر نہیں کی جا سکتی۔ اکیلے ہی ان کا بوجھ اٹھانا ہوتا ہے۔ اس سے بہت سے بھرم قائم رہتے ہیں۔ میری ذات کا غرور میرے لیے بہت اہمیت رکھتا ہے یار' کسی کے سامنے اپنی زندگی کا تاریک پہلو کھول کر میں اس غرور اور مان کو توڑنا نہیں چاہتی' پھر چاہے وہ کوئی میری بیسٹ فرینڈ ہی کیوں ناں ہو۔" وہ درخت کے تنے سے ٹیک لگاتے ہوئے آنکھیں موند کر بولی۔

"اوکے فائن...... مگر کبھی خود کو تنہا مت سمجھنا۔ کاش میرے بس میں ہوتا تو تمہارا ہر درد دور کر دیتی۔ لیکن میں بھی تو تمہاری ہی طرح مجبور ہوں بلکہ قدرت کے فیصلوں کے آگے ہم سب بے بس ہیں۔" مہوش اداسی سے بولی۔

"ویسے تم نے سوچا تمہاری زندگی کا یہ ان چاہا فیصلہ سرمد لغاری کی زندگی پہ کس طرح اثر انداز ہوگا۔ وہ بے چارا تو بے موت مارا جائے گا۔" مہوش اداسی سے بولی۔ سرمد لغاری ان کا کلاس فیلو تھا اور سب جانتے تھے وہ ماہ رخ کو کتنا چاہتا ہے اور پھر مہوش تو سرمد کے احساسات کو سب سے زیادہ محسوس کرتی تھی۔

"میں اپنے بارے میں سوچنے کا اختیار نہیں رکھتی اور تم کسی اور کی زندگی کے بارے میں بات کر رہی ہو اور ویسے بھی میں نے کبھی سرمد کے جذبوں کی حوصلہ افزائی نہیں کی' کبھی اس کی محبت کا جواب محبت سے نہیں دیا۔ میں نے تو کبھی اسے نا خواب دکھائے اور نا خواب دیکھنے کی اجازت دی۔ وہ تو محبت کے سفر میں اکیلا ہی تھا۔ اگر اس نے محبت کی تو یہ اس کی حماقت تھی کیونکہ ماہ رخ وقاص تو سراسر محبت نامی جذبے سے ہی انکاری ہے۔" وہ سپاٹ لہجے میں بنا کسی تاثر کے لاتعلقی سے بولی۔

"یہ ہی تو اس کی بدنصیبی تھی کہ وہ اس سفر میں تنہا تھا۔ اور اب شاید اسے ہمیشہ تنہا ہی رہنا ہوگا۔ لیکن اگر آج تمہارے دل میں سرمد ہوتا نا ماہ رخ تو آج تمہارے پیروں میں کوئی بیڑیاں نا ڈال سکتا۔ آج تم اتنی اداس نا ہوتیں۔ محبت میں بہت طاقت ہوتی ہے۔ یہ ہم سے بڑے بڑے فیصلے کروا لیتی ہے۔ محبت کرنے والے کمزور نہیں ہوتے۔" مہوش اس کے لیے بے حد اداس تھی اور ساتھ ہی اسے سرمد کا سوچ کر بھی دکھ ہو رہا تھا۔ ماہ رخ کے ساتھ سرمد بھی تو اس کا بہترین دوست تھا۔

"محبت...... ہونہہ۔" وہ استہزائیہ ہنسی۔ "میرے سامنے ان فضول جذبوں کی بات مت کیا کرو۔ رہا سرمد تو اس کی محبت بھی اپنی موت آپ مر جائے گی اور اب پلیز دوبارہ کبھی بھی اس کا ذکر مت کرنا۔" اس نے تنبیہہ کی اور کتابیں سمیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆☆......☆......☆☆

پھر دن یوں گزرے جیسے انہیں پنکھ لگ گئے ہوں' شادی

کے تمام فنکشن کیسے ہوئے' کیا کیا رسمیں ہوئیں۔ اسے کسی بات سے دلچسپی نہیں تھی۔ آج اس کی شادی کا دن تھا' بیوٹیشن اسے تیار کرکے جاچکی تھی' وہ اپنے بیڈ پہ آنکھیں موندے اس گھر میں گزارے گئے دنوں کو یاد کررہی تھی' جانے وہ دن کیسے بھی گزرے تھے مگر ان کی یادیں اسے بے حد عزیز تھیں ناجانے اب اس کی نئی زندگی کیسی گزرنی تھی اور جنید جو اب کچھ ہی دیر بعد اس کی زندگی میں سب سے اہم منصب پہ فائز ہونے والا تھا اور جس سے وہ ہمیشہ نفرت کرتی آئی تھی اب باقی زندگی اس کے ساتھ کیسے گزارے گی' اس کی آنکھوں سے دو موتی ٹوٹ کر اس کے گالوں پہ لڑھک آئے تھے۔ وہ ایزی ہوکر بیڈ پہ بیٹھی ہوئی تھی جب مما اس کے روم میں آئیں اور اس کے پاس آکر بیٹھ گئیں' کچھ دیر اس کا چہرہ دیکھنے کے بعد انہوں نے اسے گلے سے لگالیا' آج پہلی بار ان کے لمس میں ماہ رخ کو ممتا کا احساس محسوس ہوا تھا اور وہ ماں کے گلے لگتے ہی رو پڑی تھی اور دوسری طرف زارا بیگم کی آنکھیں بھی بھیگ رہی تھیں' وہ جانتی تھیں کہ ماہ رخ جنید سے کتنی نفرت کرتی ہے اور یہ نفرت ان ہی کی پیدا کردہ تھی' انہیں تو یہ بھی معلوم تھا کہ وہ یہ شادی ان ہی کی خوشیوں کی خاطر کررہی تھی۔ وہ بیٹی جو آج تک ماں کی توجہ کے لیے تڑپتی رہی تھی آج اس ہی بیٹی نے اپنی ماں پہ اپنی خوشی قربان کردی تھی۔

"ماہ رخ جنید بہت اچھا انسان ہے اور ہمیں خوشی ہے کہ وہ تمہارا نصیب بننے جارہا ہے تم کبھی وہ غلطیاں نہیں کرنا جو میں نے اور تمہارے پاپا نے کیں' تم دونوں کے درمیان جو بھی اختلافات ہیں انہیں بھول کر اب تمہیں جنید کے ساتھ ایک بہترین زندگی کی شروعات کرنی ہے' تم اسے عزت دوگی محبت دوگی تو سب کچھ اچھا ہوتا چلا جائے گا' تم میری بات سمجھ رہی ہو ناں ماہا۔" انہوں نے محبت سے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر اس کا چہرہ اپنی طرف کیا۔

اور اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا کچھ ہی دیر بعد پاپا نکاح خوان کے ہمراہ تشریف لائے تھے انہوں نے کیا کہا اور اس نے کب نکاح نامے پہ سائن کیے کچھ پتہ نہیں چلا وہ جیسے کسی ٹرانس کی کیفیت میں تھی۔ جنید کی طرف سے اس کے چاچو اور ان کی فیملی آئی ہوئی تھی اور وہ لوگ ہی ماہ رخ کو رخصت کروا کر اپنے ساتھ لے گئے تھے۔

اسے جب کمرے میں لے جایا گیا تو رات کے بارہ بج رہے تھے تھکن سے اس کا برا حال ہورہا تھا' جیسے ہی سب اسے کمرے میں چھوڑ کر گئے اس نے اپنی جیولری اتارنا شروع کردی تھی' جیولری کے بعد اس نے میک اپ ریموو کیا اور ڈریس بھی چینج کرلیا تھا۔ اس نے صرف ماں باپ کی خاطر یہ شادی کی تھی خود کو جنید کے آگے نہیں جھکانا تھا' ہاں اگر جنید اس سے نفرت نا کرتا تو بات الگ تھی شاید وہ بیتی باتیں خود ہی بھلادیتی مگر اب تو ماہ رخ بھی اس کی ناپسندیدگی سے اچھی طرح واقف تھی' وہ کیسے اس کے سامنے جھک جاتی' اسے اپنی عزت اور اپنی ذات کا غرور بے حد عزیز تھا' آگے کی زندگی کیسے گزرے گی یہ تو اس نے نہیں سوچا تھا' اسے تو یہ بھی نہیں پتہ تھا کہ یہ شادی چلے گی کب تک۔ اپنے ذہن سے ساری سوچیں جھٹک کر اس نے کمرہ لاک کیا اور سونے کے لیے لیٹ گئی۔ اس کا ذہن اس قدر تھکا ہوا تھا کیا اجنبی جگہ اور اجنبی ماحول ہونے کے باوجود اسے لیٹتے ہی نیند آگئی تھی۔

☆☆......☆......☆☆

جنید بھی الگ کشمکش میں تھا' ماہ رخ جیسی مغرور لڑکی سے شادی کرنے کا وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا مگر یہ وقاص انکل اور اس کی مرحومہ ماں کی خواہش ہی تھی' جس پہ اس نے سر تسلیم خم کیا تھا اور شاید یہ شادی اس سے انتقام لینے کی خواہش میں بھی کی گئی تھی۔ وہ جیت گیا تھا' آج اس کی فتح کا دن تھا لیکن پھر بھی خوش نہیں تھا شاید اس لیے کہ وہ ایک بے حد حساس انسان تھا' کہیں نا کہیں اس کے اندر یہ احساس اب بھی زندہ تھا کہ ماہ رخ کے ساتھ زیادتی کی گئی ہے اور شاید یہ احساس اس لیے بھی شدت سے ہورہا تھا کہ کبھی وہ دونوں بہت اچھے دوست ہوا کرتے تھے' یہ دوستی بہت حیران کن طریقے سے ٹوٹی تھی' کہیں نا کہیں دونوں کو ہی امید تھی کہ انہیں منالیا جائے گا لیکن ایسا نہیں ہوا تھا اور یہ ہی وجہ تھی کہ دونوں ہی انا کے خول میں قید ہوگئے تھے اور انا جب دوستی کے بیچ آجائے تو ناپسندیدگی آہستہ آہستہ خود ہی جنم لے لیتی ہے۔

وہ اس وقت لان میں اپنے کچھ فرینڈز کے ساتھ تھا' اس کی شادی کی خوشی میں وہ سب پارٹی کررہے تھے اور اسے بھی زبردستی روکا ہوا تھا اور وہ خود تو اس وقت ان کے ساتھ موجود تھا مگر اس کا دماغ کسی اور ہی سوچ میں گم تھا۔ آہستہ آہستہ سارے دوست رخصت ہوگئے تھے۔ وہ ملازموں کو لان کی صفائی کا آڈر دے کر بوجھل قدموں سے اپنے روم تک آیا تھا' دروازے کو لاک دیکھ کر وہ اذیت سے مسکرایا اور ساتھ والے کمرے میں چلا گیا تھا' بیڈ پہ لیٹ کر اس نے دو انگلیوں سے پیشانی کو مسلا اور آنے والی زندگی

کے بارے میں سوچنے لگا تھا۔ ویسے یہ تو طے تھا کہ اسے یہ شادی ہر صورت میں نبھانی تھی۔ مگر کیسے یہ سمجھ نہیں آرہا تھا' وہ فطرتاً ایک حساس انسان تھا' اس کی خواہشیں' اس کے خواب الگ تھے' وہ ایک ایسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا تھا جو اس کی زندگی خوشیوں سے بھر دے مگر ماہ رخ تو صرف نفرت کرنا جانتی تھی۔

☆☆......☆......☆☆

صبح ماہ رخ کی آنکھ فجر کی اذان کی آواز سے ہی کھل گئی تھی' شاید مسجد قریب تھی اس لیے اذان کی آواز بے حد صاف آرہی تھی' وہ نماز صرف رمضان کے مہینے میں پڑھتی تھی اور عید کے پہلے دن ہی وہ نمازیں ایک بار پھر قضا ہونا شروع ہو جاتی تھیں۔ پوری رات پُرسکون نیند سونے کے باوجود اس کا ذہن بہت ڈسٹرب تھا اور پہلی بار اسے محسوس ہو رہا تھا کہ جب تک وہ اپنا دکھ اپنا درد اللہ سے بیاں نہیں کرے گی اسے سکون نہیں ملے گا۔ وہ کمبل خود پہ سے ہٹا کر بیڈ سے نیچے اتری اور وضو کرنے کے بعد اس نے وارڈ روب میں بڑا دوپٹہ تلاش کیا' اس کے جہیز اور بری کے کپڑے اس وقت وارڈ روب میں ترتیب سے سجے ہوئے تھے' آخر بڑی تلاش کے بعد اسے بری کے کپڑوں میں سے نماز کی چادر مل گئی تھی۔ چادر کو اچھی طرح باندھ کر اس نے جائے نماز بچھائی اور اللہ کے حضور کھڑی ہوگئی۔ اس کے لب ہلنے کے ساتھ آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے تھے۔

"یا اللہ یہ کس دوراہے پہ لا کھڑا کیا ہے تو نے مجھے' میں نے ساری زندگی جسے ناپسند کرتے گزار دی' آج تو نے اس کا ہی نام میرے نام سے جوڑ دیا' مجھے اس کا غلام بنا دیا جو ایک خود غرض انسان ہے' جس نے میری ماں کی بے عزتی کی' یا اللہ میں شاید اس کے ساتھ بھی خوش نا رہ سکوں' بس تو مجھے پُرسکون کردے اور میرے ماں باپ کے درمیاں محبت پیدا کردے' آمین۔" وہ بھیگی آنکھوں سے اللہ کے حضور جھکی التجا کر رہی تھی' اسے نہیں سمجھ آرہا تھا کہ وہ کیا مانگے بس' جو اس کی زبان پہ آرہا تھا وہ ہی کہتی رہی تھی۔

☆☆......☆......☆☆

شادی کے ہنگامے سرد پڑتے ہی آہستہ آہستہ سارے مہمان بھی رخصت ہوگئے تھے' بس جنید کے چاچو چاچی اور ان کی بیٹی رانیہ ہی رہ گئے تھے ولیمے کے بعد وہ کچھ دنوں کے لیے اپنے گھر رہ کر آچکی تھی' یونیورسٹی لائف ختم ہو چکی تھی اور اب وہ دن بھر بس فارغ ہی رہتی تھی۔ جنید کی کزن رانیہ بہت اچھی تھی اور کچھ دنوں میں اس نے ماہ رخ کو بھی اپنا دوست بنالیا تھا' وہ لندن میں پلی بڑھی تھی مگر باوجود اس کے وہ ماہ رخ سے زیادہ ٹیلینٹڈ اور ویل مینرڈ تھی اور اس بات کا اعتراف خود ماہ رخ بھی کر چکی تھی' چاچو چاچی بھی بے حد محبت کرنے والے انسان تھے' ان سب کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ وہ اسے تنہائی کا شکار نا ہونے دیں لیکن وہ تو جانتے ہی نہیں تھے کہ یہ تنہائی تو ماہ رخ کی پکی سہیلی ہے۔ ان مخلص لوگوں کا ساتھ ہی تھا جو وہ اس گھر میں سکون سے رہ رہی تھی' ان سب کی پوری کوشش ہوتی تھی اسے خوش رکھنے کی اور رہا جنید تو وہ اپنے آفس میں مصروف تھا ان دنوں' نا وہ ماہ رخ سے کوئی بات کرتا اور ماہ رخ کے دن خاموشی سے گزر رہے تھے۔

وہ لوگ ہر روز جنید کے کسی نا کسی فرینڈ کے گھر ڈنر پہ انوائیٹڈ ہوتے تھے' اس کے دوستوں کی اتنی تعداد دیکھنے کے بعد ماہ رخ کو اندازہ ہوا تھا کہ وہ بہت سوشل بندہ ہے اور اسے جتنا روڈ سمجھتی ہے اتنا وہ ہے نہیں' بلکہ اپنے دوستوں کے لیے تو وہ بہت جولی نیچر کا بندہ ہے اور تو اور اس کا اسکول فرینڈز سے اب تک رابطہ تھا' ثانیہ اور عامر بھی اس کی شادی پہ آئے تھے۔ دونوں سول انجینئرنگ کے آخری سال میں تھے۔ وہ دور جا کر بھی کسی سے دور نہیں ہوا تھا' اس نے سب سے رابطہ رکھا تھا اور وہ پاس ہو کر بھی سب سے دور ہوگئی تھی در حقیقت جنید کے بعد اس کا دوستی جیسے رشتے سے اعتبار اٹھ گیا تھا' اس نے کسی کو دوست نہیں بنایا اور اب اسے احساس ہوا تھا کہ اس نے کتنا غلط کیا تھا۔ جنید تو اپنی زندگی کھل کے جی رہا تھا لیکن تنہا رہ گئی تھی تو صرف وہ...... اور اس نے سوچ لیا تھا وہ اپنے ساتھ ہوئی ہر زیادتی کا بدلا ضرور لے گی اسے بھی اتنا ہی تنہا کردے گی جتنی کہ وہ خود ہے۔

☆☆......☆......☆☆

شادی کے ایک ماہ بعد جنید کے چچا چچی واپس جا رہے تھے۔ اتنے عرصے میں ماہ رخ کو ان کی عادت ہوگئی تھی لیکن وہ چاہا کر بھی انہیں مزید نہیں روک سکتی تھی اس لیے خاموش رہی۔ وہ جنید کے ساتھ انہیں سی آف کرنے ائر پورٹ آئی تھی۔

"جنید تم ماہ رخ کا بہت خیال رکھنا' ایک لڑکی اپنے ماں باپ کے گھر کا ہر سکھ' آرام' پیار و محبت سب کچھ چھوڑ کر نئے گھر آتی ہے اور یہ اس کے شوہر کا فرض ہے کہ وہ اس کا خیال رکھے اسے محبت دے اور اسے کبھی اداس نا ہونے دے' اس کی عزت کرے اور کبھی اسے اکیلا نہ چھوڑے۔" ائر پورٹ پہنچ کر چچی جان نے ماہ رخ کو خود سے لگاتے ہوئے کہا تھا۔

"اور ماہ رخ بیٹا اپنا خیال رکھنا فون کرتی رہنا اور اگر جنید تنگ کرے تو بے جھجک ہم سے شکایت کردینا۔" چاچو نے بھی اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کے کہا اور پھر وہ لوگ چلے گئے۔

وہ واپسی میں جنید کے ساتھ کار کی فرنٹ سیٹ پہ بیٹھی تھی مگر اتنے قریب ہونے کے باوجود بھی دونوں ہی ایک دوسرے سے بہت دور دور تھے۔ ماہ رخ تو اس کی طرف دیکھنا بھی نہیں چاہتی تھی اس لیے اس نے چپ چاپ آنکھیں موند لی تھیں‘ دونوں کی شادی کو ایک ماہ سے زائد عرصہ گزر گیا تھا مگر باوجود اس کے فاصلے اب تک برقرار تھے‘ دلوں کے دلوں پہ جمی برف تاحال نہیں پگھل سکی تھی۔

"پانچ سال‘ دس سال میں بدلے کی آگ میں جلتا رہا ہر روز میرے ذہن میں تمہارے لفظوں کی بازگشت ہوتی رہی اور ہر پل میں تم سے نفرت کرتا رہا‘ بے حد اور بے حساب‘ تم نے میری ماں کے کردار کی دھجیاں اڑائی تھیں جو تمہیں بے حساب چاہتی تھی‘ تم نے اس ہی لمحے میرے اندر سے اپنے لیے رحم اور دوستی کا ہر جذبہ ختم کرڈالا تھا۔" وہ بے حد آہستہ بول رہا تھا‘ ماہ رخ نے چونک کر اسے دیکھا۔

"لوگ محبت میں جیتے ہیں‘ کسی کو یاد رکھتے ہیں تو محبت میں‘ مگر میں نے تمہیں ہر لمحہ یاد رکھا‘ کبھی اپنے ذہن سے نکلنے نہیں دیا کیونکہ میں تم سے نفرت کرتا تھا اتنی نفرت جتنی مجھے اپنی ماں سے محبت تھی‘ تم کیا سمجھتی رہیں کہ میں خاموش ہوں تو سب بھول گیا ہوں‘ نہیں ماہ رخ اگر تم یہ سمجھ رہی ہو تو یہ تمہاری بھول ہے کیونکہ جنید آفتاب گردیزی کبھی معاف نہیں کرتا‘ یہ آگ جو تم نے میرے اندر دہکائی ہے ناں‘ اب اس میں تمہیں بھی جلنا ہوگا۔" ایک گہری مدھم سانس خارج کرتے وہ نفرت بھرے لہجے میں بول رہا تھا۔

"پچھلے دس سال میں کوئی ایک لمحہ بھی ایسا نہیں گزرا جب میں تمہاری دی گئی ذلت کو بھول سکا ہوں‘ میں نے بہت کوشش کی سب بھول جاؤں‘ لیکن تم سے ملنے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ تم تو اس لائق ہو ہی نہیں کہ تمہیں معاف کیا جائے اور آج دیکھ لو میں جیت گیا‘ تمہارے تمام حقوق میرے نام ہوچکے ہیں‘ تم جس شخص کا نام اتنی نفرت سے لیتی تھیں وہ ہی نام تمہارے نام کے ساتھ جڑ گیا ہے‘ تم جہاں بھی جاؤ گی میرے حوالے سے جانی جاؤ گی‘ تمہاری تو خود کی کوئی پہچان بھی نہیں رہی اب۔" وہ زہرخند لہجے میں بولتا بہت ریش ڈرائیونگ کررہا تھا۔ ماہ رخ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی‘ ساتھ ہی اسے جنید سے خوف محسوس ہونے لگا تھا۔

وہ لوگ گھر پہنچ چکے تھے‘ جنید اسے ڈراپ کرنے کے بعد دوبارہ کہیں نکل گیا تو اس نے سکون کا سانس لیا۔

☆☆......☆......☆☆

وہ گاڑی لے کر بلامقصد سڑکوں پر بھٹک رہا تھا‘ ماہ رخ کے چہرے پہ پھیلا سکون دیکھ کر اسے وحشت ہونے لگی تھی‘ وہ اتنا خود غرض اور بے حس تھا نہیں لیکن ماہ رخ کے معاملے میں بن چکا تھا‘ اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ بھی ماہ رخ کا سکون اس ہی طرح چھین لے جیسے اس نے چھینا تھا۔ دس سال پہلے جیسے اس نے پورے اسکول کے سامنے اسے اور اس کی ماں کو بے عزت کیا تھا اور اس کی وجہ سے جو لوگوں کے چہرے پہ پھیلا تمسخر جنید کو برداشت کرنا پڑا تھا وہ اسے بھولتا ہی نہیں تھا‘ اس کا غرور اس کی خود سری سب کچھ اس کے لیے چیلنج بن چکا تھا اور اس ہی وجہ سے اس نے ماہ رخ سے شادی کی تھی‘ اسے اپنے سامنے جھکانے کے لیے لیکن اب اسے احساس ہوا تھا کہ وہ اب تک اپنے مقصد میں ناکام ہی رہا ہے‘ ماہ رخ کو تو کوئی فرق ہی نہیں پڑا تھا‘ اس کے چہرے پہ بھی جنید کو پچھتاوے کی ہلکی سی لکیر بھی نظر نہیں آئی تھی‘ اسے ماہ رخ کا سکون چبھتا‘ جتنا اسے جھکانا چاہتا تھا اتنا ہی ناکام ہوجاتا اور یہ ہی بات اسے تکلیف دے رہی تھی۔ بے مقصد سڑکوں پہ گاڑی دوڑانے کے بعد جب وہ تھک گیا تو اس نے گاڑی واپس گھر کے رستے پہ ڈال دی تھی۔

☆☆......☆......☆☆

اگلے دن سنڈے تھا وہ دیر سے اٹھا رات کے بعد اس کی اور ماہ رخ کی کوئی ملاقات نہیں ہوئی تھی اس نے فریش ہونے کے بعد اپنے کمرے میں ہی ناشتہ منگوالیا تھا اور ابھی وہ ناشتہ کر ہی رہا تھا کہ گھر میں کام کرنے والی ملازمہ شبو بھاگتی ہوئی آئی۔

"وہ صاحب جی بیگم صاحبہ کی طبیعت بہت خراب ہے۔" وہ پریشان سی بولی۔

"کیا ہوا......؟" اس نے ناشتہ چھوڑ کر بیزاری سے پوچھا۔

"وہ جی ان کو بہت تیز بخار ہے اور وہ بخار کی وجہ سے بے ہوش ہوگئی ہیں۔" وہ گھبرائے لہجے میں بولی۔

اور بے ہوشی کا سن کر جنید کی ساری بیزاری ہوا ہوگئی تھی اور وہ پریشان ہو کر ماہ رخ کے روم میں بھاگا آیا تھا۔

"ماہ رخ آنکھیں کھولو ماہ رخ...... کیا ہوا؟" اس نے اس

کے گال تھپتھپائے وہ بے ہوش نہیں بلکہ نیم غنودگی کی کیفیت میں تھی‘ بخار سے اس کا چہرہ جل رہا تھا‘ وہ بار بار آہستہ سے سر کو تکیے پہ مار رہی تھی۔

جنید نے پریشانی کے عالم میں اپنے فیملی ڈاکٹر کو کال کی اور اگلے پندرہ منٹ میں وہ اس کے سامنے بیٹھے تھے۔ اس دوران جنید مسلسل اس کا سر دباتا رہا تھا‘ بے شک وہ اس سے نفرت کرتا تھا مگر اس کی نفرت ایک انسانی جان سے زیادہ اہم تو نہیں تھی‘ وہ سفاک نہیں تھا‘ اسے تو کسی غیر کی تکلیف بھی پریشان کردیتی تھی پھر ماہ رخ سے تو اس کا بے حد قریبی رشتہ تھا۔

”ماہ رخ نے شاید کوئی ٹینشن لی ہے یا پھر کسی بات کی وجہ سے یہ بہت ڈپریس ہیں‘ تم پریشان نہیں ہو جنید میں نے انجیکشن لگادیا ہے‘ کچھ دیر میں آرام آجائے گا اور ساتھ ہی میں کچھ میڈیسنز لکھ رہا ہوں وہ وقت پہ دے دیجیے گا‘ ان شاء اللہ جلد بہتر ہوجائیں گی اور ہاں کوشش کیجیے گا انہیں ہر پریشانی سے دور رکھیں۔“ ڈاکٹر نیازی ہدایت دیتے بولے۔

اور جنید کو یاد آ گیا تھا کہ اس نے کس چیز کی ٹینشن لی تھی‘ رات وہ جس طرح اس سے پیش آیا تھا اس کے رویے سے وہ خوف زدہ ہوگئی تھی۔

”معاف کرنا ماہ رخ مگر بڑی کمزور نکلی تم‘ اتنی سی بات نا سہہ سکیں‘ مجھے تو ابھی تمہارے بہت سے امتحان لینے تھے‘ مجھے تو لگا تھا کہ تم بڑی بہادری سے میرا مقابلہ کرو گی مگر تم نے اس طرح بیمار ہوکر میرے سارے ارادوں پہ پانی پھیر دیا......“ وہ خود کلامی کرتا بولا۔ ایک ہی رات میں ماہ رخ کی سفید رنگت زردی مائل ہوچکی تھی اور ہونٹوں پہ پپڑیاں جم گئی تھیں‘ وہ ہولے ہولے کانپ رہی تھی۔ وہ اسے اس طرح دیکھ کر اندر ہی اندر پریشان ہو رہا تھا اور پھر وہ اس کے سرہانے بیٹھ کر آہستہ آہستہ اس کا سر دبانے لگا۔

آدھے گھنٹے بعد اسے ہوش آیا اور اپنے سرہانے یوں جنید کو بیٹھا دیکھ کر اس نے دور ہونے کی کوشش کی مگر بخار کی وجہ سے اس کی ساری ہمت ختم ہوگئی تھی۔

”تم پریشان مت ہو ماہ رخ‘ اگر تمہیں میرا یہاں بیٹھنا اچھا نہیں لگ رہا تو کوئی بات نہیں میں یہاں سے چلا جاتا ہوں تم بس ایزی ہوکر لیٹی رہو۔“ وہ پہلی بار اس سے پیار سے مخاطب ہوا تھا اور نرمی سے کہتا وہاں سے چلا گیا تھا‘ اس نے ملازمہ کو حکم دیا تھا کہ ماہ رخ کو ناشتہ کروا کر میڈیسنز دے اور خود لاؤنج میں بیٹھ کر اخبار پڑھنے لگا تھا۔

☆☆......☆......☆☆

ماہ رخ کی طبیعت آہستہ آہستہ سنبھل رہی تھی...... وہ اب بالکل ٹھیک ہوچکی تھی مگر بیماری کے دنوں میں جس طرح جنید نے اس کا خیال رکھا سب بھول کر اسے پوری توجہ دی...... اس سب نے ماہ رخ کے دل کو اس کی طرف سے صاف کردیا تھا...... اسے پہلی بار احساس ہوا تھا کہ وہ غلط تھی‘ اس نے آج تک اسے غلط سمجھا‘ جب کہ جنید ایک بہت اچھا لڑکا تھا‘ احساس کی دولت سے مالا مال...... اتنی نفرت کرنے کے باوجود اس نے انسانیت کے ناطے ہی سہی مگر اسے اکیلا نہیں چھوڑا تھا...... اتنی توجہ تو کبھی مما نے بھی نہیں دی تھی اسے‘ ماہ رخ کو پہلی بار محسوس ہوا کہ شاید پاپا کا فیصلہ درست تھا‘ پرانی باتوں کو اگر وہ دونوں دل سے نکال دیں تو وہ ایک اچھی زندگی گزار سکتے ہیں۔

اس دن مہوش کا بہت دنوں بعد فون آیا تھا‘ وہ اپنی فیملی کے ساتھ کہیں گھومنے گئی ہوئی تھی اور کل ہی واپس آئی تھی اور آج اس نے اس کی شادی کی خوشی میں لنچ پہ انوائیٹ کیا تھا۔ وہ ڈرائیور کے ساتھ مطلوبہ ریسٹورینٹ چلی آئی‘ جہاں مہوش اور سرمد دونوں ہی اس کے منتظر تھے۔ وہ سرمد کو وہاں دیکھ کر حیران رہ گئی‘ اسے لگا تھا مہوش نے اسے اکیلے ہی انوائیٹ کیا ہے۔

”ارے کیا ہوا...... سرمد کو یہاں دیکھ کر حیران ہوگیا ماہ رخ؟“ مہوش اس کی حیرانی بھانپ گئی تھی۔ ”دراصل یہ لنچ سرمد کی طرف سے ہے‘ ہم دونوں کے لیے‘ ویسے تمہیں ہوا کیا ہے اتنی کمزور کیوں لگ رہی ہو؟“ اس نے اس کے چہرے کا بغور جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

”بس کچھ دنوں سے بہت بیمار تھی اس لیے۔“ وہ آہستہ سے بولی‘ اسے اپنی بیماری کے ساتھ ہی جنید کا رویہ یاد آجاتا تھا‘ آج کل اسے سوچتے اس کا دل عجیب احساسات کا شکار ہوجاتا تھا۔

”لگتا ہے تمہارے ڈیئر ہسبینڈ تمہارا خیال نہیں رکھتے ماہ رخ۔“ سرمد اسے اداس سا دیکھ کر شرارتی لہجے میں بولا۔

”وہ تو میرا اتنا خیال رکھتے ہیں کہ جتنا کبھی کسی نے بھی نہیں رکھا‘ جنید بہترین بزنس مین ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین ہسبینڈ اور انسان بھی ہیں۔“ وہ سچائی سے بولی۔

”آہم...... آہم ماہ رخ کیا یہ تم بول رہی ہو‘ کیا جادو کردیا ہے جنید نے تم پہ۔“ مہوش کو اس کی بات پہ گہرا شاک لگا تھا‘ وہ تو صرف اس ماہ رخ کو جانتی تھی جو جنید سے سخت نفرت کرتی تھی اب اس ہی جنید کی تعریف ماہ رخ کے منہ سے سن کر تو مہوش

حیران ہی رہ گئی تھی۔

"ہاں یہ میں ہی ہوں۔" وہ اس کی حیرانی سمجھتے مسکرائی تھی۔

"اچھا اب جلدی سے کھانا بھی آڈر کرو یا بس جوس پہ ہی ٹرخاؤ گی۔" وہ مسکرا کر بولتی بدل بات گئی تھی۔ اسے سرمد کے سامنے اپنے پرسنلز ڈسکس کرنا اچھا نہیں لگا تھا۔

"کر رہی ہوں آڈر۔" اور پھر اس نے اشارے سے ویٹر کو بلا کر آڈر نوٹ کروایا' وہ جو ہوٹلنگ' پارٹیز' لونگ ڈرائیو اور سیر سپاٹوں کی دیوانی تھی اور جس کا دن مہوش کے بغیر ادھورا رہتا تھا آج اسے ہی پتہ نہیں کیوں ہوٹل کا یہ ماحول مسحور کر رہا تھا اور نا مہوش سے باتیں کر کے اچھا لگ رہا تھا' اسے لگ رہا تھا جیسے آہستہ آہستہ وہ بدل رہی ہو' لنچ کے بعد وہ تینوں ایک ساتھ پارکنگ میں آئے تھے ان کا شاپنگ کا ارادہ تھا مگر ماہ رخ معذرت کر کے مما کی طرف آ گئی تھی۔

خلاف توقع مما اور پاپا دونوں گھر پہ ہی تھے' مما سے ملنے کے بعد اسے پتہ چلا تھا کہ وہ ساری این جی اوز سے ریزائن کر چکی تھیں' انہوں نے پارٹیز میں آنا جانا چھوڑ دیا تھا اور وہ اب صرف گھر پہ ہوتی تھیں' اب پاپا اور مما کے تعلقات بھی بہت بہتر ہو چکے تھے۔ شام کا وقت تھا وہ اور پاپا لان میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے جب کہ مما کچن میں تھیں اور ان دونوں کے لیے خود چائے کی تیاری کر رہی تھیں۔

"ماہ رخ بیٹا تم خوش تو ہو ناں میں جانتا ہوں میں نے جنید سے شادی کے لیے تمہارے ساتھ زبردستی کی مگر میں بس تمہاری خوشی چاہتا تھا۔" اتنے دن بعد وہ پاپا سے ملی تھی شاید اس لیے پاپا اسے لے کر بہت حساس ہو رہے تھے۔

"پاپا آپ پریشان نہیں ہوں' میں بہت خوش ہوں آپ نے میرے لیے ٹھیک ہی فیصلہ کیا تھا۔" وہ ہلکا سا مسکرا کر بولی۔

"بس میں تمہاری خوشی چاہتا ہوں' فریحہ سے میرا بڑا گہرا رشتہ تھا' وہ ایک بے حد محبت کرنے والی بہن تھی میری اور جنید بھی بالکل اس کا عکس ہے اتنا ہی سادہ اور محبت کرنے والا' وہ دل میں زیادہ عرصے تک بغض نہیں رکھ سکتا' بہت محبت کرتا ہوں میں جنید سے اور مجھے یقین ہے وہ تمہیں ساری زندگی خوش رکھے گا۔" وہ اپنی ہی رو میں بہتے بول رہے تھے۔

"فریحہ آنٹی آپ کی بہن تھیں پاپا......!" وہ چونک کر بولی۔

"ہاں وہ میری رضاعی بہن تھی' چچی کے انتقال کے بعد میری اماں نے ہی اسے پالا تھا۔" وہ یاد کرتے ہوئے بولے تھے اور ماہ رخ کو اپنی حالت غیر ہوتی محسوس ہونے لگی تھی' وہ نا سمجھی میں ان پہ کتنا بڑا بہتان لگا چکی تھی' ماں کی باتوں میں آ کر اس نے کتنا بڑا گناہ کیا تھا اسے فوراً اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔

"پاپا میں چلتی ہوں' مجھے دیر ہو رہی ہے۔" وہ فوراً جانے کے لیے کھڑی ہوئی۔

"لیکن بیٹا ابھی تمہاری مما چائے لا رہی ہیں وہ تو پی لو۔" وہ حیران ہوئے اسے عجلت میں جاتے دیکھ کر۔

"نہیں پاپا پھر کبھی صحیح' آپ اپنا خیال رکھیے گا۔" وہ عجلت میں کہتی بھاگی تھی۔

☆☆......☆......☆☆

وہ اپنے گزشتہ تمام رویوں پہ بے حد شرمندہ تھی اسے پہلی بار احساس ہوا تھا کہ جس انسان کو وہ آج تک پتھر سمجھتی آئی وہ تو ہیرا تھا' بیش قیمتی ہیرا' جنید کی اعلیٰ ظرفی نے تو پہلے ہی اسے متاثر کر دیا تھا اور اب جب اسے احساس ہوا اپنی غلطیوں کا اور ساتھ ہی جنید کا اپنے ساتھ رویہ یاد آیا تو وہ شرم سے پانی پانی ہو گئی تھی۔ اس کے دل کی سلیٹ بالکل صاف تھی' آج تک کوئی نام اس سلیٹ پہ لکھا نہیں گیا تھا لیکن اب پہلی بار کسی کا نام پورے استحقاق سے اس سلیٹ پہ لکھا جا رہا تھا محبت کے سرخ رنگ سے' جو کبھی مٹتا نہیں' اسے اب جنید کو سوچ کر عجیب سا احساس گھیر لیتا تھا' ماہ رخ کو اب اچھا لگنے لگا تھا اس کے چھوٹے چھوٹے کام کرنا' اس کا خیال رکھنا' اس نے خود کو تیزی سے بدلنا شروع کر دیا تھا' وہ اس کے آفس سے آنے کا بے صبری سے انتظار کرتی' وہ آ جاتا تو ملازمہ کے ہاتھ پانی بھجواتی' خود اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ جنید کا سامنا کرے' وہ جب بھی سامنے آتا تو ماہ رخ کا دل تیزی سے دھڑکنے لگتا اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس بات کا احساس جنید کو بھی ہو جائے۔ وہ اب پہلے والی مغرور اور خود سر ضدی ماہ رخ نہیں تھی پھر بھی اسے شرم سی آتی تھی جنید کا سامنا کرتے' آہستہ آہستہ اس نے کھانا پکانا بھی سیکھ لیا تھا اور بس ایک ڈنر کا وقت ہی ہوتا تھا جب وہ ساتھ بیٹھتے تھے۔

آج اس نے جنید کے لیے فرائیڈ رائس اور منچورین پکایا تھا' رانیہ نے بتایا تھا جنید کو یہ بہت پسند ہے اور آج اس نے اس ہی کی پسند کو ملحوظ خاطر رکھا تھا۔ لیکن نا جانے کیوں اپنی پسند کا ڈنر ہونے کے باوجود وہ خوش نہیں تھا' اسے نا جانے کیوں جنید کھویا کھویا سا کسی سوچ میں گم لگا تھا وہ پوچھنا چاہتی تھی مگر ایک بے معنی سی جھجک آڑے آ رہی تھی۔ کھانے کے بعد وہ برتن سمیٹنے کے

لیے اٹھ رہی تھی کہ جنید نے اسے روک لیا اور اپنے ساتھ روم میں لے آیا تھا۔
"بیٹھو ماہ رخ! مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔" وہ نرمی سے بولا۔ وہ حیران سی صوفے پہ بیٹھ گئی' جنید بھی اس سے کچھ فاصلے پہ بیٹھ گیا تھا۔ ماہ رخ کی سوالیہ نظریں جنید کے چہرے پہ جمی ہوئی تھیں۔
"ماہ رخ سب سے پہلے تو میں اپنے تمام گزشتہ رویوں کی معافی مانگنا چاہتا ہوں' اس رات میں نے جتنا تم پہ غصہ کیا اس کے لیے بھی میں شرمندہ ہوں' میں نے تم سے کہا کہ میں نے تم سے شادی تمہارا غرور ختم کرنے کے لیے کی تھی لیکن ایسا نہیں تھا' میں کون ہوتا ہوں کسی کا غرور توڑنے والا' یہ شادی میری مما اور وقاص انکل کی خواہش تھی میں نے صرف ان کے حکم پہ سر جھکا لیا تھا لیکن یہ الگ بات ہے کہ تمہارے رویوں کے سبب شروع شروع میں' میں تم سے بدگمان رہا لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا رہا وہ بدگمانی اپنی موت آپ مرگئی اور پھر مجھے تمہارا احساس ہوا اور میں نے سوچا کہ بھلا یہ کہاں کا انصاف ہے کہ آپ کسی ایک کی خواہش کے لیے کسی دوسرے کی پوری زندگی برباد کردو۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر آہستہ آہستہ بولتا بے حد سنجیدہ نظر آرہا تھا۔ ماہ رخ دل و جان سے اسے سن رہی تھی۔
"مجھے احساس ہوا کہ تمہارے ساتھ بہت غلط ہوا ہے' کسی ایسے انسان سے شادی صحیح ہو بھی کیسے سکتی ہے جسے آپ بے حد ناپسند کرتے ہوں اور تم تو مجھ سے نفرت کرتی آئی ہو' تمہاری زندگی برباد کرنے میں میرا بھی برابر کا ہاتھ ہے' تم آئی تھیں مجھ سے مدد مانگنے لیکن میں نے تمہیں دھتکار دیا تھا' جانتا ہوں وقت گزر چکا ہے لیکن میں اس کے باوجود تم سے آج اپنے اس رویے کی بھی معافی مانگتا ہوں۔"
"لیکن جنید....." ماہ رخ نے کچھ بولنے کی کوشش کی۔
"نہیں ماہ رخ آج مجھے بولنے دو۔ میں جانتا ہوں سرمد لغاری تم سے محبت کرتا ہے اور شاید تمہیں بھی وہ پسند ہو' یہ تو تم دونوں کی کہانی تھی' میرا تو کردار کہیں تھا ہی نہیں اب میں نہیں چاہتا کہ تم کسی مصلحت کی خاطر ایک ان چاہی زندگی گزارو....." وہ سرمد کو اس کے ساتھ دیکھ کر فیصلہ کرچکا تھا۔
"میں نے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے ماہ رخ کہ اب ہمیں الگ ہوجانا چاہیے' ایک ان چاہی زندگی گزارنے کا کیا فائدہ محبت ہر رشتے کی بنیاد ہوتی ہے اور جب رشتے میں محبت ہی نا ہو تو وہ کیسے آگے بڑھ سکتا ہے' ایسا رشتہ تو کسی کھلی عمارت کی طرح ہوتا ہے۔ جو کسی بھی لمحہ ریت کا ڈھیر بن سکتی ہے۔ تم پریشان نہیں ہونا' انکل کو میں سمجھا لوں گا' ہم بہت فرینڈلی طریقے سے الگ ہوں گے۔" وہ اسے بے حد نرمی سے سمجھا رہا تھا۔ "اور ہاں ایک بات اور اس فیصلے کا اختیار اب صرف اور صرف تمہارے ہاتھ میں ہے' میں نے بس اپنا فیصلہ سنایا ہے مگر ہوگا وہ وہی جو تم چاہو گی تم جتنا سوچنے کے لیے وقت چاہتی ہو لے لو۔"
اور ماہ رخ کی حالت تو یوں تھی جیسے کسی نے اس کے جسم سے سارا خون نچوڑ لیا ہو وہ تو اسے ٹوک بھی نہیں سکی' اسے بتا بھی نہیں سکی تھی کہ وہ غلط سوچ رہا ہے' وہ اب ایسی نہیں رہی جب کے جنید اس کی خاموشی کو ہاں سمجھ کر وہاں سے اٹھ کر جاچکا تھا۔

☆☆......☆......☆☆

ممکن ہے کہ تو جس کو سمجھتا ہے بہاراں
اوروں کی نگاہوں میں وہ موسم ہو خزاں کا

آج ایک عرصے بعد ماہ رخ پہ پھر جنون سوار ہوا تھا اور اس جنون کے زیر اثر جنید کے جاتے ہی کمرے کی ہر چیز بکھر چکی تھی...... بالکل اس طرح جس طرح اس کی اپنی ذات بکھر چکی تھی۔
"کیا ضروری ہے کہ جو میرا ہو اور جس سے مجھے محبت ہو وہ ہی مجھ سے دور چلا جائے۔ بچپن سے لے کر آج تک کبھی مجھے مما پاپا کی توجہ نہیں ملی حالانکہ میں ان کی اکلوتی اولاد تھی اور ان کی وجہ سے میرے اندر کا خلا بڑھتا گیا۔ میں ضدی' خودسر بدتمیز ہوتی گئی اور اس طرح میں سب سے دور ہوتی چلی گئی۔ میری غلطیوں کی وجہ سے۔ میرے دوست مجھ سے دور ہوتے گئے اور پھر میں نے اپنے اردگرد اتنی اونچی دیواریں کھڑی کردیں' اپنے اوپر مغرور ہونے کا خول چڑھالیا' کبھی کسی کی ہمت ہی نا ہوسکی کے وہ میرے اندر جھانک سکے۔" ماہ رخ دونوں گھٹنوں میں سر دیے روتے ہوئے اپنا محاسبہ کررہی تھی۔
"جب مجھے جنید سے نفرت تھی تب وہ زبردستی میری زندگی میں شامل کردیا گیا اور اب جب میں اسے پسند کرنے لگی ہوں تو وہ مجھ سے دور جارہا ہے۔ یہ میری بے حسی کی انتہا ہی تو تھی کہ مجھے اس سے تب محبت ہوئی جب وہ مجھے چھوڑ کر جارہا ہے' میں جو سراپا غرور تھی' منہ کے بل زمین پہ گری' میری انا میرا غرور اس ہی لمحے پاش پاش ہوگیا تھا جب اس نے مجھے چھوڑنے کا فیصلہ سنایا اور میں اپنی زخمی انا کے ہاتھوں مجبور اسے روک بھی نا سکی اسے بتا ہی

نہیں سکی کہ وہ تو فاتح تھا اور اس نے میرا دل فتح کیا تھا کچھ اس طرح مجھے اپنا بنالیا اس نے کہ میں خود سے ہی بیگانی ہو چلی تھی۔"

"کیا تم اب بھی خاموش رہو گی ماہ رخ۔ کیا اب بھی اس جھوٹی انا کی خاطر اپنی محبت کو خود سے دور کردو گی۔ کیا خود اپنے ہاتھوں سے اپنی خوشیاں چھین لو گی؟" کوئی اس کے اندر سے بولا تھا۔

"نہیں......اب نہیں اب میں کسی کو بھی اپنی خوشیاں برباد نہیں کرنے دوں گی میں اسے بتاؤں گی کہ میں صرف اس سے محبت کرتی ہوں اس کے سوا اب میری زندگی میں کوئی نہیں آسکتا۔" اس نے تیزی سے اپنے آنسو رگڑتے ہوئے خود سے وعدہ کیا تھا۔

☆☆......☆......☆☆

اس دن کے بعد جنید اور اس کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی تھی وہ بھی اتنے دن گزرنے کے بعد بھی اس سے کچھ نہیں کہہ سکی تھی لیکن اس کے باوجود اس نے خود کو کافی حد تک بدل لیا تھا اب وہ اس کے آفس جانے سے پہلے خود اس کے کپڑے شوز اور دیگر چیزوں کا خیال رکھتی وہ ناشتے کے لیے آتا تو خود ناشتہ لاتی جب تک جنید آفس سے نہیں آجاتا وہ خود بھی شام کی چائے نہیں پیتی اس نے جنید کے گھر کو جب سے اپنا سمجھنا شروع کیا تب سے اس نے گھر کی بہتری کا بھی سوچنا شروع کردیا تھا وہ اب کھانا خود پکاتی ملازمہ سے اپنی نگرانی میں ڈسٹنگ کراتی جنید کے کپڑے لانڈری میں خود بھیجتی اس سے پہلے یہ سارے کام جنید خود کرتا تھا۔

مالی بابا کے ساتھ مل کر اس نے لان میں بھی بہت سے نئے پودے لگائے تھے اور جنید کو وہ تبدیلی پسند آئی تھی۔ اس وقت آفس سے آنے کے بعد وہ لان میں بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا جب ماہ رخ اس کی اور اپنی چائے لے کر وہیں آگئی تھی اور اب وہ دونوں ہی چائے پی رہے تھے جب کچھ سوچتے ہوئے جنید نے بات شروع کی۔

"مجھے لگتا ہے ماہ رخ اب ہمیں اپنے راستے الگ کر لینے چاہئیں آخر کب تک ہم یوں ایسے زندگی گزاریں گے تم خوش نہیں ہو اور میں بھی خوش نہیں ہوں اب جب کے ہمارے درمیاں ہر جھگڑا ختم ہو چکا ہے تو اب ہمیں زندگی کو ایک نیا موڑ دینا چاہیے ہر انسان کی زندگی میں کوئی نا کوئی ہوتا ہی ہے ہر کوئی کسی نا کسی کو تو پسند کرتا ہی ہے تم بھی کسی کو پسند کرتی ہو گی اور میں کسی کو پسند نہیں کرتا۔" وہ جو اپنی چائے کا کپ دونوں ہاتھوں میں پکڑے بڑی سنجیدگی اور توجہ سے اس کی بات سن رہی تھی پسند کے ذکر پہ چونکی۔

"دیکھو ماہ رخ اس میں شرمانے والی کوئی بات نہیں ہر کسی کی زندگی میں کوئی خاص ضرور ہوتا ہے تمہاری زندگی میں بھی کوئی ایسا آیا ہوگا جس سے تمہیں محبت ہوئی ہوگی۔" جنید اس کی خاموشی کو اس کی جھجک سمجھا تھا اس لیے اپنی بات پہ زور دیتا بولا۔ گویا کھلے دل کا مظاہرہ کررہا تھا۔

"ہر کسی کو ہوتی ہوگی لیکن مجھے کبھی بھی کسی سے بھی ماضی میں محبت نہیں ہوئی۔" اس نے دوٹوک انکار کیا۔

"کیا مطلب ماہ رخ......!" اس بار وہ حیرانی سے اس کے چہرے پہ اپنی ڈارک براؤن آنکھیں جما کر بولا اور شاید اندر ہی اندر یہ سوچ کر خوش بھی کہ ایک خالص اور مخلص لڑکی اس کی زندگی کی ساتھی تھی۔

"اب خیر میں نے ایسا بھی نہیں بولا۔" اس کی حیرانی سے ماہ رخ محظوظ ہوئی۔

"فففففف......ابھی دو منٹ پہلے تم نے خود ہی یہ اعتراف کیا تھا کہ ناں تم کسی کو پسند کرتی ہو اور ناں ہی ماضی میں کسی سے محبت کرتی تھیں۔" وہ زچ ہوا تھا۔

"ہاں میں اس بات سے تو اب بھی انکار کرتی ہوں۔" اس کا اطمینان قابل دید تھا۔ وہ شاید اندر ہی اندر اس کی باتوں پہ ہنس رہی تھی کم از کم جنید کو تو ایسا ہی لگ رہا تھا۔

"تو پھر......!" اب کے اس نے بنا کسی تاثر کے سوال کیا۔

"تو پھر یہ کہ......مجھے اب لگنے لگا ہے کہ مجھے محبت ہونے لگی ہے۔" وہ ایک ادا سے مسکرا کر بولی اور پھر ہاتھوں میں پکڑا چائے کا مگ ہونٹوں تک لے گئی۔ اس کی نظریں اس وقت جنید کے چہرے پہ جمی تھیں جس پہ اس وقت شدید تناؤ نظر آرہا تھا۔ "تو محترم خود بھی دل وجان سے فدا ہیں بس اتنے دنوں سے مجھے ہی تنگ کیا ہوا ہے ٹھیک ہے جناب اب کچھ دیر آپ کی باری ہے۔" وہ اس کے تاثرات نوٹ کرتی ہے دل میں سوچنے لگی۔

"تمہارا مطلب ہے ماہ رخ تمہیں شادی کے بعد اس سے......" بات مکمل نہیں کر پایا تھا۔ یہ دل ہمیشہ دغا دیتا ہے اندر ہی اندر دل کو کوسا۔

"ہاں جنید معذرت کے ساتھ مگر مجھے شادی کے بعد ہی محبت ہوئی ہے اور اس میں مجھے کوئی برائی نظر نہیں آرہی ویسے بھی

برائی تو غلط چیزوں میں نظر آتی ہے اور محبت کرنا تو بالکل غلط نہیں۔" اس نے بھولے پن سے اعتراف کیا۔ اس بار جنید کے ماتھے پہ پڑتے بلوں میں مزید اضافہ ہوا جب کہ چہرہ غصے سے لال سرخ ہورہا تھا۔

"ارے کیا ہوا جنید! ابھی کچھ دیر پہلے تک تو تم اتنے براڈ مائنڈڈ بن رہے تھے اور مجھے لگ رہا تھا شاید ہی کوئی اور بندہ تم سے زیادہ کول ہو مجھ سے یہ پوچھ رہے تھے کہ میں کسی کو پسند کرتی ہوں میری گزشتہ محبتوں کے قصے معلوم کیے جارہے تھے۔" وہ اب بھی مسکرا رہی تھی ایک سرد مسکراہٹ' جنید کو لگا جیسے وہ اس پہ طنز کررہی ہو۔

"تم مجھ پہ طنز کررہی ہو؟" بڑے بھولے پن سے سوال کیا۔

"تمہیں کوئی شک۔"

"ایڈیٹ میں نے تم سے صرف پچھلی محبت کے بارے میں سوال کیا تھا' نئی نویلی داستانِ محبت سنانے کا نہیں کہا تھا' چاہے جس بھی سچویشن میں ہوئی ہو ہماری شادی' مگر اب میں تمہارا شوہر ہوں۔" وہ چڑتا ہوا غصے سے بولا اور اٹھ کر وہاں سے جانے لگا۔

"سنو جب دل بڑا نا ہو تو دعوے بھی نہیں کرنے چاہیے' ویسے بھی پاکیزہ محبت تو شادی یعنی نکاح کے بعد ہی جنم لیتی ہے' باقی ساری محبتیں تو فریب ہوتیں ہیں اور اگر میرے دل کو کسی کی ڈارک براؤن آنکھوں سے محبت ہوگئی ہے تو کیا ہوا' وہ بھی تو اتنی محبت اور والہانہ انداز میں دیکھتی ہیں میری طرف۔" وہ مسکراتے ہوئے بڑے بھرپور انداز میں بولی اور جنید تو اس کے اس حسین اظہار پہ حیرت سے ساکت میں کھڑا ہی رہ گیا تھا۔

"مجھے یہ تو پتہ تھا کہ ایک دن تم خود اپنی محبت کا اظہار کردو گی لیکن وہ خوش نصیب لمحہ آج ہی کے دن میسر آجائے گا یہ مجھے نہیں معلوم تھا۔" وہ اس کے گرد اپنی بانہوں کا حصار باندھتے ہوئے بولا۔

"آج تم نے جس خوب صورتی سے اظہارِ محبت کرتے میرے گرد اپنے ان حسین لفظوں کا حصار بنا ہے اب اس حصارِ محبت میں' میں ساری زندگی رہنا چاہوں گا' مجھے آج یہ اعتراف کر لینے دو کہ میں جنید آفتاب' دل و جان سے تمہارا ہوچکا ہوں اور تمہارا ہی بن کر رہنا چاہتا ہوں۔" اس نے ماہ رخ کی پیشانی پہ اپنی پیشانی ٹکاتے ہوئے کہا اور وہ شرما کر نگاہیں جھکا گئی تھی۔

"جانتے ہیں جنید لوگ کہتے ہیں شادی اس سے کرنی چاہیے جو آپ کا بہت اچھا دوست ہو اور میں خوش نصیب ہوں کہ آپ میرے شوہر ہونے کے ساتھ ساتھ بے حد اچھے دوست بھی ہیں۔" وہ خوشی سے چہکتے ہوئے بولی' سارے ملال دکھ اور محرومیاں اس کی محبت کے آگے چھپ گئی تھیں۔

"لیکن وہ دوستی تو بہت پہلے ہی ختم ہوگئی تھی ماہ رخ۔" جنید نے ہنستے ہوئے اسے یاد دلایا۔

"تو کیا ہوا...... ہم پھر سے کرلیتے ہیں ناں۔" وہ شرارت سے بولی تو جنید کھلکھلا کر ہنس دیا۔

"جانتی ہو ماہ رخ' تمہارے ساتھ رہ کر مجھے احساس ہوا کہ تم اوپر سے چاہے خود کو سخت ظاہر کرو اندر سے بہت معصوم ہو' بس تمہاری زندگی کی کچھ محرومیاں تھیں جس نے تمہیں ایسا بنادیا اور جیسے جیسے میں تمہیں جانتا گیا ویسے ویسے مجھے تم اچھی لگتی گئیں اور کب میں تم سے محبت کرنے لگا مجھے پتہ ہی نا چلا۔"

"شاید آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں' مجھے آپ سے ملنے کے بعد احساس ہوا کہ انسان کی شخصیت میں اس کی پرورش کتنا اہم کردار ادا کرتی ہے آنٹی نے جتنی محبت اور توجہ سے آپ کی پرورش کی اس ہی کا اثر تھا کہ آپ ایک مکمل انسان کے روپ میں سامنے آئے اور آپ کو جاننے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ آخر میں کس چیز پہ اتنا غرور کرتی ہوں دولت تھی تو وہ پاپا کی اور صورت تھی تو وہ اللہ کی عطا کردہ پھر غرور مجھے کیوں تھا' جب کے ان دونوں چیزوں میں میرا کوئی کمال تھا ہی نہیں اب میں خود کو آپ اور اپنے رب کا شکر گزار محسوس کرتی ہوں کہ آپ دونوں نے میرے اندر کی برائیوں کو ختم کیا۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"گزری باتوں کو بھول جاؤ ماہ رخ' ہماری زندگی کے اندھیرے دور ہوگئے ہیں' چلو آج سے عہد کرتے ہیں کہ ہم اپنی آنے والی نسل کو وہ محرومیاں نہیں دیں گے جنہوں نے ہماری شخصیت کو زنگ لگادیا تھا' ہم انہیں ایک اچھا انسان بنائیں گے جیسا اللہ کو پسند ہے۔" جنید نے اس کے آگے ہاتھ پھیلا تو ماہ رخ نے مسکرا کر اس پہ ہاتھ رکھ دیا تھا۔ یہ ان کی زندگی کی نئی شروعات تھی جس میں گزرے کل کی پرچھائی تک نہیں تھی۔

❁

دسمبر لوٹ آیا ہے

قرۃ العین سکندر

"میرا کوئی ارادہ نہیں ہے سنبل کی شادی کی تقریب میں شرکت کرنے کا، مجھے مجبور نہ ہی کریں تو بہتر ہوگا۔" سارہ نے بے بسی سے اپنی ماں تانیہ بیگم سے درخواست کی۔

"لو بھلا ایسا کیسے ہوسکتا ہے، سارا خاندان اکٹھا ہوگا، لوگ سو طرح کے سوال کریں گے ہم کس کس کا منہ بند کریں گے، اس لیے بہتر یہی ہے کہ تم اپنی تیاری رکھو ندا مدد کرواؤ بہن کی پرسوں صبح ناشتے کے بعد روانگی ہے۔" تانیہ تو یہ کہہ کر آرام سے کمرے سے باہر نکل گئیں مگر سارہ کو سوچوں کے گرداب میں الجھا دیا۔

وہ جانتی تھی کہ وہ اب لاکھ جتن کرلے تانیہ اپنا حکم منوا کر ہی رہیں گی کچھ عرصہ قبل کوئی اسے بھی ساتھ چلنے کی پیشکش کرتا تو وہ ہرگز بھی مسترد نہ کرتی، اچھلتی کودتی تیاری کرتی مگر اب تو جیسے اس کا دل مرجھا سا گیا تھا اس کا تو سرے سے گھر سے باہر نکلنے کا ہی دل نہیں کرتا تھا، ہجوم بیکراں میں بھانت بھانت کے چہرے لیے اور مختلف چہروں پر رقص کرتی استہزائیہ مسکراہٹ وہ سب سے قطعی طور پر الگ نہیں رہ سکتی تھی یہ بھی محبت کی معراج تھی کہ وہ ہر چہرے پر لکھی ہوئی تحریر کو من وعن پڑھنے لگی تھی، اسے جب سے سنگلاخ خاردار پرُ خار راستوں پر ننگے پاؤں چلنا پڑا تھا تب سے کرب واذیت کے سارے باب اس پر لحظہ لحظہ عیاں ہوگئے تھے۔ وہ بھی تو ٹوٹ کر بکھری تھی اور اس کی اس اندرونی خلفشار اور اضطراب کی وجہ اب کسی سے بھی تو ڈھکی چھپی نہیں رہی تھی۔

"میں سوچ رہی تھی کہ اب عادل کے لیے عطیہ کو ہاں کر ہی دوں وہ بار بار سوال دراز کرتی ہے اور عادل اپنی سارہ کے پیچھے دیوانہ ہو رہا ہے، ویسے تو اس رشتے کے حق میں نہ تھی مگر اب جب سے سلیم کی شادی کی ہے سوچتی ہوں کہ میں نے سراسر غلطی کی ہے، بہن کی بیٹی یہ سوچ کر لائی تھی کہ کومل عزت کرے گی مگر سلیم تو اب کومل کی زبان بولنے لگا ہے ایسے میں اگر سارہ اپنے گھر کی ہوجائے گی تو پھر کوئی مسئلہ نہیں ہوگا میری پریشانی کم ہوجائے گی اب آپ برا نہ مانیں تو بتادیں ویسے بھی ایک تو اپنی طرف رشتہ کرکے انجام دیکھ ہی چکی ہوں اب سارہ کا آپ کی طرف رشتہ طے کردینا چاہتی ہوں۔" تانیہ کی بات پر طارق نے پرُسوچ انداز میں بیگم کی طرف دیکھا۔

"میں نے کبھی بچوں کے مستقبل کے بارے میں تم کو پابند نہیں کیا، اس میں بھی سلیم کی خوشی تھی میں نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا اور اب اگر عادل سارہ کا خواہش مند ہے تو کوئی بات نہیں بلکہ یہ ایک طرح سے اچھا ہی ہے کہ اپنی سارہ کو اگلے گھر چاہت سے لے جایا جائے میں نے پہلے بھی کوئی اعتراض نہیں کیا اور اب بھی میری طرف سے کوئی عذر نہیں، ہاں ایک اور بات اس معاملے میں ماؤں کے فرائض میں شامل ہے کہ ایک مرتبہ بیٹی سے شادی کے معاملے میں رضامندی بھی معلوم کرلینی چاہیے اس لیے تم موقع دیکھ کر سارہ سے پہلے پوچھ لو اگر سارہ کو کوئی اعتراض نہیں ہے تو پھر ان لوگوں کو ہاں کردو بے شک عطیہ میری کزن ہے مگر میں چاہتا ہوں کہ سارے مسائل و معاملات تم خود طے کرو رشتہ داری کی بنا پر میں کسی قسم کی کوئی بھی ڈھیل نہیں دینا چاہتا ہوں۔" طارق کی ہاں کے بعد تانیہ نے سارہ سے بات کی تھی۔

"دیکھو سارہ میں نے اس وقت تمہیں اس لیے بلایا ہے کہ میں تم سے عادل کے بارے میں پوچھنا چاہتی ہوں تم جانتی ہو کہ تمہاری بھائی کے مزاج کیسے ہیں اور اب جبکہ وہ اس خاندان کو وارث دینے

جارہی ہے اس کے مزاج تو ملتے ہی نہیں، ہم یہ سب مجبوراً سہہ رہے ہیں کیونکہ ابھی ہم نے تمہارا اور ندا کا بھی فرض ادا کرنا ہے ایک بار یہ فرض ادا ہو جائیں تو دل کو سکون مل جائے گا، اس لیے اب میں نے اور تمہارے ابا نے عادل کو تمہارے لیے پسند کیا ہے ایک مرتبہ تم بھی اپنی رائے دے دو تاکہ کومل کے آنے سے پہلے پہلے ہی بات رسماً پکی کر کے منگنی کردی جائے۔ تم جانتی ہو کومل کی عادت کو وہ ضرور اس میں بھی کوئی خلل ڈالنے کی کوشش کرے گی اور میں اسے ایسا کوئی موقع نہیں دینا چاہتی۔'' ثانیہ کے پوچھنے پر وہ سر جھکا کر مدھم سا مسکرائی تھی یعنی اسے بھی عادل پسند تھا۔

''محبت کے اڑن کھٹولے میں قدم رکھتے ہی زندگی کس قدر حسین ہوگئی تھی عادل کے نام کی انگوٹھی اس کی مخروطی انگلی میں جگمگانے لگی اور عادل کا گہرا نقش اس کے قلب جان میں جاگزیں ہوا تو محبت کے رنگین خواب دونوں کی آنکھوں میں تھے، محبت کے انوکھے رنگ اب چہرے پر تمازت بن کر چھا رہے تھے۔ عادل اور سارہ دونوں بے حد خوش تھے مگر جب کومل ماں کے گھر سے لوٹی اس کا موڈ ایک دم سے ہی خراب ہوگیا تھا۔

''تمہارے والدین مجھے دل سے قبول ہی نہیں کرسکتے اسی لیے تو اپنی ہر خوشی مجھ سے چھپانے میں ماہر ہیں کیا میرے ہوتے یہ منگنی نہیں ہوسکتی، کیا میں کوئی دخل اندازی کرتی، ارے میں بھی کھلے دل سے اس میں شریک ہوتی مگر آنٹی کے دل میں میرے لیے کھوٹ ہے اوپری دل سے بیٹی کہنے اور بیٹی سمجھنے میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے اور ان کے اس اقدام کے بعد میرا دل ہی ان کی جانب سے کھٹا ہوگیا ہے مجھے اب اس کی شادی میں بھی شرکت کے لیے مت کہنا نہ ہی مجھے اس عادل کی آمد پر اس کی خاطر داری کے لیے بلاوا دیا جائے ویسے مجھے تو دال میں کچھ کالا لگتا ہے ورنہ اس قدر خاموشی اختیار کرنے کی کیا ضرورت تھی، لوگ تو خوشیوں کو بانٹتے ہیں کیونکہ آج تک تو یہی سنا اور دیکھا ہے کہ خوشیاں بانٹنے سے بڑھتی ہیں یہ آج پہلی مرتبہ دیکھا کہ کوئی خوشی چھپا کر بھی بڑھتی ہے۔'' کومل کو جیسے ہی معلوم ہوا کہ سارہ کی منگنی اس کی من پسند جگہ پر ہوئی ہے تو بطور بھابی اس نے اپنے عناد کا اظہار کیا تھا پھر ہر وقت بات بے بات سارہ کے کھلکھلاتے لب کومل کے لیے ناقابل برداشت تھے بعض اوقات کچھ لوگ ازخود دشمنی اور عناد دل میں پال لیتے ہیں کومل بھی ان میں سے ہی تھی۔ آہستہ آہستہ عادل کی آمد کومل کو کھٹکنے لگی تھی۔ ایک دن تو اس نے حد ہی کردی۔

''آنٹی آپ برا مت منائیں تو ایک بات کہنا چاہتی ہوں عادل کی اس قدر آمد کسی طور بھی مناسب

نہیں ہے بہتر ہوگا کہ شادی سے قبل ایک خاص حد تک فاصلے کو برقرار رکھا جائے۔'' کومل نے کہا تو ثانیہ دھیمی مسکان لیے مسکرائیں۔

''بیٹا...... تمہاری بات بالکل درست ہے مگر عادل کوئی غیر نہیں ہے۔اس کا آنا تم ہی زیادہ محسوس کرتی ہو ورنہ وہ صرف ویک اینڈ پر ہی آتا ہے اور وہ بھی گھڑی دو گھڑی میرے سامنے ہی بیٹھ کر واپس چلا جاتا ہے میرے خیال میں اس میں ایسی کوئی معیوب بات نہیں' وہ پہلے بھی اسی طرح خلوص سے آتا تھا اب یوں اچانک میں اس پر پابندی عائد نہیں کرسکتی۔'' ثانیہ کی بات اسے سخت ناگوار گزری اسی لیے بالکل ہی چپ ہوگئی مگر دل میں گہرا عناد پال لیا تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

عادل نے اچانک ہی ویزہ لگنے اور بیرون ملک جانے کی جاں گسل اطلاع دی تھی سب ہی ایک دم سے محو حیرت تھے خود سارہ کا رو رو کر برا حال تھا اس نے تو سوچا تھا کہ اب وہ بہت جلد ہی عادل کی زندگی میں رنگ بھرنے اس کے آنگن میں قدم رکھ دے گی مگر عادل کے تو ارادے ہی اور تھے وہ اپنی زندگی میں لفظ ''کاش'' کو ہمیشہ کے لیے ختم کردینا چاہتا تھا۔ اگرچہ رب العزت کا دیا سب کچھ تھا مگر وہ اس سے مطمئن نہیں تھا' بیرون ملک جانا اس کا دیرینہ خواب تھا اس خواب کی تعبیر پانے کے لیے اس نے سارہ کی آہوں اور گریہ وزاری کو بھی پس پشت ڈال دیا تھا۔عطیہ نے بھی اس نازک موقع پر اپنے بیٹے کا ہی ساتھ دیا اور اس کی حوصلہ افزائی کی تھی۔

''بہن اگر ہمارے حالات اچھے ہوں گے تو پھر اس کے مثبت نتائج آپ کی بچی کے ہی مستقبل پر پڑیں گے وہ ہی ایک خوشگوار زندگی بسر کرے گی چند ماہ کی بات ہے پھر تو سب پہلے جیسا ہوگا۔'' عطیہ کی بات کے بعد کسی قسم کی بحث کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی تھی پھر عادل چلا گیا۔اسے روتا کرلاتا چھوڑ کر اور یہ چند ماہ سالوں پر محیط ہوتے چلے گئے اور ہر سال واپس آنے کا وعدہ کرکے وہ ٹال جاتا تھا۔

عطیہ نے بہت خوب صورت بنگلہ بنالیا تھا' فری کی شادی ہوگئی تھی مگر عادل نہیں آیا اپنی بہن کی شادی میں شرکت سے بھی ضروری تھا کہ وہ بیش قیمت تحائف ارسال کردے کومل کی تضحیک آمیز نظریں اب سارہ کے دل پر پڑنے لگی تھیں' شروع میں عادل اکثر سارہ کو فون کیا کرتا مگر پھر رفتہ رفتہ اس میں بھی کمی آگئی تھی۔

''شادی میں کم وبیش سارا خاندان ہی شریک تھا ندا بہن کے ساتھ لگی بیٹھی تھی کومل ہر کسی سے مل رہی تھی ننھا شافی بھی اس کے ساتھ ہی لپٹا ہوا تھا' تھکان کے باوجود عرصہ کے بعد سب سے مل کر تروتازگی کا احساس اجاگر ہو رہا تھا صرف سارہ حزن وملال لیے ایک کونے میں بیٹھی تھی۔

''ماشاء اللہ ندا کی کہیں بات چل رہی ہے کیا بہت نکھر سی گئی ہے۔'' آصفہ نے ندا پر اپنی نظریں مرکوز کرتے ہوئے پوچھا تو ثانیہ ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئی۔

''ہم جب تک بڑی بیٹی کے فرض سے سبکدوش نہیں ہوجاتے چھوٹی کے لیے کیسے سوچ سکتے ہیں۔''

''اے لو یہ بھی خوب کہی آپ نے اب کیا بڑی کے چکر میں چھوٹی کو بھی بیٹھائے رکھو گی کچھ عقل سے کام لو مجھے ندا اپنے سلمان کے لیے بہت پسند آئی ہے اب تم ہاں کردو اور اگلے ماہ ہی رخصتی بھی دے دو بہن یہ نصیبوں کی بات ہوتی ہے کسی کا جلد نصیب کھل جاتا ہے اور کسی کے نصیب کی گرہیں کھلتے کھلتے بالوں میں چاندی اتر آتی ہے مجرم تم ہی قرار پاؤ گی' ارے میں تو کہتی ہوں کہ اس بڑی کا بھی کہیں اور دیکھنا شروع کردو رشتہ کیا معلوم ان لوگوں کی نیت میں ہی فتور آگیا ہو۔'' آصفہ کی بات میں واقعی وزن تھا۔

کومل ساس کو آصفہ کے اتنے قریب دیکھ کر ٹھٹھک

سی گئی وہ معاملہ فہم تو تھی ہی۔ شادی میں ہی عطیہ بھی شریک تھی اس سے اب کے ثانیہ بیگم نے دوٹوک بات کرنے کی دل ہی دل میں ٹھان لی پھر موقع بھی مل گیا تھا۔

''بہن اب مزید انتظار ممکن نہیں ہے آپ عادل سے کہیں کہ واپس آجائے اور بے شک شادی کے بعد واپس چلا جائے مگر اب ہم کب تک سارہ کو یونہی گھر بیٹھا کر رکھیں گے۔'' ثانیہ کی بات عطیہ کو بے حد گراں گزری تھی اس لیے قدرے رکھائی سے بولیں۔

''ذرا تو صبر کریں فون آیا ہے عادل کا آرہا ہے چند دن میں۔'' ثانیہ کے دل میں سکون سا اتر آیا اگر ایسا ہوجاتا تو وہ دونوں بیٹیوں کے فرائض سے ایک ساتھ سبکدوش ہوسکتی تھیں۔

''ایک کپ چائے مل جائے گی کیا؟'' شازل نے کچن میں برتن دھونے کے بعد انہیں خشک کرتی سارہ سے پوچھا تو سارہ ایک دم چونکی۔

''جی کیوں نہیں میں ابھی بنا دیتی ہوں۔'' شازل کو اس لڑکی سے بہت ہمدردی تھی' ساری شادی میں یہ لڑکی سب کے لیے گفتگو کا محور اور چسکے کا ذریعہ بنی رہی تھی ہر کسی کو اس کے مستقبل کی ٹوہ لگی ہوئی تھی شازل نے کئی مرتبہ سارہ کو بھیگی پلکوں کے ساتھ سر جھکائے لگاتار کام کرتے دیکھا تھا یہ ہمارے معاشرہ کا المیہ بن چکا ہے کہ لوگ احساس سے عاری ہر لڑکی کی شادی کے مسئلے کو لے کر بلا تکان دل کی بات کہہ جاتے ہیں یہ جانے بنا کہ اس لڑکی کے شیشۂ دل پر لگی ذرا سی گزند کیسے اسے بے مایہ کرجاتی ہے۔ شازل کرسی پر بیٹھا سارہ کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا جب سارہ نے اس کے سامنے چائے کا کپ رکھا وہ پلٹ کر جانے ہی لگی تھی جب شازل نے اسے پکارا۔

''سنو خوش رہا کرو دنیا کا تو کام ہی یہی ہے دل شکنی اور دل آزاری جیسے وار کرتی رہتی ہے۔''

شازل کی بات پر سارہ کی آنکھوں میں حیرت کے ساتھ ساتھ اضطراب بھی سمٹ آیا۔ وہ بنا کچھ کہے پلٹ گئی تھی۔

ندا اور سلمان کی منگنی کر دی گئی سارہ ندا کے لیے بہت خوش تھی مگر سارہ دیکھ رہی تھی کہ منگنی کے بعد ندا کے رنگ ڈھنگ بالکل بدل گئے تھے‘ ایک عجیب سا تفاخر اس کے چہرے پر مسکراہٹ بن کر جھلکنے لگا تھا‘ بات بے بات کھلکھلاتے لب بسا اوقات زہر بھی اگلنے لگتے تھے۔ سارہ چھوٹی بہن کی دل شکنی والی بات بھی ہنس کر سہہ جاتی تھی اسے معلوم تھا کہ گھر میں کومل بھی موجود ہے جو مزید فساد پھیلانے کی کوشش کرسکتی ہے اس لیے پہلے قدم پر ہی صبر و ضبط کا مظاہرہ کرتی رہی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

کل کی فلائٹ سے عادل پاکستان واپس لوٹ رہا تھا اسی خوشی میں سب خاندان کو مدعو کیا گیا تھا دل میں میٹھی سی کسک لیے وہ بھی محوِ انتظار تھی۔

”اے بہن کچھ دن بعد رکھ دیتی یہ دعوت ابھی بچہ تھکا ہوا آئے گا۔“ طاہرہ نے کہا۔

”آپ کی بات ٹھیک ہے مگر اس کی ہی ضد تھی کہ سب کے لیے کوئی سرپرائز ہے سو مائیں تو وہی کرتی ہیں جو اولاد کہے۔“ عطیہ بے حد خوش تھی۔

پھر عادل کی آمد بھی ہو ہی گئی سارہ کا دل عادل کو دیکھ کر تیزی سے دھڑکنے لگا مگر اس کے پہلو میں انجان لڑکی کو دیکھ کر دھڑکن مدھم ہو کر بند سی ہونے لگی تھی‘ وہ کس قدر قریب تھی عادل کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے۔

”میٹ مائی وائف پری......“ وہ سب سے ہی مخاطب تھا مگر عطیہ کو جیسے پہلے سے ہی معلوم تھا بھی لپک کر بہو کو گلے سے لگایا۔

”ماشاء اللہ چشم بد دور۔“ پری محبت کے اس مظاہرے پر کسمسا سی گئی تھی۔

”یہ کون ہے۔“ ثانیہ بیگم نے بے یقینی سے پوچھا‘ انہیں اپنی ہی آواز دور سے آتی محسوس ہوئی ایک لمحے کو دل چاہا کہ جواب ان کے حسب منشا ہو مگر ایسا نہیں ہوا۔ زندگی میں سب ہمارے منشا کے مطابق نہیں ہوتا بعض اوقات صبر کے گھونٹ کو امرت سمجھ کر پینا ہی پڑتا ہے۔

”یہ میری بہو ہے پری اور سارے خاندان کو مدعو کرنے کا مقصد یہی ہے کہ سب جان لیں کہ آج سے پری ہماری بہو ہے میں کس کس کو وضاحت دیتی میرے بیٹے کی پسند اور خوشی ہی میری خواہش ہے‘ بیٹا پری تم اب کمرے میں جا کر آرام کرو سفر کی تھکاوٹ ہو گئی ہوگی میں مہمانوں کو کھانا کھلا کر رخصت کردوں پہلے۔“ عطیہ کی بات پر چہار سو چہ میگوئیاں ہونے لگی تھیں سب کو عطیہ سے اس رویے کی امید نہیں تھی مگر روپیہ انسان کو متکبر بنا دیتا ہے‘ وہ اچھے برے کی تمیز سے عاری ہو جاتا ہے‘ اسے لگتا ہے کہ وہ روپے سے ہر شے اپنی دسترس میں رکھنے پر قادر ہے۔

ثانیہ کی حالت بری ہو رہی تھی وہ لہرا کر زمین بوس ہو گئی تھیں اس وقت طارق صاحب بھی ساتھ نہیں تھے کیونکہ انہیں کوئی آفس کا ضروری کام تھا انہوں نے کہا تھا کہ وہ نبٹا کے بعد میں آجائیں گے اب ماں کو اس حالت میں دیکھ کر سارہ کے چہرے کا رنگ متغیر ہوا تھا شازل نے آگے بڑھ کر ثانیہ بیگم کو تھام لیا تھا۔

”برسوں بعد میرا بیٹا واپس لوٹا ہے یہاں پر نحوست نہ پھیلاؤ کہیں اور جا کر بے ہوشی کے ڈرامے کرو۔“ عطیہ کی بے لگام زبان زوروں پر تھی سب ہی خاموش تھے مگر کومل چپ نہ رہی۔

”ارے واہ اسے کہتے ہیں ایک تو چوری اوپر سے سینہ زوری کس طرح بے شرموں کی طرح بیٹا میم لے آیا اور مزے کی بات کہ ماں کو معلوم بھی تھا اگر ایسا ہی تھا تو صاف بتا دیتی یہاں بلا کر یہ ڈرامہ

رچانے کی کیا ضرورت تھی پہلے تو تمہارا بیٹا پاگل بنا تھا اب اتنی جلدی محبت کا بھوت بھی اتر گیا اور کیا ثبوت ہے کہ کچھ عرصے کے بعد یہ پری کو کسی کے لیے نہیں چھوڑے گا‘ ہاں البتہ دولت پاؤں کی زنجیر بن گئی تو کچھ کہا نہیں جاسکتا۔“

”کچھ تو لحاظ کرو تمہاری ساس کی طبیعت خراب ہے چلو شازل گاڑی نکالو فوراً۔“ طاہرہ نے سب کو چپ کروایا اور ندا بھی پریشان تھی جبکہ سارہ خود کو موردِ الزام ٹھہرا کر مسلسل رو رہی تھی اس کے آنسو ایک تواتر سے بہہ رہے تھے فوری طور پر ثانیہ کو ہاسپٹل لے جایا گیا جہاں ڈاکٹروں نے ان کو فوراً ہوش میں لانے کی کوششیں شروع کردی تھیں۔

پورے دو دن بعد ثانیہ بیگم کی حالت بہتر ہوئی تھی اور وہ تشویش ناک حالت سے باہر نکل آئی تھیں مگر لبوں پر قفل پڑ گئے تھے۔ چند دن بعد ان کو گھر لے جایا گیا اور جانے سے پہلے ایک دن شازل نے اس سے کہا تھا۔

”میں جانتا ہوں آپ بہت بہادر ہیں‘ زندگی امتحان بھی لیتی ہے اس لیے آنے والے مصائب کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیے اگر آپ ایسا سوچیں کہ وہ شخص ہی آپ کی رفاقت کے قابل نہیں ہے تو سوچنے کا انداز جینے کا ڈھنگ بھی بدل دے گا۔“

”مگر یہ تو سراسر خود فریبی ہوگی جبکہ مجھے معلوم ہے اس نے سب کے سامنے مجھے چھوڑا ہے رسوائی دی ہے ایسی ذلت جس کی کالک میرے چہرے پر نقش ہوگئی ہے۔“ سارہ کا لہجہ رندھا ہوا تھا۔

”مجھے بہت افسوس ہوا‘ میں آپ کو بہت بہادر سمجھتا تھا ایسا کیوں سوچ رہی ہیں۔“ شازل کو واقعی اس کے اس بیان سے دلی رنج پہنچا تھا۔

پھر دوبارہ ان کی اس موضوع پر کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ کومل بھابی نے اپنی زبان کے نشتر تیز کردیے تھے سارہ بھی سب سے چھپتی پھرتی تھی‘ سارا

دن کچن میں یا گھر کے کاموں میں مصروف رہتی‘ شافی کے کام کرتی‘ گھر سنبھالتی مگر کومل بھابی خوش ہونے والوں میں سے نہیں تھیں۔ ان کے آگے سارہ کے ہزار جتن بھی بے کار تھے۔

''کیا پکار رہی ہیں؟'' ندا نے کچن میں جھانک کر پوچھا۔

''امی کے لیے پرہیزی کھانے کے ساتھ گھر والوں کے لیے سیخ قیمہ اور کوفتہ پلاؤ۔'' سارہ نے مصروف انداز میں جواب دیا۔

''سلمان کی امی آرہی ہیں۔'' ندا نے شوخ انداز میں کہا۔

''کیسی لگ رہی ہوں شکر ہے میں سلمان کی من پسند ہوں ورنہ میرا بھی آپ جیسا حال ہوتا۔'' ندا اپنی ہی رو میں بول گئی تھی اس بات سے قطع نظر کہ سارہ پر کیا گزری ہوگی۔ سارہ نے ایک اچٹتی نگاہ ندا پر ڈالی۔

پرپل کلر میں خوشی کی تمازت لیے اس کا چہرہ گلنار تھا۔ سارہ نے فوراً سے پیشتر اپنی نگاہیں پھیر لی کہیں اسے نظر ہی نہ لگ جائے۔

''ہم اب مزید انتظار نہیں کرسکتے‘ مہربانی کر کے مجھے اب ندا کی رخصتی دے دیں۔'' کمرے کی فضا ایک دم سے بوجھل سی ہوگئی تھی تانیہ بیگم نے ملتجی نگاہوں سے طارق صاحب کی طرف دیکھا۔

''جی بہتر ندا یوں بھی آپ کی امانت ہے ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔'' طارق صاحب نے قطعیت سے کہا پھر سارہ اور کومل نے سب کا منہ میٹھا کروایا‘ سارہ کو دیکھ کر خوشی بھی پھیکی پڑ گئی تھی اداسی سی تھی۔

ایک ماں چاہ کر بھی اپنی سب بیٹیوں کو یکساں طور پر خوشی نہیں دے سکتی‘ ایک ماں دعا ہی دے سکتی ہے اور اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں صرف ذات باری تعالیٰ ہے جو انسان کے مقدر میں خوشی لفظ رقم کرسکتی ہے۔

آہستہ آہستہ تانیہ کی طبیعت سنبھل چکی تھی شادی کے دن رکھے جاچکے تھے ندا تو کسی اور ہی جہاں میں آباد تھی سلمان کی محبت نے اسے مغرور بنا دیا تھا وہ متکبرانہ بول سے سارہ کو دکھی کر دیا کرتی تھی۔ انہی دونوں سارہ کے رشتے کی نئے سرے سے کوششیں شروع کردی گئی تھیں ابھی ایک ماہ تھا کیا معلوم سارہ کی قسمت بھی کھل جاتی رشتہ داروں سے تو یہ توقع نہیں تھی کہ وہ سارہ کو اپناتے سب کے سامنے ہی سارہ کو تضحیک کا نشانہ بنایا گیا تھا‘ ہر دوسرے دن بھانت بھانت کے چہرے رونق افروز ہوتے تھے اور سارہ دل پر پتھر رکھ کر نمائش کے سامان کی مانند پیش ہوجاتی تھی۔ اس کا بس چلتا تو شادی لفظ کو ہی اپنی زیست کے صفحات سے ہمیشہ کے لیے کھرچ ڈالتی۔

عادل نے تو شاید دل لگی کا سامان کیا تھا مگر ہر لڑکی کا دل کسی کورے کاغذ کی مانند ہوتا ہے دل کے پنوں پر پہلا نام جس کا درج ہوا اسی سے تمام روپہلے خواب‘ روپہلی کرنیں محبت کی منسوب ہوجاتی ہیں‘ وہ بھی راتوں کو ابھی بھی عادل کے نام کے آنسو بہاتی تھی‘ اسے وہ لمحے بھلائے نہیں بھولے تھے جب عادل نے پری کو تھام رکھا تھا۔

''ویسے آپی اس دسمبر میں میری تو شادی ہوچکی ہوگی میں پیا گھر جاؤں گی آپ بھابی کی باتیں سننے کے لیے پیچھے رہ جائیں گی کبھی دکھ بھی ہوتا ہے مگر یہی زندگی ہے۔'' افسوس اسے کتنا تھا وہ اس کے چہرے سے بھی عیاں تھا جہاں محظوظ ہوا جارہا تھا یہ اس کے قریبی رشتے تھے جو خود اسے تضحیک کا نشانہ بنا رہے تھے۔

''کل مٹھائی آئی تھی عادل بھائی کے گھر سے پری ماں بننے والی ہے۔'' سارہ جو الماری میں کپڑے رکھ رہی تھی ایک لمحہ کے لیے اس کے ہاتھوں میں لرزش سی آئی تھی۔ مگر وہ چپ چاپ دوبارہ اپنے کام میں مصروف رہی تھی جیسے سنا ہی نہ ہو۔ ندا جی بھر کے

بدمزہ ہوئی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆☆

راہداری عبور کرکے وہ سیدھا اندر داخل ہوا تھا۔

''السلام علیکم کیسی ہیں آپ؟'' وہ سلائی مشین لیے بیٹھی تھی' اس وقت شازل کی آمد کی بالکل توقع نہیں کررہی تھی اس لیے بری طرح چونکی۔

''امی تو بھابی کے ساتھ بازار گئی ہیں۔ ابھی آنے والی ہوں گی آپ بیٹھیں میں چائے لاتی ہوں۔'' سارہ نے سادگی سے بتایا۔

''جی دروازے پر ندا نے بتایا تھا۔'' تب ہی عقب سے ندا آگئی۔

''کیا بات ہے آج کیسے راستہ بھول کر آگئے آپ؟'' ندا مزے سے سامنے ہی بیٹھ گئی۔ ندا کے سوال پر شازل کی نظریں سارہ کے چہرے کا طواف کرنے لگیں۔

''یہ تو میں آنٹی کو ہی بتاؤں گا۔'' سارہ کچن میں چلی گئی تھی۔ جلدی سے اس نے پکوڑے تلنے شروع کردیے۔

شازل وہ شخص تھا جس نے مشکل وقت میں ان کا ساتھ دیا تھا ایک لحاظ سے محسن بھی تھا۔ وہ جب چائے بمع لوازمات باہر آئی تو سب آچکے تھے پھر وہ رات کے کھانے کی تیاری میں مصروف ہوگئی تھی جب عقب سے تانیہ بیگم نے آکر اس کا ماتھا چوم لیا۔

''جگ جگ جیو جانتی ہو ابھی شازل کیوں آیا تھا تمہارے لیے آیا تھا کل باقاعدہ نکاح ہے اور پھر ندا کے ساتھ ہی میری بیٹی رخصت ہوکر اپنے گھر جائے گی۔'' وہ محوِ حیرت کھڑی رہی۔

''یہ دیکھو شاپر اس میں تمہارے لیے کچھ ہے جاؤ کھانا ندا پکالے گی۔'' ندا کا موڈ بے حد خراب تھا۔

''اگلے گھر جارہی ہو گھر گرہستی میں دلچسپی لو سارا دن بہن کچن میں لگی رہتی ہے۔''

''ہاں اب تو آپ کہیں گی رشتہ طے ہوتے ہی آپی کو بھی نخرے آگئے ہیں۔''

''زبان کیسے ٹرٹر چل رہی ہے ذرا ہاتھ بھی چلا لو۔'' وہ دونوں کو باتوں میں مصروف چھوڑ کر سیدھا اپنے کمرے میں آگئی۔

شاپر کھولا تو رنگارنگی چوڑیاں اور دیدہ زیب لباس تھا ساتھ ہی ایک لفافہ بھی۔ سارہ نے اسے چاک کیا تو اندر سے ایک خط برآمد ہوا۔ اس نے اس کی سطر سطر کو اپنے قلب میں جاگزیں ہوتے محسوس کیا تھا۔

''سارہ میں سدا کا بزدل ہوں حتیٰ کہ جب تمہاری منگنی کی بابت اطلاع ملی تو بالکل خاموشی سے ایک جانب ہوگیا تھا مگر پُرخلوص دل سے دعا دی کہ جہاں بھی جس کے ساتھ رہو خوش رہو ہمیشہ مگر قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ یہ مقدروں کے کھیل ہوتے ہیں...... مگر آج قسمت نے مجھے دوبارہ موقع دیا ہے تو میں اسے کھونا نہیں چاہتا اتنا عرصہ ایک جنگ لڑی ہے امی سے صرف تمہاری خاطر اور دیکھ لو اب فاتح میں ہی ٹھہرا ہوں۔ بس اس دسمبر تم میری زندگی میں بہار بن کر چھا جاؤ' محبت ہے تم سے نجانے کب سے۔

شازل۔''

اس کا دل عجب ہی لے پر دھڑکنے لگا تھا' چاہے جانے کا خوش کن احساس اسے اپنی ہی نظر میں معتبر کر گیا تھا اور اب وہ سب کی نظروں میں کل معتبر ہونے جارہی تھی اسی دسمبر میں شازل کے ساتھ نکاح کے بندھن میں بندھ کر۔

قسط نمبر 25

میرے خواب زندہ ہیں

نادیہ فاطمہ رضوی

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

فراز کو اپنے گھر پر دیکھ کر ماریہ ششدر رہ جاتی ہے وہ ابرام کے دوست کے طور پر ابرام کے ساتھ ہی اس کے گھر آتا ہے اس دوران ماریہ اپنی دیگر مشکلات کا بتاتے رابطہ نہ کرنے کی وجہ بتاتی ہے فراز کو لگتا ہے کہ اس راز میں ابرام کو شامل کر لینا چاہیے لیکن ماریہ فی الحال اپنے بھائی کو فراز کی سچائی بتانے سے انکاری ہوتی ہے وہ جیکولین سے اپنے سابقہ رویوں کی معافی مانگتی محبت کی طلبگار ہوتی ہے ایسے میں جیکولین اس کے بدلے رویے پر خود بھی نرم ہو جاتی ہے اور اس کی محبت کا جواب محبت سے دیتی ہے۔ جیسکا اپنے طور ماریہ کے ارادے جاننا چاہتی ہے لیکن اب ماریہ بے حد محتاط ہو کر اس سے بات کرتی ہے اور اس بات پر اکساتی ہے کہ وہ جلد ولیم کو راضی کرے تا کہ وہ اس سے اپنے تعلقات بحال کر سکے۔ باسل اپنے دوستوں کے ہمراہ مری جاتا ہے اور اسی ریسٹورنٹ میں قیام کرتا ہے جہاں لالہ رخ کام کرتی ہے وہاں ایک لڑکا لالہ رخ سے بدتمیزی کرتا ہے جس پر باسل کی اس سے تلخ کلامی ہو جاتی ہے زرتاشہ باسل کو وہاں دیکھ کر چونک جاتی ہے اور لالہ رخ کو بتاتی ہے کہ وہ شخص کوئی اور نہیں بلکہ فراز شاہ کا کزن ہے جس پر لالہ رخ دنگ رہ جاتی ہے۔ مومن جان اپنے ارادوں میں ناکام ہونے پر نہایت بدمزہ ہوتا ہے اور جب ہی وہ مہرو اور اس کی ماں سے الجھتا ہے دونوں کے درمیان تلخ کلامی بڑھتی جاتی ہے۔ ابرام اور فراز کی دوستی مزید بڑھ جاتی ہے ایسے میں فراز کی غیر موجودگی میں اس کے نمبر پر لالہ رخ کی کال آتی ہے ابرام بے ساختہ کال ریسیو کر لیتا ہے اور اپنا تعارف فراز کے دوست کے طور پر کراتا اس کے نام کی تعریف کرتا ہے ایسے میں لالہ رخ کوئی بات کیے بغیر فون رکھ دیتی ہے ابرام یہ بات فراز کو بتا دیتا ہے۔ حورعین اپنے ماضی کو لے کر ڈسٹرب ہوتی ہے اسی دوران وہ خاور حیات کے ساتھ بالکل سرد مہری کا رویہ اپناتی ہے جس پر خاور اس سے وجہ دریافت کرتا ہے لیکن وہ کچھ بھی نہیں بتا پاتی۔ ڈاکٹرز کے مطابق وہ ذہنی طور پر ڈسٹربنس کا شکار ہوتی ہے اور اپنے ماضی میں گم ہو کر حال کو فراموش کر دیتی ہے حورعین کی یہ حالت باسل اور خاور دونوں کے لیے تکلیف دہ ہوتی ہے۔ سونیا اپنے طور کامیش کو رضامند کرنے کی بھرپور سعی کرتی ہے اور اسی لیے وہ اپنی سسرال چلی آتی ہے لیکن کامیش اسے یکسر نظر انداز کر دیتا ہے۔ گڈو اور مومن جان کا جھگڑا شدت اختیار کرتا ہے تو وہ مہرینہ کے متعلق ہر بات سب پر ظاہر کرنے کا ارادہ کرتا ہے گڈو اس کے ارادے جان کر شاکڈ رہ جاتی ہے اور اس کی طبیعت بگڑ جاتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

❁……❁……❁

گڈو بیگم اس فانی دنیا کو خیر آباد کہہ کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملی تھیں تمام زندگی وہ امتحان مسلسل میں گھر کر آخر میں مہرو کی فکر اپنے سینے میں لے کر قبر میں جا سوئی تھیں ان کی اس طرح اچانک موت نے لالہ رخ زرتاشہ اور امی کو بے حد صدمہ پہنچایا تھا' مہرو اس کا تو بے حد برا حال تھا اسے مسلسل غش پر غش آ رہے تھے ماں جیسا مضبوط سائبان اور زمانے کے سرد و گرم سے عافیت دینے والی گود اس سے ہمیشہ کے لیے چھن گئی تھی اس کے لیے تو ایک ماں کا ہی رشتہ تھا جبکہ

باپ نے تو برائے نام بھی اپنا فرض ادا نہیں کیا تھا' وہ جتنے بھی آنسو بہاتی' جتنا بھی تڑپتی سسکتی کم تھا کیوں کہ ماں جیسی عظیم ہستی کی جدائی ہی انتہائی جاں گسل تھی جو اسے اس بھری سفاک دنیا میں اکیلا و تنہا چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ لالہ رخ اور اس کی امی ابھی تک ایک سکتے کی کیفیت میں مبتلا تھیں کہ یہ آنا فانا ہو کیا گیا جب قضاء الٰہی سر پر آن پہنچتی ہے تو سب کچھ اسی تیز رفتاری سے ہو جاتا ہے جیسا گڈو بیگم کے ساتھ ہوا تھا۔ لالہ رخ نے روتے ہوئے فون پر زرتاشہ کو پھوپو کے گزر جانے کی اطلاع دی تھی۔ زرتاشہ کے لیے بھی یہ خبر کسی شاکڈ سے کم نہیں تھی وہ زرینہ کے گلے لگ کر رو دی تھی وہ تو گڈو بیگم کے جنازے پر شریک ہونا چاہتی تھی مگر اتنی جلدی وہاں پہنچنا اس کے لیے ممکن نہیں تھا۔ بس ایک زرینہ تھی جو اسے سنبھالے اس کا دکھ بانٹ رہی تھی' زرتاشہ کو بار بار مہرو کا خیال آ رہا تھا جو اس حادثے کی وجہ سے غم سے نڈھال ہوگی۔ تمام آس پڑوس اور رشتے دار بھی ملول و مغموم تھے مگر صرف ایک مومن جان تھا جس کا چہرہ ہر طرح کے جذبات و احساسات سے عاری تھا جو انتہائی نارمل انداز میں لوگوں سے اپنی بیوی کی تعزیت وصول کر رہا تھا۔ مغرب سے پہلے مرد حضرات تدفین سے فارغ ہو کر گھر آ گئے تھے۔

پورا گھر سوگواری کی کیفیت میں ڈوبا ہوا تھا جبکہ مہرو گھر میں آئے لوگوں سے بے نیاز اپنے کمرے کے ایک کونے میں سکڑی سمٹی بیٹھی تھی۔ لالہ رخ اس کے پاس آئی تو اس کی دگرگوں حالت دیکھ کر اس کا دل دکھ سے بھر گیا شدت غم سے اس کے چہرے کی رنگت زرد و سفید ہو گئی تھی' بال بھی بے ترتیب سے ہو کر ادھر اُدھر بکھرے ہوئے تھے۔ لالہ رخ سہولت سے دوزانو ہو کر اس کے قریب بیٹھ گئی اور ہولے سے اپنا بایاں ہاتھ اس کے گھٹنے پر رکھتے ہوئے دل گرفتگی سے گویا ہوئی۔

''مہرو پیاری بہن' یہ تم نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے خود کو سنبھالو میری جان' دیکھو تم اس طرح کرو گی ناں تو پھوپو کی روح کو تکلیف پہنچے گی۔'' لالہ رخ کی بات پر مہرو کی سوجی آنکھوں سے ایک بار پھر آنسوؤں کی آبشار پھوٹ پڑی۔ وہ تڑپ کر سیدھی ہوتے ہوئے لالہ رخ کا ہاتھ بڑی لجاجت سے اپنے دونوں ہاتھوں میں لیتے ہوئے کراہ کر بولی۔

''لالہ..... سنو لالہ' بس ایک بار صرف ایک بار میری ماں کو میرے پاس لے آؤ مجھے اس سے ملوا دو میں..... میں اس کے گلے لگنا چاہتی ہوں' اس کے ہاتھوں اور چہرے کو ڈھیر سارا چومنا چاہتی ہوں..... میں اپنی اماں سے معافی مانگنا چاہتی ہوں لالہ..... میں اسے بہت ستاتی تھی ناں' اسے بہت تنگ کرتی تھی' اس کی بات ہی نہیں مانتی تھی۔'' آخر میں اس کا جملہ خود کلامی کی کیفیت میں ڈھل گیا تھا۔ لالہ رخ اپنے دل میں تکلیف کی ایک تند لہر محسوس کر کے اسے انتہائی دکھ سے دیکھتی رہی۔ ایک دم اسے بے پناہ وحشت سی ہوئی اس نے بے اختیار اپنے دونوں ہاتھ مہرو کے بازوؤں میں رکھ کر اسے جھنجھوڑ ڈالا۔

''مہرو اللہ کے واسطے خود کو سنبھالو' ہوش میں آؤ.....'' مگر مہرو ایک ہی جملے کی تکرار کرتے ہوئے لالہ رخ کے ہاتھوں میں ڈھے کر ایک بار پھر دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گئی تھی۔

❁.....❁.....❁
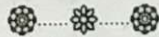
''میں پاگل سا ہو گیا ہوں وہ لڑکی میرے حواسوں پر بری طرح سوار ہو گئی ہے' ہر لمحہ ہر پل وہ میری نگاہوں کے سامنے براجمان رہتی ہے۔ بس مجھے کسی بھی صورت اسے حاصل کرنا ہے۔'' وہ انتہائی جذباتی ہو کر بولا تو اس کے دوست نے ترچھی نگاہوں سے اسے دیکھا پھر استہزائیہ انداز میں بولا۔

''تو اتنا اس لڑکی کے لیے بے قرار ہوئے جا رہا ہے تو پھر شادی کرے گا اس سے۔'' اس بات پر اس نے انتہائی تادیبی نگاہوں سے اپنے دوست کو دیکھا پھر نخوت سے سر جھٹکتے ہوئے ناگواری سے بولا۔

''واٹ ربش...... وہ معمولی اور مڈل کلاس لڑکی میری بیوی بننے کے قابل نہیں' ہونہہ میں تو صرف اسے......'' آگے اس نے زرتاشہ کے لیے انتہائی اخلاق سوالفاظ ادا کیے تھے پھر کف افسوس ملتے ہوئے بولا۔

''کاش اس رات احمر کی بہن کی مہندی کے فنکشن میں وہ ہمارے ہاتھ لگ جاتی تو آج مجھے اس طرح آگ میں نہ جلنا پڑتا۔'' اس کی بات پر صوفے پر لیٹا اس کا دوست سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے سہولت سے بولا۔

''صبر کر میرے یار...... صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔''

''کیسے صبر کروں...... اور کتنا صبر کروں...... بس اب تم جلدی سے کوئی زبردست سا پلان تیار کرو' مجھے وہ لڑکی ہر قیمت پر چاہیے۔'' وہ آخری جملہ حتمی لہجے میں بولا تو اس کا دوست چند ثانیے کے لیے کسی سوچ میں مستغرق ہو گیا پھر کچھ دیر بعد سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''ہوں کرتے ہیں کچھ......''

❁......❁......❁

ماریہ کو جیکولین نے ابرام کے بے حد اصرار پر ایک بار پھر کالج جانے کی اجازت دے دی تھی جب یہ خبر ابرام نے بے حد ایکسائٹڈ ہو کر ماریہ کو سنائی تھی تو وہ اندر سے بے حد مغموم اور دل برداشتہ سی ہو گئی اس نے انتہائی محبت سے اپنے جان سے عزیز بھائی کو دیکھا جو اس کی خوشی کی خاطر سب کچھ کرنے کو تیار بیٹھا تھا اور وہ خود اس کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اس کے ہی دوست سے نکاح کر بیٹھی تھی اور اب یہاں سے فرار کے راستے تلاش کر رہی تھی۔

''مجھے معاف کر دیجیے گا برو اس کے علاوہ میرے پاس کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔'' وہ اپنے آنسو اپنے اندر اتارتے ہوئے دل ہی دل میں بولی تھی۔ کالج میں تقریباً سبھی نے اسے دیکھ کر حیرت وانبساط کا اظہار کیا تھا جبکہ جیسکا کا ری ایکشن کچھ مختلف تھا' اسے انتہائی غیر متوقع طور پر یہاں دیکھ کر وہ بے ساختہ ٹھٹکی تھی پھر اپنے آپ کو سنبھالتے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے خوشی ظاہر کی تھی۔ جیسکا کے استفسار پر اس نے بتا دیا تھا کہ ابرام کے کہنے پر ہی جیکولین نے اسے دوبارہ کالج جانے کی اجازت دی ہے' جس پر جیسکا نے چہک کر کہا۔

''ابرام تو ہر ناممکن کو ممکن بنا دیتا ہے۔'' ماریہ محض خاموشی سے اسے دیکھتی رہ گئی تھی وہ کلاس لے کر باہر نکلی تو کاریڈور میں ہی اس کی مڈبھیڑ میک سے ہو گئی میک نے غالباً کلاس بنک کی تھی جب ہی وہ باہر دکھائی دے رہا تھا۔ میک کو دیکھ کر آج ماریہ کا دل خوف ودہشت کے آکٹوپس میں نہیں جکڑا تھا بلکہ نفرت واشتعال کا ریلا اندر سے کہیں امڈا تھا البتہ اس نے فی الفور اپنے جذبات واحساسات کو کنٹرول کیا مگر سامنے والا تو جیسے عقاب کی نگاہ رکھتا تھا فوراً سے پیشتر بس ایک لمحے میں ماریہ ایڈم کی چال کی خوداعتمادی بھانپ کر اپنے مخصوص انداز میں مسکرایا۔ ماریہ اس کے قریب آئی تو وہ بڑی خوش دلی سے بولا۔

''ویلکم بیک ماریہ ایڈم...... آئی ایم ہیپی ٹو سی یو اگین۔'' جواباً ماریہ نے بھی اپنے دل پر جبر کر کے محض مسکرانے پر ہی اکتفا کیا جب ہی وہ مزید گویا ہوا۔

''تم واقعی سرپال کے لیے بہت خاص ہو جب ہی تو انہوں نے تمہارے اوپر دوبارہ بھروسہ کر لیا۔'' میک کا لہجہ تو بالکل سادہ تھا مگر اس لمحے ماریہ کو اس کے لفظوں کی کاٹ کسی تیز دھار آلے کی مانند اپنے اندر اترتی ہوئی محسوس ہوئی اس نے ایک نگاہ میک کو دیکھا پھر خوداعتماد لہجے میں بولی۔

''انہوں نے مجھ پر اس لیے بھروسہ کیا ہے کیونکہ میں سچ کہہ رہی ہوں میک' سچائی اپنا آپ خود ہی منوا لیتی ہے۔'' میک نے اس کی بات کو بغور سنا پھر اپنے لبوں پر ناقابل فہم مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں

سے نکالتے ہوئے دونوں بازو سینے پر باندھتے ہوئے بولا۔

''تم بالکل صحیح کہہ رہی ہو ماریہ ــــ سچائی اپنا آپ خود ہی منوالیتی ہے یہ کم بخت سچائی اسے ہم سات پردوں میں بھی چھپائے ناں یہ پھر بھی کوئی نہ کوئی راستہ تلاش کرکے باہر نکل آتی ہے۔'' ماریہ جو اس پل میک کے سامنے بڑی مضبوطی سے کھڑی تھی نجانے کیوں یک دم وہ اندر سے کسی کاغذ کی عمارت کی طرح ڈھتی چلی گئی مگر اس نے خود کو میک کے سامنے سنبھالے ہی رکھا۔

''یو آر رائٹ۔'' یہ کہہ کر وہ تیزی سے اس کے پہلو سے نکلی اس کا دل اچانک بہت تیزی سے دھڑکنے لگا تھا جب ہی عقب سے اسے میک کی آواز سنائی دی۔

''مائی ڈیئر ــــ میں تمہارا سچا دوست ہوں تم سے غافل کبھی نہیں رہوں گا۔'' ماریہ کوئی دو سال کی بچی نہیں تھی جو میک کے جملوں کا مفہوم نہ سمجھ پاتی' نا چاہتے ہوئے بھی خوف کی لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سرائیت کرتی چلی گئی۔ ماریہ نے پلٹ کر میک کو دیکھا پھر دھیمی سی مسکراہٹ اسے پاس کرکے وہاں سے نکلتی چلی گئی۔

❁ ❁ ❁
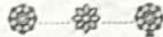
حورین آج بہت فریش اور پُرسکون نظر آرہی تھی وہ اپنے معمول کے مطابق گھر کے کاموں میں مصروف تھی' شام کو جب خاور حیات آفس سے گھر آیا تو ہمیشہ کی طرح حورین نے بڑے والہانہ انداز میں اس کا استقبال کیا۔

''شکر ہے آج آپ کچھ جلدی گھر آگئے؟'' انگوری رنگ پر میرون اور سفید دھاگوں کی کڑھائی سے مزین کاٹن کے اسٹائلش سے سوٹ میں ہلکا سا میک اپ کیے حورین بہت پیاری لگ رہی تھی۔ خاور حیات حورین کو اس طرح دیکھ کر بے پناہ طمانیت کا احساس ہوا جب ہی وہ خوش گوار لہجے میں گویا ہوا۔

''جانِ خاور اگر آپ میرا انتظار اتنے شدت سے کررہی تھیں تو بس مجھے ایک فون کال کردیتیں پھر آپ دیکھتیں کہ ہم اڑتے ہوئے آپ کے پاس پہنچ جاتے۔'' خاور کی بات پر حورین کھلکھلا کر ہنس دی پھر چہک کر بولی۔

''بس بس اب اتنا بھی انتظار نہیں تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ آپ ٹائم پر گھر آجائیں گے۔'' جب سے حورین بیمار ہوئی تھی خاور حیات شام ہوتے ہی گھر آجاتا تھا وہ زیادہ سے زیادہ وقت حورین کے ساتھ گزارنا چاہتا تھا اور اسی بات کی تاکید ڈاکٹر اقبال محبوب نے بھی کی تھی۔

''اچھا باتیں تو ہوتی رہیں گی آپ ذرا فریش ہوکر آجایئے۔ میں شام کی چائے لے کر آرہی ہوں۔'' حورین دوبارہ بولی تو خاور حیات سر ہلاتے ہوئے وہاں سے چلا گیا جبکہ حورین کچن کی جانب بڑھ گئی۔

❁ ❁ ❁
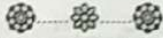
اس پل فراز شاہ گہری نیند میں ڈوبا خوابِ خرگوش کے مزے لے رہا تھا جب ہی اس کا سیل فون زور و شور سے بج اٹھا' وہ سونے سے پہلے ہمیشہ اپنا فون سائلنٹ پر کرکے سوتا تھا مگر جب سے ماریہ کا معاملہ شروع ہوا تھا' اپنا سیل فون وہ ہمیشہ الرٹ رکھتا تھا کیوں کہ ماریہ اسے کبھی بھی کسی وقت ایمرجنسی ہونے پر فون کرسکتی تھی اس وقت بجتے ہوئے فون نے اس کی نیند کا ستیاناس کردیا تھا جب ہی بے زاری اس کے لہجے عود کر آئی تھی پھر بحالت مجبوری اس نے اپنے بستر کی سائیڈ ٹیبل پر رکھے اپنے فون کو اٹھا کر مندی مندی نگاہوں سے اسکرین کی جانب دیکھا تو سامنے بلنک ہوتے نام پر نگاہ پڑتے ہی اس کی نیند بھک سے اڑ گئی وہ بے حد حیرت و بے یقینی کی کیفیت میں بیٹھا کچھ دیر موبائل اسکرین کو دیکھے گیا جو کامیش شاہ کالنگ بار بار بلنک کررہی تھی۔

''کا ــــ میش کا فون ــــ ! یہ ــــ یہ کامیش نے آج مجھے کیسے فون کرلیا؟'' وہ انتہائی تحیر کے عالم میں مبتلا ہوکر خود

سے بولا پھر دوسرے ہی پل خود کو سنبھالتے ہوئے اس نے جلدی سے اپنی انگلی یس کی جانب دھکیلی اور بڑی بے تابی سے اپنا فون اپنے کان سے لگایا۔

''ہیلو کامیش تم......!'' وہ بے ساختہ فقط اتنا ہی بولا جب ہی دوسری جانب سے کامیش کی فریش سی آواز ابھری۔

''کیا بات ہے برادر نہ سلام نہ دعا...... یہ کیا بات ہوئی بھلا۔'' کامیش اتنے نارمل انداز میں بات کررہا تھا جیسے ان دونوں کے درمیان کوئی ناچاقی کوئی بدگمانی ہوئی نہ ہو کامیش کی بات پر فراز تھوڑا پزل ہوا مگر پھر جلد ہی خود کو کمپوز کرتے ہوئے خوش دلی سے گویا ہوا۔

''کیسے ہو میرے بھائی؟''

''ایک دم فرسٹ کلاس۔'' کامیش ہنوز لہجے میں بولا تو فراز شاہ چند ثانیے کے لیے خاموش سا ہو گیا اس کا دل تو یہ چاہ رہا تھا کہ وہ کامیش سے استفسار کرے کہ اتنے عرصے بعد تمہیں اپنے بھائی کی یاد کیسے آ گئی جسے بے اماں کر کے تم نے نگاہیں پھیر لی تھیں۔ اس کی کوئی بھی وضاحت سنے بناء اسے گھر سے جانے دیا تھا اس پر بھروسہ نہیں کیا تھا جب ہی کامیش کی آواز اس کی دوبارہ سماعت سے ٹکرائی تو وہ بے اختیار اپنے دھیان سے چونکا۔

''میں جانتا ہوں فراز تم اس وقت کیا سوچ رہے ہو؟ مگر میں تمہیں تمہاری باتوں کی وضاحت اس وقت نہیں دوں گا مجھے تم سے رابطہ کرنا تھا لیکن کچھ کاموں میں الجھا رہا۔''

''اچھا اپنے بھائی سے صرف دو منٹ بات کرنے کے لیے بھی تمہارے پاس ٹائم نہیں تھا۔'' فراز شاہ کی زبان سے بے ساختہ شکوہ پھسلا پھر وہ دوبارہ بے حد سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''کامیش تمہیں وہ بات تو یاد ہے ناں جب میں سیون اسٹینڈرڈ میں تھا اور تم سکس میں، میری کلاس کے لڑکے کا پنسل بکس غائب ہو گیا تھا اور اس نے مجھ پر الزام لگایا تھا کہ میں نے اس کا بکس چوری کرلیا تو تم نے کیسے انتہائی طیش کے عالم میں اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کے بالوں کو پکڑ کر کھینچا تھا اور زور سے دھکا دے کر کہا تھا کہ میرا بھائی کبھی بھی چوری نہیں کرسکتا اور نہ ہی وہ جھوٹ بولتا ہے۔ جب فراز کہہ رہا ہے کہ اس نے بکس نہیں لیا تو نہیں لیا پھر کامیش پھر......'' فراز کچھ توقف کے لیے خاموش ہوا پھر وہ دوبارہ بولا۔

''تو پھر میرے اس بھائی کا مجھ پر بھروسہ اس کا پُرشفاف اعتماد بس ایک ہی پل میں کیوں خس وخاشاک ہو گیا جب ایک عورت نے اس پر چوری کا الزام لگایا اسے جھوٹا' خائن اور بدکار قرار دیا۔'' بولتے ہوئے فراز شاہ کا سانس بڑی تیزی سے چلنے لگا تھا۔

''بولو میرے بھائی کیوں اس وقت تمہیں اپنے بھائی کی صداقت پر شک ہوا تھا؟ کیوں محض اس لیے کہ وہ عورت تمہاری بیوی تھی؟ جس کے سامنے تمہارے ماں جائے کی کوئی حیثیت نہیں تھی جو تمہارے بھائی پر اتنے رکیک الزامات لگارہی تھی اور تم مہر بہ لب کھڑے تھے۔'' اس پل فراز کو ایک بار پھر وہی تمام مناظر اور الفاظ یاد آتے چلے گئے جو اسے ہر لحہ ایک ان دیکھی آگ میں جلائے رکھتے جو گیلی لکڑی کی طرح اندر ہی اندر اس کو سلگاتے رہتے تھے فراز کا تو اور بھی بہت کچھ کہنے کا دل چاہ رہا تھا مگر اس لمحے وہ بالکل خاموش ہو گیا تھا دونوں جانب کچھ دیر جامد خاموشی چھائی رہی پھر کامیش کی گمبھیر آواز ابھری۔

''میں جانتا ہوں فراز کہ تم مجھ سے بہت ناراض ہو اور بدگمان بھی مگر یہ میرا تم سے وعدہ ہے کہ تمہارے ہر سوال کا جواب میں تمہیں ضرور دوں گا۔'' پھر تیزی سے موضوع کو بدلتے ہوئے بولا۔

''اچھا تم یہ تو بتاؤ کہ پاکستان واپس کب آرہے ہو' کہیں لندن میں کسی سے دل تو نہیں اٹکالیا۔'' آخری جملہ شوخی و

شرارت سے بھرپور تھا' فراز نے بھی اپنے موڈ بدلا جب ہی مسکراتے ہوئے بولا۔
''جی نہیں جناب میں یہاں دل اٹکانے نہیں بلکہ بزنس کے سلسلے میں آیا تھا۔'' پھر کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد فراز نے فون بند کیا تو اسے اپنے وجود میں طمانیت وانبساط کی قندیلیں روشن ہوتی محسوس ہوئی تھیں۔

❁.....❁.....❁
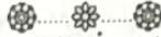
گڈو بیگم کا چالیسواں بھی ہوگیا تھا مگر مہرو ابھی تک غم والم کی کیفیت میں ڈوبی ہوئی تھی امی اور لالہ رخ اسے سمجھا سمجھا کر تھک گئی تھیں مگر اس کے اوپر یاسیت وصدمے کی ہنوز کیفیت طاری تھی ہنو بھی تقریباً روز اس کے پاس آکر اس کا دل بہلانے کی کوشش کرتا تھا مگر مہرو تو جیسے پتھر کی بن گئی تھی بس چپ چاپ بیٹھی گھٹنوں میں سر دیئے نجانے کیا کچھ سوچے جاتی صد شکر تھا کہ مومن جان اپنے پیر کی تکلیف کے علاج کے لیے اپنے دوست کے ساتھ کوئٹہ کے کسی سرکاری ہسپتال میں چلا گیا تھا اور اب تک وہیں تھا۔ گڈو بیگم کی موت کے ایک ہفتے بعد ہی وہ یہاں سے چلا گیا تھا اور یہ ان سب کے لیے بہت اچھا ثابت ہوا تھا ورنہ تو وہ مہرو کا اور بھی زیادہ ناطقہ بند کردیتا کیوں کہ اب تو اس کے لیے میدان صاف تھا۔ گڈو بیگم جو اس کی سب سے بڑی ڈھال تھیں اب وہ نہیں رہی تھیں۔ لالہ رخ اور امی مہرو کو اپنی گھر لے آئی تھیں اور بڑی تگ ودو سے اسے دوبارہ زندگی کی طرف لانے کی کوشش کررہی تھیں مگر مہرو نے تو کسی کی بھی بات نہ ماننے کی گویا قسم کھا رکھی تھی' فراز نے بھی دو مرتبہ اس سے مختلف اوقات میں بات کی تھی مگر وہ بھی اسے سمجھانے میں ناکام رہا تھا جب ہی لالہ رخ سے فراز شاہ نے کہا۔
''مہرو کو اپنی ماں کے جانے کا بہت گہرا صدمہ پہنچا ہے' لالہ رخ وہ اتنی جلدی بھلا کیسے نارمل ہوگی۔'' مہرو کی حالت کو محسوس کرکے فراز بھی مضمحل اور پریشان ہوگیا تھا۔
''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں فراز' مہرو پھوپو سے بے حد اٹیچڈ تھی' اس کی ماں ہی اس کا سب کچھ تھیں۔ کتنا ہنستی ہنساتی اور خوش رہتی تھی مہرو' اب تو یقین ہی نہیں آتا کہ یہ وہی مہرو ہے۔'' اس لمحے لالہ رخ کے لہجے میں بے پناہ اداسی و اضمحلال تھا فراز ایک گہری سانس بھر کر رہ گیا' پھر ہموار لہجے میں گویا ہوا۔
''جو لوگ باہر سے بظاہر ہنستے کھلکھلاتے ہیں ناں ان کے دل اندر سے بہت ٹوٹے ہوئے ہوتے ہیں' بہت حساس ہوتے ہیں ایسے لوگ اور مہرو بھی ان میں سے ایک ہے۔'' لالہ رخ نے فراز کی بات کو بغور سنا پھر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔
''آپ صحیح کہہ رہے ہیں وہ بچپن سے ہی مومن پھوپا کے منفی رویوں اور ناروا سلوک پر بہت دل برداشتہ رہتی تھی وہ اکثر مجھ سے کہتی تھی کہ تمہارے ابا بہت اچھے ہیں اور میرے ابا سب سے خراب۔'' پھر بہت دیر تک لالہ رخ نے فراز سے مہرو کے متعلق باتیں کی تھیں۔

❁.....❁.....❁

سر دانیال باسل حیات کے فیورٹ استاد تھے وہ اکثر اوقات ان کے روم میں جاکر ان کے سبجیکٹ کے علاوہ دوسرے موضوعات پر بھی گفتگو کیا کرتا تھا' فری پیریڈ ہونے کی بدولت عدیل دوسرے ڈیپارٹمنٹ میں اپنے کسی دوست کے پاس جبکہ احمر گھر سے ارجنٹ فون کال آنے پر چلا گیا تھا لہٰذا باسل حیات سر دانیال کو اپنے روم میں تنہا پاکر ان کے پاس چلا آیا تھا جو اس لمحے باسل کو دیکھ کر بے طرح خوش ہوئے تھے۔
''اوہ تھینک گاڈ باسل..... آپ آگئے میں یہی سوچ سوچ کر پریشان ہورہا تھا کہ آخر میں یہ مسئلہ کیسے حل کروں۔'' پچاس برس کی عمر کے ڈیسنٹ سے سر دانیال اپنے مخصوص ٹھہرے ہوئے انداز میں بولے تو باسل نے استفہامیہ

نگاہوں سے انہیں دیکھا جبکہ سر دانیال اس کی نگاہوں کا مفہوم جان کر گویا ہوئے۔

''دراصل مجھے اپنے دوست کو کچھ کانفیڈینشل پیپرز بھیجنے ہیں میں اسے کوریئر کروا دیتا مگر آج ہی اسے بھیجنے ہیں جو مجھے بھی کچھ دیر پہلے ہی ملے ہیں۔ میں خود نکلنے والا تھا مگر اچانک وائس چانسلر نے میٹنگ کال کر لی تو میرا جانا ممکن نہیں رہا اور وہ پیپرز اسے جلد سے جلد ان تک پہنچانے ہیں۔'' باسل ان کی بات پر چپ ہو گیا تو سر دانیال نے باسل حیات کو درخواست گزار نگاہوں سے دیکھا پھر بڑے بامروت لہجے میں بولے۔

''باسل آپ...... آپ جا کر ان کو ابھی اور اسی وقت پیپرز دے آئیں۔''

''میں......؟'' وہ یہ سن کر کچھ حیرت سے بولا۔ ''مگر آپ تو کہہ رہے ہیں کہ وہ پیپرز بہت کانفیڈینشل ہیں تو پھر آپ مجھے کیوں......''

''اُفوہ بیٹا...... مجھے آپ پر پورا اعتماد اور بھروسہ ہے بس آپ اس وقت یہاں سے نکل جائیے۔'' سر دانیال باسل کی بات کو درمیان میں سے ہی قطع کر کے تیزی سے بولتے اپنی ٹیبل کی دراز کی جانب متوجہ ہوئے اور اس میں سے ایک سفید رنگ کا بڑا سا لفافہ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

''یہ پیپرز آپ جامعہ کراچی کے ایڈمن ڈیپارٹمنٹ میں ڈاکٹر فیروز میمن کو دے دیجیے گا۔'' باسل حیات نے بغور ان کی بات سن کر سر اثبات میں ہلاتے ہوئے لفافہ اپنے ہاتھ میں تھاما جبکہ وہ مزید گویا ہوئے۔

''میں ڈاکٹر فیروز میمن کو فون بھی کر دیتا ہوں آپ کا نام بھی بتا دوں گا بس آپ ابھی اور اسی وقت روانہ ہو جائیں میں بھی میٹنگ کے لیے نکلتا ہوں۔'' سر دانیال کی ہدایت پر باسل ''اوکے سر'' کہہ کر وہاں سے نکل گیا۔

❁......❁......❁

سونیا خان ابروڈ سے واپس آ گئی تھی اس نے وہاں سے قصداً کامیش سے رابطہ نہیں کیا تھا وہ وہاں پہنچ کر ہی کامیش سے روبرو ملنا چاہتی تھی۔ آج وہ صبح ہی سے اس کے گھر میں آ دھمکی تھی کامیش چونکہ منہ اندھیرے ہی گھر سے نکل گیا تھا لہٰذا اس کی ملاقات اس سے نہیں ہو سکی مگر ساحرہ اور سمیر شاہ فی الحال گھر پر ہی مل گئے تھے۔ ساحرہ نے سونیا کو دیکھ کر ہمیشہ کی طرح بے پناہ گرم جوشی کا مظاہرہ کیا البتہ سمیر شاہ کا انداز کافی ٹھنڈا اور سرد تھا جسے محسوس کر کے سونیا نے مکمل نظر انداز کر دیا تھا وہ سب کے لیے قیمتی تحائف لے کر آئی تھی جس پر ساحرہ خوشی سے نہال ہوئے جا رہی تھی۔

''ارے سونیا جانو تم نے ان سب چیزوں کا کیوں تکلف کیا میری جان، تم ہم سے ملنے آ گئیں یہ کیا کسی تحفے سے کم ہے۔'' ساحرہ اپنے فیورٹ پرفیوم کا سیٹ ہاتھ میں پکڑے انتہائی لگاوٹ بھرے انداز میں بولی تو سونیا قیمتی ریسٹ واچ کا ڈبہ ان کی جانب بڑھاتے ہوئے نروٹھے پن سے بولی۔

''ارے واہ آنٹی...... ایک ہی تو میری پھوپو ہیں اور کیا میں ان کے لیے کچھ بھی نہیں لیتی ویسے اور بھی چیزیں ہیں آپ کے لیے۔'' وہ دوسرے شاپنگ بیگ کی طرف متوجہ ہوئی تو ساحرہ نے اس کی کلائی کھینچ کر اسے اپنے پہلو میں بٹھاتے ہوئے بڑے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

''مجھے ان چیزوں کی نہیں بلکہ اپنی بیٹی کی ضرورت ہے اپنی باربی ڈول کی چاہت ہے اور بس۔'' ڈارک گرے ٹائٹس پر بلیک اینڈ گرے کنٹراسٹ کی اسٹائلش سی کرتی پہنے سونیا نے اپنے نئے اسٹائل دیئے بالوں کو ایک خاص ادا سے جھٹکا پھر ہنس کر بولی۔

''آپ کی بیٹی ہے تو آپ کے پاس۔'' وہ اس لمحے سٹنگ روم میں بیٹھی تھیں، سمیر شاہ محض سونیا سے رسمی سا ہیلو ہائے کر کے آفس کے لیے نکل گئے تھے۔ سونیا کے اس طرح دوبارہ آ دھمکنے سے وہ ایک بار پھر اندر سے کافی اپ سیٹ

ہونے کے ساتھ ساتھ پریشان بھی ہو رہے تھے۔ انہیں ہمہ وقت اسی بات کا دھڑکا لگا رہتا تھا کہ سونیا اعظم خان کہیں دوبارہ ان کے بیٹے کی زندگی میں زہر گھولنے چلی نہ آئے۔

''مجھے فراز سے بات کرنی پڑے گی۔'' ڈرائیونگ کرتے ہوئے مسلسل ان کا ذہن اسی حوالے سے سوچ رہا تھا۔

❁......❁......❁

باسل نے پوری ذمہ داری سے وہ لفافہ جامعہ کراچی کے ایڈمن ڈیپارٹمنٹ میں جا کر ڈاکٹر فیروز میمن کے حوالے کر دیا تھا۔ انہوں نے آداب میزبانی بجا لاتے ہوئے باسل کو چائے اور ٹھنڈے کی آفر کی تھی مگر باسل حیات نے سہولت سے انکار کر دیا تھا وہ ایڈمن ڈیپارٹمنٹ سے نکلا تو یک دم اس کے ذہن میں زرتاشہ کا خیال در آیا پھر وہ دل ہی دل میں خود سے بولا۔

''زرتاشہ کا ڈیپارٹمنٹ یہیں سامنے ہی ہے ناں۔'' پھر نجانے اسے کیا ہوا اس کے قدم خود بخود زرتاشہ کے ڈیپارٹمنٹ کی جانب بڑھ گئے اردگرد آمنے سامنے بے فکرے شوخ قہقہے لگاتے اسٹوڈنٹس خوش گپیوں میں مصروف دکھائی دے رہے تھے۔ باسل اپنے اطراف میں سرسری سی نگاہ ڈالتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا جب ہی کچھ قدم جا کر ٹھٹک کر رکا تھا۔

''میں بھلا کیوں اس لڑکی کے ڈیپارٹمنٹ میں جا رہا ہوں مجھے اس سے کیا مطلب اور واسطہ ہے ہونہہ وہ معمولی سی لڑکی باسل حیات کے برابر کی تو ہرگز نہیں......'' ایک بار پھر وہ خود سے بولا تھا اس بار اس کے لہجے میں وہی اکڑ اور غرور در آیا تھا وہ ابھی پلٹنے ہی والا تھا جب ہی اس کی نگاہوں کی زد میں ایک مسکراتا چہرہ آ گیا وہ کسی لڑکی کی بات پر دھیمے انداز میں مسکرا رہی تھی۔ باسل چند ثانیے اسے دیکھتا رہ گیا' آج اس نے لیمن اور پرپل رنگ کے امتزاج کا سادہ سا سوٹ پہن رکھا تھا جبکہ سر پر ہمیشہ کی طرح کشمیری شال ڈالے پورے وجود کو ڈھانپ رکھا تھا۔ کسی لڑکی کے زوردار قہقہے پر باسل حیات بے پناہ چونک کر حال کی دنیا میں واپس آیا اس نے دوبارہ زرتاشہ کی جانب دیکھا جو ہنوز اس لڑکی سے باتوں میں محو تھی یک دم نجانے کہاں سے اس کے اندر نفرت و بےزاری کا سیلاب امڈا تھا۔

''ہونہہ ایک اور نیلم زمان مشرقی اقدار و روایات کا ڈھونگ رچانے والی آنکھوں میں شرم و حیا کے کچے رنگوں کو بھر کر امیر لڑکوں کی توجہ حاصل کرنے والی مکار اور فریبی لڑکی۔'' اس کے جملوں پر کوئی اندر سے بڑی تکلیف سے کراہا تھا۔

''تم زیادتی کر رہے ہو یہ لڑکی نیلم زمان نہیں ہے بلکہ یہ لڑکی تو بارش کے قطرے کی طرح شفاف ہے رات میں پڑتی شبنم کی مانند پاکیزہ ہے۔'' باسل حیات ہنوز کچھ فاصلے پر پلر سے ٹیک لگائے کھڑی زرتاشہ کو دیکھتا رہا۔

''یہ مڈل کلاس کی ساری لڑکیاں ایک جیسی ہوتی ہیں۔ کیا نیلم زمان بھی پہلے زرتاشہ کی طرح نہیں تھی؟'' کسی نے اسے اندر سے جھاڑا تو زرتاشہ کی وکالت میں بولتا اس کا دل تھوڑا منمنایا۔

''مگر زرتاشہ......''

''بس اب ایک لفظ بھی مت بولنا ایسی لڑکیاں تو فلرٹ کرنے کے بھی لائق نہیں ہوتیں' گندگی میں ہاتھ ڈالنے سے اپنے ہی ہاتھ گندے ہوتے ہیں یہ بات یاد رکھنا۔'' دماغ نے سخت تنبیہہ کی تو دل منہ بنا کر خاموش ہو گیا' باسل ابھی پلٹنے ہی والا تھا کہ اسی پل زرتاشہ کی نظر باسل پر پڑی تو پہلے اس کی نگاہوں میں حیرت و بےیقینی کے رنگ امڈے پھر اس کی جگہ خوشی و احترام نے لے لی وہ فوراً سے پیشتر باسل کی جانب تیزی سے بڑھی اور چند ہی پلوں میں اس کے مقابل آن کھڑی ہوئی۔

''السلام علیکم!'' اس نے نہایت ادب سے سلام کیا تو مجبوراً باسل نے اسے جواب دیا وہ مودبانہ انداز میں اس کے

سامنے کھڑی تھی۔

"آپ یہاں کیسے کسی سے ملنے آئے ہیں کیا؟" وہ نرمی سے استفسار کرتے ہوئے بولی تو باسل سنجیدگی سے سر اثبات میں ہلاتے ہوئے گویا ہوا۔

"جی میں یہاں ایک پروفیسر سے ملنے آیا تھا۔" زرینہ کو آج فلو کی وجہ سے تھوڑا ٹمپریچر ہوگیا تھا اسی وجہ سے وہ آج کیمپس نہیں آئی تھی زرتاشہ کو مجبوراً اکیلے ہی آنا پڑا تھا۔

"دراصل لالہ آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہ رہی تھی مگر آپ وہاں سے چلے گئے تھے۔" زرتاشہ انتہائی بھولپن سے بولی تو باسل حیات نے نا سمجھنے والے انداز میں دیکھا زرتاشہ اس کی نگاہوں کا مفہوم جان کر تھوڑا خفیف سی ہوکر بولی۔

"اوہ...... میں نے تو آپ کو کچھ بتایا ہی نہیں دراصل اس دن مری میں جس لڑکی سے بدتمیزی کرنے پر آپ نے اس لڑکے کی پٹائی کی تھی وہ میری بہن تھی لالہ رخ۔" باسل حیات اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے ناچاہتے ہوئے بھی اسے دیکھے گیا جو بڑی مگن سی بول رہی تھی۔

"وہ دوسرے دن گیسٹ ہاؤس آئی تو آپ چیک آؤٹ کر چکے تھے وہ آپ کو تھینکس کرنا چاہ رہی تھی۔" آخر میں اس کے چہرے پر اتنی دلکش مسکراہٹ ابھری تھی کہ اس پل باسل کو لگا جیسے بہت ساری کلیاں چٹک کر پھول بن گئی ہوں۔ باسل نے ہنوز سنجیدگی بھرے لہجے میں کہا۔

"اٹس او کے۔" جواباً وہ دھیرے سے مسکرائی پھر چند قدم پیچھے سرکتے ہوئے بولی۔

"او کے اللہ حافظ۔" وہ وہاں سے جارہی تھی باسل نے اسے بغور دیکھا وہ ابھی پلٹنے ہی والی تھی کہ بالکل سامنے کاریڈور سے ایک لڑکا چیختا ہوا اس طرف آیا جس کے سر سے خون کا فوارہ ابل کر اسے پوری طرح سے لہولہان کرگیا تھا۔ زرتاشہ جو مڑ رہی تھی اس لڑکے کی اچانک آمد پر وہ اس سے بے اختیار پوری طاقت سے ٹکرا کر پکے فرش پر گری تھی اور پھر صرف چند ہی لمحے لگے تھے۔ دو تنظیموں کا جھگڑا اسی ڈیپارٹمنٹ سے شروع ہوا تھا نجانے کہاں سے اچانک ڈنڈا بردار لڑکے وہاں آدھمکے تھے باسل نے گھبرا کر زرتاشہ کو دیکھا جو زمین سے اٹھ نہیں سکی تھی وہ تیزی سے اس کی جانب بڑھا۔

"آر یو او کے زرتاشہ؟" تمام اسٹوڈنٹس بدحواسی میں اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے جب ہی زرتاشہ آنکھوں میں بے تحاشا خوف و دہشت لیے کپکپاتی آواز میں بولی۔

"پلیز مجھے یہاں سے لے چلیے۔" پھر باسل نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک جانب بڑھ گیا تھا۔ لڑائی جنگل میں آگ کی طرح پوری جامعہ میں پھیل گئی تھی زرتاشہ باسل کا ہاتھ تھامے اپنے گھٹنوں میں لگی چوٹ کی پروا کیے بناء بس بھاگے جارہی تھی۔ فائرنگ کی آوازیں جامعہ کی درودیوار کو لرزائے دے رہی تھیں۔ تصادم بہت شدید تھا بہت دنوں سے دونوں تنظیمیں کسی موقع کی تلاش میں تھیں اور آج انہیں وہ موقع مل گیا تھا' وہ بھاگتے ہوئے ڈیپارٹمنٹ سے دور رہائشی حصے کی جانب چلے آئے جو اس وقت بالکل سنسان تھا زرتاشہ بے ساختہ رک کر وہیں جھاڑیوں میں گرگئی۔

"بس بس...... اب مجھ سے مزید نہیں بھاگا جائے گا۔" باسل نے ایک نگاہ زرتاشہ کی جانب دیکھا پھر اطراف میں نگاہ دوڑائی اب وہ دونوں خطرے سے محفوظ تھے یہ محسوس کرکے باسل بھی کچھ فاصلے پر گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا جبکہ زرتاشہ کی سانسیں ابھی تک اعتدال میں نہیں آئی تھیں۔ وہ آنکھیں بند کیے گہری گہری سانسیں لے رہی تھی اس لمحے اس کی چادر ڈھلک کر کندھے سے ہوکر اب اس کے بازوؤں میں جھول رہی تھی جبکہ شہد آگیں بالوں کی بے ترتیب لٹیں اس کے چہرے کو چوم رہی تھی پھر یک دم زرتاشہ کو گھٹنے میں بے پایاں تکلیف کا احساس ہوا تھا تو اس نے پٹ سے آنکھیں کھولیں۔

''اوہ میرے اللہ......'' وہ اذیت سے کراہی جس پر باسل نے بے ساختہ استفسار کیا۔
''کیا ہوا؟'' جواباً زرتاشہ نے ڈبڈبائیں نگاہوں سے اسے دیکھا پھر اپنے پیر کی جانب دیکھا تو اس میں سوجن واضح نظر آئی، پیر بھی اب بری طرح درد کرنے لگا تھا اس لمحے اس کا دل چاہا کہ درد کی شدت کی بدولت وہ دھاڑے مار مار کر رونا شروع کردے مگر باسل کی موجودگی کے خیال سے اس نے اپنی سسکیوں پر قابو پایا پھر رندھے ہوئے لہجے میں پیر جوتے سے آزاد کرتے ہوئے بولی۔
''شاید میرے پیر میں کچھ چبھ گیا ہے بہت تکلیف ہورہی ہے اور گھٹنے میں بھی بہت درد ہورہا ہے۔'' باسل کی نگاہیں بے اختیار اس کے پیر کی جانب گئیں جو کافی سوجا ہوا تھا۔
''اوہ......'' اس کے لبوں سے نکلا پھر قدرے تشویش سے بولا۔
''شاید آپ کا پیر بھاگتے ہوئے مڑ گیا ہے اسی لیے موچ آگئی ہے۔'' زرتاشہ اب درد سے بے حال دکھائی دے رہی تھی۔
''مجھے بہت تکلیف ہورہی ہے یا اللہ میں کیا کروں۔'' اب وہ باقاعدہ آنسوؤں سے چھکوں پھکوں رورہی تھی اور مسلسل بولے بھی جارہی تھی۔
''امی نے مجھے کتنا منع کیا تھا کہ مت شہر میں جاکر پڑھو وہاں کا کوئی بھروسہ نہیں ہے لالہ نے بھی مجھے بہت سمجھایا تھا مگر ناجی مجھے تو آئن اسٹائن بننے کا شوق چرایا تھا ناں زرتاشہ بی بی اب بھگتو گھٹنے تڑوا کر اور پیر سوجھا کر کرلو حاصل اعلیٰ تعلیم۔'' باسل حیات کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ امڈ آئی تھی جبکہ وہ بچوں کی طرح رونے دھونے میں مصروف تھی۔
''ہائے اللہ اتنا درد ہورہا ہے۔'' وہ مسلسل بڑبڑا رہی تھی باسل سے اب مزید برداشت نہیں ہوا وہ قہقہہ لگا کر ہنس دیا جبکہ زرتاشہ نے اپنے رونے پر فی الفور بریک لگا کر اسے بڑی حیرت سے دیکھا تھا۔

❁......❁......❁
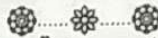
بریک ٹائم میں جیسکا ماریہ کے ہمراہ کینٹین کی جانب بڑھی تھی ماریہ کو کالج آنے کی اب کوئی خواہش نہیں تھی مگر صرف اس خیال سے کہ کہیں ابرام کو اس کی پڑھائی میں عدم دلچسپی محسوس نہ ہوجائے وہ طوعاً وکرہاً کالج آنے لگی تھی ایک طرف تو وہ میک کی مکروہ صورت بھی نہیں دیکھنا چاہتی تھی جبکہ دوسری جانب جیسکا اس سے ایک لمحہ کے لیے بھی برداشت نہیں ہوتی تھی۔ جیسکا بھی کافی تیز دماغ لڑکی تھی ماریہ کی پڑھائی میں بے زاری کو بخوبی بھانپ گئی تھی جب ہی وہ اس کے پہلو میں چلتے ہوئے استفہامیہ انداز میں بولی۔
''کیا بات ہے ماریہ میں دیکھ رہی ہوں کہ لیکچرز میں تمہارا دل نہیں لگ رہا اور کالج آتے ہی تمہیں گھر جانے کی جلدی لگی رہتی ہے ورنہ پہلے تو تم فری ٹائم پر بھی کتابیں سمیٹ کر لائبریری میں جا بیٹھتی تھیں۔'' جیسکا کو ماریہ نے چلتے ہوئے ایک پل کے لیے دیکھا پھر رخ موڑ کر قدرے رکھائی سے بولی۔
''ظاہری بات ہے جیسکا جب بار بار پڑھائی میں خلل آئے گا تو پھر پڑھائی سے دل تو اٹھنا ہے۔'' جیسکا ابھی مزید کچھ اور بولتی کہ سامنے سے آتے ولیم کو دیکھ کر وہ چونکی جبکہ ماریہ کے قدم بھی تھم سے گئے تھے۔
''اوہ میرے اللہ اب اس کی کمی رہ گئی تھی۔'' وہ دل ہی دل میں بے مزہ سی ہوکر بولی۔
''ہیلو ولیم کیسے ہو تم کافی دنوں بعد کالج آئے ہو سب خیریت تو ہے ناں؟'' جیسکا شستہ انگریزی میں اس کا حال احوال دریافت کرتے ہوئے بولی تو ماریہ کو اپنے جھوٹ کو سنبھالنے کی خاطر ولیم کی جانب بھرپور انداز میں متوجہ ہونا پڑا جو اس نے فی الوقت بحالت مجبوری بولا تھا کہ وہ ولیم سے محبت کرنے لگی ہے ماریہ اپنے چہرے پر زبردستی کی بشاشت

اور خوشی لاتے ہوئے گویا ہوئی۔
''ہاں ولیم تم اتنے دنوں سے کالج کیوں نہیں آرہے تھے میں تو سچ میں پریشان سی ہوگئی تھی۔'' آخری جملے میں بے تابی کا رنگ گہرا تھا ولیم نے ایک نگاہ ماریہ کے چہرے پر ڈالی پھر شان بے نیازی سے جیسکا کی طرف دیکھ کر گویا ہوا۔
''میں اپنی کزن کے ساتھ شہر سے باہر گیا ہوا تھا تم بتاؤ جیسکا سب ٹھیک ہے؟'' اپنے تئیں وہ ماریہ کو جلانے کی کوشش کررہا تھا جبکہ ماریہ چہرے پر مسکراہٹ سجائے بڑی دلچسپی سے اس کی جانب متوجہ تھی۔
''ویل اب تک تو سب ٹھیک ہے۔'' جیسکا عام سے انداز میں بولی پھر ماریہ کی جانب دیکھ کر گویا ہوئی۔
''ماریہ میں کینٹینین جارہی ہوں تم مجھے وہیں جوائن کرلینا۔'' وہ اسے تنہائی فراہم کرنے کی غرض سے بول کر وہاں سے چلی گئی جب ہی ماریہ ایک گہرا سانس بھر کر ولیم کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔
''مجھے بہت خوشی ہورہی ہے ولیم کہ تم نے اپنی زندگی کے لیے ایک اچھے جیون ساتھی کا انتخاب کیا ہے' تمہاری کزن یقیناً تمہارے لیے ایک اچھی شریک سفر ثابت ہوگی۔'' ولیم نے انتہائی تحیر کے عالم میں اس کے چہرے کو دیکھا جس پر اس لمحے جلن وحسد کا شائبہ تک نہیں تھا۔ جیسکا نے اس کا پیغام اس تک پہنچادیا تھا وہ تو اس پل بڑے کروفر سے اس کے سامنے گردن تان کر کھڑا تھا' اپنے تئیں وہ تو یہ سمجھ رہا تھا کہ ماریہ اس کے ساتھ کی بھیک اس سے مانگے گی مگر یہاں تو معاملہ ہی بالکل الٹ تھا۔ ولیم نے بڑی دقتوں سے خود کو سنبھال کر طنزیہ لہجے میں کہا۔
''مجھے معلوم ہے کہ کیتھرین ایک بہترین لڑکی ہے اور ان فیکٹ ہماری تو بہت جلد شادی بھی ہونے والی ہے۔'' ولیم نے ایک آخری بار اسے جلانے کی کوشش کی مگر ماریہ تو ہنوز اطمینان وسکون سے کھڑی تھی۔
''اوہ دیٹس گڈ نیوز تمہیں خوش دیکھ کر مجھے بھی بہت خوشی ہورہی ہے ولیم آفٹر آل تم میرے دوست جو رہ چکے ہو۔'' اس پل نجانے کیوں ولیم کو ایسا لگا جیسے ماریہ نے لفظ دوست استعمال کرکے اس پر گہرا طنز کیا ہو مطلب یہ کہ اسے ولیم سے کسی بھی قسم کا دلی لگاؤ یا جذباتی وابستگی نہیں تھی۔
''تھینک یو سو مچ۔'' وہ انتہائی چبا چبا کر بولا پھر تیزی سے اس کے پہلو سے نکل گیا جبکہ ماریہ کے ہونٹوں پر بے اختیار بڑی دلکش سی مسکراہٹ ابھر آئی پھر وہ سر جھٹک کر گھر جانے کی غرض سے وہاں سے پلٹ گئی۔

❁ ❁ ❁

کامیش شام کو جب گھر لوٹا تو لان میں ساحرہ کے ساتھ سونیا کو وہاں موجود پا کر اس کی طبیعت مکدر ہوگئی وہ بناء ان دونوں کی جانب توجہ دیئے تیزی سے اندر کی جانب بڑھ گیا۔ ساحرہ اور سونیا دونوں نے ہی کامیش کے اس انداز پر ایک دوسرے سے نگاہیں چرائی تھیں جب ہی ساحرہ تھوڑا کھسیانی سی ہوکر بولی۔
''سونیا آج مال میں بہت اچھی کلیکشن آئی ہوئی تھی' تھینک گاڈ کہ تم مجھے شاپنگ پر لے گئیں ورنہ بہت دنوں سے میں جانے کا سوچ رہی تھی مگر اکیلے دل نہیں چاہ رہا تھا۔'' سونیا اور ساحرہ آج دن میں شاپنگ کے لیے نکل گئی تھیں ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی وہ گھر پہنچی تھیں اور اب شام کی چائے سے لطف اندوز ہورہی تھیں' تھوڑی دیر اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد سونیا اپنی کرسی سے اٹھتے ہوئے بولی۔
''آنٹی میں ذرا کامیش سے مل لوں۔''
''شیور وائے ناٹ۔'' ساحرہ خوش دلی سے بولی تو سونیا کامیش شاہ کے بیڈروم کے دروازے کے باہر آکر کھڑی ہوگئی اس پل اس کا ذہن تیزی سے ماضی کی جانب چلا گیا' وہ کچھ عرصے پہلے کتنے استحقاق اور کروفر سے اس کمرے کی مالکن تھی اور آج وہ کیسے جھجکتی جھجکتی اسی بیڈروم کے دروازے کے باہر اجازت لینے کے لیے کھڑی تھی پھر یک دم وہ حال

کی دنیا میں واپس لوٹی اور سر جھٹک کر ہولے سے دروازے پر دستک دی' تھوڑی ہی دیر میں کامیش کی ''یس'' کی آواز پر وہ کانفیڈنس سے اندر چلی آئی' کامیش ڈارک براؤن شلوار قمیص پہنے اپنے کف کے بٹن بند کررہا تھا جب ہی سونیا کی اندر آمد ہوئی اس نے بے ساختہ سر اٹھا کر دیکھا تو سامنے موجود ہستی کو پا کر اس کے کشادہ ماتھے پر ان گنت شکنوں کا جال بچھ گیا جبکہ چہرے پر بھی واضح ناگواری کا رنگ چھلکا تھا اور یہ سب سونیا بخوبی محسوس کرگئی تھی۔

''ہیلو کامیش ہاؤ آر یو؟'' سونیا اپنے آپ کو سرعت سے سنبھال کر دھیمی سی مسکراہٹ ہونٹوں میں سجا کر بولی تو کامیش نے بناء اس کی جانب دیکھے کہا۔

''فائن......'' پھر وہ بیڈ کے دوسری جانب رکھی سائیڈ دراز کو کھول کر اس میں سے کچھ تلاش کرنے لگا جب ہی عقب سے دوبارہ سونیا کی آواز ابھری۔

''میں نے تمہیں ڈسٹرب تو نہیں کیا؟'' یک لخت کچھ تلاش کرتے ہوئے کامیش کے ہاتھ لحظہ بھر کے لیے رکے پھر وہ دراز بند کرکے سیدھا کھڑے ہوتے ہوئے کافی روڈ انداز میں بولا۔

''تمہیں کوئی کام ہے کیا؟'' سونیا چند ثانیے کے لیے اسے دیکھتی رہ گئی' ڈارک براؤن شلوار قمیص میں اس کی گندمی رنگت کچھ اور بھی زیادہ نکھر گئی تھی جبکہ ہلکی سی بڑھی ہوئی شیو اسے بہت ہینڈسم اور اٹریکٹو بنا رہی تھی۔

''کامیش مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی تھیں' کیا تمہارے پاس میرے لیے تھوڑا سا وقت ہوگا؟'' اس پل اس کے لہجے میں نرمی کے ساتھ عاجزی بھی تھی جو اس کا خاصا ہرگز نہیں تھی۔ کامیش نے نگاہ اٹھا کر چند ثانیے اسے دیکھا پھر انتہائی غیر متوقع جملہ بول پڑا۔

''تم فراز شاہ کو اب بھی چاہتی ہو......؟''

''کیا......؟'' سونیا کے تو گمان میں بھی نہیں تھا کہ کامیش اس سے اس طرح کا سوال کرے گا اپنی پھٹی ہوئی آنکھوں سے اس نے بے حد چنبھے سے کامیش کو دیکھا جو اس کا ردعمل دیکھ کر استہزائیہ انداز میں دوبارہ گویا ہوا۔

''میں نے ایسا کون سا سوال کردیا جس پر تم اس قدر حیران ہورہی ہو سونیا خان......'' اس لمحے کامیش کے لب و لہجے میں عجیب سی کاٹ اور چبھن کو محسوس کرکے سونیا مضطرب ہونے کے ساتھ ساتھ اچھی خاصی سٹپٹائی بھی۔

''وہ......وہ کامیش میں دراصل......'' سونیا کو اس پل کوئی جواب نہیں بن پا رہا تھا پھر سونیا کے اندر سے کسی نے اسے لتاڑا تو وہ خود کو کمپوز کرکے اعتماد سے سر اٹھا کر بولی۔

''دیکھو کامیش میں یہ بات تم سے پورے دل کی سچائی سے کہہ رہی ہوں کہ فراز شاہ میرا ماضی تھا جس نے میری دوستی اور نادانی کا بھرپور فائدہ اٹھایا اور یہ حقیقت ہے کہ تم سے شادی سے پہلے میں فراز سے شادی کی خواہش مند تھی مگر بعد میں مجھے جلد ہی اندازہ ہوگیا کہ فراز ایک گھٹیا ذہنیت کا انسان ہے تم سے شادی کرنے پر زور اس نے ہی مجھ پر دیا تھا مگر یقین کرو کامیش...... مجھے فراز کے مذموم ارادوں کا ذرا بھی احساس نہیں تھا پھر شادی کے بعد تمہارا مجھے اگنور کرکے ہر وقت کام میں بزی رہنا مجھے تمہاری طرف سے بدظن کرگیا تھا اور میں صرف فراز شاہ کے کہنے پر تم کو ٹیز کرتی رہی مگر کامیش' مجھے اس بات کا احساس بہت جلد ہوگیا کہ اب فراز میرا گھر خراب کرنا چاہتا ہے۔ ہماری شادی ختم کروانا چاہتا ہے۔'' وہ آج بھی بڑی دلیری و بے خوفی سے فراز کی ذات کو ادھیڑ رہی تھی اس کے پاکیزہ کردار کی دھجیاں بکھیر رہی تھی' کامیش بے حد خاموش نظروں سے اسے دیکھتا رہا جواب مزید کہہ رہی تھی۔

''میں تم سے نگاہیں ملانے کے قابل نہیں رہی تھی کامیش اسی لیے میں بھی فراز کے جانے کے بعد اس گھر سے چلی گئی تھی۔'' وہ اتنا کہہ کر ٹھہری پھر دوبارہ تیزی سے گویا ہوئی۔

''مگر میں اب واپس آنا چاہتی ہوں کامیش اپنے گھر اس گھر میں جو میرا اصل گھر ہے۔'' کامیش ہنوز سکون واطمینان سے کھڑا اسے دیکھتا رہا' سونیا اپنی بات مکمل کر کے خاموش ہوئی مگر کامیش کی جانب سے کوئی جواب نہیں آیا تھا۔

''ہوں مسٹر کامیش شاہ...... سونیا جب کسی بات کی ٹھان لیتی ہے ناں تو وہ پورا کر کے ہی رہتی ہے مجھے اس گھر میں اور تمہاری زندگی میں واپس آنا ہے پھر دیکھیں گے سونیا اعظم خان کیا ڈیسائیڈ کرتی ہے۔'' وہ دل ہی دل میں بولی' اس نے کامیش شاہ کی خاموشی کو نیم رضامندی پر محمول کیا تھا جب ہی قدرے مطمئن سی ہو کر وہ چپ چاپ رخ موڑ کر دروازے سے باہر چلی گئی جبکہ کامیش کے لبوں پر استہزائیہ مسکراہٹ در آئی تھی۔

❁......❁......❁
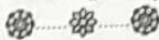
داور حبیب کی وادی میں واپسی ہو چکی تھی حالات سازگار ہوتے ہی چوہا اپنے بل سے باہر آ گیا تھا اور اب بڑے کروفر اور تمکنت سے پوری وادی میں دندناتا پھر رہا تھا جبکہ داور حبیب کی آمد سے بنو کی جان پر بن آئی تھی۔ وہ معصوم بچہ داور کی بدفطرتی اور بدنیتی سے اچھی طرح واقف تھا اور جب سے اس نے مہرو کو اپنی غلیظ نگاہوں کی گرفت میں لیا تھا بنو اور سے بھی خوف زدہ اور دہشت زدہ ہو گیا تھا۔ داور نے وادی میں آتے ہی مہرو کو کھوجنا شروع کر دیا تھا مگر عموماً وہ جن جن جگہوں پر پائی جاتی تھی آج کل وہ وہاں دکھائی نہیں دے رہی تھی جبکہ بنو بے چارا داور کے خوف سے دو دن سے اپنے گھر میں بند تھا اسے یہ خوف تھا کہ کہیں داور کا سامنا ہونے پر وہ مہرو کی بابت استفسار کرے۔

''یا اللہ یہ کیسی مصیبت یہاں نازل ہو گئی ہے تو میری باجی کی عزت اور جان کی حفاظت کرنا اسے داور صاحب سے بچائے رکھنا۔'' بنو نے بے پناہ پریشان ہو کر اپنے رب کریم سے دعا کی تھی لالہ رخ گیسٹ ہاؤس سے واپس آئی تو مہرو کو امی کے ساتھ بیٹھک میں باتیں کرتے دیکھ کر اسے خوش گوار حیرت کا جھٹکا لگا ورنہ تو وہ تمام دن منہ لپیٹے بستر پر پڑی رہتی تھی وادی میں سردی کی سوغات اتر آئی تھی مگر ابھی موسم میں شدت نہیں تھی یہاں کے لوگ ایسی سردی کو خوش گوار ٹھنڈک سے محمول کرتے تھے۔ امی اور مہرو بھی کافی کے ساتھ ساتھ ڈرائی فروٹ سے شغف فرما رہی تھیں' مہرو لالہ رخ کو دیکھ کر فوراً بولی۔

''ارے لالہ تم آ گئیں چلو اچھا ہوا میں تمہارے لیے گرما گرم کافی بنا کر لاتی ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ صوفے سے اٹھی تو لالہ رخ مسکرا کر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے امی کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔

''شکر ہے اللہ کا' امی آج مہرو مجھے کافی بہتر دکھائی دے رہی ہے۔'' لالہ رخ کو بے حد مسرت محسوس ہوئی تھی ورنہ تو ہمہ وقت وہ مہرو کے حوالے سے بہت ڈسٹرب اور پریشان رہتی تھی۔

''ہاں بیٹا اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے مہرو آج کافی نارمل رہی بلکہ اس نے تو تمہاری پسند کارات کے لیے کھانا بھی خود تیار کیا ہے اور گھر کی صفائی بھی کی۔'' امی نے یہ سب بتا کر اس کے اطمینان وخوشی میں اور زیادہ اضافہ کر دیا تھا۔

''ارے واہ یہ تو بہت زبردست بات ہے۔'' ابھی وہ دونوں باتیں کر ہی رہی تھیں کہ مہرو گرما گرم کافی کا بھانپ اڑاتا کپ چھوٹی سی ٹرے میں رکھ کر لے آئی۔

''یہ میرے کان آج کیا سن رہے ہیں' مطلب آپ نے خود اپنے حسین ہاتھوں سے ہمارے لیے کھانا پکایا ہے۔'' لالہ رخ شوخ وشنگ لہجے میں بولی تو ڈارک کاہی گرین لینن کے ملگجے سے سوٹ میں ملبوس مہرو ہولے سے مسکرا کر گویا ہوئی۔

''جی جناب مابدولت نے آج خود اپنے ہاتھوں سے آپ کے لیے کوفتے اور بگھارے چاول پکائے ہیں۔'' لالہ رخ اور مہرو کی باتوں کو سن کر امی بھی مسکرا رہی تھیں۔

''اوجیو میرے شیر آج تو کھانے میں مزہ آجائے گا۔'' وہ اس دوران کافی کا کپ تھام چکی تھی پھر وہ تینوں بڑے خوش گوار ماحول میں گفتگو کررہی تھیں جب ہی مہرو نے انتہائی سکون واطمینان سے جو استفسار کیا اسے سُن کر امی اور لالہ رخ ششدر سی رہ گئیں اپنی بات کہہ کر مہرو پستے چھیل کر بڑی سہولت سے لالہ رخ کی پلیٹ میں رکھ رہی تھی جبکہ لالہ رخ اور امی ٹکر ٹکر بس اسے دیکھے جارہی تھیں۔ مہرو نے اپنے کام سے فارغ ہوکر سر اٹھا کر انہیں دیکھا تو بے ساختہ عجیب سے انداز میں ہنس کر بولی۔

''ارے آپ دونوں مجھے ایسے دیکھ رہی ہیں جیسے میری ناک لمبی ہوگئی ہو یا پھر میرے سینگ نکل آئے ہوں۔'' مہرو کی آواز جب لالہ رخ کے کانوں میں پڑی تو وہ چونک کر حال کی دنیا میں واپس آئی پھر اس نے انتہائی تادیبی نظروں سے مہرو کو دیکھ کر کڑے انداز میں کہا۔

''تم نے کیا بکواس کی ہے ابھی۔'' جواباً مہرو اپنی آنکھوں میں حیرانی بھرتے ہوئے بولی۔

''اس میں بکواس کیا لالہ...... میں نے تو مامی سے صرف یہ پوچھا ہے کہ اماں نے مجھے کہاں سے اٹھایا تھا کسی کچرے کی کنڈی سے یا پھر کوئی مجھے ان کے دروازے کے باہر رکھ کر چلا گیا تھا۔'' مہرو ہنوز اطمینان سے اپنی بات دہراتے ہوئے بولی تو لالہ رخ کی برداشت جواب دے گئی۔

''مہرو بس خاموش ہوجاؤ تم' ہوش میں تو ہو یہ کس قسم کی باتیں کررہی ہو تم۔ پھوپو تم کو بھلا کیوں کسی کچرا کنڈی سے لے کر آئیں گی یا پھر کوئی کیونکر تمہیں دروازے پر چھوڑ کر جائے گا؟''

''ایسا ہی ہے لالہ...... بالکل ایسا ہی ہے یہ حقیقت ہے اور حقیقت ہمیشہ ایسی ہی تکلیف دہ اذیت ناک اور ناپسندیدہ ہوتی ہے۔'' لالہ کی بات پر مہرو تقریباً چیخ کر بولی تو لالہ نے اسے منہ کھولے انتہائی تحیر کے عالم میں دیکھا پھر انتہائی الجھ کر امی کی جانب رخ پھیرا جو اس لمحے بالکل گم صم بیٹھی مہرو کو دیکھ رہی تھیں جب ہی مہرو دوبارہ انتہائی وحشت زدہ سی ہوکر لالہ رخ کا بازو دبوچ کر گویا ہوئی۔

''کیوں لالہ...... تمہیں یاد نہیں ہے اس دن جب اماں کا دم نکلا تھا تو ابا نے مجھے کہا تھا کہ یہ لڑکی نجانے کس خاندان کی ہے اور اماں نے چلا کر ان کی بات کاٹ دی تھی اور مرتے وقت وہ یہی بولے جارہی تھی کہ تُو صرف میری بیٹی ہے۔'' مہرو کے یاد دلانے پر اسے وہ منظر پوری جزئیات سمیت یاد آ گیا اس دن مومن جان کے منہ سے یہ جملہ سن کر وہ بری طرح چونکی تھی اور بعد میں بھی اس نے ان کے جملے کی بابت سوچا تھا مگر پھر یہ سوچ کر اس نے خود کو مطمئن کرلیا تھا کہ غصے میں اکثر اوقات انسان ایسی بات کرجاتا ہے اور ویسے بھی مومن پھوپا اپنی بیوی کے خاندان کو برا بھلا کہتے رہتے تھے۔

''اپنی اولاد کو یہ یقین دلانے کی ضرورت نہیں پڑتی لالہ کہ وہ میری بیٹی ہے۔'' مہرو کی کاٹ دار آواز پر اس نے بے حد چونک کر اسے دیکھا جس کے چہرے پر اس پل بے پناہ تکلیف واذیت کے اثرات تھے۔

''اُف مہرو تم مومن پھوپا کی غصے میں کہی بات کا کیوں اتنا بڑا افسانہ بنارہی ہو وہ تو غصے میں نجانے کیا کچھ کہہ جاتے ہیں۔'' لالہ رخ جھنجلا کر بولی تو مہرو نے اسے طنزیہ نظروں سے دیکھا پھر امی کی جانب رخ موڑ کر بولی۔

''مامی پھر آپ ہی سچائی بتادیجیے کیا حقیقت جاننا میرا حق نہیں ہے جو اتنے عرصے سے اماں ابا اور آپ لوگوں نے مجھ سے چھپائے رکھی۔'' مہرو کے لہجے کا اعتماد ویقین اور امی کی جامد خاموشی لالہ رخ کے دل کی دیواروں کو لرزائے دے رہی تھیں۔

''امی آپ...... آپ......'' لالہ رخ فقط اتنا ہی بول سکی جب ہی امی اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی درمیان میں بولیں۔

''میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں میں تھوڑا آرام کرنا چاہتی ہوں۔'' اسی دم وہ دونوں لڑکیوں سے نگاہیں چرا کر وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئیں جبکہ لالہ رخ نے بڑی حیرت سے انہیں کمرے سے باہر جاتے دیکھا۔

❀.......❀.......❀

''مجھے تو آئن اسٹائن بننے کا شوق چرایا تھا ناں زرتاشہ بی بی..... اب بھگتو گھٹنے تڑوا کر اور پیر سوجھا کر کر لو حاصل اعلیٰ تعلیم۔'' زرتاشہ کی روہانسی آواز اور روتی صورت باسل حیات کے تصور کے پردے پر لہرائی تو بے ساختہ ایک دلکش سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر در آئی اس زخمی لڑکے کی ٹکر سے وہ پکے فرش پر بڑے زور سے زمین بوس ہوئی تھی جس کی وجہ سے اس کے گھٹنوں میں اچھی خاصی چوٹ آئی تھی جبکہ ہتھیلیاں بھی چھل گئی تھیں۔ یونیورسٹی میں ہونے والے اچانک ہنگامے کی وجہ سے وہ باسل کے ہمراہ انتہائی بدحواس سی ہو کر بھاگی تھی جس کی بدولت اس کا پیر بھی بے ڈھب ہو کر کسی جگہ مڑا تھا اور نتیجتاً موچ آنے کے ساتھ ساتھ سوجن اور تکلیف نے اسے بے حال کر دیا تھا اس پل وہ اپنے بیڈ روم کے بستر پر سکون سے لیٹا تھا جب ہی وہ منظر پوری جزئیات سمیت اس کی نگاہوں کے سامنے چلنے لگا تھا۔

''آپ ہنس رہے ہیں اور یہاں میری اذیت سے جان نکل رہی ہے۔'' وہ باسل کو ہنستا دیکھ کر ناراض نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کافی برامان کر بولی تو باسل نے فی الفور اپنی ہنسی پر قابو پایا پھر قدرے جھک کر اس کے پیر کا معائنہ کرنے لگا پھر سر اٹھا کر سنجیدگی سے بولا۔

''میرے خیال میں اسے ڈاکٹر کو دکھانا چاہیے اور پھر آپ کے گھٹنوں پر بھی تو چوٹ آئی ہے۔'' باسل کی بات پر ایک بار پھر زرتاشہ کی آنکھوں میں آنسو در آئے۔

''اُف یہ لڑکی اتنا روتی کیوں ہے۔'' وہ دل ہی دل میں چڑ کر بولا جب ہی زرتاشہ کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

''آئی ایم سوری باسل صاحب..... آپ کو میری وجہ سے اتنی زحمت اٹھانا پڑی یہ اچانک اس ہنگامے کی وجہ سے ہوا.....'' آخری جملہ خود سے ادا کیا تھا پھر دوبارہ اسے مخاطب کر کے بولی۔

''آپ کو دیر ہو رہی ہوگی آپ پلیز جائیے میں زرمینہ کو کال کر کے بلا لیتی ہوں۔''

''مگر مس زرتاشہ آپ اس حالت میں ہاسٹل تک کیسے جائیں گی۔'' اب وہ اتنا بھی بے حس نہیں تھا کہ زرتاشہ کو ایسی زخمی حالت میں چھوڑ کر چلتا بنتا لہٰذا تھوڑا کنفیوژ سا ہو کر بولا۔

''ارے نہیں نہیں باسل صاحب آپ کا یہی احسان بہت ہے کہ آپ مجھے وہاں سے لے آئے ورنہ میں خوف کے مارے وہیں گر جاتی دراصل آج زرمینہ فلو اور بخار کی وجہ سے یونیورسٹی نہیں آئی تھی۔''

''کوئی بات نہیں مس زرتاشہ..... آپ یہیں ویٹ کیجیے میں گاڑی لے آتا ہوں پھر آپ کو ہاسٹل ڈراپ کر دوں گا۔''

''ارے نہیں باسل صاحب آپ پلیز جائیے میں زری کو فون کر کے بلا لیتی ہوں۔''

''مگر انہیں تو بخار ہے۔''

''اتنا زیادہ بھی نہیں ہے۔''

''اور ڈاکٹر کے پاس۔''

''وہ..... وہ میں اسی کے ساتھ چلی جاؤں گی۔''

''او کے ایز یو وش۔'' کہہ کر وہ وہاں سے چلتا بنا تھا مگر تقریباً پانچ منٹ کی مسافت طے کرنے کے بعد اسے اچانک

احساس ہوا کہ اسے زرتاشہ کو اس طرح زخمی حالت میں بے یارومددگار نہیں چھوڑ کر آنا چاہیے تھا اور ویسے بھی جہاں وہ بیٹھی تھی وہ کافی سنسان جگہ تھی جہاں دور تک جھاڑیاں ہی جھاڑیاں تھیں وہ الٹے پاؤں واپس آیا تو زرتاشہ صاحبہ زور و شور سے رونے میں مصروف تھیں۔

''کیا ہوا مس زرتاشہ؟'' وہ بے حد متفکر ہو کر بولا تھا زرتاشہ اچانک اس کی آواز سن کر بے حد زور سے اچھلی پھر شکوہ کناں لہجے میں گویا ہوئی۔

''آپ تو مجھے چھوڑ کر چلے گئے تھے۔''

''آپ ہی نے تو کہا تھا۔''

''مگر مجھے ڈر لگ رہا تھا۔''

''اب ڈرنے کی بات نہیں ہے میں آ گیا ہوں ناں۔''

''وہ...... وہ زری کی بچی فون ہی نہیں اٹھا رہی۔'' وہ اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں مسلتے ہوئے بولی۔

''اچھا آپ دس منٹ میرا ویٹ کریں میں گاڑی لے کر آتا ہوں پھر تقریباً بھاگنے کے انداز میں وہ تیز تیز چلتا گاڑی لایا اور مجبوراً زرتاشہ کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ کر گاڑی تک پہنچایا اور پھر ہسپتال جا کر اس کی مرہم پٹی کروا کر اور پین کلر لگوا کر اسے واپس ہاسٹل چھوڑا البتہ ہاسٹل واپسی پر وہ پین کلرز کی بدولت خود اپنے پیروں پر چل کر بے حد کنفیوژسی اس کا شکریہ ادا کر کے اندر چلی گئی تھی' باسل بہت دیر تک زرتاشہ کے بارے میں سوچتا رہا پھر نجانے کب وہ نیند کی پُرسکون وادیوں میں اتر گیا تھا۔

❁......❁......❁

فراز نے بزنس کے اہم امور تقریباً نمٹا لیے تھے اب وہ کچھ ہی دنوں میں لندن سے کوچ کرنے والا تھا مگر وہ یہاں سے اکیلا نہیں جا رہا تھا بلکہ ماریہ ایڈم بھی اس کے ساتھ پاکستان جا رہی تھی وہ جو آگے کرنے جا رہا تھا کافی خطرناک اور سنگین تھا اس نے ماریہ کو سختی سے تاکید کر دی تھی کہ وہ جذبات میں آ کر کسی کو بھی اپنے یہاں سے جانے کا اشارہ نہ دے کیوں کہ آج کل وہ بے حد چڑچڑی اور اپ سیٹ ہو رہی تھی وہ زیادہ تر وقت اب جیکولین کے آس پاس ہی گزار رہی تھی جبکہ جیکولین کے ساتھ ساتھ ابرام بھی اس کے اس طرز عمل پر کافی حیران تھا البتہ فراز دل ہی دل میں ابرام سے بے پناہ شرمندہ تھا وہ اسے اپنا حقیقی اور مخلص دوست سمجھتا تھا۔ فراز ابرام سے مخلص تو تھا مگر جس طرح اس نے اس کی بہن سے خفیہ نکاح کیا تھا اور اب اسے یوں چوری چھپے اپنے ملک لے کر جا رہا تھا وہ دوستی کے زمرے میں تو ہرگز نہیں آتا تھا۔

فراز اس وقت اپنے آفس میں بیٹھا تھا جب ہی ابرام اس کے پاس چلا آیا' فراز نے اس کا پرتپاک استقبال کیا۔

''تمہارے ہاتھ کی کافی پینے کا دل چاہ رہا تھا تو یہاں چلا آیا۔'' ابرام اپنے مخصوص دلکش انداز میں بولا تو فراز خوش دلی سے ہنس دیا۔

''شیور مائی فرینڈ کیوں نہیں آپ کو کافی ضرور پلائی جائے گی۔'' ابھی ابرام اس سے مزید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فراز کا فون بج اٹھا اسکرین پر ماریہ کا نام بلنک ہوتے دیکھ کر فراز ایک پل کے لیے سٹپٹا سا گیا اس نے فوراً سے پیشتر کال کو ریجیکٹ کیا پھر خوامخواہ ابرام کو دیکھ کر ہنستے ہوئے بولا۔

''ابرام کیا خیال ہے باہر کسی اچھی سی جگہ جا کر لنچ نہ کر لیں ویسے بھی کچھ دیر میں لنچ ٹائم ہونے والا ہے۔'' فراز کی بات پر ابرام نے اپنے ہاتھ میں بندھی گھڑی کی طرف دیکھ کر قدرے اچنبھے سے کہا۔

''گیارہ بجے لنچ ٹائم۔'' نجانے کیوں یہاں بیٹھ کر اسے گھبراہٹ سی ہو رہی تھی لہٰذا وہ فوراً سے پیشتر بولا۔

''او میرے یار ابھی نہیں تو ایک دو گھنٹے بعد لنچ ٹائم ہو جائے گا' بس ہم چلتے ہیں۔'' فراز کے پُر زور اصرار پر ابرام کندھے اچکا کر بولا۔

''او کے ایز یو وش۔'' اور پھر جب وہ دونوں لفٹ میں داخل ہوئے تو چند ہی لمحوں بعد بغلی لفٹ کا دروازہ وا ہوا اور اس میں سے ماریہ باہر آئی اس پل اس کا رخ فراز کے روم کی جانب تھا۔

❁......❁......❁

اعظم خان شیرازی کو سونیا اور کامیش کے درمیان ناچاقی کی خبر ہو گئی تھی سونیا کے یہاں مستقل قیام اور کامیش کے یہاں نہ آنے کی بدولت انہیں کسی گڑبڑ کا احساس ہوا تھا پھر سارہ بیگم سے کڑے تیوروں سے استفسار کرنے پر انہوں نے بے حد ہلکے پھلکے انداز میں میاں بیوی کے درمیان معمولی سی نوعیت کی نوک جھونک ظاہر کی تھی جس پر انہوں نے بے مغرورانہ انداز میں کہا تھا۔

''سارا بیگم میری بیٹی کو کوئی رشتوں کی کمی نہیں ہے اگر کامیش کے دماغ اتنے ہی خراب ہیں تو میں سونیا کو اس گھر میں نہیں بھیجوں گا بلکہ میں خود ساحرہ اور ممیر سے بات کرتا ہوں۔ میری بیٹی کسی معمولی باپ کی اولاد نہیں ہے کہ جس کے ساتھ کوئی بھی چاہے زیادتی کر ڈالے۔'' یہ سن کر سارا بیگم کے تو جیسے ہاتھ پاؤں ہی پھول گئے انہوں نے بڑی مشکلوں سے اپنے شوہر نامدار کو ٹھنڈا کیا تھا۔

''یہ میٹر جلد سے جلد حل کر لیجیے' سارا بیگم ورنہ میں صرف فیصلہ ہی کروں گا۔'' انہوں نے رعونت بھرے انداز میں کہا تھا سارا بیگم نے تمام بات سونیا کے گوش گزار کی تو وہ کچھ دیر کے لیے سوچ میں پڑ گئی پھر دھیرے سے بولی۔

''آپ فکر مت کیجیے میں ڈیڈ سے خود بات کر لوں گی۔'' پھر سونیا بہت دیر تک اسی حوالے سے سوچتی رہی۔

❁......❁......❁

شام کے دھندلکے گہرے پڑ کر رات کی سیاہی میں تبدیل ہو چکے تھے' وادی میں رات کے اترتے ہی ٹھنڈ اور خنکی میں بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ بٹو دزدیدہ نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے بہت محتاط انداز میں اپنے گھر کی جانب رواں دواں تھا۔ اس سے رہا نہیں گیا تھا وہ باجی مہرو اور لالہ رخ سے ملنے کو بے چین تھا لہٰذا آج وہ اپنے گھر سے نکل کھڑا ہوا تھا ابھی وہ ذیلی سڑک کو عبور کرنے ہی والا تھا کہ یک دم نجانے کہاں سے کسی بلا کی طرح داور کی جیپ کی ہیڈ لائٹس اس کے وجود پر پڑی ساتھ ہی جیپ کی گھڑ گھڑ کی آواز بھی فضا میں گونج اٹھی جبکہ بے چارے بٹو کا تو دل اچھل کر حلق میں آ گیا اتنی ٹھنڈ کے باوجود اس کا وجود بڑی تیزی سے پسینے میں نم ہو گیا۔ جیپ اب بالکل اس کے قریب آ کر رک گئی تھی' داور ڈرائیور کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بڑے کروفر سے بیٹھا تھا' بٹو اسے دیکھ کر کھسیا کر بولا۔

''سلام چھوٹے صاحب......'' اس پل اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتے اور بٹو کو بے حد معنی خیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے داور بٹو کو بے حد خوفناک لگا۔

''اور بھئی بٹو کہاں چھپ کر بیٹھ گئے تھے' ہم سے آنکھ مچولی کھیل رہے تھے کیا؟'' داور کے بے حد کٹیلے انداز نے بٹو کو اندر سے سہما کر رکھ دیا تھا۔

''مم...... میں کیوں چھپوں گا آپ سے؟ یہ...... یہیں تو تھا میں۔'' وہ تھوک نگلتے ہوئے خوامخواہ میں ہنستے ہوئے بولا۔

''اچھا تو پھر تین دن سے کہاں غائب تھا تو؟'' داور اسے ہنوز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا تو بٹو جو خود کو داور کے سامنے بالکل نارمل رکھنے کی کوششوں میں ہلکان ہو رہا تھا اس لمحے بے اختیار ہڑبڑا کر رہ گیا۔

''وہ.....وہ.....وہ..... میں چھوٹے صاحب..... اپنے گھر پر ہی تھا۔''
''ہاں تو میں یہی تو تجھ سے پوچھ رہا ہوں کہ بھلا کیوں چھپ کر گھر میں بیٹھ گیا تھا۔'' اسی دم یخ بستہ ہوا کا جھونکا اس کے وجود سے ٹکرایا تو وہ کپکپا کر رہ گیا۔ داور نے اسے استہزائیہ نظروں سے اوپر سے نیچے دیکھ کر اپنے مخصوص رعونت بھرے لہجے میں کہا۔
''آج تو تجھے کچھ زیادہ ہی سردی لگ رہی ہے۔'' پھر وہ قہقہہ مار کر ہنسا تو ساتھ بیٹھے ڈرائیور نے بھی داور کی ہنسی کا ساتھ دیا۔ بنو نے انہیں بے بس نگاہوں سے دیکھا پھر منمنا کر بولا۔
''وہ میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو اسی لیے گھر پر تھا۔'' بنو کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کہیں سے جادو کی چھڑی اس کے ہاتھ لگ جائے اور وہ اسے گھما کر لمحے کے ہزارویں حصے میں غائب ہو جائے۔
''کل سویرے ڈیرے پر آ جانا' کچھ کام ہے تجھ سے۔'' داور حکم صادر کر کے چلتا بنا تھا کچھ دیر بنو عجیب سی کیفیت میں کھڑا جیپ کو جاتا دیکھتا رہا پھر تھکا تھکا اپنے گھر کی جانب چل دیا۔

❁.....❁.....❁

موسم حسین ہے لیکن تم سا حسین نہیں ہے
اے میرے ہم قدم اے میرے ہم نشیں ہم نشیں

عدیل زور و شور سے اپنی بھونڈی آواز میں گانا گا رہا تھا جبکہ احمر اسے کھا جانے والی نگاہوں سے گھور رہا تھا عدیل اپنا سر الاپ کر کچھ دیر کے لیے ٹھہرا تو احمر انتہائی چڑ کر بولا۔
''عدیل تم اپنا یہ بھونپو بند نہیں کر سکتے' یہ آج تمہیں گانا گانے کا کیا شوق چرا گیا ہے سکون سے نہیں بیٹھ سکتے تم۔'' عدیل احمر اور باسل کلاس لے کر اپنے ڈیپارٹمنٹ کے گارڈن میں آ کر بیٹھ گئے تھے' احمر اور باسل کتابوں پر جھکے ہوئے تھے جبکہ عدیل ادھر اُدھر نگاہیں گھماتے ہوئے شغل فرما رہا تھا۔
''یار ایک تو تم دونوں انتہائی درجے کے بور انسان ہو اتنے سہانے موسم میں تم کتابوں میں منہ ڈالے بیٹھے ہو۔'' عدیل گھاس میں لیٹتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں پھنساتے ہوئے اپنے سر کی پشت پر رکھتے بولا تو احمر کافی تپ کر گویا ہوا۔
''تمہیں موسم سہانا کہاں سے لگ رہا ہے؟'' اس وقت دن کے بارہ بج رہے تھے گو کہ موسم میں کافی تبدیلی آ گئی تھی ہلکی پھلکی ٹھنڈ شام ڈھلے ہو جاتی تھی مگر دن میں اچھی خاصی تیز دھوپ ہوتی تھی۔ وہ تینوں گارڈن کے ایک جانب قطار در قطار لگے سرو قد درختوں کے سائے میں بیٹھے تھے۔
''ارے میرے جگر جب دل کا موسم اچھا ہوتا ہے تو ہر موسم اچھا لگتا ہے اور تیرے بھائی کے دل کا موسم بہت اچھا ہے۔'' باسل ہنوز کتاب بینی میں مصروف رہا جبکہ عدیل کی بات پر احمر نے متعجبانہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔
''خیر تو ہے ناں یہ تیرے دل کا موسم کس خوشی میں اچھا ہے۔'' احمر کی بات پر عدیل نے بے زاری سے اسے دیکھ کر کہا۔
''یہ تو ایک منٹ میں شکی بیوی کیوں بن جاتا ہے' کیوں بغیر کسی وجہ کے دل کا موسم اچھا نہیں ہو سکتا کیا؟'' احمر نے اسے لحظہ بھر دیکھا پھر سر جھٹک کر کتاب پر جھک گیا جبکہ عدیل ریلیکس انداز میں لیٹا سیٹی پر کوئی شوخ سی دھن بجانے لگا پھر کچھ دیر بعد وہ انتہائی غیر متوقع طور پر بولا۔
''گائز کیا خیال ہے جامعہ کراچی چلیں۔'' باسل اور احمر جو دونوں بڑے مگن سے انداز میں کتابوں میں سر ڈالے

بیٹھے تھے دونوں نے ہی بڑی سرعت سے ایک ساتھ ہی سر اٹھا کر عدیل کو دیکھا تھا جو مزے سے اب چیونگم کا ریپر کھول کر چیونگم منہ میں رکھ رہا تھا۔ احمر نے کچھ دیر اسے تادیبی نظروں سے دیکھا پھر فہمائشی انداز میں بولا۔

''کیوں یہ اچانک تمہیں وہاں جانے کا خیال کیسے آ گیا؟'' باسل بھی کتاب چھوڑ چھاڑ کر اسے دیکھنے لگا تھا جب ہی وہ سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''ارے بابا میں نے سنا ہے وہاں ونٹر کیمپ لگا ہے سردی کو خوش آمدید کہنے کے لیے انہوں نے میلہ لگایا ہے جو کافی انٹرسٹنگ ہے۔ گائز چلتے ہیں ناں وہاں میلہ بھی انجوائے کریں گے اور......'' عدیل قدرے رکا پھر شوخی سے احمر کو دیکھ کر بولا۔

''اور زرینہ بی بی سے بھی مل لیں گے۔'' زرینہ کے نام پر احمر کا دل عجیب سے انداز میں دھڑکا تھا جبکہ اس تمام وقت میں باسل نے پہلی بار لب کشائی کی۔

''ہماری یونیورسٹی میں کچھ کم ایکٹیوٹیز تو نہیں ہوتیں کہ ہم دوسری یونیورسٹیوں میں چلے جائیں۔''

''ارے یار وہاں کچھ نیا پن ہوتا ہے نئے چہرے نئی باتیں ہوتی ہیں پھر وہاں زرینہ خاتون بھی تو ہوتی ہیں اور ان کے ساتھ وہ سہمی ہوئی لڑکی...... کیا نام تھا اس کا؟'' عدیل باسل سے مخاطب ہو کر بولتے ہوئے اچانک رک کر اپنے ذہن پر زور ڈالتے ہوئے نام یاد کرنے لگا پھر تیزی سے اچھل کر بولا۔

''ہاں زرتاشہ...... زرتاشہ نام ہے ناں اس کا۔'' وہ نام یاد آنے پر خوش سا ہوا جبکہ باسل نے خوامخواہ ہی رخ دوسری جانب کرلیا۔

''ویسے احمر وہ لڑکی زرتاشہ کتنی پینڈو اور بونگی سی ہے ناں چڑیا کے بچے کی طرح ہر وقت بس خوف زدہ سی دکھائی دیتی ہے۔ ویسے یہ بھی ایک تکنیک ہوتی ہے لڑکوں کی توجہ حاصل کرنے کی۔'' عدیل بے پروائی سے بول رہا تھا جبکہ باسل کے اندر عجیب سے احساسات جنم لے رہے تھے تب ہی احمر کی آواز ابھری۔

''عدیل تم ہر لڑکی کو ایک ہی عینک سے کیوں دیکھتے ہو زرتاشہ ہرگز بھی ایسی لڑکی نہیں ہے وہ تو بہت بھولی بھالی اور معصوم سی لڑکی ہے جو صرف پڑھائی کی غرض سے یہاں کراچی آئی ہے۔'' زرینہ اور زرتاشہ کے متعلق مہوش نے ہی احمر کو تمام معلومات فراہم کی تھیں۔

''ارے جاؤ معصوم اور بھولی بھالی لڑکی۔'' عدیل نے جیسے مکھی اڑائی پھر دوبارہ گویا ہوا۔

''نیلم زمان یاد نہیں رہی کیا تمہیں؟ مجھے تو یہ محترمہ بالکل دوسری نیلم زمان لگتی ہیں۔''

''عدیل ناؤ پلیز لیو دس ٹاپک' یہ کیا تم ہر وقت لڑکیوں کا ہی ذکر کرتے رہتے ہو۔'' باسل انتہائی ناگوار لہجے میں سخت گیر انداز میں بولا پھر احمر کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''احمر سر محسن کا لیکچر تم نے نوٹ تو کیا ہے ناں۔'' عدیل نے باری باری احمر اور باسل کو دیکھا جو اب لیکچر کو ڈسکس کر رہے تھے پھر وہ بلند آواز میں خود سے بولا۔

''اُف میں کن بدذوق لوگوں میں پھنس گیا ہوں۔'' پھر وہ دوبارہ سابقہ پوزیشن میں لیٹ کر سیٹی بجانے لگا۔

۞......۞......۞
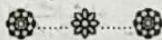
مہرو سو چکی تھی لالہ رخ نے اس پر ایک پُرسوچ نگاہ ڈالی پھر اپنے وجود سے آہستگی سے کمبل ہٹا کر بستر سے اتر گئی اس کا رخ امی کے کمرے کی جانب تھا اس کی توقع کے مطابق امی ابھی بھی جاگ رہی تھیں۔ لالہ رخ ایک ہی لمحے میں امی کے چہرے پر کھچی تفکرات کی لکیریں اور اضمحلال کے جھلکتے رنگوں کو بھانپ گئی تھی وہ ایک گہری سانس بھر کر رہ گئی پھر

آہستگی سے چلتی ہوئی امی کے بستر کی پائنتی پرآ کر بیٹھ گئی جبکہ اسی دم امی نے اسے اپنے دھیان سے چونک کر دیکھا۔وہ کل شام سے دیکھ رہی تھی کہ جب سے مہرو نے وہ بات چھیڑی تھی اس کے بعد سے امی بالکل خاموش ہوگئی تھیں۔مہرو نے بھی کل کے بعد دوبارہ ان سے کچھ نہیں پوچھا تھا۔

''کیا ہوا امی آپ کو نیند نہیں آرہی کیا؟'' لالہ رخ نرمی سے استفسار کرتے ہوئے بولی تو امی نے چند ثانیے اسے دیکھا پھر ایک تھکی سی سانس فضاء کے سپرد کرتے ہوئے بولیں۔

''ہاں بس سونے ہی والی تھی۔'' چند ثانیے کے لیے کمرے میں گہری خاموشی چھائی جب ہی کچھ دیر بعد لالہ رخ سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

''امی کیا مہرو سے اب بھی سچائی چھپانا درست ہوگا۔'' انہوں نے بے پناہ چونک کر اپنی بیٹی کو دیکھا جو مزید کہہ رہی تھی۔

''مہرو بچی نہیں ہے وہ بہت سمجھدار اور حساس لڑکی ہے آج وہ جس مقام پر کھڑی ہے وہاں رشتوں میں بدگمانی اور غلط فہمی ہے اسے ہمیشہ کے لیے ہر رشتے سے بدظن اور بے زار کرسکتی ہے۔میرے خیال میں سچائی جاننا اس کا حق ہے اور مجھے اس بات کا بھی پورا یقین ہے کہ وہ ہر حقیقت کو بہادری اور حوصلہ مندی سے برداشت کرے گی اور پھر ہم دونوں بھی تو اس کے ساتھ ہیں ناں۔'' لالہ رخ کی بات پر یک دم ان کے دل کے آنگن میں بے قراری و بے چینی کے پنچھی آ کر بیٹھ گئے وہ بے ساختہ اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں مسلنے لگیں۔

''آدھا سچ پورے جھوٹ سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے امی اور مہرو آدھا سچ جان کر جس کرب اور اذیت کے سمندر سے گزر رہی ہے۔اس کا اندازہ شاید ہم دونوں کبھی نہ لگا سکیں آپ پلیز اسے سب سچ سچ بتادیجیے ہم دونوں ہیں ناں ہم اپنی مہرو کو بکھرنے نہیں دیں گے اسے سنبھال لیں گے۔'' آخری جملہ اس نے امی کے دونوں ہاتھوں کو تھام کر ادا کیا تھا' امی نے لحظہ بھر کر اسے دیکھا پھر ایک گہرا سانس کھینچ کر گویا ہوئیں۔

''شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو لالہ...... آدھا سچ پورے جھوٹ سے کہیں زیادہ زہر قاتل ہوتا ہے اب وہ حرماں نصیب تو ہی نہیں جس نے مجھے قسم دے کر کسی کو بھی کچھ بھی بتانے سے باز رکھا تھا ہاں شاید وہ قسم بھی اس کے ساتھ ہی ختم ہوگئی۔'' آخر میں انتہائی گلوگیر لہجے میں بولتی امی کی آنکھیں اس دم آنسوؤں سے لبالب بھر گئیں۔لالہ رخ نے چند ثانیے خاموشی سے انہیں دیکھا پھر جلدی سے بولی۔

''اچھا اب آپ اور کچھ مت سوچیے آرام سے لیٹ کر بس سو جایئے۔'' پھر وہ انہیں بستر پر لٹا کر ان کے اوپر لحاف ڈال کر وہاں سے نکل آئی۔

❁......❁......❁
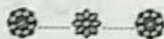
کمال ہے یار...... کمال ہے۔''

''کمال نہیں ہے جمال ہے سر جمال کی کلاس ہے ابھی۔'' زرمینہ کے اس جملے پر وہ تپ کر بولی اس دن جب وہ باسل کے ہمراہ ڈاکٹر سے ڈریسنگ کروا کر ہاسٹل انتہائی طیش کے عالم میں زرمینہ کلاس لینے کی غرض سے آئی تو گیسٹ روم میں زرمینہ کو کسی لمبے چوڑے بندے کے ساتھ بیٹھے دیکھا۔

''ارے تاشو...... تم آگئیں آج کچھ دیر نہیں ہوگئی تمہیں اور تمہارے پاؤں میں یہ پٹی کیوں بندھی ہے۔'' اللہ رے یہ بے خبری زرتاشہ نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا گویا اسے یونیورسٹی کے ہنگامے کی بابت کوئی خبر ہی نہیں تھی۔

''زری میں تمہیں کتنا فون کر رہی تھی، تم نے فون کیوں نہیں اٹھایا میرا۔'' زرتاشہ انتہائی غصیلے انداز میں بولی زرینہ نے ایک پل اسے الجھ کر دیکھا پھر تیزی سے بولی۔

''یار میں میڈیسنز لے کر بہت گہری نیند سوگئی تھی اور فون سائلنٹ پر تھا ابھی ایک گھنٹہ پہلے ہی تو وارڈن کے دروازہ بجانے پر اٹھی۔

''ہوں...... اور فون میں نے تو دیکھا نہیں ہے۔'' پھر وہ تیزی سے رخ موڑ کر دوبارہ گویا ہوئی۔

''یہ میرے بڑے بھائی ہیں اور بھابیاں یہ میری سہیلی زرتاشہ ہے۔'' زرینہ کے تعارف پر وہ پل بھر کے لیے گھبرائی تھی پھر انہیں سلام کر کے زری کی طرف متوجہ ہوئی جو تشکرانہ انداز میں استفسار کر رہی تھی۔

''تاشو تم نے بتایا نہیں کہ تمہارے پیر میں چوٹ کیسے آئی اور یہ ہاتھ......'' اب اس کی نگاہ اس کی ہتھیلیوں پر پڑی جس پر معمولی خراشوں کے نشان تھے جو پتھریلی زمین کی وجہ سے لگے تھے۔

''وہ دراصل ڈیپارٹمنٹ میں اچانک کلیش ہوگیا تھا تو میں بدحواسی میں گرگئی تھی۔'' وہ سہولت سے بولی۔

''او مائی گاڈ مگر مجھے تو کسی نے بھی نہیں بتایا مگر ہاں میری تو ابھی کسی لڑکی سے ملاقات ہی کہاں ہوئی ہے میں تو پچھلے ایک گھنٹے سے بھابیان کے ساتھ بیٹھی تھی، تم ٹھیک تو ہوناں۔'' پریشانی وفکر اس پل زرینہ کے چہرے سے ہویدا تھی زرتاشہ کو یک دم اپنی اس مہربان پیاری سی دوست پر ڈھیروں پیار آ گیا تھا۔

''ہاں میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔'' وہ مسکرا کر بولی پھر زرینہ صاحبہ اپنے بھائی کے ہمراہ ایک ہفتے کے لیے اپنے گھر چلی گئی تھیں کیوں کہ ان کی آنی کی اچانک شادی طے پاگئی تھی اور اسی وجہ سے زرینہ کے بھائی اسے لینے آ پہنچے تھے۔ وہ زرتاشہ کو اس حالت میں چھوڑ کر جانے سے بے چین سی ہورہی تھی مگر زرتاشہ نے اسے اپنی طرف سے اطمینان دلا کر۔ رات کو فراغت ملی تو زرتاشہ نے اس دن یونیورسٹی میں ہونے والا تمام قصہ زرینہ کے گوش گزار کردیا تھا زرینہ تو پوری آنکھیں کھولے اور منہ پھاڑے انتہائی اچنبھے سے تمام کتھا سن رہی تھی پھر اس وقت سے اب تک وہ ہزار ہا مرتبہ حیرت واستعجاب کا اظہار کر چکی تھی۔

''یار ویسے یہ تو بڑی افسانوی سی سچوئشن تھی باسل تمہیں وہاں سے لے کر بھاگا اور تم......''

''افوہ زری اللہ کے واسطے خاموش ہوجاؤ، تمہیں تو کچھ بھی بتانا آ بیل مجھے مار کے مترادف ہے۔'' زرتاشہ زرینہ کی بات درمیان میں ہی کاٹتے ہوئے بے زارکن لہجے میں بولی مگر زرینہ پر تو جیسے کوئی اثر ہی نہیں ہوا تھا۔

''باسل نے خود تمہیں سہارا دے کر گاڑی میں بٹھایا تھا۔'' زرتاشہ نے اس لمحے زرینہ کو انتہائی غصے سے دیکھا پھر بے پناہ جھنجھلا کر بولی۔

''زری تم اس بات کا پیچھا کیوں نہیں چھوڑ دیتیں یار...... کل سے تم نے یہی باتیں کر کر کے میرا دماغ پکا دیا ہے۔'' زرتاشہ کو مکمل ہتھے سے اکھڑتا دیکھ کر زرینہ جلدی سے گویا ہوئی۔

''اچھا بابا اب کچھ نہیں بولتی آؤ کلاس کا ٹائم ہورہا ہے۔'' پھر وہ دونوں کلاس روم کی جانب بڑھ گئیں۔

❁......❁......❁

ڈنر ٹیبل پر باسل، خاور حیات اور حورین تینوں خوش گپیوں میں مصروف تھے جب ہی خاور حیات اپنی پلیٹ میں چکن جلفریزی کی تھوڑی سی مقدار نکالتے ہوئے بولا۔

''باسل میں یہ سوچ رہا ہوں کہ ہم تینوں آؤٹنگ پر شہر سے باہر چلتے ہیں۔'' چاول سے بھرا چمچ منہ کی جانب لے جاتے ہوئے باسل نے اپنے باپ کو چونک کر دیکھا اتنا اچانک شہر سے باہر جانے کا پروگرام سن کر باسل کچھ کھٹک سا گیا

تھا جبکہ حورین کھانا چھوڑ چھاڑ کر خاور کو الجھن آمیز نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ نجانے کیوں خاور کا پژمردہ سن کر اس کے اندر عجیب سی وحشت کے سائے اتر آئے تھے جبکہ خاور حیات ڈاکٹر اقبال محبوب کے کہنے پر ہی حورین کو سیاحتی مقامات پر لے جانا چاہتا تا کہ وہاں جا کر اس کا ذہن کچھ فریش ہو اور خالص آب و ہوا سے بھی فیض یاب ہو جائے۔ چند ثانیے بعد باسل حیات از خود سمجھ گیا کہ خاور حیات نے یہ بات کسی خاص مقصد کے تحت ہی کی ہے جب ہی بڑی خوش گواری سے گویا ہوا۔

''ناٹ آ بیڈ آئیڈیا ڈیڈ ویسے تو میں کچھ ہی عرصہ پہلے گھوم پھر کر آیا ہوں مگر آپ لوگوں کے ساتھ جانے کا تو الگ ہی مزہ ہے آئی ایم ریڈی ڈیڈ۔'' باسل کی بات پر خاور مسکرا کر اثبات میں سر ہلا کر بولا۔

''ڈیٹس گڈ مائی سن۔'' پھر حورین کی جانب متوجہ ہو کر بولا۔

''اچھا تم بتاؤ حورین، ہم کہاں جائیں' کیا خیال ہے کشمیر کی طرف نہ نکل چلیں۔'' حورین نے اس پل اسے بے حد اجنبی نگاہوں سے دیکھا پھر عجیب سے انداز میں خود سے سرگوشی کرتے ہوئے بولی۔

''مجھے کہیں نہیں، کہیں نہیں جانا۔'' باسل اور خاور نے بے پناہ پریشان ہو کر ایک دوسرے کو دیکھا پھر دوسرے ہی لمحے حورین کی جانب متوجہ ہوئے جس کا چہرہ اس وقت ہلدی کی مانند زرد ہو گیا تھا جبکہ ہونٹوں پر کپکپاہٹ بھی بالکل واضح تھی۔

''اٹس او کے مام...... ہم کہیں نہیں جا رہے۔'' باسل نے حورین کے میز پر دھرے ہاتھ پر اپنا ہاتھ سہولت سے رکھا تو جیسے اسے ہزار والٹ کا کرنٹ لگا' وہ اتنی زور سے اچھلی کہ باسل اور خاور متحیر رہ گئے۔

''مجھے کہیں نہیں جانا...... کہیں نہیں جانا سمجھے' کہیں نہیں جانا۔'' وہ آخر میں حلق کے بل چلا کر بولی پھر کرسی سے اٹھ کر پوری طاقت سے چلا چلا کر کہنے لگی۔

''مجھے کہیں نہیں جانا' تم لوگ کیوں میرے ساتھ زبردستی کرتے ہو۔ مجھے جینے کیوں نہیں دیتے' چھوڑ دو مجھے میرے حال پر۔''

آج سے پہلے حورین نے اس طرح کے ردعمل کا اظہار تو کبھی نہیں کیا تھا خاور حیات بری طرح گھبرا گیا جبکہ باسل کو تو اس لمحے اپنے پیروں تلے زمین سرکتی ہوئی محسوس ہوئی۔

''ریلیکس حورین پلیز کول ڈاؤن' ہم کہیں نہیں جا رہے۔'' مگر حورین تو جیسے اپنے حواسوں میں تھی ہی نہیں وہ پیچھے سرکتے ہوئے بس ایک ہی جملے کی تکرار کیے جا رہی تھی۔

''مجھے نہیں جانا۔'' پھر یونہی پیچھے سرکتے ہوئے وہ تیورا کر گرنے ہی والی تھی کہ اسی پل باسل اور خاور تیزی سے حورین کی جانب دوڑے تھے۔

ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ

دسمبر سحر ہے جاناں

مونا شاہ قریشی

دسمبر کی سرد کہر زدہ رات میں ٹھٹھرتی وہ بے حس بنی بیٹھی تھی۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اس کے وجود سے لپٹ کر اسے کپکپانے پر مجبور کررہے تھے مگر وہ ڈھیٹ بنی مثل مورت اپنی جگہ پر قابض تھی۔ آہستہ آہستہ طویل ہوتی رات سردی کی شدت میں اضافہ کررہی تھی۔ شاہ میر نے پردے کھسکا کر ذرا سا باہر جھانکا تو سیاہ شال میں لپٹا وجود اسے چونکا گیا۔ وہ بھاگ کر لان میں آیا تو یخ بستہ ہوا کے تازہ جھونکوں نے اس کا بھرپور استقبال کیا۔ اس نے خائف سی نگاہ اس بے نیاز وجود پر ڈالی اور اس کا بازو تھام کر اسے اٹھانے کی کوشش کرنے لگا۔ لب بھینچے وہ سردی روکنے کی ناکام کوشش میں مستغرق یک دم اس افتاد پر بوکھلا گئی۔ اس کے ڈھیلے پڑتے وجود نے شاہ میر کے لیے آسانی پیدا کردی' ایک جھٹکے سے اس کے نازک بازو پر گرفت مضبوط کی اور کھینچتا ہوا اس کے کمرے میں لے آیا۔

''آپ کو پرابلم کیا ہے؟ آدھی رات کو بھٹکی ہوئی روح کی طرح لان میں پائی جاتی ہیں اور اس پر مستزاد ٹھنڈ بھی نہیں لگتی آپ کو۔ کمال ہے کس مٹی کی بنی ہیں آپ' کچھ اثر ہی نہیں کرتا آپ پر۔'' اس کا بازو چھوڑتے وہ خفگی سے بولا۔

''پرابلم مجھے نہیں بلکہ تمہیں ہے' جینے کیوں نہیں دیتے مجھے سکون سے۔ میں کیا کرتی ہوں اور کیا نہیں' مجھے سردی لگتی ہے یا گرمی' یہ تمہارا دردسر نہیں۔ میری جاسوسی مت کیا کرو۔'' وہ چیخ پڑی۔

''میرا ہی تو دردسر ہے ڈیئر وائف آفٹر آل شوہر ہوں آپ کا۔'' وہ ریلیکس انداز میں بولا تو شاہ تاج کو پتنگے لگ گئے۔

''یہ بار بار مجھے جتایا نہ کرو کہ تم میرے شوہر ہو' بلاوجہ کا حق نہ جتایا کرو میں نہیں سمجھتی تمہیں اپنا شوہر۔''

''آپ کے سمجھنے یا نہ سمجھنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا جو رشتہ آپ کا اور میرا ہے اسے کوئی نہیں بدل سکتا اور نہ ہی اس سے انکار کرسکتا ہے اس لیے آپ کا انکار بلاجواز ہے۔'' وہ سنجیدگی سے اسے بغور دیکھتے ہوئے بولا۔ سردی کی وجہ سے اس کی ناک اور گال سرخ ہورہے تھے' اس سرخ وسفید حسن سے نگاہ چراتے اس نے پلٹ کر ہیٹر آن کیا اور کمرے سے باہر نکل گیا' شاہ تاج محض سر جھٹک کر رہ گئی۔

❀ ❀ ❀

پوری حویلی میں جشن کا سا سماں تھا' ملازمین میں بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔ میوے' مٹھائی کے تھال سجائے جارہے تھے وہ حیرانی سے چادر درست کرتی پچھاروے سے باہر نکلی۔

''ماں صدقے جائے' میری دھی رانی آئی ہے۔'' اسے گاڑی سے اترتا دیکھ کر وہ لپک کر اس کے پاس آئیں۔

''السلام علیکم! بڑی امی۔''

''وعلیکم السلام! جیتی رہو۔'' محبت سے اس کی پیشانی پر بوسہ دیتے وہ بولیں اور ملازمین کو سامان رکھنے کا کہہ کر اسے لیے اندر آگئیں۔ چھوٹی امی اور پھوپو سے سلام اور پیار لینے کے بعد وہ وہیں بیٹھ گئی۔

''کتنے دنوں کے لیے آئی ہو تاج بیٹا؟'' امی نے پوچھا۔

''بس کچھ روز کے لیے آئی ہوں سمسٹر ختم ہونے والا ہے' ایگزامز قریب ہیں۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

''اچھا...... اچھا' ماشاء اللہ...... اللہ کامیاب کرے' آمین۔''

''بابا سائیں کہاں ہیں بڑی امی؟'' وہ اپنی ماں کو شروع سے ہی بڑی امی اور چچی کو چھوٹی امی کہا کرتی تھی۔

''وہ مردان خانے میں ہیں' مہمان آجارہے ہیں وہیں مصروف ہیں۔ تم آرام کرلو کچھ دیر' پھر مل لینا اور شاہ میر کو مبارک باد بھی دے دینا۔'' وہ سر ہلا کر اپنے کمرے میں آگئی۔ کپڑے نکال کر فریش ہونے کے بعد وہ سامان الماری میں سیٹ کررہی تھی کہ دروازہ ناک ہوا۔

"آ جاؤ۔" مصروف سے انداز میں اس نے کہا۔

"السلام علیکم!" اندر داخل ہوتے ہی شاہ میر نے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام! کیسے ہو شاہ میر؟" مسکرا کر جواب دیتے اس نے ہینگر الماری میں رکھا اور اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

"بہت بہت مبارک ہو بہت اچھے نمبر لیے ہیں تم نے دل خوش کردیا۔" بدلے میں وہ مسکرایا۔

"آپ نے چیلنج جو دیا تھا پھر کیسے ممکن تھا میں اسے پورا نہ کرتا۔" اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

"یہ تو ہے ہمارا ریکارڈ توڑ دیا تم نے تین نمبر زیادہ لے کر۔" وہ ہنسی۔

"آپ یونیورسٹی سے کب فارغ ہورہی ہیں؟"

"یہی تقریباً ایک سال بعد' سمسٹر اسٹارٹ ہیں نیکسٹ منتھ سے۔" وہ بولی۔

"تو اس کا مطلب پھر تو آپ رکیں گی نہیں۔" وہ مایوسی سے بولا۔

"نہیں' کیوں کوئی کام تھا کیا؟"

"نہیں کچھ خاص نہیں۔ اچھا میں چلتا ہوں اب۔" وہ اچانک اٹھ کھڑا ہوا۔

"ایک منٹ رکو۔" وہ الماری میں سے کچھ گفٹ اٹھا لائی۔ "یہ تمہارے لیے میں نے گفٹ لیے تھے۔"

"او...... تھینک یو سوچ۔ کیا ہے اس میں؟" اس نے اشتیاق سے کہا۔

"کچھ بکس ہیں اور تمہارا فیورٹ پرفیوم بھی ہے۔"

"تھینکس اگین۔"

"مینشن ناٹ' بس اب اس ریکارڈ کو برقرار رکھنا ہے تم نے۔ آٹھویں کا بورڈ اتنا ٹف نہیں مگر نائنتھ کلاس مشکل ضرور ہے اس سے بھی ڈبل محنت کرنی ہے تم نے اور 90 پلس مارکس لینے ہیں۔" وہ اسے ہدایت دے رہی تھی۔

''اوکے ان شاء اللہ اب میں جاؤں۔'' اس نے اجازت چاہی تو شاہ تاج نے سر ہلا دیا۔

وہ ایم فل کی اسٹوڈنٹ تھی' اپنی پڑھائی کی وجہ سے سالوں سے ہاسٹل میں قیام پذیر تھی۔ حویلی میں ہونے والی تقاریب اور تہوار وغیرہ میں بہت کم وقت کے لیے شرکت کرتی تھی۔ اب بھی بڑی امی نے کال کر کے اسے شاہ میر کے رزلٹ کا بتایا تھا' تو وہ بمشکل تین چھٹیاں لے کر آئی تھی۔ شام کو سو کر اٹھی تو ایک نئی اطلاع اس کی منتظر تھی۔

''اٹھ گئی ہو تاج؟'' بڑی امی نے کمرے میں آ کر پوچھا۔

''جی۔'' وہ بالوں کو جوڑے کی شکل میں سمیٹ رہی تھی۔

''وہ دراصل تمہیں بابا سائیں بلا رہے ہیں۔'' وہ ہچکچا کر بولیں۔

''بڑی امی سب ٹھیک تو ہے ناں' پریشان کیوں ہیں؟'' وہ ان کی شکل دیکھنے لگی۔

''تمہارے بابا سائیں چاہتے ہیں کہ تمہاری واپس جانے سے پہلے تمہارا نکاح کر دیں۔'' انہوں نے اٹک اٹک کر بتایا۔ شاہ تاج ورطۂ حیرت میں ڈوب گئی۔

''نکاح..... لیکن کس کے ساتھ؟'' وہ گومگو کیفیت میں بولی۔

''شاہ..... شاہ میر کے ساتھ۔'' اس کی سماعتوں پر بم پھٹا' اسے لگا تھا اس کے وجود کی دھجیاں بکھر گئی ہوں۔ کافی دیر تک وہ بولنے کی قوت سے محروم ہی رہی تھی۔

''یہ کیسے ممکن ہے' نہیں..... ایسا نہیں ہو سکتا' ہرگز نہیں.....'' اس کا سر نفی میں ہل رہا تھا۔

''وہ بچہ ہے چھوٹا سا' بھائی سمجھا میں نے اسے ہمیشہ۔ میں اپنی زندگی اس غلط فیصلے کی نذر نہیں ہونے دوں گی۔'' وہ قطعیت سے بولی۔

''جہاں رسم و رواج کی بات آ جائے وہاں بڑا' چھوٹا نہیں دیکھا جاتا دھی رانی۔'' وہ تھکے ہوئے لہجے میں کہہ رہی تھیں اور شاہ تاج مارے صدمے کے ان کی شکل دیکھ رہی تھی۔

''رسم کیسی.....؟'' اس کے لبوں سے سرسراہٹ نکلی۔

''شاہ میر بچپن سے تم سے منسوب ہے چونکہ خاندان بھر میں تمہارا کوئی جوڑ نہیں اس لیے تم شاہ میر کے حصے میں آئی ہو اور ویسے بھی شاہ لالہ کی خواہش تھی کہ تم ان کی بہو بنو۔ جب شاہ میر پیدا ہوا تو انہوں نے تب ہی تمہیں تمہارے بابا سائیں سے مانگ لیا تھا۔'' وہ دیور کا حوالہ دیتے ہوئے بولیں تو اس کی ٹھہری آنکھوں سے پٹاپٹ آنسو بہنے لگے۔

''بڑی امی مجھ سے یہ نہیں ہوگا' میں مر جاؤں گی۔'' وہ سسک پڑی۔

''میری دھی..... ماں واری جائے تمہارے بابا سائیں زبان دے چکے ہیں اور اب وہ اس سے پھر نہیں سکتے۔'' انہوں نے اس کا صبیح چہرہ ہاتھوں میں تھاما تو وہ اور بھی شدت سے رو دی۔

''اٹھو اب چلو تمہارے بابا سائیں انتظار کر رہے ہوں گے۔'' ہونٹ کاٹتے ہوئے اس نے دوپٹہ سر پر درست کیا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

❀.....❀.....❀

سرخ آنکھیں لیے وہ ان کے سامنے بیٹھی تھی۔

''شاہ میر کا ایڈمیشن شہر کے اعلیٰ اسکول میں کروانا ہے اس کے لیے اسے ہاسٹل میں رہنا ہوگا جو کہ ہمیں منظور نہیں۔ روز روز وہ آ' جا نہیں سکتا اس لیے ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ تمہارا نکاح کر دیا جائے اس سے۔ گھر کا انتظام میں نے کر دیا ہے شہر میں' تم اس کی پڑھائی کا اور اس کا زیادہ دھیان رکھو گی۔ جو کام کل کرنا ہے وہ آج ہی کر لیتے ہیں' تمہیں اس کی رہنمائی کرنی ہے۔ تم خود پڑھی لکھی ہو' سارے مسئلے سمجھتی ہو۔'' وہ اسے تفصیل بتا رہے تھے اور اس کا دماغ سُن ہو رہا تھا یعنی اسے بیوی کی صورت میں اس کی چاکری کرنی تھی' سرپرستی اسے سونپی جا رہی تھی وہ تلخی سے سوچنے لگی۔

''مگر مجھے اس رشتہ پر اعتراض ہے بابا سائیں' وہ مجھ

سے گیارہ سال چھوٹا ہے اور بھائی ہے میرا۔" اس کے انکار پران کی پیشانی عرق آلود ہوئی۔

"بھائی کیسے ہے' تمہارا ماں جایا تو نہیں وہ۔ پھر کیسے بھائی ہوسکتا ہے اور رہی بات چھوٹا ہونے کی تو ہمارے مذہب میں اس بات کی کوئی قید نہیں کہ لڑکا بڑا ہو یا چھوٹا۔"

"اگر اسلام کی بات کی جائے تو بابا سائیں اسلام اس بات کی اجازت کب دیتا ہے کہ خاندان' برادری میں ہی رشتے کیے جائیں۔ ذات پات کی بھی کوئی قید نہیں ہے کہ اگر ہم سید ہیں تو اس علیٰ حسب ونسب کی بناء پر خاندان میں ہی رشتہ کرسکتے ہیں اور اسلام میں تو یہ بھی ہے کہ لڑکی کی مرضی معلوم کی جائے پھران باتوں کو پست پشت کیوں ڈالا جارہا ہے۔" وہ ٹھوس دلائل کے ساتھ بولی تو ان کا ازلی جلال عود کرآیا۔

"تمہیں پڑھایا' لکھایا ہے تمہاری منشاء پر مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تمہاری ہر بات کو مانا بھی جائے۔ جو فیصلہ میں کرچکا ہوں اس سے انحراف میں برداشت نہیں کروں گا۔" سخت لہجے میں کہتے وہ رخ پھیر گئے آنسوؤں کا گولہ حلق میں اٹکائے وہ سر جھکائے کھڑی رہی۔ انہوں نے پلٹ کر اکلوتی بیٹی کے نم چہرے کو دیکھا اور آہستگی سے چلتے ہوئے اس کے پاس آئے۔

"بیٹا ہم سید ہیں اور خاندان سے باہر شادی کرنا ہماری روایات میں شامل نہیں۔ ہماری آنے والی نسلوں کا سوال ہے یہ' ہم مجبور ہیں اور اپنے بھائی سے کیا گیا وعدہ مجھے ہر حال میں نبھانا بھی ہے۔" ان کا ہاتھ شاہ تاج کے سر پر آٹھہرا تھا۔

"یہ کہاں کا انصاف ہے بابا...... اپنی روایات اور وعدے کی پاسداری میں آپ اپنی بیٹی کی زندگی خراب کردیں۔" وہ تڑپ کر بولی۔

"شاہ تاج......" کمرے میں داخل ہوتے ہی بڑی امی نے اسے پکارا۔

"اسے لے جاؤ یہاں سے اور شام چار بجے تیار کردینا' نکاح ہے اس کا۔" وہ پیچھے ہوتے ہوئے بولے۔ زرینہ شاہ نے اس کے کندھوں پر ہاتھ کا زور ڈالا اور باہر لے آئی بے جان قدموں اور گیلی آنکھوں سے وہ اپنا بوجھ گھسیٹنے لگی۔

❀......❀......❀

معین شاہ اور مبین شاہ دو ہی بھائی تھے' حدیقہ شاہ ان کی اکلوتی بہن تھی جو کہ اپنے چچازاد کے ساتھ بیاہی گئی تھیں۔ معین شاہ کو اپنے چھوٹے بھائی مبین شاہ سے بے حد محبت تھی وہ عمر میں ان سے کئی سال بڑے تھے۔ والدین کی وفات کے بعد حویلی اور جائیداد کے سیاہ وسفید مالک بھی وہی تھے۔ بھائیوں والا پیار اور باپ کی سی شفقت انہوں نے مبین شاہ کو دی تھی' معین شاہ کے دو ہی بچے تھے۔ ثقلین شاہ اور شاہ تاج جبکہ مبین شاہ کا ایک ہی بیٹا۔ شاہ میر جسے معین شاہ بے حد چاہتا تھا۔ وہ آٹھویں جماعت کا طالب علم تھا' امتحان میں کامیابی کے بعد وہ اسے اب بہترین تعلیم کے لیے شہر بھیجنا چاہتے تھے' بچپن سے طے شدہ نسبت کے مطابق انہوں نے اب فیصلہ کرلیا تھا کہ ان دونوں کا نکاح کردیا جائے تاکہ انہیں شہر جاکر کوئی مسئلہ پیش نہ آئے کیونکہ جب رہنا ساتھ ہے تو شرعی رشتے کے ساتھ کیوں نہ رہیں۔

"اٹھ جاؤ تاج...... کپڑے بدل لو' مولوی صاحب آنے والے ہیں۔" وہ اندھیرا کیے کمرے میں لیٹی تھی' بھابی نے لائٹ آن کرکے اسے جگایا سونا تو کیا تھا وہ تو سوگ منارہی تھی اس روگ کا جو شاہ میر کے ساتھ نکاح کی صورت میں اسے لگا تھا۔ سوجی آنکھیں اور متورم چہرہ لیے وہ اٹھ بیٹھی۔

"کیا فائدہ ہے بھابی' ایسی ازدواجی زندگی کا۔ گھٹ گھٹ کر احساس کمتری اور محرومی میں جیا جائے' میرے دل میں شدت سے خواہش سر ابھار رہی ہے۔ کاش میں ایک سیدزادی نہ ہوتی' ایک عام سی لڑکی ہوتی۔" وہ سخت کبیدہ خاطر تھی اپنے حسب ونسب سے۔

"تم دعا کرنا اللہ سے کہ وہ تمہاری زندگی کو قید بامشقت میں نہ بنائے۔ تم اپنی اگلی زندگی میں خوش و مطمئن رہو۔" وہ تسلی دے رہی تھیں' شاہ تاج کے لبوں پر

طنزیہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

"بالکل...... ویسی ہی زندگی جیسی آپ جی رہی ہیں۔ کیا فرق ہے آپ میں اور مجھ میں۔ آپ کو بھی سید زادی ہونے کے جرم میں ثقلین بھائی کے ساتھ نتھی کر دیا گیا اور مجھے بھی اب کیا جارہا ہے۔ ایک عمر رسیدہ بیوی کی کیا حیثیت ہوتی ہے اس کا عملی مظاہرہ تو میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ آپ دو سال سے ان کا گریز، بے توجہی اور بے رخی جھیل رہی ہیں، ان کے التفات کو ترستی ہیں تو میرے ساتھ بھی یہی ہوگا اب۔" اس کی بات پر روزینہ کا چہرہ بجھ گیا مگر پھر بھی وہ اسے حوصلہ دیتے ہوئے بولیں۔

"سب کا مزاج اور فطرت ایک سی نہیں ہوتی، دنیا میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جہاں بیوی عمر میں بڑی ہوتی ہے تو کیا وہ سارے جوڑے غیر مطمئن رہتے ہیں اور اگر بیوی عمر میں چھوٹی بھی ہو تو کیا گارنٹی ہے کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ خوش ہے۔ خوشی، محبت اور طمانیت عمروں سے مشروط نہیں ہوتی، یہ قسمت سے ملتی ہے۔ نصیب میں جو درج ہو وہ مل کے رہتا ہے، میری قسمت میں جو اللہ نے لکھا میں نے اسے فراخدلی سے تسلیم کرلیا تھا۔ یہ روایات ہم بدل نہیں سکتے اور نہ ہی بغاوت کرسکتے ہیں ان سے اللہ نے چاہا تو تمہیں محبتوں سے لبریز زندگی ملے گی۔ میرا دل کہتا ہے شاہ میر کو تم سے محبت ہوجائے گی اس کا مزاج مختلف ہے۔ مثبت سوچتے ہیں ہمیشہ، اتنا دل پر مت لو اس عمر کے تضاد کو، بس دعا کرو۔" وہ اسے سمجھانے کی بھرپور کوشش کرتے ہوئے بولیں۔

مگر وہ اب بھی بے یقین اور بدگمان تھی، تنفر سے سر جھٹکتے اس نے دوپٹہ اٹھایا اور اٹھ کھڑی ہوئی اور پھر اچانک ہی اچھل پڑی۔

"بھابی...... شاہ میر سے پوچھا ہے کیا بابا سائیں نے۔"

"ظاہر ہے، اس کی رضامندی کے بغیر نکاح کیسے ہوسکتا ہے۔"

"بس وہ ہی اس قابل ہے، میرا احتجاج تو کوئی اہمیت ہی نہیں رکھتا۔" وہ تلخ ہوئی۔ "شرم تو نہیں آئی اسے ابھی عمر کیا ہے اس کی جو شادی کا چاؤ چڑھا ہے۔" وہ تپی تو بھابی نے مسکراہٹ چھپائی۔

"وہ بہت سعادت مند اور نیک بچہ ہے، کبھی اس نے بابا سائیں کی بات نہیں ٹالی۔" بھابی کے بیان پر اس کا پارہ ہائی ہوا۔

"ایک میں ہی بری ہوں، ہونہہ......" بڑبڑاتی ہوئی وہ واش روم کا دروازہ کھٹاک سے بند کرگئی۔

وہ بے حد خفا تھی بابا سائیں سے، بڑی امی نے بہت سمجھایا مگر وہ ہنوز منہ پھلائے رہی۔ شہر واپسی پر بھی وہ روٹھی روٹھی ان سے ملی۔ گاڑی میں اس کے ساتھ شاہ میر بھی سوار تھا۔ گاڑی اسٹارٹ ہوچکی تھی، غیر محسوس طریقے سے وہ اس کا جائزہ لے رہی تھی۔ ابھی صرف چودہ سال کا تھا وہ، اس کے دائیں طرف بیٹھا بچہ اس کا شوہر تھا۔ یہ خیال اس کا دماغ خراب کررہا تھا۔

"میں اگر یہی سوچوں گی تو میرا کیا بنے گا" یہ کتنے سکون سے بیٹھا ہے۔ میں سوچ سوچ کر ہلکان ہورہی ہوں، بھاڑ میں جائیں سب، میں بھی پورے رعب سے رہوں گی۔" وہ اندر ہی اندر مستقبل کی پلاننگ کرنے لگی تھی۔

اور پھر ایسا ہی ہوا تھا، وہ پورے دبدبے سے گھر میں رہتی تھی اس کے کھانے پینے، سونے جاگنے پڑھنے کی روٹین اسی نے ترتیب دی تھی۔ جس پر وہ مؤدب ہوکر عمل پیرا تھا ان کے بیچ جو تعلق قائم تھا اس کی زنجیر کبھی بیچ میں نہیں آئی تھی نہ ہی کبھی شاہ میر نے ایسا ہونے دیا تھا وہ کم عمر تھا مگر سمجھدار تھا۔ دن اسی طرح اپنی ڈگر پر رواں تھے، وہ بے حد محتاط ہوگئی تھی۔ اپنی آنے والی زندگی کا سوچ کر اس کے احساسات جم گئے تھے۔ انتہائی مشینی انداز میں وہ وقت کاٹ رہی تھی، بابا سائیں، بڑی امی، چھوٹی امی اکثر ملنے کے لیے آجاتے تھے۔ اس کے انتہائی سنجیدہ رویہ کو دیکھ کر بڑی امی اسے ٹوک گئی تھیں۔

"اب ایسی بھی کوئی بڑھیا نہیں ہو تم زندگی کو خود پر تنگ

کیا ہوا ہے۔''

''بڑھیا نہیں ہوں تو ہو جاؤں گی ایک دن۔ ساری زندگی اسی طرح رہنا ہے تو ابھی سے کیوں نہیں۔'' اور اس کا جواب سن کر وہ ششدر رہ گئی تھیں۔

شاہ میر نے بہت اعلیٰ نمبروں سے میٹرک کلیئر کیا تھا' ضلع بھر میں دوم پوزیشن لے کر اس نے شاہ تاج کا بھی ریکارڈ توڑ دیا تھا۔ پہلی فرصت میں وہ لوگ حویلی پہنچے تھے' چھوٹی امی تو بلائیں لیتی نہ تھکتی تھیں آخر کو دو دو رشتے تھے۔ کافی دیر وہ ان کے پاس بیٹھنے کے بعد اٹھ کر کمرے میں آئی تو بڑی امی نے آواز دے کر روک لیا۔

''یہ کیا کر رہی ہو؟''

''کیا......؟'' اس نے ناسمجھی سے کہا۔

''یہاں کہاں جا رہی ہو۔''

''اپنے کمرے میں۔''

''تو شاہ میر کے کمرے میں جاؤ' یہاں کیوں جا رہی ہو؟''

''کیا......! شاہ میر کے کمرے میں کیوں جاؤں' پلیز بڑی امی مجھے اس کے نکاح میں دے دیا ہے آپ نے بس یہ ہی کافی ہے مزید کچھ الٹے سیدھے کی توقع مجھ سے مت رکھیے گا۔ مجھے عمروں کا لحاظ ازبر ہے۔'' دوٹوک لہجے میں کہتی وہ اندر چلی آئی۔ ابھی وہ اس بات کی الجھن میں الجھ ہی رہی تھی کہ شاہ میر چلا آیا۔

''سب اصرار کر رہے ہیں کہ ایک ہفتہ رک کر جاتا۔ میں نے منع کیا ہے کہ ہم اتنے دن نہیں رک سکتے مگر بابا سائیں ڈانٹ رہے ہیں۔'' قدرے بھاری آواز پر اس نے سر اٹھا کر دیکھا اور ناگواری سے اسے ٹوک گئی۔

''کسی کے کمرے میں داخل ہونے سے پہلے ناک کرتے ہیں۔''

''سوری۔'' وہ یک دم خفت زدہ ہوا۔

''میں خود بات کرلوں گی بابا سائیں سے' تمہاری پڑھائی شروع کرنی ہے اس لیے ہم زیادہ دن ٹھہر نہیں سکتے یہاں۔'' وہ بے لچک لہجے میں بولی تو وہ گردن ہلا کر باہر نکل گیا' ٹھنڈی سانس بھر کے وہ بیڈ پر محو استراحت ہوئی۔

❀......❀......❀

''آج یونیورسٹی میں سیمینار ہے میں معمول سے ذرا لیٹ ہو جاؤں گا۔'' جلدی جلدی ناشتا کرتے ہوئے وہ بولا۔

''آرام سے کھاؤ۔'' اس نے اسے ٹوکا' اتنے میں اس کا فون بجنے لگا' ٹشو سے ہاتھ صاف کر کے اس نے فون کان سے لگایا۔

''ہیلو افروز......بس نکل رہا ہوں' اوکے میں تمہیں پک کرلوں گا تم تیار رہو۔'' فون بند کر کے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ''اللہ حافظ' دوپہر کے کھانے پر میرا انتظار مت کیجیے گا' فرینڈز گیدرنگ بھی ہے۔'' وہ کہہ کر چلا گیا اور پُرسوچ انداز میں شاہ تاج نے چائے کا کپ اٹھا کر لبوں سے لگالیا۔

''افروز...... ہوں۔'' ناشتے سے فارغ ہو کر اس نے بھابی کے نمبر پر فون ملالیا' اِدھر اُدھر کی بات کرنے کے بعد انہوں نے شاہ میر کا پوچھا تو اس نے اس کے جانے کا بتا دیا۔

''تمہیں نظر رکھنا پڑے گی اس پر' جوان ہے پھر خوب صورت بھی اور اوپر سے امیر بھی' یہ نہ ہو کہ......'' انہوں نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑی۔

''میری کوئی ذمہ داری نہیں ہے وہ گھر سے باہر جس سے بھی ملے میں پابندی لگانے کی اہل نہیں ہوں۔ میرا کام گھر تک ہے' وہ جانے اور اس کا حلقۂ احباب......'' وہ بے پروائی سے گویا ہوئی۔

''وہ کیوں جانے؟ تم بیوی ہو اس کی تمہارا حق ہے کہ تم دیکھو وہ کس سے ملتا ہے اور کیونکر ملتا ہے۔''

''میں کیوں دیکھوں وہ جسے چاہے مرضی ملے۔ رہی بیوی کی بات تو آج تک ساری ذمہ داریاں نبھائی ہیں ایک اچھی ''خادمہ'' کی طرح۔ ہمارے ہاں بیوی کے لیے یہی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔'' وہ تلخی سے بولی تو ان کے منہ سے ایک ٹھنڈی آہ نکل گئی۔

''تم آج بھی اسی پوزیشن پر' اسی سوچ پر کھڑی ہو جس

پر آٹھ سال پہلے کھڑی تھی۔" وہ شاک سے گویا ہوئیں۔

"ظاہر ہے ایک بچے کو لڑکپن سے جوانی کی طرف دھکیلتے ہوئے نہ سوچ بدلی جا سکی ہے نہ پوزیشن۔"

"قصور تمہارا ہی ہے تمہیں خود ہی دلچسپی نہیں، تم آج تک شاہ میر کو ایک ذمہ داری کی طرح نبھاتی آئی ہو۔ بیوی بن کے تم نے کبھی سوچا ہی نہیں۔" انہیں دکھ ہوا تھا۔

"مجھے زبردستی کی بیوی بننے کا شوق نہیں۔" وہ تپی ہوئی تھی۔ بھابی نے تھک ہار کے فون بند کر دیا' اس کا دل اور بھی بوجھل ہو گیا۔

❁......❁......❁

وہ اس وقت مغرب کی نماز کی تیاری کر رہی تھی جب گیٹ کے باہر زور دار ہارن بجا۔ ملازمہ نے بھاگ کر دروازہ کھولا تھا' بے حد تھکا ہارا وہ کمرے میں داخل ہوا' پیازی کلر کے دوپٹے کو سر کے گرد لپیٹتی وہ اس کے کمرے میں ناک کر کے چلی آئی۔

"چائے لاؤں تمہارے لیے۔"

"نہیں' موڈ نہیں ہے آپ پلیز ٹیبلٹ بھجوا دیں سر درد کی۔ میں کچھ دیر ریسٹ کر لوں۔" وہ کنپٹیاں دباتے ہوئے بولا۔

"او کے۔" وہ سر ہلا کر باہر نکل آئی' ملازمہ کو ٹیبلٹ تھما کے وہ جائے نماز بچھانے لگی۔ نماز سے فارغ ہو کر وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر کتاب پڑھ رہی تھی کہ فون کی بیل بج اٹھی۔ اس نے کوفت سے ذرا فاصلے پر دھرے فون کو دیکھا اور کتاب کا صفحہ موڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ہیلو!"

"السلام علیکم!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"وعلیکم السلام! جی کون؟"

"مجھے شاہ میر سے بات کرنی تھی' دراصل ان کا سیل آف ہے میں نے کئی بار ٹرائی کیا پھر لینڈ لائن پر ملانا پڑا۔"

"شاہ میر تو اس وقت سو رہا ہے' آپ ہیں کون؟" اس نے تذبذب سے پوچھا۔

"اچھا جب وہ جاگ جائیں تو انہیں کہیے گا مجھے کال بیک کریں۔ میں افروز بات کر رہی ہوں۔" اس نے یہ کہہ کر کھٹاک سے فون رکھ دیا۔

"اوہ......!" اس نے سیٹی کے انداز میں ہونٹ سکوڑے۔ "افروز......" وہ زیر لب نام دہراتی واپس آ بیٹھی' کتاب کھول تو لی مگر ایک لفظ بھی نہ پڑھا گیا۔ اس نے جھنجھلا کر کتاب میز پر پٹخی اور باہر لان میں نکل کر چکر کاٹنے لگی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔" سینے پر ہاتھ باندھے وہ اس کے مارچ پاسٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"افروز کا فون آیا تھا' کال بیک کر لیجیے گا اس کا حکم تھا۔" وہ اس کی بات کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے بولی' وہ ہنسی ضبط کر گیا۔

"اوہ ہاں اس نے مجھے کہا بھی تھا کہ گھر پہنچ کر اپنی طبیعت کا بتانا مجھے یاد ہی نہیں رہا۔ آپ ایک مگ مزیدار سی کافی پہنچا دیں کمرے میں۔" اسے یک دم یاد آیا۔

"کھانا نہیں کھانا تم نے۔"

"نہیں بالکل بھوک نہیں ہے' کافی پلیز۔"

"آہم......او کے۔" وہ کافی بنانے کچن میں چل دی' دو مگ کافی کے ٹرے میں رکھنے کے بعد وہ شاہ میر کے کمرے میں چلی آئی' اس نے ابھی بات کر کے فون بند ہی کیا اور ہلکی سی گنگناہٹ اس کے لبوں پر تھی۔

"کون ہے یہ لڑکی؟" اس نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"راحیل ہے میرا ایک دوست اس کی فرینڈ ہے۔"

"تو اس کی فرینڈ تمہیں کیوں کال کرتی ہے؟"

"ویسے ہی' اگر کسی کا حال احوال پوچھ لیا جائے تو اس میں کیا برائی ہے۔ اچھی لڑکی ہے۔" وہ نارمل سے انداز میں بولا تو وہ چپ ہو گئی۔

اگلے روز وہ یونیورسٹی نہیں گیا تو وہ خود ہی آ دھمکی۔ بلیو جینز پر پرپل سلیوز لیس کرتی پہنے بنا دوپٹہ کے' گولڈن بالوں کے ساتھ ڈارک لپ اسٹک لگائے وہ حسین مجسم کا تاثر دے رہی تھی۔ شاہ تاج تو اسے دیکھ کر دھک سے رہ گئی

تھی۔ کتنے استحقاق سے وہ بنا ناک کیے اس کے کمرے میں گھس گئی تھی۔

"مائی گاڈ تم یہاں ریلیکس کررہے ہو اور میں تمہارا انتظار کرتی اب یہاں آ گئی۔" وہ دھپ سے اس کے قریب بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولی وہ سیدھا ہوکر اٹھ بیٹھا۔

"کتنی سستی پھیلائی ہوئی ہے تم نے اٹھو فریش ہو۔ آج سر عبدالرزاق کا بہت اہم لیکچر ہے ہمیں جو وہ ٹاپک دیں گے اس پر ریسرچ کرنی ہے۔" راحیل بتا رہا تھا۔

"لیکچر تو دس بجے ہے ریلیکس ہوکر چلیں گے۔ کچھ لوگی تم؟" اس نے پوچھا۔ وہ مزے سے بولی تو اندر داخل ہوتی شاہ تاج بل کھا کے رہ گئی۔

"ہیلو ہو از شی شاہ میر؟" وہ شاہ تاج کو دیکھ کر بولی۔

"آں...... شی...... شی از مائی کزن......" وہ قدرے رک کر گویا ہوا۔

"اوہ ہاؤ سویٹ ویری پریٹی۔" وہ ناز سے اس کی طرف ہاتھ بڑھا کر چہکی جسے شاہ تاج نے چھو کر چھوڑ دیا۔

"ناشتے میں کیا لیں گے آپ؟" وہ مروتاً پوچھ رہی تھی ورنہ دل تو چاہ رہا تھا کہ ہاتھ پکڑ کر باہر نکال دے۔

"آج جو شاہ میر ناشتا کرے گا میں بھی وہیں کروں گی۔"

"میں تو ہیوی ناشتا کرتا ہوں تم پراٹھا کھالو گی؟" اس نے استفسار کیا۔

"کیوں نہیں ایک دن تمہارے لیے اپنی ڈائننگ روٹین ڈسٹرب کرنے میں کیا حرج ہے۔" وہ کھلکھلائی تو شاہ میر بھی ہنس دیا جبکہ شاہ تاج منہ بناتی باہر نکل گئی۔

"دلفنگی......" اس نے دانت پر دانت جما کے اسے خطاب دیا اور کھٹاک سے چولہا آن کردیا۔ پراٹھے بنا کے اس نے آملیٹ بنایا اور چائے کیتلی میں ڈالنے لگی۔ تقریباً تھوڑی دیر میں ہی سارا ناشتا سیٹ کرکے ٹیبل پر لگا دیا۔ جوس کا جگ نکال کے اس نے باہر سے "ناشتا ریڈی ہے" کی آواز دے ڈالی غالباً پانچ منٹ بعد وہ دونوں باہر نکلے تھے اور وہ جل کے خاک ہی ہوگئی تھی۔

"کیا کررہی تھی یہ کمرے میں باہر نہیں آسکتی تھی۔" وہ دل ہی دل میں بڑبڑ کررہی تھی۔

"زبردست کیا خوشبو ہے۔" وہ بیٹھتے ہوئے بولی اور چائے کپ میں ڈالنے لگی۔ بہت رغبت سے وہ ناشتا کررہی تھی۔ ناشتے سے فارغ ہوکر وہ دونوں چلے گئے اور پیچھے وہ سوچتی رہ گئی۔

❁......❁......❁

وہ کپڑے بیڈ پر بکھیرے پیکنگ میں مصروف تھا جب وہ تنتناتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔

"کس قسم کی بے حیا لڑکی ہے اتنی ایجوکیٹڈ ہوکر بھی تمیز مفقود ہے۔" شاہ میر نے نظریں اٹھا کر سوالیہ انداز میں اسے دیکھا۔

"افروز کی بات کررہی ہوں میں کسی غیر محرم کے کمرے میں گھس کر اتنی بے تکلفی برتنا یہ کہاں کی تمیز ہے۔ تم اسے منع نہیں کرسکتے آئندہ مجھے وہ اپنے گھر میں نظر نہ آئے۔" اس نے وارننگ دی۔

"یہ اس کا لائف اسٹائل ہے میں اس پر پابندی نہیں لگا سکتا وہ جس طرح بھی رہے۔ دوسری بات میں اسے منع بھی نہیں کرسکتا کہ وہ یہاں نہ آئے اتنا بے مروت نہیں ہوں۔ اگر آپ کو کوئی پرابلم ہے تو آپ اسے منع کرسکتی ہیں۔" وہ سہولت سے کہہ کر پھر سے مصروف ہوگیا اس کا مزید خون کھول اٹھا۔

"او کے پھر مجھ سے نہ کہنا کچھ اگر اب وہ یہاں آئے گی تو میں اسے اپنے طریقے سے منع کروں گی۔" وہ کہہ کر وہاں سے چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ خود اس کے پاس چلا آیا۔

"کل مجھے کچھ دنوں کے لیے ریسرچ کی خاطر قریبی گاؤں جانا ہے اپنی کلاس کے ساتھ۔ آپ یہاں اکیلی کیسے رہیں گی میں آپ کو حویلی چھوڑ آتا ہوں۔" وہ دھیمے لہجے میں گویا ہوا۔

"میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں تم اپنا کام مکمل کرو میں رہ لوں گی۔" وہ سپاٹ سے انداز میں بولی۔

"سب یاد کررہے تھے آپ کو میری بھابی سے بات ہوئی تھی اگر آپ چکر لگا آئیں تو......" اس نے بات ادھوری چھوڑی مگر وہ خاموش کھڑی رہی۔

"شاہ تاج......!" اس نے پکارا تو سرد نگاہوں سے اس نے اسے دیکھا، کتنی بے حس نگاہیں تھیں وہ الجھ کر رہ گیا۔ خاموشی سے کتاب اٹھائے وہ ورق گردانی میں مصروف ہوگئی تھی۔ جس کا صاف مطلب تھا جو وہ کہہ چکی ہے اسی کے مطابق کام ہوگا، وہ بھی چپ چاپ وہاں سے چلا آیا تھا۔

اس کے جانے کے بعد اس نے گھر فون ملایا، بابا سائیں سے بات کرنے کے بعد اس نے گھر آنے کی فرمائش کرڈالی تھی۔ وہ تو کھل ہی اٹھے تھے فوراً ڈرائیور کو لینے بھیجا تھا۔ حویلی پہنچ کر اسے بے حد سکون ملا تھا، بھتیجے کو گود میں بٹھائے وہ کب سے بیٹھی تھی۔

"اتار دو اسے اب، کب سے چڑھائے بیٹھی ہو تھک جاؤ گی۔" بھابی پیار سے بولی۔

"ارے نہیں بھابی اتنے دن بعد اپنے شہزادے سے ملی ہوں بھلا تھکاوٹ کیسی۔" وہ اس کے بال بکھیرتے ہوئے بولی۔

"اچھا کھانا لگ گیا ہے آ کر کھانا کھالو۔"

"بابا سائیں آگئے؟"

"ہاں بابا سائیں بھی آگئے ہیں اور ثقلین بھی۔" انہوں نے بتایا۔

"بھابی کیا آپ خوش ہو؟"

"میں یہ تو نہیں کہوں گی کہ میرا ہمسفر مجھے بے حد چاہتا ہے یا میرے لیے پاگل ہے مگر اتنا ضرور ہے وہ مجھ سے مطمئن ہے اور میں اپنی زندگی سے۔" وہ نپا تلا سا جواب دے کر اسے الجھن میں چھوڑ گئیں۔

کھانے پر سب موجود تھے سوائے شاہ میر کے، دونوں فیملیز کے تمام نفوس موجود تھے۔ ایک چہل پہل کا سا سماں تھا، خوش باش چہرے، اس نے ایک طائرانہ نگاہ سب پر ڈالی اور مسکرادی۔

"الحمدللہ آج میں بہت خوش ہوں۔"

"کتنے سالوں بعد میری بیٹی ہمارے درمیان اپنی خواہش پر موجود ہے۔" وہ اس کے مسکراتے چہرے کو دیکھ کر بولے جب سے وہ شہر گئی تھی شاہ میر کے ساتھ تب سے لے کر آج تک وہ کبھی اپنی مرضی سے حویلی نہیں آئی تھی، اب اس نے خود کال کرکے آنے کی فرمائش کی تھی، بابا سائیں کی تو گویا عید ہوگئی تھی۔ جس طرح سب کے ساتھ ہنس بول رہی تھی انہیں لگ رہا تھا اس کی ناراضگی جو سالوں پہلے ان کے فیصلے کی وجہ سے قائم تھی وہ ٹوٹ رہی ہے۔ چھوٹی امی اور بھابی نے مل کر سب اس کی پسندیدہ ڈشز تیار کی تھیں اور اب اسے زبردستی کھلا رہی تھیں۔

"کتنی کم خوراک ہوکر رہ گئی ہے تمہاری۔ کھاتی پیتی نہیں ہو کچھ۔" بڑی امی ٹوکتے ہوئے بولیں، اس نے کھانے سے جلد ہی ہاتھ کھینچ لیا تھا۔

"اور کتنا کھاؤں بڑی امی، اتنا سب کچھ تو کھایا ہے بلکہ آج میں نے بہت زیادہ کھالیا ہے۔" اس نے حیرت سے جواب دیا۔

"تب ہی تو اتنی سی جان لیے گھوم رہی ہو۔" بھابی نے بھی ٹکڑا لگایا۔ "ویسے اچھا ہی ہے عمر چور لگتا ہے بندہ۔" ان کی اس بات پر وہ سنجیدگی سے مسکرائی تھی۔

❀......❀......❀
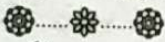
دوپہر کو جب وہ سونے کے لیے کمرے میں گئی تو شاہ میر کی کال آ گئی۔

"میں کب سے کال کررہا ہوں، ریسیو نہیں کررہیں آپ۔"

"میں کھانا کھارہی ہوں۔" حویلی آنے کی بات اس نے اب بھی نہیں بتائی تھی۔

"کیسی ہیں آپ؟"

"ہوں، ٹھیک ہوں، مجھے نیند آرہی ہے پھر بات کروں گی، اللہ حافظ۔" کہہ کر اس نے موبائل سائلنٹ پر لگادیا اور کمبل اوڑھ کر لیٹ گئی۔ اس لیے دیئے انداز پر شاہ میر کو غصہ تو بے حد آیا مگر وہ کچھ نہ کرسکتا تھا، موبائل

کو گھور کر رہ گیا۔
''آؤ شاہ میر...... باہر گھومنے چلتے ہیں۔ راحیل بتا رہا تھا ٹیوب ویل چل رہا ہے مجھے دیکھنا ہے۔'' وہ ایکسائٹڈ ہو رہی تھی۔
''جو تمہیں بتا رہا ہے اسی کے ساتھ چلی جاؤ' میرا کوئی موڈ نہیں ہے جانے کا۔''
''کیا ہوا ہے تم اتنے غصے میں کیوں ہو؟'' وہ اس کے ماتھے پر بل دیکھ کر بولی۔
''کچھ نہیں' جاؤ یہاں سے۔'' وہ کچھ دیر کھڑی اسے دیکھتی رہی پھر کندھے اچکا کر باہر نکل گئی۔
وہ جتنے دن وہاں رہا اس کے رویے پر الجھتا رہا' چوتھے دن رات آٹھ بجے وہ واپس گھر آیا تو گیٹ کو تالا دیکھ کر کھول اٹھا فوراً اسے فون ملایا وہ جو ناساز طبیعت کے باعث جلد سو گئی تھی بوجھل آواز میں بمشکل بول پائی۔
''گھر کے گیٹ پر لاک کیوں لگا ہے' کہاں ہیں آپ؟'' وہ یک دم بیدار ہوئی۔
''میں اس وقت حویلی میں ہوں' تمہارے پاس چابی ہے تو سہی دوسری' لاک کھول لو۔'' وہ بے زاریت سے بولی۔
''کیا...... حویلی کب گئیں آپ؟'' وہ شاکڈ ہوا۔
''جس دن تم گئے تھے ریسرچ کے لیے اسی شام۔''
''اور جب میں نے کہا تھا میں حویلی چھوڑ آتا ہوں تب کیا ہوا تھا؟'' اس آرام دہ انداز پر اسے تاؤ آیا۔
''تب میرا موڈ نہیں تھا' بعد میں بنا تو بابا سائیں کو کال کر کے ڈرائیور بلوا لیا۔'' وہ بے نیازی سے کہہ رہی تھی جبکہ وہ دانت پیس رہا تھا۔
''میں کل لینے آ جاؤں گا آپ تیار رہیے گا۔''
''اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے میرا فی الحال کوئی ارادہ نہیں آنے کا۔ تم اپنا کام کرو ویسے بھی اسٹڈیز برڈن زیادہ ہے آج کل تم پر۔'' ایک اور جھٹکا لگا تھا اسے' ایک تو وہ اپنی مرضی سے گئی تھی اور اب وہاں رہ بھی رہی تھی اصولاً تو اسے خوش ہونا چاہیے تھا مگر جانے کیوں وہ جھنجھلا رہا تھا۔

''میں کھانا کیسے پکاؤں گا اور بہت سے کام ہیں میرے اور گھر کے وہ کون کرے گا؟''
''عذرا کرے گی' وہ صفائی بھی کر جایا کرے گی اور کھانا بھی پکا جایا کرے گی۔ میں نے اسے کہہ دیا تھا تم فکر نہ کرو' ریلیکس ہو کر رہو۔'' وہ مزے سے بولی تو اس نے ہاتھ میں پکڑا بیگ زمین پر پٹخا۔
شاہ تاج کی اسے اتنی عادت ہو چکی تھی کہ ساری روٹین ہی اس کی تکپٹ ہو گئی تھی۔ شرٹ ہاتھ میں لیے وہ کب سے استری کرنے میں مصروف تھا مگر سلوٹیں ختم نہ ہو رہی تھیں' اسے ہر چیز دھلی دھلائی' پکی پکائی مل جایا کرتی تھی اور اب اسے خود سب کچھ کرنا پڑ رہا تھا۔
''تم اس قدر پھوہڑ ہو مجھے اندازہ نہیں تھا' کب سے دیکھ رہی ہوں یہ بے چاری شرٹ کا کیا حال کر دیا تم نے۔'' دروازے سے ٹیک لگائے وہ جانے کب آن کھڑی ہوئی تھی۔
''افروز تم...... تم کب آئیں؟'' وہ حیرت سے بولا۔
''پانچ منٹ پہلے ہی' یہاں سے گزر رہی تھی سوچا تم سے ملتی جاؤں مگر یہاں آ کر تو کافی فنی چوئشن دیکھنے کو ملی۔ کب تک آئے گی تمہاری کزن؟'' وہ شرٹ اس کے ہاتھ سے لے کر پریس کرنے لگی اور وہ ٹھنڈی سانس بھر کے صوفے پر گر گیا۔
''پتا نہیں کب آئے گی۔'' آج اسے گئے ہوئے دسواں دن تھا مگر اس کے آنے کا کوئی پتا نہ تھا۔
''لو ہو گئی تمہاری شرٹ پریس۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔
''تھینکس......'' اس کا تھینکس آدھا منہ میں ہی رہ گیا' شرٹ تھامتے وہ سامنے کھڑی شاہ تاج کو دیکھ رہا تھا۔ براؤن گرم شال میں وہ بے حد خوب صورت لگ رہی تھی' اس کا چہرہ کھل اٹھا تھا اسے دیکھ کر۔
''ہائے۔'' افروز بولی۔
''وعلیکم السلام!'' سپاٹ سا جواب دے کر اس نے ایک نظر دونوں کو باری باری دیکھا اور کمرے سے چلی گئی' وہ

شرمندہ ہوکر رہ گئی تھی۔
"تمہاری کزن اتنی روڈ کیوں ہے؟" وہ اس سے پوچھ رہی تھی۔
"وہ روڈ نہیں ہے، بس سنجیدہ ہے۔" اس نے کہا تو وہ "شاید" کہہ کر رہ گئی۔
"او کے میں چلتی ہوں، صبح یونیورسٹی میں ملاقات ہوگی۔"
"او کے۔" وہ چلی گئی تو شاہ میر نے شرٹ ہینگ کی اور سیدھا اس کے کمرے میں چلا آیا، کھڑکی کھولے وہ باہر لان کو دیکھنے میں مگن تھی۔
"دوسروں کی کمپنی میں رہ کر تم اخلاقیات بھولتے جارہے ہو۔" وہ بنا مڑے طنز کرتے ہوئے بولی۔ وہ جو دروازہ ناک کرکے نہیں آیا تھا اس بات پر اس نے اس نے معذرت بھی نہیں کی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ افروز کو دیکھ کر جانے وہ کیا کہے گی اسے، مگر وہ یوں چپ چاپ چلی آئی تھی اسے یہ بات کھٹک رہی تھی۔
"تم سوچ رہے ہو گے کہ میں نے اسے کچھ کہا کیوں نہیں۔ جہاں الفاظ بے معنی ہوں وہاں ان کا ضیاع نہیں کرنا چاہیے۔ میں نے فیصلہ کرلیا ہے تم مجھے ٹائم اور لمٹ بتادو میں تمہارے لیے اسٹینڈ لوں گی، میں خود بات کرلوں گی بابا سائیں سے۔ تمہیں کتنا وقت چاہیے تب تک میں کنوینس کرلوں گی سب کو۔"
"کیا بات کریں گی آپ بابا سائیں سے۔"
"وہی جو تم چاہتے ہو۔" وہ رسان سے بولی۔
"اور میں کیا چاہتا ہوں؟" انداز سوالیہ تھا۔
"تم افروز کو اور افروز تمہیں...... میں تم دونوں کی شادی کی بات کررہی ہوں۔"
"دماغ خراب ہوگیا ہے آپ کا، خودساختہ مفروضے اپنے پاس رکھیں آپ۔" وہ یک دم بپھرا۔
"خودساختہ نہیں ہیں یہ سب سمجھتی ہوں میں اس کا بار بار یہاں آنا اور تمہارا متوجہ ہونا یہ چوہے بلی کا کھیل ڈراپ کرو۔ میں تم لوگوں کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہوں۔"
ٹھہرے ہوئے لہجے میں وہ اس سے مخاطب تھی۔
"ہاں بہت سمجھ دار ہیں آپ تب ہی آپ کو صرف افروز دکھائی دیتی ہے مگر...... خیر یہ بتائیں اپنے لیے تو آپ اسٹینڈ لے نہیں سکیں میرے لیے کیسے لیں گی۔ روایات بدلی تو نہیں وہی ہیں تو پھر سیدوں کی نسل کیسے خراب کرنے کا سوچ سکتی ہیں آپ؟" اس نے پوچھا۔
"تب بات اور تھی اور اب وقت اور ہے۔ میں یہ سب کیسے کرتی ہوں یہ مجھ پر چھوڑ دو، میں نہیں چاہتی جیسے میری زندگی خراب ہوئی ہے ویسے تمہاری بھی ہو اس فرسودہ رسم کی وجہ سے اپنے جذبات اور خواہشوں کو روند چکی ہوں مگر اس مشکل سے نکلنا چاہتی ہوں۔ جو تمہاری خواہش ہے اسے میں پورا کروں گی، افروز کو تمہاری زندگی میں لے کر آؤں گی۔" وہ ڈھکے چھپے انداز میں اسے سمجھانے کی کوشش کررہی تھی۔ وہ گہری مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا، اس نے جونہی اس کی طرف دیکھنے کے لیے پلکیں اٹھائیں گڑبڑا کر واپس جھکالیں اس کی نظریں عجب تاثر دے رہی تھیں۔
"مگر میرا ارادہ نہیں ہے سیدوں کی نسل خراب کرنے کا۔ میں چاہتا ہوں میری نسل کم از کم ایک سیدزادی سے ہی چلے۔ آگے کا دیکھا جائے گا، اپنے بچوں کے لیے مل کے یہ روایت توڑ دیں گے۔"
"یہ کیا رٹ لگائی ہے نسل خراب کرنے کی۔ تم پڑھے لکھے ہو تم بھی دقیانوسی سوچ رکھتے ہو۔ قبیلے، نسل، ذات پات، رنگ روپ کی جب برتری اسلام نے نہیں رکھی تو ہم کون ہوتے ہیں یہ برتری قائم کرنے والے۔" وہ غصے سے بولی اور وہ دلکشی سے ہنس دیا۔
"میری بات نہیں سمجھیں آپ، ذرا غور کریں ریلیکس ہوکر۔" وہ یونہی مسکراتے باہر نکل گیا اور جب اس نے اس کی بات پر دھیان دیا تو سارا خون چہرے پر سمٹ آیا تھا اس کا ازلی رعب اور غصہ عود آیا تھا تن فن کرتی وہ اس کے کمرے میں پہنچی۔
"کیا بدتمیزی ہے یہ کیا بکواس کی ہے تم نے۔" وہ

دھاڑی۔

"ابھی تو میں نے کچھ بھی نہیں کیا' کمال ہے آپ کو پتا نہیں کون سی بدتمیزی نظر آ رہی تھی۔"

"تم اپنی حد میں رہو اور نظریں نیچے کر و اپنی۔"

"نظریں نیچی کرلوں گا تو آپ کو دیکھوں گا کیسے۔" وہ معصومیت سے گویا ہوا۔ اس نے جھٹکے سے اسے دیکھا...... یہ وہی شاہ میر تھا اس کی ہر بات ماننے والا اس نے کبھی اس رشتے کا احساس نہیں دلایا مگر آج وہ سرتاپا بدلا ہوا لگ رہا تھا۔

"تمہیں اندازہ ہے تم کس قسم کی گفتگو کر رہے ہو مجھ سے۔" وہ صدمے سے بولی۔

"ہاں بالکل اندازہ ہے اور مکمل ہوش و خرد میں موجود ہوں۔" اس نے قدم اٹھا کر اپنے اور اس کے درمیان موجود فاصلہ کو کم کیا' وہ مزید پیچھے ہٹی تھی۔ "میں نہیں چاہتا تھا اپنا آپ عیاں کرنا ابھی' مگر آپ کی اس بات اور رویہ نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں ایسا انداز اپناؤں۔ افروز کون ہے جانتی ہیں آپ' صرف کلاس فیلو ہے میری اس سے زیادہ اس کی کوئی وقعت نہیں اور جس کی اہمیت میری زندگی میں سب سے زیادہ ہے وہ اس وقت میری نظروں کے عین سامنے کھڑی مجھے غصے سے گھور رہی ہے۔" وہ مزے سے بولا تو اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے۔ عجیب احساس کمتری نے سر ابھارا تھا' وہ ڈوبتے دل کے ساتھ وہاں سے چلی گئی اور پھر ساری رات بے تحاشا روتے ہوئے گزار دی تھی وہ ایسا نہیں چاہتی تھی' ہرگز نہیں چاہتی تھی مگر دل و دماغ عجیب احساس میں گھرے ہوئے تھے۔ ایک واضح فرق حائل تھا دونوں کے بیچ وہ اس فرق کو بخوبی محسوس کر رہی تھی اس کی سوئی بائیس اور بتیس کے بیچ گھوم رہی تھی۔

وہ کم عمر لڑکا جسے اس نے خود پالا تھا' بچپن میں کتنی بار وہ اس کی گود میں کھیلا تھا جب وہ چھوٹا سا تھا ایک سال کا تب وہ بمشکل اسے اپنی گود میں لیے گھومتی تھی۔ چھوٹی امی کے منع کرنے کے باوجود گود میں چڑھا کے رکھتی تھی' بڑی بہنوں کی طرح رعب ڈالتی' تھوڑا بڑا ہوا تو اس کا اسکول کا ہوم ورک وہ خود چیک کرتی تھی' ڈانٹ کر پڑھاتی تھی اور پھر لڑکپن سے لے کر اب تک وہ اس کے ساتھ سائے کی طرح رہی تھی۔ کتنا مشکل تھا پہلے اسے بھائی سے شوہر کے روپ میں دیکھنا' آٹھ سال پہلے وہ اس کرب سے گزری تھی اور آج جب وہ اپنی زندگی کو ایک خاص نقطہ پر مرکوز کر چکی تھی تو وہ اپنا حق مانگنے چلا آیا تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا وہ اس بات پر سمجھوتہ نہیں کرے گی اسے اس حق سے بری ہی رکھے گی۔ یہ تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا وہ یوں اس کے سامنے تن جائے گا' اس نے تو اس رشتے کو کبھی محسوس ہی نہیں کیا تھا نہ محسوس ہونے دیا تھا پھر وہ کیوں ایسا کر رہا تھا اس کا سر درد سے پھٹ رہا تھا۔ سوچوں نے ایسا شدید اثر ڈالا کہ وہ صبح اٹھنے کے قابل بھی نہ رہی' شدید سر درد کی وجہ سے بخار نے آن گھیرا تھا۔ اس نے کچن میں جھانکا تو وہ وہاں بھی موجود نہیں تھی' سات بج چکے تھے اور ناشتے کے کوئی آثار نہیں تھے وہ سیدھا اس کے کمرے میں چل آیا تھا۔

"کیا بات ہے آج بھوک ہڑتال تو نہیں' سات بج گئے ہیں مجھے یونیورسٹی جانا ہے۔" مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی' اس نے پکارا مگر جواب ندارد۔ وہ پاس چلا آیا' وہ آنکھیں موندے لیٹی تھی' اس نے ہاتھ بڑھا کر جونہی گال تھپتھپایا' ایک گرم سا شعلہ چھو گیا۔

"اُف اللہ' اتنا تیز بخار۔" وہ بوکھلا گیا۔ "اتنی صبح تو کوئی کلینک بھی نہیں کھلا ہوگا۔" وہ بھاگ کر ٹھنڈے پانی کا باؤل بھر لایا مگر پٹیاں کیسے کرے پھر کچھ یاد آنے پر اس نے الماری سے اپنا رومال نکالا اور اسے پانی میں ڈبو کر پٹیاں کرنے لگا۔ اس کی محنت رنگ لائی اور وہ نیم بے ہوشی سے ہوش میں آنے لگی' اس نے پانی کا باؤل ٹیبل پر رکھا اور باہر نکل گیا' ٹرے ہاتھ میں لیے جب وہ اندر داخل ہوا تو وہ بیدار ہو چکی تھی۔

"لو یہ ناشتا کرلو پھر ٹیبلٹ لے لینا۔" وہ سلائس اٹھا کر اس پر جیم لگانے لگا۔ اس نے ایک نظر اسے اور پھر گھڑی کو دیکھا۔

’’بخار تھا بہت‘ مجھے ٹھنڈے پانی کی پٹیاں کرنی پڑیں کیونکہ اتنی صبح تو ڈاکٹر کا ملنا ممکن نہ تھا۔ آپ ناشتا کرکے دوا لے لیں پھر تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔‘‘ وہ فکرمندی سے بول رہا تھا۔

اس نے اٹھنے کی کوشش کی تو شاہ میر نے اس کے دونوں بازو تھام کر سیدھا کرنا چاہا تھا مگر اس نے بری طرح جھٹک دیئے تھے۔

’’ڈونٹ ٹچ می اگین۔‘‘ وہ پھنکاری۔

’’ناشتا کرو۔‘‘ اس نے جوس کا گلاس اس کی طرف بڑھایا مگر وہ رخ پھیر گئی۔

’’نہ تو مجھے ناشتا کرنا ہے اور نہ ہی کوئی ٹیبلٹ لینی ہے‘ میری فکر میں گھلنے کی ضرورت نہیں ہے تمہیں‘ اچھا۔‘‘ اس نے اچھا کو ذرا کھینچ کر ادا کیا۔

’’مگر میں تو یہاں سے نہیں جانے والا جب تک آپ یہ دونوں کام نہیں کرلیں گی‘ اگر نہیں کریں گی تو ابھی کال کرتا ہوں حویلی اور سب کو بتاؤں گا آپ کو بخار ہے اور آپ دوا نہیں لے رہیں پھر تو آپ کو لینی پڑے گی اور سب پریشان الگ ہوں گے۔‘‘ اس کی اس بات پر وہ ضبط سے ہونٹ بھینچ گئی۔

’’چلیں کریں اب ناشتا۔‘‘ اس نے پیچ و تاب کھاتے ہوئے دودھ کا گلاس تھاما اور چند لقمے زہر مار کرتے گولی کھائی اور ایک جھٹکے سے کمبل کھینچ کر خود پر تان لیا‘ شاہ میر کے لبوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

اس نے یونیورسٹی جانے کا ارادہ ترک کیا اور کپڑے چینج کرکے اپنے لیے ناشتا بنانے لگا۔ نو بجے کے قریب وہ ڈاکٹر کو گھر پر ہی لے آیا تھا‘ کچھ میڈیسن اور ریسٹ کا کہہ کر وہ چلے گئے تو شاہ میر اس کے پاس آ کر بولا۔

’’ڈاکٹر ذہنی ٹینشن کا بتا رہے تھے‘ جسمانی آرام سے زیادہ ذہن کو پُرسکون کرنے کی ضرورت ہے۔‘‘

’’جب تک تم میری نظروں کے سامنے رہو گے کم از کم میں پُرسکون نہیں ہوسکتی۔‘‘

’’تو میں کہاں جاؤں اپنا چھ فٹ وجود لے کر‘ کوئی چھوٹی سی چیونٹی تو ہوں نہیں جو کونے کھدرے میں چھپ جاؤں گا۔‘‘ وہ ازراہ مذاق بولا۔

’’میں حویلی چلی جاؤں گی اب مزید یہاں نہیں رہ سکتی۔‘‘

’’ہرگز نہیں‘ ایسا میں ہونے نہیں دوں گا‘ میری اسٹڈی مکمل ہونے تک ہمیں یہیں رہنا ہے پھر ہم بعد میں چلیں گے ناں اکٹھے۔‘‘ وہ قطعیت سے بولا اور شاہ تاج اندر ہی اندر ابل رہی تھی۔

’’اچھا یہ بحث چھوڑیں‘ یہ بتائیں آج دوپہر کھانے میں کیا پکاؤں میں۔ سوپ تو بس میں ابھی ریڈی کردیتا ہوں آپ کے لیے اور مزید کچھ آپ بتادیں‘ اب یہ مت کہیے گا مجھے کچھ نہیں کھانا۔‘‘ اس نے خفگی بھری نگاہوں سے اسے دیکھا جوابا شاہ میر نے بہت جذب سے شعر پڑھا۔

بوجھل نظر آتی ہیں بظاہر لیکن
کھلتی ہیں دل میں اتر کر تیری آنکھیں

اور شاہ تاج گم صم ہوکر رہ گئی۔

ایپرن پہنے وہ کچن میں موجود تھا‘ یخنی پلاؤ ریسپی اس نے شاہ تاج سے ہی پوچھ لی تھی۔

’’یار نمک تو بتادیں ایک چمچ ڈالنا ہے۔‘‘ وہ دروازے میں سے منہ نکال کر پوچھنے لگا‘ وہ پہلے ہی چڑی ہوئی تھی پوچھ پوچھ کر اس کا دماغ چاٹ چکا تھا۔

’’حسب ذائقہ ڈالنا ہے۔‘‘ وہ دانت پیس کر بولی تو وہ ہنستے ہوئے غائب ہوگیا۔ ایک بجے کھانا ریڈی کرکے وہ اس کے پاس لے آیا تھا۔

’’شیف شاہ میر کے ہاتھ کا تیار کردہ لذیز پلاؤ نوش فرمائیں۔‘‘ بھوک تو پہلے بھی لگ رہی تھی اب کھانا سامنے دیکھ کر وہ ہاتھ روک نہ پائی۔ پلاؤ واقعی مزے دار تھا‘ بخار کی وجہ سے اس کا منہ کا ذائقہ پھیکا ہو رہا تھا‘ چٹ پٹا پلاؤ کھا کر اسے کچھ اچھا محسوس ہوا۔ کھانا کھانے کے بعد اس نے چائے کا پوچھا تو وہ منع کرگئی مگر تھوڑی دیر بعد اسے چائے کی طلب محسوس ہوئی تو وہ خود ہی کمرے سے باہر نکل آئی۔ چائے کا مگ لے کر ڈرائنگ روم سے گزرتے ہوئے اس

کے بڑھتے قدم یک دم ٹھٹک کر رک گئے۔
"بھابی میں بہت پریشان ہوں وہ ماننے کو تیار ہی نہیں ہیں میری فیلنگز کو...... میں نہیں چاہتا وہ اب مزید سروائیو کریں میرے لیے اتنے سال انہوں نے میرے لیے میری خدمت کرتے گزار دیے آخر وہ بھی انسان ہیں زندگی کے رنگوں پر ان کا بھی حق ہے۔" وہ فون پر بھابی سے اسے ڈسکس کر رہا تھا۔ اس کا مطلب یہ بھابی اور اس کی ملی بھگت ہے وہ خراب دل لیے کمرے میں چلی آئی چائے پینے کو دل ہی نہ کیا نہ ہی نیند مہربان ہوئی۔ تھوڑی دیر میں ہی اس کا فون بجنے لگا بھابی کی کال آ رہی تھی اس کا موڈ نہیں تھا اٹینڈ کرنے کا فون بج بج کر بند ہو گیا اور پھر سے بجنا شروع ہو گیا اس نے کوفت سے یس کا بٹن پش کر دیا۔
"السلام علیکم۔"
"وعلیکم السلام! کیسی ہو تاج؟"
"ٹھیک ہوں میں۔"
"آواز کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی تمہاری۔"
"آواز سے کیا ہوتا ہے۔" وہ بے زاریت سے بولی۔
"کچھ ہو یا نہ ہو کم از کم طبیعت کا پتہ تو لگ ہی جاتا ہے۔" وہ کچھ نہ بولی۔ "کیا ہوا چپ کیوں ہو گئیں؟" انہوں نے پوچھا۔
"سوچ رہی ہوں بھروسہ ٹوٹنے کی تکلیف کا عالم کیا ہوتا ہے۔"
"کیا مطلب...... کیا کہنا چاہ رہی ہو تم؟"
"کچھ نہیں شاہ ریز کیسا ہے؟ اسے کہنا پھوپو بہت یاد کرتی ہے تمہیں۔"
"شاہ ریز ٹھیک ہے تم جو کہہ رہی تھیں اس کا مطلب کیا ہے۔" وہ الجھ رہی تھیں۔
"اس کا مطلب آپ خود سے پوچھیں آپ کو پتا چل جائے گا۔"
"شاہ تاج جو بھی ہے کھل کر کہو گھماؤ پھراؤ مت۔"
"بھابی مجھے اندازہ بھی نہیں تھا شاہ میر کے اس رویے کے پیچھے آپ کا ہاتھ ہوگا۔ آپ اسے اکسا رہی ہیں کہ وہ مجھے میرا حق دے۔" وہ ضبط توڑتے ہوئے بولی۔
"وہ کوئی چھوٹا بچہ نہیں ہے جو میرے کہے میں آ جائے میں صرف اسے سپورٹ کر رہی ہوں کیونکہ میں تم دونوں کو اکٹھے دیکھنا چاہتی ہوں۔" وہ فوراً کلیئر کرتے ہوئے بولیں۔
"اکٹھے...... اکٹھے...... کیا اکٹھے...... کون سے اکٹھے رہنے کی بات کر رہی ہیں آپ۔ مر چکا ہے میرا دل اور احساس سمجھوتہ کا گھونٹ بھر چکی ہوں میں اب مجھے میرے حال پر چھوڑ دیا جائے کسی کی ہمدردی نہیں چاہیے مجھے۔" وہ قطعیت سے کہہ کر کال ڈس کنکٹ کر گئی۔
اس نے سوچا کیا تھا اور ہو کیا رہا تھا افروز کا کردار تو بس شاہ تاج کو جلانے کے لیے تھا وہ اسے پروٹوکول دے ہی اس لیے رہا تھا کہ وہ دیکھنا چاہتا تھا اس کا ردعمل کیا ہوگا۔ جب شاہ تاج نے بھابی کو افروز کی بابت بتایا تب ہی انہوں نے کال کر کے شاہ میر کے کان کھینچے تھے اور اس نے کلیئر کیا تھا انہیں۔ یہ تجویز بھی بھابی ہی کی تھی کہ تھوڑی توجہ اگر وہ افروز پر مرکوز کر دے تو شاہ تاج کا ری ایکشن معلوم ہو جائے گا۔ پہلے پہل تو اس کے تاثرات دیکھ کر شاہ میر کو بہت مزا آیا تھا وہ جلتی بھنتی اسے وارن کرنے آئی تھی تب انہیں لگا تھا کہ اسے ہینڈل کرنا آسان ہے مگر دوسری بار اس کے بیان پر اسے دھچکا لگا تھا۔ وہ تو اسے اس کے ساتھ تنگی کرنے کے چکروں میں تھی تب اس کی غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے اس نے وہ رویہ اپنایا جو وہ چاہتا تھا۔ صرف اس کے غصے کی وجہ سے وہ خاموش تھا بچپن کی انڈر اسٹینڈنگ منٹ تو رشتہ بدلتے ہی گہری انسیت میں بدل گئی تھی مگر اس نے کمال مہارت سے اپنے جذبوں کو چھپائے رکھا ورنہ وہ اس سے غافل نہ تھا اس کے ہنسنے بیٹھنے روتے چلنے پھرنے تک کا انداز اسے ازبر تھا۔ وہ جانتا تھا جب وہ اپنے جذبے آشکار کرے گا تو وہ بھڑکے گی اور ایسا ہی ہوا تھا اسے بہت مشکل لگ رہا تھا یہ پہاڑ سر کرنا مگر وہ پیچھے ہٹنے والوں میں سے نہ تھا۔
راحیل کی شادی کا کارڈ آیا تھا اور اس کا پورا ارادہ تھا کہ

وہ شاہ تاج کو ساتھ لے کر جائے مگر وہ مان کے نہیں دے رہی تھی اسے نے راحیل کو کہا تھا کہ وہ خود بات کرے اس سے اس کے اصرار پر اسے مجبوراً ماننا پڑا تھا وہ بھی صرف بارات کا فنکشن اٹینڈ کرنے کی حامی بھری تھی۔ ٹی پنک کلر کی لانگ فراک پہنے جوڑا اسٹائل بنائے وہ بے انتہا ڈیسنٹ اور خوب صورت لگ رہی تھی۔ ہلکی سی میچنگ لپ اسٹک اسے نظر لگ جانے کی حد تک حسین بنا رہی تھی۔ دوپٹہ سر پر لے کر اس نے اپنی روایتی شال کندھوں پر ڈال لی تھی شربتی آنکھیں بنا کسی سنگھار کے ہی غضب ڈھا رہی تھیں پھر بھی اس نے کاجل اٹھا کر ایک گہری لکیر آنکھوں میں سجا لی تھی۔ ایش گرے تھری پیس سوٹ میں لمبے سراپے کے ساتھ وہ ڈیشنگ کی اصطلاح پر پورا اتر رہا تھا اس نے بلانے کے لیے جونہی دروازہ کھولا وہ آگے ایک قدم بھی نہ بڑھا پایا۔ یک ٹک اسے تکتے ہوئے پورا دروازہ کھولنا بھی وہ بھول گیا موبائل ہاتھ میں لے کر وہ جونہی سیدھی ہوئی تو ٹکٹکی باندھ کر اسے گھورتے شاہ میر پر نظر گئی اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

''گھورنا بند کرو اپنی لمٹس یاد رکھا کرو۔''

''میں اپنی لمٹس میں ہی ہوں ورنہ آپ میرے حق کا ایک فیصد بھی برداشت نہ کرسکیں۔'' معنی خیز بات پر وہ غصے سے سر جھٹک گئی۔

''راستے سے ہٹو اور جانے کی تیاری کرو۔''

''ٹھہر جائیں کچھ دیر ابھی' کچھ ٹائم باقی ہے۔'' وہ ہنوز اسی انداز میں گویا ہوا نظریں اس کے طواف میں مصروف عمل تھیں۔ وہ اندر ہی اندر سمٹ رہی تھی مگر باہر سے ایسا کچھ ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی سو اسی سرد انداز میں اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔

''تمہیں ٹھہرنا ہے تم ٹھہرو مگر مجھے راستہ دو باہر جانا ہے۔''

''اوہوں اکٹھے چلیں گے ناں' صرف چند منٹ۔'' التجائیہ الفاظ تھے۔

''اگر ڈسٹرب کرو گے تو میں کہیں نہیں جاؤں گی۔''

''بہت ضدی ہیں آپ' کبھی میری بھی مان لیا کریں۔''

''میں صرف صحیح باتیں مانتی ہوں' غلط باتوں کو ماننا میری عادت نہیں۔''

''اوکے.....اوکے۔'' وہ فوراً سنجیدہ ہوا۔ وہ نرمی سے سارا معاملہ نبٹانا چاہتا تھا' اس لیے خاموشی اختیار کرگیا برسوں کا غبار تھا آہستہ آہستہ ڈھلے گا۔ چابیاں اٹھا کر وہ باہر آیا تو اسے فرنٹ سیٹ پر موجود دیکھ کر مسکراہٹ لبوں پر در آئی' اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور اس کی لاتعلقی کو نظر بھر کے دیکھا' گردن موڑے وہ بے پروائی کی حد پر تھی اس نے میوزک آن کردیا۔

گلابی آنکھیں جو تیری دیکھیں

''یہ کیا بے ہودگی ہے۔'' اس نے ایک جھٹکے سے میوزک آف کیا۔

''اس میں بے ہودگی کیا ہے' گانا ہی تو ہے۔'' وہ موڑ کاٹتے ہوئے بولا۔

''تمہیں اچھے سے یہ بات ازبر ہے کہ مجھے نہیں پسند یہ حرکتیں مگر پھر بھی جان بوجھ کر وہی کرتے ہو۔'' وہ سختی سے بولی۔

''اُف.....'' وہ خفگی سے بس اتنا ہی بول پایا۔

وہاں پہنچ کر اس کا ٹکراؤ سب سے پہلے افروز سے ہوا' شاہ میر کو دیکھ کر اس نے جس وارفتگی کا مظاہرہ کیا تھا' شاہ تاج بس دیکھتی رہ گئی۔ وہ اس کی ایک ایک ادا نوٹ کر رہی تھی۔ ہیلو ہائے کر کے وہ کارنر پر بچی کرسیوں پر آ کر بیٹھ گئی' وہاں شاہ میر کے کئی کلاس فیلوز اور فرینڈز آئے تھے' میل' فی میل مکس گیدرنگ دیکھ کر وہ الجھ رہی تھی کیونکہ لڑکیوں کی ڈریسنگ اور حرکتیں کچھ زیادہ ہی بے باک تھیں۔ ''یہ پڑھی لکھی لڑکیاں تھیں ہنہہ'' وہ دل ہی دل میں طنز کررہی تھی۔ تعلیم تہذیب سکھاتی ہے مگر یہاں تو ادب و آداب ہی مفقود تھے' تھوڑی دیر بعد ہی شاہ میر فرینڈز کے ساتھ ادھر ہی چلا آیا تھا۔ اس نے شاہ تاج کا ان سے تعارف کروایا تھا وہ کھڑی ہو کر لڑکیوں سے ملی تھی' ان سب کی نظروں میں

اس کے لیے ستائش تھی۔
"آپ کیا کرتی ہیں آئی مین اسٹڈی وغیرہ کچھ؟" ان میں سے ایک نے سوال کیا۔
"میں نے ایم فل کیا ہے اور اب......"
"اور اب یہ ہاؤس وائف ہیں۔" شاہ میر نے اس کا جملہ بیچ میں سے اچک لیا۔
"کیا...... یہ میرڈ ہیں لگتا تو نہیں ہے۔ شوہر کہاں ہوتے ہیں آپ کے۔" افروز ورطۂ حیرت میں ڈبکیاں کھاتے پوچھ رہی تھی۔
"شوہر یہاں پائے جاتے ہیں ان کے۔" اس نے پاس کھڑی شاہ تاج کو ایک بازو کے حصار میں لے کر خود سے لگایا اتنی قربت وہ سلگ کر رہ گئی جبکہ شاہ میر کے ہونٹوں پر دلآویز مسکان سج گئی۔ وہ اس حصار میں ذرا کسمسائی۔
"ارے واہ یار...... کیا کپل ہے کمال ہے۔ بہت بڑا گھنا میسنا ہے تُو۔"
"تو اور کیا حد ہے اتنی خوب صورت وائف بغل میں دبائے گھوم رہے ہیں موصوف اور مجال ہے جو کبھی بھنک بھی لگنے دی ہو۔" اس کے دوست جملے کس رہے تھے اور خوشی کا اظہار کر رہے تھے بجز افروز وہ ایسے کھڑی تھی جیسے کلاس میں نالائق بچے کی ٹیچر کے ہاتھوں عزت افزائی ہونے کے بعد ہوتی ہے۔ کوئی محسوس کرے نہ کرے مگر شاہ تاج نے ضرور کیا تھا اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو وہ وہاں رکی نہیں تھی چلی گئی تھی۔ وہ سب اب راحیل کو بتانے گئے تھے اس کی یہ بات بے حد شاکنگ نیوز تھی وہ تو سُن کے گویا سکتے میں ہی آ گیا تھا۔
"یعنی شاہ تاج بھابی ہے ہماری قسم سے یار یہ تو میرے دل کی بات ہوگئی۔ تمہارا کپل مجھے روز اول سے بہت پسند تھا۔" وہ اپنے دل کی بات کررہا تھا۔
"یار ٹریٹ تو بنتی ہے زبردست سی وہ بھی بھابی کے ہاتھ کے مزیدار سے لنچ کی۔" سب نے اس کی تائید کی تھی وہ اندر ہی اندر خائف ہو رہی تھی سب وی آئی پی پروٹوکول دے رہے تھے۔ چھیڑ چھاڑ ہنسی شرارت میں کب وقت گزرا پتا ہی نہ چلا راحیل کی بہنوں سے اس کی اچھی خاصی بات چیت ہوئی تھی واپسی پر وہ گاڑی میں بیٹھتے ہی پھٹ پڑی۔
"میرے منع کرنے کے باوجود تم نے وہی کیا جو تمہارا دل کیا۔ کیا ضرورت تھی اعلان کرنے کی کتنی بے عزتی فیل کررہی تھی میں تمہیں اندازہ بھی نہیں ہے بس اپنی پڑی رہتی ہے۔"
"میرا بس چلے تو میں اشتہار لگوادوں اس بات کے آپ اعلان کو رو رہی ہیں۔" وہ دوبدو بولا تو اس نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا جواباً وہ گہری مسکراہٹ اس پر اچھال گیا۔
"کال کر کے اپنی سو کالڈ فرینڈ کا حال چال بھی پوچھ لینا۔"
"کون سی فرینڈ؟"
"ایک ہی تو فرینڈ ہے کلوز والی افروز۔" وہ کلوز پر زور دیتے ہوئے بولی۔
"کیوں اسے کیا ہوا؟" اس نے پوچھا۔
"یہ تو مجھے معلوم نہیں ہاں البتہ تمہارا اعلان سن کے وہ غیر حاضر ضرور ہوگئی تھی۔ ظاہر ہے دھچکا تو لگنا تھا تم نے خبر ہی ایسی نشر کی تھی وہ برداشت ہی نہ کرپائی۔ کیوں مشکل میں ڈال رہے ہو اس کو بھی اور خود کو بھی۔ ختم کرو یہ ڈرامہ فیلنگز اور زندگی کو صحیح راہ پر لاؤ۔" وہ اسے سنا رہی تھی۔
"کیا مطلب ڈرامہ؟ آپ میری فیلنگز کو ڈرامہ کہہ رہی ہیں......!" اس کا پاؤں بریک پر جا پڑا۔
"ہاں تو اس میں جھوٹ کیا ہے۔" اس نے بے نیازی سے کہا۔
"سچ بھی نہیں ہے میرے خلوص کو ڈرامہ کہنے کا آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا اور افروز کیا فیل کرتی ہے کیا نہیں یہ میرا ہیڈک نہیں۔"
"کیوں تمہارا ہیڈک نہیں جتنے تپاک سے تم ملتے ہو اس سے تو یہی ظاہر کرتا ہے اور ویسے بھی پرفیکٹ

میچ ہے وقت ضائع مت کرو۔'' وہ سنجیدہ تھی جبکہ شاہ میر خائف تھا۔
''میں پہلے ہی آپ کو کلیئر کر چکا ہوں کہ وہ صرف میری اچھی کلاس میٹ ہے تھنگ مور۔'' مگر وہ کچھ نہ بولی' شال سنبھالتی گاڑی کا دروازہ کھول کر نکل آئی' وہ اس کے پیچھے چلا آیا۔
''آخر آپ مان کیوں نہیں لیتیں کہ میری زندگی میں داخل ہونے والی آپ میری اکلوتی محبوبہ ہیں۔''
''تمیز ملحوظ خاطر رکھو شاہ میر...... تم ابھی بچے ہو تمہیں ایسی باتیں زیب نہیں دیتیں۔'' وہ ناگواری سے اسے ٹوک گئی۔
''بچہ نہیں ہوں میں' اس غلط فہمی کے طوق کو آپ نکال باہر کریں۔ عمروں کے فرق کو آپ نے اتنا بڑا مسئلہ بنالیا ہے۔'' وہ تڑپ کر بولا۔
''میری زندگی کو برزخ میں مت دھکیلو۔'' اس کی آواز میں نمی تھی۔
''میں تو آپ کی زندگی کو گلزار بنانا چاہتا ہوں' مجھے سمجھ نہیں آتا میں ایسا کیا کروں جس سے آپ کو یقین آجائے۔'' وہ بے بسی سے بولا' اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپاٹپ بہنے لگے۔
''رویا مت کریں۔''
''کیوں؟'' وہ تنک کر بولی۔
''پھر میرے دیکھنے پر آپ کہیں گی کہ مجنوں لگتا ہے۔'' وہ شرارت سے لب دبا کر بولا تو اس کی آنکھوں کے ارتکاز سے زچ ہو کر اس نے انگشت شہادت کا رخ دروازے کی جانب کیا جس کا صاف مطلب یہ تھا کہ نکل جاؤ یہاں سے۔
''تجھ کو اپنا نہ بنایا تو میرا نام نہیں۔'' وہ زیر لب بڑبڑاتے باہر نکل گیا اور پیچھے وہ چکراتے سر کو تھام کر بیٹھ گئی۔ وہ نہیں جان پارہی تھی وہ رو کیوں رہی ہے مگر پھر بھی رو رہی تھی' باوجود کوشش کے وہ گرم سیال کو بہنے سے روک نہیں پارہی تھی۔

❁......❁......❁

دسمبر کی پہلی بارش ٹھنڈ میں اضافہ کررہی تھی' سرمئی بادلوں سے لپٹا آسمان اور یخ بستہ ہوا کے جھونکے خنکی بڑھا رہے تھے۔ شام کا منظر دلکش ترین ہوگیا تھا۔ وہ کب سے ٹیرس پر کھڑی بارش کو دیکھ رہی تھی' اس کا دل کررہا تھا باہر جا کر کھڑی ہوجائے۔ اندر کے جوار بھاٹے کی تپش اسے سرتاپا لپیٹ میں لیے ہوئے تھی۔ رات بھی جب وہ دیر تک باہر لان میں بیٹھی رہی تھی تب شاہ میر اسے کھینچ کر اندر لے آیا تھا' اب پھر بھیگنے کی خواہش سر ابھار رہی تھی۔ دسمبر میں نہ جانے کیوں اداسی گھر گھر کر آتی تھی' اسے ہمیشہ سے دسمبر کی شامیں اٹریکٹ کرتی تھیں۔ سردیاں ہمیشہ سے اس کی فیورٹ رہی تھیں اور خاص کر دسمبر کا کہر زدہ ماحول' بھیگی بھیگی شمیں' دھندلی شامیں عجب سوگ میں رچی لگتی تھیں اور اب وہ جس مخمصے کا شکار تھی ایسے میں ہر چیز افسردہ نظر آرہی تھی۔
اس نے بے اختیاری میں تھوڑا آگے ہو کر دونوں ہتھیلیاں پھیلادیں۔ یخ پانی کے قطرے اندر تک سکون اتار گئے' اس کا چہرہ بھی پھوار سے گیلا ہوگیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد جب اس کی کپکپی چھوٹی تو احساس ہوا کہ ٹھنڈ بڑھ گئی ہے۔ ہونٹ بھینچتی وہ جیسے ہی پلٹی شاہ میر سے ٹکرا گئی۔
''اپنی تیمارداری کروانے کا زیادہ ہی شوق ہے آپ کو۔'' اسے دونوں بازوؤں سے تھامتے وہ طنز سے گویا ہوا۔ وہ یک دم ٹپٹائی مگر پھر سنبھل گئی اس نے جونہی انگلی بڑھا کر چہرے کے پانی کو چھونا چاہا وہ جھٹکے سے دور ہوگئی۔
''یہاں کسی فلم کا چیپ سین شوٹ نہیں ہورہا۔'' دانت پیستے وہ تڑخی۔
''ہاہاہا......'' اس کا چھت پھاڑ قہقہہ بلند ہوا۔
''فلم تو ہے مگر روکھی پھیکی سی' ہونہہ......'' اس نے سر جھٹکا۔
''ساری جرسی گیلی ہوگئی ہے جا کر کپڑے بدل لیں یہ نہ ہو آج رات آپ میرے رحم و کرم پر ہوں پھر مجھ سے کیا بعید کب ضبط بھول جاؤں کیونکہ آپ کے خیال میں

بہت بدتمیز ہوں اور بدتمیزوں سے کوئی بھی توقع کی جاسکتی ہے ناں۔'' اس کا اشارہ اس کے بیمار ہونے پر تھا' معنی خیزی سے ہنستا وہ اس پل اسے زہر لگا پاؤں پٹختی وہ واک آؤٹ کرگئی۔

وہ اس وقت نیند میں تھی جب دھڑ ادھڑ دروازہ بجنے کی آواز آئی' ادھ کھلی آنکھوں سے گرتی پڑتی وہ بمشکل دروازے تک پہنچی۔ دروازہ کھولتے ہی اس کا ہاتھ کسی نے تھاما تھا اور وہ اسی کے سہارے چلتی گئی تھی۔ گھپ اندھیرے میں اس نے اسے لاکھڑا کیا تھا' آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے دیکھتی وہ اور بھی زیادہ چکرانے لگی۔ نیند میں اسے کچھ سمجھ نہ آرہا تھا کہ کیا ہورہا ہے۔ اچانک کمرہ روشن ہوا تھا تو اس کی آنکھیں کھلی تھیں' انتہائی خوب صورت چاکلیٹ کیک پر اس کا نام سجا تھا اور کیک پر جلتی موم بتیاں روشن ہورہی تھیں۔

''ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔'' اس نے اپنے شانوں پر نرم سا دباؤ محسوس کیا تھا' سرگوشی میں ڈھلی آواز یکبارگی اس کی دھڑکنیں منتشر کرگئی' وہ جہاں کی تہاں کھڑی رہی۔

اس نے یوں ہی اس کے پیچھے کھڑے ہوکر حصار باندھتے ایک ہاتھ سے اس کا ہاتھ تھاما اور چھری پکڑا دی۔ میکانکی انداز میں کیک پر چھری چلی اور ایک بار پھر اس کی سرگوشی ابھری تھی۔

''27 دسمبر جتنا حسین دن کوئی ہو ہی نہیں سکتا' اس دن میری محسن' میری زیست اور میری رہنما اس کائنات میں جلوہ افروز ہوئی۔'' بارہ بج کر ایک منٹ پر وہ اسے کمرے سے لایا تھا' اب بارہ بج کر پانچ منٹ ہوگئے تھے۔

''اب آپ کھلائیں گی یا یہ زحمت بھی میں ہی کروں۔'' اس کی آواز گونجی تو وہ ہوش میں آئی' خاموشی سے کیک کا ٹکڑا نکال کر اس نے ہاتھ میں لیا اب کشمکش میں تھی کہ منہ میں کیسے دے۔ یہ الجھ بھی شاہ میر نے ختم کی' خود ہی جھک کر اس نے اس کا ہاتھ آگے کیا اور اپنے منہ میں کیک کا پیس رکھ لیا پھر اسی پیس کو اس کے منہ میں دیا' اس نے پاس پڑا ٹشو اٹھالیا۔

''گفٹ نہیں لیں گی اپنا۔'' شاہ تاج نے ایک پل اسے دیکھا اور پھر نظریں پھیر لیں۔

''کم از کم آج تو خفگی ختم کردیں۔ اس رشتے کے علاوہ بھی ہمارے دو رشتے ہیں' میں کزن ہوں آپ کا اور دوست بھی۔'' وہ اس کے سنجیدہ تاثرات کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''اگر یہی دو رشتے ہمارے بیچ رہتے تو بہت اچھا ہوتا۔''

''تیسرے رشتے کی گنجائش بابا سائیں نے نکالی تھی اور اسے نبھانا ہم نے ہے۔'' وہ بھی اس کے انداز میں بولا۔

''نبھا تو رہے ہیں ہم اور کیسے نبھاتے ہیں اس سے زیادہ کی توقع سوائے حماقت کے اور کچھ نہیں۔'' وہ ہاتھ باندھتے ہوئے بولی۔

''ہاں دنیا میں جتنے بھی ازدواجی رشتے ہیں سوائے ہمارے احمق ہیں اور احمقوں کی زندگی گزار رہے ہیں۔'' اس نے طنز کیا۔

''ان کی بات اور ہے۔''

''کیوں ان کی بات اور کیوں ہے؟ کیا وہ انسان نہیں ہیں یا ان کے سر پر سینگ ہیں۔ محض عمروں کا تضاد ہے اور یہ اکثر وہاں بھی ہوجاتا ہے جہاں رسم ورواج نہ ہوں۔ اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ آپ ہر خوشی خود پر حرام کرلیں۔'' وہ آج بحث کے موڈ میں تھا۔

''کسی کے لیے یہ بات اہمیت رکھتی ہو یا نہیں لیکن میرے لیے بہت رکھتی ہے' ایک ایسے شخص کے ساتھ زندگی گزارنی جو میچور ہی نہ ہو۔''

''میں میچور نہیں ہوں کیا' گلی ڈنڈا کھیلتا ہوں یا پتنگیں اڑانے جاتا ہوں۔'' اسے تھوڑا غصہ آگیا اس بات پر۔ ''بائیس سال کا ہوگیا ہوں' شعور ہے مجھے۔ آپ چند سال بڑی کیا ہوگئیں اماں والا بی ہیور کھنا شروع کردیا' جب مجھے کوئی ایشو نہیں ہے تو آپ کیوں مسئلہ بنائے کھڑی ہیں۔ تنگ آگیا ہوں میں آپ کی اس بات سے' کیا بیویاں بڑی نہیں ہوتیں۔ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہؓ کی عمروں کے بیچ پورے پندرہ سال کا فرق

تھا اور ایک کامیاب و آسودہ ازدواجی زندگی تھی اس سے بڑی آپ کس دلیل کو رد کریں گی۔ پیار و محبت اور ہم آہنگی سے رشتے برقرار رہتے ہیں نہ کہ اگر شوہر بڑا ہو اور بیوی چھوٹی تب چلتے ہیں یہ ضروری نہیں ہے۔“ وہ آج اس کی ہر بات کے جواب میں لاجواب کر رہا تھا۔

”مجھے اس رشتے کے حوالے سے آپ کا ترس یا ہمدردی نہیں چاہیے۔ میں نے آپ کی خدمت کی تو مجھے آپ اس کا صلہ دینا چاہتے ہیں۔“ وہ اپنے اندر کی بات نکال لائی۔

”کیا...... یعنی آپ یہ سمجھتی ہیں میرے خلوص کو آپ ترس یا ہمدردی سے مشروط کر رہی ہیں‘ واہ خوب۔ میں نے آپ سے محبت کی ہے بنا کسی مطلب کے یا ترس کے۔ میں اس لیے آپ سے محبت نہیں کرتا کہ آپ نے مجھ پر احسان کیا ہے یا میری خدمت کی...... آپ میری محسن ضرور ہیں مگر میری محبت اور جذبے ہر غرض سے پاک ہیں۔“

”چلیں مانا میں میچور نہیں ہوں مگر آپ تو میچور ہیں کیا آپ کو پھر بھی سمجھ نہیں آتا کہ بناوٹی باتوں اور حقیقت پر مبنی باتوں میں کیا فرق ہوتا ہے۔“ وہ بہت ہرٹ ہوا تھا اسے اندازہ بھی نہیں تھا وہ اس طریقے سے سوچتی ہے‘ شاہ تاج چپ ہو کر رہ گئی وہ کہہ کر جا چکا تھا۔

اگلے دن بالکل غیر متوقع بھابی کی آمد ہوئی تھی‘ وہ تو جیسے کھل اٹھی تھی۔ شاہ ریز کو اٹھائے اٹھائے گھوم رہی تھی جبکہ شاہ میر کل سے ہی چپ تھا‘ انتہائی سیریس انداز میں وہ بھابی سے ملا تھا۔ رات کے کھانے سے فراغت کے بعد انہوں نے اسے گھیر لیا۔

”یہ ہو کیا رہا ہے تم دونوں کے بیچ‘ مشرق اور مغرب بنے ہوئے ہو تم دونوں۔“

”اسی سے پوچھیں جس نے یہ سب کری ایٹ کیا ہے۔“ وہ تھوڑا خفگی سے بولی۔

”میں جانتی ہوں قصور تمہارا ہی ہوگا‘ تم نے ہی کوئی ایسی دل جلانے والی بات کی ہوگی اس نے تو ہمیشہ سیز فائر

بی بیوی اپنایا ہے۔‘‘ وہ اس کی حمایت میں بولیں۔
’’واہ یہ اچھی کہی آپ نے۔‘‘ وہ بڑبڑائی۔
’’شاہ تاج چندا...... میری بات سنو‘ بہت کم زندگی میں لوگ ایسے آتے ہیں جو ہمیں اپنی زندگی میں اپنی زندگی سے بھی زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ رشتوں کے خلوص کو پرکھنا سیکھو ورنہ وقت کا چابک ایسی چوٹ مارے گا کہ بلبلاتے ہوئے درد کو سہہ بھی نہ پاؤ گی۔ اللہ کا شکر ادا کرو کسی کی چاہ بن رہی ہو بلکہ کسی کی نہیں اپنے شوہر کی اس سے بڑھ کر کیا خوش قسمتی ہوگی پاگل لڑکی اب جاؤ اور اسے جا کر مناؤ کھانا بھی نہیں کھایا ٹھیک سے اس نے۔‘‘ وہ اسے سمجھاتے ہوئے بولیں۔
’’میں اسے مناؤں......!‘‘
’’تو اور کیا دو چار مہمان آئیں گے منانے۔‘‘ اس کے سوالیہ انداز پر وہ طنز سے بولیں۔
’’کیسے مناتے ہیں بھابی؟‘‘ اس کی اس معصومیت پر انہیں زور سے ہنسی آ گئی۔
’’تو میں نے کون سا کبھی کسی کو منایا ہے جو مجھے پتا ہوگا۔‘‘ وہ پریشان ہو رہی تھی۔
’’مناؤ گی تو پتا چلے گا۔ سوری اس معاملے میں کوئی ہیلپ نہیں مل سکتی۔‘‘ انہوں نے صاف ہاتھ اٹھائے‘ وہ منہ بناتی وہاں سے چلی گئی۔
پورا گھر چھاننے کے بعد وہ لان میں آسمان کے تارے گنتا نظر آیا‘ وہ انگلیاں مروڑتی پاس آئی‘ اس نے ترچھی نظروں سے اسے دیکھا مگر کچھ نہ بولا وہ کچھ دیر یونہی کھڑی رہی پھر آخر ہمت کر کے اس نے جلدی سے ’’سوری‘‘ کا لفظ ادا کر دیا۔ اس نے حیرانی کے جھٹکے سے نظریں اس پر جمائی تھیں جو نیچے سر کیے نادم نظر آ رہی تھی۔
’’وہ میں نے...... وہ جو ترس والی بات کی تھی اس کے لیے......‘‘ وہ جلدی سے بولی۔
’’بس صرف اس کے لیے؟‘‘ ایک اور سوال ہوا۔
’’نہیں مطلب ہر بات کے لیے سوری جو بھی میں نے کہا۔‘‘ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کیا کہے۔

’’ہمم...... اگر آپ کو یہاں بھابی نے بھیجا ہے تو میں کوئی سوری ایکسپٹ نہیں کرنے والا۔‘‘ وہ صاف گوئی سے بولا۔
’’میں اپنی مرضی سے آئی ہوں۔ ہاں وہ الگ بات ہے کہ میرے ارادے کو عملی جامہ پہنانے میں بھابی مددگار ثابت ہوئی ہیں۔‘‘ وہ اپنی صفائی میں بولی۔ ’’شاہ میر...... آپ اب بھی مجھ سے خفا ہیں۔‘‘ وہ مضطرب سی پوچھ رہی تھی اور شاہ میر اس انداز پر بے ہوش ہونے لگا تھا۔
’’تم سے آپ یعنی تبدیلی آئی نہیں تبدیلی آ چکی ہے۔‘‘
’’کیا میرا حق نہیں ہے آپ سے ناراض ہونے کا؟‘‘ وہ الٹا سوال کرنے لگا۔
’’ہاں بنتا ہے میں نے بہت ہرٹ کیا ہے آپ کو اپنی باتوں سے اپنے لہجے سے۔ میں مجبور تھی میں خود نہیں سمجھ پا رہی تھی کہ میں کیا چاہتی ہوں جو غم و غصہ نکاح کے وقت تھا وہی ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا گویا وہ بھی نکاح میں ہی آ گیا تھا۔ یہ بے جوڑ رشتہ مجھے ہضم نہیں ہو رہا تھا اور پھر جب سے آپ نے یہ سب شروع کیا تو مجھے لگا آپ میری ریاضتوں کا معاوضہ اپنے ساتھ کی صورت میں دینا چاہ رہے ہیں اور میں یہ زیادتی آپ کے ساتھ نہیں برداشت کر سکتی تھی کہ زبردستی اپنے سے اتنے سال بڑی لڑکی کو آپ جھیلیں مگر اس رات جب میں نے وہ سب کہا اور آپ کو برا لگا تو درحقیقت وہ مجھے بھی برا لگا تھا جب بعد میں سوچا تو ادراک ہوا کہ میں آپ کے ساتھ زیادتی کی مرتکب ہو رہی ہوں۔‘‘ وہ سر جھکائے اپنی غلطی کا اعتراف کر رہی تھی۔
’’دیا آپ درست آئیں ہے ناں؟‘‘ اس نے تھوڑا اچھک کر کہا تو وہ آنکھوں میں در آئی نمی کو پلک جھپک کر اندر اتارنے لگی۔
’’یار پہلے ہی دسمبر اتنا سرد اور نم ہو رہا ہے‘ آپ اور تو نمی نہ پھیلائیں۔‘‘ وہ ہنس پڑی۔ ہنسنے کے باعث بائیں آنکھ کا آنسو پھسل کے گال پر آ گرا جسے اس نے سرعت سے صاف کر لیا۔

"جانتی ہو آج کے دن کیا ہوا تھا؟" وہ اس کے گرد بازو حمائل کرکے اسے اپنے حصار میں لیتے ہوئے بولا۔ اس کا سر نفی میں ہلا۔ "پچھلے سات سال سے یہ دن ہماری زندگی میں آرہا ہے اور میں اسے اکیلا ہی سیلیبریٹ بھی کرتا رہا ہوں مگر آپ کو بنا بتائے اس دن ہر سال میں آپ کو گفٹ بھی دیتا تھا اور منہ بھی میٹھا کرواتا تھا مگر بہانے سے اصل مقصد بتائے بنا۔" اس نے کندھے اچکائے تھے کیونکہ اسے تو پتا ہی نہ تھا۔

"آج ہماری شادی کی سالگرہ ہے 28 دسمبر ہے آج۔" اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"تو پھر آج تو اسپیشل والا گفٹ بنتا ہے ناں۔" شاہ میر کی بات پر وہ یک دم جھینپی۔

"کب سے چاند کو دیکھ رہی ہیں میری طرف بھی دیکھ لیں اتنا بھی سوہنا نہیں ہے وہ۔" اس کی خاموشی پر وہ گویا ہوا۔

"اچھا چلیں یہ بھی کرلیتے ہیں۔" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی مگر زیادہ دیر نہ دیکھ پائی۔ اس قدر گہری بولتی آنکھیں حواس مختل کرگئیں، وہ فوراً نظریں پھیر گئی۔

"مجھے دسمبر بہت پسند ہے ہر سال میں اس ماہ کا انتظار کرتا ہوں، آپ کی وجہ سے میری زندگی کے بہت خاص دن اسی ماہ میں آتے ہیں۔" وہ اس کا ہاتھ اپنے پُر حدت ہاتھ میں تھام کر بولا۔

"مجھے بھی بے حد پسند ہے دسمبر مگر اب دسمبر کے ساتھ ساتھ نومبر بھی پسند ہے۔"
"وہ کیوں؟" شاہ میر نے پوچھا۔

"آپ کی برتھ ڈے نہیں ہوتی کیا۔" اس جواب پر اس کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

"ٹھنڈ بڑھ رہی ہے اندر چلیں۔" شاہ تاج نے کہا۔

"نہیں ابھی گیارہ بجے ہیں، ابھی تو دسمبر کا چاند اپنی جوبن پر آیا ہے، ٹھہر کر چلیں گے۔"

"مجھے ٹھنڈ لگ رہی ہے اپنی کھڑکی سے دیکھ لیجیے یہ نظارہ۔" وہ ہاتھوں کو آپس میں رگڑتے ہوئے بولی۔

"اچھا اور جب آدھی آدھی رات کو اسی دسمبر میں باہر لان میں پائی جاتی تھیں تب سردی نہیں لگتی تھی۔"

"وہ تو شوق کا کوئی مول نہیں کے مصداق آجاتی ہے، اب تو مجھے نیند آرہی ہے سونا ہے مجھے۔"

"اوکے چلیں مادام چلتے ہیں۔" وہ سرخم کرکے بولا تو اس کی ہمراہی میں اس نے قدم آگے بڑھائے۔

"یہ کہاں جارہے ہیں آپ۔" اسے اپنے کمرے کی جانب جاتے ہوئے دیکھ کر گویا ہوا۔

"اپنے کمرے میں۔" جواب آیا۔

"اب اپنا اپنا نہیں ہمارا کمرا ہوگا۔" وہ "ہمارا" پر زور دیتے ہوئے بولا۔

"اوں ہوں، جب تک آپ کا لاسٹ سمسٹر اینڈ نہیں ہوجاتا تب تک اپنا اپنا چلے گا اس وقت کے لیے ٹاٹا بائے گڈ نائٹ۔" مسکراہٹ اچھالتی وہ کمرے میں گھس گئی۔ پیچھے شاہ میر بھی اس کے ٹھینگا دکھانے والے انداز پر دلکشی سے مسکرا دیا۔

بلاشبہ سچے رشتوں کا کوئی نعم البدل نہیں ہوتا، خائف تو وہ بھی ہوا تھا اس رشتے۔ وہ بھی ان فرسودہ روایات کے زبردست خلاف تھا مگر محبت کے کیوپڈ نے اس کی زندگی چمن کردی تھی۔ وہ اللہ کا بے حد شکر گزار تھا کہ فیصلہ اس وقت غلط تھا مگر وقت نے اسے خوش قسمتی سے صحیح ثابت کردیا تھا ورنہ دو سال کی لڑکی کو تیس سال کے مرد اور چالیس سال کی عورت کو پانچ سال کے بچے سے منتھی کرنے کا رواج پرانا اور پختہ تھا۔ اس نے فیصلہ کرلیا تھا وہ دونوں آنے والی نسل کے لیے اسٹینڈ لیں گے اور اس روایت کو ہمیشہ کے لیے اپنے خاندان سے نکال باہر کریں گے۔

کچے پکے راستے

کوثر ناز

جب وہ اس گھر میں شادی ہوکر آئی تو اماں نے کئی نصیحتیں کی تھی جن میں سے چند ایک ہی اسے یاد تھی۔

"شادی کے بعد سسرال ہی لڑکی کا اصل گھر ہوتا ہے۔ شوہر کے گھر والے‘ اس کے رشتے دار ہی آپ کی پہلی ترجیح ہونی چاہیے‘ جیسے بچپن میں ہوش سنبھالا تو اس گھر کو سب کچھ مان کر اس گھر سے اور اس کے تمام لوگوں سے جس عزت اور محبت سے پیش آتی رہی ہو اس طرح وہاں بھی رہنا زندگی کی نئی شروعات کرنی ہے تمہیں۔ شوہر سے جڑے رشتوں کا خیال رکھوگی تو آپ کی قدر ان کی نظروں میں بڑھ جائے گی۔ نئے گھر کو محبت و پیار سے سنبھالنا‘ کبھی ساس سے زبان درازی یا نندوں سے نوک جھونک مت کرنا ہمیشہ پیار سے پیش آنا۔ اگر گھر والوں کی چہیتی رہوگی تو شوہر بھی پلکوں پر بٹھا کر رکھے گا ورنہ تو پھر اپنے ہر عمل کی ذمہ دار تم خود ہوگی۔" جہاں ماں کی نصیحت یاد تھی وہیں وہ بڑی بہن کے کلمات بھی نہیں بھولے تھے جو وہ مایوں سے ایک روز پہلے کسی گہرے راز دار کی طرح اسے بتا رہی تھی۔

"میں نے اماں کے کہنے میں آ کر کیا کچھ نہیں جھیلا‘ کتنی کوشش کی سب کو اپنی اچھائی سے اپنی طرف راغب کرنے کی مگر سب بے کار رہا۔ یہ سسرالی ہوتے ہی ٹیڑھے ہیں‘ ساس سے محبت سے بات کرو تو کھسر پھسر ہوتی ہے کہ یہ چاپلوس ہے کس بنیاد پر اور اگر نندوں کو کبھی تحفے دو تو شکریہ کے بجائے کہتی ہیں کہ "اللہ بھابی تم تو بھائی کی جیب کے پیچھے ہی پڑی رہا کرو" ایسے میں بندہ جائے بھی تو کہاں‘ کرے بھی تو کیا اور جب مجازی خدا سے کچھ کہو تو جناب مسکرا کر ٹال دیتے ہیں۔ یہ جو سسرال رشتے ہوتے ہیں نہ صرف مطلب پرست ہوتے ہیں‘ یہ ساس کبھی بہو کو قبول ہی نہیں کرسکتی‘ انہیں اپنے بیٹے کی زندگی میں بہو نامی کیڑا چاہیے ہوتا ہی نہیں ہے۔ شادی تو ایسے چاؤ سے کرواتی ہیں جیسے سارے کے سارے ارمان اسی شادی سے منسلک ہیں مگر شادی کے بعد نہ جانے کس بات کا بیر باندھ لیتی ہیں۔ اگر ان کا بس چلے ناں تو بہو کو اس کے میکے میں ہی فٹ کروا آئیں ہمیشہ کے لیے تاکہ بیٹا ان کے ہاتھوں میں رہے اگر خدانخواستہ بہو بیٹے کی پسند کی ہے تو ایسے پیار جتلائیں گی جیسے انڈین ڈراموں کی ساس سے مقابلہ چل رہا ہو ورنہ تو پھر دوسرے حال میں تو بیٹے کی بھی پروا نہیں کرتی ہاں اگر کبھی مجازی خدا کو خیال آ بھی جائے کہ چلو بیگم آج تمہیں باہر کی سیر کروا لاؤں یا آئس کریم کھلا لاؤں تو نندیں پہلے چپلیں پہن کر کھڑی ہوجائیں گی۔ ارے جب اپنے چہیتے کی شادی کر ہی رہی ہو تو خود کو تیار بھی کرلو کہ اب اس بندے پر نئے فرد کی بھی ذمہ داری عائد ہونے جارہی ہے۔ اس کی خوشیاں‘ اس کے ارمان‘ بھی آپ کے بیٹے کے سنگ جڑے ہوئے ہیں لیکن مریم‘ تم بھول کر بھی انہیں سر پر نہ چڑھانا۔ شروع سے لگام کھینچ کر رکھنا شوہر کی۔" بہن کی باتیں بھی یاد تھیں تو بیسٹ فرینڈ مناہل کو بھی نہیں بھولی تھی جو اس کی شادی کے دوسرے دن ہی سعودی عرب چلی گئی تھی‘ اپنے شوہر کے پاس‘ تینوں عورتوں کی باتوں میں اتنا تضاد تھا وہ مناہل کی باتوں کو یاد کرنے لگی۔

"مریم شادی کے بعد پہلے سب کے مزاج کو سمجھنا‘ کچھ عرصہ بس خاموشی سے سب کا جائزہ لو اور پھر ایسے لوگوں کو متاثر کرنے کی کوشش کرنا‘ ان کا خیال رکھنا جن کی گھر میں مستحکم پوزیشن ہو جیسے کہ سسر اور دیور وغیرہ اور شوہر تو ہوگا ہی تمہارا۔ یہ جو ساس ہوتی ہے ناں یہ ٹیڑھی کھیر ہوتی ہے‘ پہلے دیکھنا بیٹے کے سامنے تمہارے ساتھ رویہ کیسا ہے اور بعد میں کیسا‘ اس کے بعد ہی کوئی قدم اٹھانا۔ تم بھی ان کے ساتھ اسی انداز میں رہنا جس انداز میں وہ تمہارے ساتھ رہتی ہوں۔ یہ سوچ کر خاموش مت رہنا کہ لڑکی ہو تو سب سہنا ہے‘ نہیں۔ اب اس معاشرے میں عورت اپنی بنیاد مضبوط کرچکی ہے‘ وہ اپنا ہر حق حاصل کرسکتی ہے۔"

مناہل کی بات کا مطلب اس کے کچھ سمجھ نہیں آیا تھا بنیاد مضبوط کرنے سے کیا مراد تھی' کیا عورت مرد بن چکی ہے؟

خیر ان سب کے تجربات اور باتیں اپنی جگہ تھیں مگر مریم تو یہاں آ کر نئی مصیبت میں ہی پھنس گئی تھی۔ دو نندیں تھیں جو ہمہ وقت سر پر سوار رہتی تھیں' بھابی بھابی کرتی اس کے کمرے میں ڈیرہ ڈالے رکھتیں۔ پوری پرائیوسی ہی ڈسٹرب کر کے رکھ دی تھی' دیور کوئی نہیں تھا۔ ساس اور سسر تھے دونوں ہی بہت شفیق طبیعت کے انسان تھے' شوہر بھی پیار کرنے والا نرم مزاج تھا۔ ملٹی نیشنل کمپنی میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھا' سسر ریٹائرڈ بینک منیجر تھے۔ سب ہی بہترین تھا مگر اس کا جینا تو ان دونوں نندوں نے حرام کر رکھا تھا' جو پورے دن اس کے پاس ہوتی تھیں آج کل کالج بھی آف تھے دونوں کے' کبھی ایک جاتی تو دوسری آ جاتی اور کبھی کبھی تو دونوں ہی اس کے مطابق اس کی پرائیوسی میں دخل دیئے رکھتی۔

وہ دونوں تو صرف کمرے میں اس کے اردگرد اس لیے رہتی تھیں تا کہ وہ خود کو اکیلا نہ سمجھے' اداس نہ ہو اور جلد ہی گھر میں گھل مل جائے۔ اپنے رشتے چھوڑ کر آئی ہے اگر ہماری وجہ سے دل بہل جائے تو برائی ہی کیا ہے مگر وہ تو شک کیے بیٹھی تھی کہ ضرور ان کی شریف دکھائی دینے والی اماں نے ہی انہیں میری نگرانی پر معمور کر رکھا ہوگا کہ کہیں میں اپنی امی سے یہاں کی باتیں نہ کر رہی ہوں اور کہیں وہ مجھے بھڑکا نہ دیں۔ وہ احمر کی وجہ سے خاموش رہتی تھی کہ وہ اپنی بہنوں سے بہت محبت کرتا تھا اور کچھ وہ بھی مروت میں خاموش ہی رہتی۔

ساس سے الگ شکایت تھی کہ سر پر کھڑی ہو کر کھانا پکواتی ہیں' حکم چلاتی ہیں یہ ایسے کرو یہ ایسے نہ کرو' جیسے وہ کوئی بہو نہ ہو کوئی نوکرانی ہو گئی' جسے گھر کے معمولات سکھانے کو ہر وقت سر پر سوار رہتی تھی جبکہ وہ کچن میں صرف اس لیے موجود تھی کہ اسے کسی چیز کی ضرورت ہو تو وہ اسے گائیڈ کر دیں اور پھر اس کی امی نے بھی کہا تھا کہ اپنی طرف سے پوری کوشش کی ہے اسے سب سکھانے کی مگر لاڈلی ہے سو خیال رکھیے گا ذرا اپنی نگرانی میں کھانا پکوایئے گا۔ ابھی تک گھرداری میں الجھایا نہیں ہے اسے' میں نے اور مریم تھی کہ صادقہ بیگم کا حکم ماننا جیسے خود کی توہین سمجھتی تھا۔ وہ ان کے جانے کے بعد کچھ نہ کچھ گڑبڑ کر دیتی' کبھی مرچ زیادہ ڈال دیتی تو کبھی نمک اور پھر کہہ دیتی ''امی جی آپ کے سامنے ہی تو ڈالا تھا'' اور وہ خاموش سی رہ جاتیں۔

❁ ❁ ❁

''مریم یہ کیا کیا' آپ کو یہ سارے طور طریقے تو میں نے نہیں سکھائے۔'' دوسرے دن اماں کو اپنا کارنامہ سنایا تو انہوں نے بے حد تاسف سے کہا۔

''ماں آپ کو پتا ہے وہ مجھ پر حکم چلاتی ہیں یہ اتنی ڈالو یہ بیٹا ذرا سی بھنڈی بڑی کاٹو اتنی باریک نہیں۔ اچھا سب ایک ساتھ مت چڑھا دینا' پہلے بھنڈی الگ سے بھون لو ہاں مرچ کم ڈالنا صبا کم کھاتی ہے۔ حد ہے بھئی میں کوئی پاگل تو ہوں نہیں جو مجھے یوں ہر ہر بات بتاتی ہیں اس لیے مجھے غصہ آ جاتا ہے اور میں گڑبڑ کر دیتی ہوں۔'' مریم منہ

پھلائے بیٹھی تھی۔

"مریم بُری بات ہے بیٹا اتنی شفیق خاتون ہیں تمہاری ساس کہ تمہیں گھر داری سکھا رہی ہیں ورنہ تو ثناء کی ساس کو دیکھو ڈھونڈ ڈھونڈ کر اس کی خامیاں اس کے شوہر کے سامنے لاتی ہیں اور یہاں تم انہیں نیچا دکھانے پر تلی ہو جبکہ سب جانتے ہیں کہ صادقہ بیگم کیسے کھانے پکاتی ہیں کیونکہ عرصہ سے وہ وہاں کھانا پکاتی آ رہی ہیں اور تم انہیں سب کے سامنے جھوٹا کر دیتی ہو۔" مریم کی ماں نے بڑی توجہ اور پیار سے اسے سمجھایا تھا کہ جیسے ہر ماں (جو اپنی بیٹی کو سسرال میں خوش دیکھنا چاہتی ہے) سمجھاتی ہے۔

"مگر اماں آپ سمجھ نہیں رہی ہیں وہ مجھ پر حکم چلا کر خود کو تسکین دیتی ہیں کہ چلو کوئی تو ہے جس پر میں اپنا حکم چلا سکتی ہوں۔ یہ ساس بہوؤں کو اپنا ملازم سمجھتی ہیں مگر میں آج کے زمانے کی لڑکی ہوں کسی سے کم نہیں اور نہ دبنے اور ڈرنے والی ہوں۔ کوئی بھی چیز مجھے رشتے نبھانے پر مجبور نہیں کر سکتی، میں پڑھی لکھی ماڈرن لڑکی ہوں اپنا اچھا برا سب سمجھتی ہوں۔ ضرورت پڑی تو کسی پر بوجھ بننے کے بجائے اپنا کما سکتی ہوں۔" مریم کی معصومیت بہو بننے کے بعد جیسے کہیں کھو سی گئی تھی، وہ کم عقل بہو کا روپ دھار چکی تھی جو ساس کی فرماں برداری کو اپنی توہین سمجھتی ہے۔

"مریم...... یہ کیا فتور پال رکھا ہے اپنے دماغ میں۔ عورت شوہر کا ساتھ پا کر مکمل ہوتی ہے اس کے لیے ہر رشتہ خواہ کیسا بھی ہو نبھانا پڑتا ہے جبکہ تمہاری فیملی تو ماشاء اللہ سے پڑھی لکھی اور سمجھ دار بھی ہے۔ تم کو گھر میں ایڈجسٹ ہونے میں مدد دے رہی ہے اور تم ہو کہ ماڈرن ہونے کا بھوت سر پر سوار کیے اپنا ہی گھر خراب کرنے پر تلی ہو۔ ان سب میں احمر تمہارا ساتھ کبھی بھی نہیں دے گا اور ماڈرن ہونے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ ہمیں رشتوں کی ضرورت نہیں، ہمیں ہمیشہ سہارے کی ضرورت ہوتی ہے اور شوہر سے زیادہ مضبوط سہارا ایک عورت کے لیے کیا ہو سکتا ہے۔ تمہارا شوہر محبت کرنے اور خیال رکھنے والا ہے ایسے شوہروں کے لیے عورتیں دنیا تیاگ دیتی ہیں، تم تھوڑا سا ایڈجسٹ نہیں کر سکتیں۔" انہوں نے اپنے تئیں اسے سمجھایا تو بہت تھا اب وہ سمجھی تھی یا نہیں یہ وہ نہیں سمجھ پائی تھیں۔

❀ ❀ ❀

"بھابی کیا ہے یار...... آپ اتنی مرچیں کیوں ڈالتی ہیں، جانتی بھی ہیں کہ میں مرچیں کم کھاتی ہوں۔" آج پھر صبا نے مرچیں زیادہ پائیں تو ڈھیر سے شکایت کی۔ ڈائننگ ٹیبل پر سنبل، احمر، صبا اور مریم بھی براجمان تھے۔ صادقہ بیگم اور مراد ملک کسی فنکشن میں گئے ہوئے تھے احمر نے چپکے سے بیوی کے تیور دیکھے۔

"صبا...... کم ہی ڈالی تھی پتا نہیں کیسے زیادہ ہو گئی۔" اس نے احمر سے نظریں چرا کر کہا۔

"ہر بار یہی مسئلہ ہوتا ہے، مجھے نہیں کھانا۔" نہ جانے آج کیوں وہ چڑچڑی ہو رہی تھی جو کھانے سے بھی انکار کر دیا ورنہ تو وہ کھا لیتی تھی۔ مریم نے آج طیش میں آ کر مرچیں زیادہ ڈال دی تھیں کہ وہ دونوں کمرے میں گھسی نہ جانے کون سی مصروفیات سلجھا رہی تھی اور وہ اکیلی گرمی میں کچن میں جھلس رہی تھی اب تو مریم بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"معافی چاہتی ہوں صبا صاحبہ...... میں تو ایسے ہی کھانا پکاتی ہوں، کھانا ہے تو کھا لو۔

"بھابی میں نے تو...... آئم سوری......" صبا بے چاری کے اوسان خطا ہو گئے تھے اس نے ایسا کیا کہا کہ وہ اتنی سیخ پا ہو گئی تھی احمر بس اسے جاتا ہی دیکھتا رہ گیا۔

"آئم سوری بھائی مجھے نہیں معلوم......" آگے صبا سے کچھ بولا بھی نہیں گیا تھا احمر تو خود مریم کی حرکت پر شرمندہ تھا۔

"کوئی بات نہیں گڑیا، چلو میں تمہارے لیے آملیٹ بنا دیتا ہوں کم مرچوں والا۔" احمر نے زبردستی مسکراتے ہوئے خجالت مٹانے کو کہا اور اٹھ کھڑا ہوا جبکہ صبا نے فوراً سے منع کیا۔

"نہیں بھائی...... بالکل نہیں، مجھے ویسے بھی بھوک نہیں ہے۔" وہ اٹھ کر وہاں سے چلی گئی، اسی کے پیچھے

مناہل بھی ہولی۔ کھانے سے تو پہلے ہی دل اچاٹ ہو چکا تھا سواب اس نے بھی کھانے کی پلیٹ کو ہاتھ سے دور کیا اور کمرے کا راستہ لیا۔

وہ آئینہ کے سامنے کھڑی اپنے بالوں میں برش پھیر رہی تھی احمر کو دیکھ کر بھنویں سکیڑ کر منہ بنایا وہ مسکراتا ہوا اس کے قریب آ گیا۔

''آج ہماری بیگم صاحبہ کا موڈ کیوں آف ہے' اتنے غصے میں کیوں ہیں آپ؟'' احمر نے تھوڑی اس کے کندھے پر ٹکاتے ہوئے پوچھا۔ مریم نے برش ڈریسنگ پر پٹخا' آئینہ سے ہی اسے گھور کر دیکھا پھر پلٹ کر گویا ہوئی احمر اب ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔

''حد ہوگئی ہے بھئی بس تھوڑی سی زیادہ تو تھیں مرچیں' سب کھا رہے تھے وہ بھی کھا لیتی تو کیا چلا جاتا۔ مجھے تو ایسے کہہ رہی تھی جیسے میں اس کی نوکرانی ہوں' مجھے بالکل بھی عادت نہیں ہے یوں کسی کے نخرے اٹھانے کی اور نا ہی میں کسی کی خواہشوں کا خیال رکھنے کی پابند ہوں یہاں پر۔ آپ کی بیوی ہوں میں یہاں دیگر لوگوں کی باندی نہیں ہوں جو یوں حکم چلاتی ہیں مجھ پر۔'' مریم شدید غصے میں تھی اور پہلی بار احمر کے سامنے اتنی زبان درازی کر رہی تھی۔ احمر نے خاموشی سے اسے سنا اور پھر اسے بیڈ پر بٹھا کر خود بھی اس کے سامنے بیٹھا اور اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔

''دیکھو مریم...... تم میرے حوالے سے اس گھر میں ہو' اگر تم کچن سنبھالتی ہو تو سب کی پسند کا خیال رکھنا بھی تمہاری ذمہ داری ہے۔ مجھے اپنی بہنیں بہت عزیز ہیں' جان سے بڑھ کر۔ میں تمہیں ہرگز یہ اجازت نہیں دوں گا کہ تم میری بہنوں سے اس طرح سے بات کرو جیسے تم نے آج کی ہے۔ تم اس گھر کی اکلوتی بہو ہو اور بہو ہونے کے ناطے اس گھر کو سنوارنا' سنبھالنا تمہاری ذمہ داری ہے تو کیا تم گھر کی ذمہ داری اٹھانے والوں کو باندی کہتی ہو' مطلب میری ماں' تمہاری ماں اور تمام وہ عورتیں جو اپنے اپنے گھر کی ذمہ داریاں سنبھالتی تھیں کیا وہ سب باندیاں ہیں' اگر باندیاں گھر اس قدر خوش اسلوبی سے سنبھال سکتیں تو کسی کو شادی کرنے کی ضرورت ہی نہ پیش آتی۔ اپنا مقام سمجھو مریم' ورنہ نقصان سراسر تمہارا ہوگا۔'' وہ آج اسے تفصیل سے سمجھا رہا تھا' مریم بغور اس کی آنکھوں میں جھانک رہی تھی تبھی بولی۔

''آپ جانتے ہیں میں کوکنگ میں ایکسپرٹ نہیں ہوں مگر آہستہ آہستہ سب آ جائے گا۔'' وہ معصوم سی صورت بنا کر اسے بہلانے کی کوشش کر رہی تھی اور کامیاب ٹھہری تھی۔

''میں جانتا ہوں میری جان اور یہ بھی جانتا ہوں کہ تم بہت جلد سب سیکھ لوگی۔'' وہ اسے خود سے لگاتے ہوئے کہہ رہا تھا اور وہ ان سنی کیے اس کی قربت میں کھوگئی تھی۔

❁......❁......❁
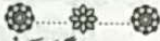
سنبل اور صبا نے صادقہ بیگم کو کچھ نہیں بتایا تھا اگر بتا بھی دیتی تو وہ درگزر کر دیتی مگر پھر بھی نندیں ایسے موقعے کہاں ضائع کرتی ہیں۔ مگر دونوں ہی نند بننے کے بجائے بہنیں بننے کی کوشش کر رہی تھیں کہ دونوں نے ہمیشہ ماں کو پھوپوؤں کے ساتھ اسی طرح سے گھل مل کر رہتے دیکھا تھا مگر مریم نے اپنے گھر میں اپنی بھابی اور بہن کو دیکھا تھا کہ بھابی شادی کے چھ ماہ بعد ہی الگ ہوگئی تھی۔ ثناء اور مریم کو زیادہ منہ نہیں لگاتی تھی اور جب بیٹا ہوا تو وہ اسے اپنے میکے چھوڑ کر جاب پر جاتی حالانکہ سسرال قریب تھا جبکہ ثناء کی ساس نے اس کی ساری اچھی عادتوں اور اچھے رویوں کے بدلے میں اسے ہمیشہ دھتکارا ہی تھا۔

کہیں معاملہ یہ ہوتا ہے کہ ساس اپنانے کو تیار نہیں ہوتی تو کہیں بہو راضی نہیں ہوتی وہ شادی سے پہلے ہمیشہ یہ سوچتی تھی کہ بہنوں اور نندوں میں کیا فرق ہوتا ہے اور ساس اور ماں میں کیا فرق ہے جبکہ باپ اور سسر بھی ہوتے ہیں ان سے اتنی پرخاش کیوں نہیں ہوتی جیسے نند اور ساس سے ہوتی ہے ان پر اتنا بھروسہ نہیں کیا جاتا ہے جتنا ماں اور بہنوں پر ہوتا ہے۔ لڑکی سرے سے ہی ساس کو ماں ماننے پر تیار کیوں نہیں ہوتی' آنٹی کہنے کو کیوں ترجیح دیتی ہے؟ اس کا مطلب تو صاف تھا ناں کہ وہ خود ہی قبول

کرنے کو تیار نہیں ہوتی کہ ساس بھی کبھی ماں کی جگہ لے سکتی ہے۔

بہنوں اور نندوں میں واضح فرق یہی ہوتا ہے کہ وہ نندیں جو کہ شروع سے ہی مشکوک کردار رکھتی ہیں جبکہ بہنوں سے کتنی بھی لڑائی کیوں نہ ہو جائے دوبارہ دوستی ہو ہی جاتی ہے مگر ایک بار نند یا بھابی میں ذرا سی بھی "تو تو میں میں" ہو جائے تو انا کا مسئلہ بن جاتا ہے۔ ساس کی بھی سب سے بڑی خامی یہی ہوتی ہے کہ وہ ساس ہے پھر چاہے وہ بے چاری کتنی ہی نیک صفت خاتون کیوں نہ ہو۔ سسر سے تعلقات اس لیے بہتر رہتے ہیں کہ وہ بھی باپ ہی کی طرح گھریلو امور کی ذمہ داری اپنی بیوی کو سونپ کر بری الذمہ ہو جاتا ہے۔

وہ پہلے سوچتی تھی کہ جب لڑکی نئے اور اجنبی مرد کے ساتھ شادی کر کے اسے اپنا سب کچھ تسلیم کر لیتی ہے تو پھر اس کی ماں اور بہنوں کو کیوں نہیں (وہ ایسا اس لیے سوچتی تھی کہ ان کے ہاں اب بھی یہی رواج تھا کہ شادی سے پہلے لڑکا اور لڑکی آپس میں بات چیت نہیں کرتے تھے اور وہ اس سے مطمئن بھی تھی ورنہ آج کل کے مطابق تو لڑکے سے انڈر اسٹینڈنگ پہلے ہوتی ہے اور شادی بعد میں)۔ کیا شوہر کے ساتھ ساتھ نندوں اور ساس کو قبول کروانے کے لیے بھی کوئی رسم ادا کروانی چاہیے کہ بہوئیں انہیں قبول کر لیں یا پھر شوہر کے ساتھ رہنے کے بجائے ساس اور نندوں کے کمرے میں رہا جائے تاکہ وہ ان کو سمجھ سکے جب شوہر کے ساتھ ایک کمرے میں رہتے ہوئے کئی اختلافات ہو سکتے ہیں تو نندوں اور ساس کے ساتھ ایک گھر میں رہتے ہوئے کیوں نہیں؟ اور جب شوہر سے اختلافات کو سلجھا لیا جاتا ہے تو ساس اور نندوں سے اختلافات کو اتنی ہوا کیوں دی جاتی ہے جبکہ انہیں تو اس معاملے میں خاص رعایت درکار ہوتی ہے کہ وہ آپ کے کمرے کے بجائے گھر شیئر کر رہی ہوتی ہیں جب شوہر سے لڑائی ہو جاتی ہے تو ان کو کیوں نہیں اگر بہنیں یہ خواہش کرتی ہیں کہ ان کا بھائی انہیں توجہ محبت پیار اور وقت دے تو بیویوں کو اتنی پُرخاش کیوں ہوتی ہے۔ وہ ان کچے پکے راستوں سے کئی بار گزری تھی اور گزرتی تھی مگر اب سوچنا چھوڑ چکی تھی۔ صحیح اور غلط کا اندازہ لگانا بھول گئی تھی یاد تھا تو اتنا کہ میرے لیے کیا صحیح ہے اور کیا غلط میرے حق میں کیا بہتر ہے۔

❁......❁......❁

"مریم یہ ڈریس اگر سنبل کو پسند آیا ہے تو اسے دے دو' ہم امی کے ساتھ جا کر تمہارے لیے نیا ڈریس خرید لیں گے۔" مریم امید سے تھی اور اس کی گود بھرائی کی رسم قریب آ رہی تھی تبھی شاپنگ جاری تھی اس سلسلے میں جو سوٹ مریم کو پسند آیا وہ ہی اتفاق سے سنبل کو بھی پسند آ گیا تھا تبھی احمر نے مریم کو سمجھانے کی کوشش کی اور مریم خاموشی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ وہ چاروں اسے جاتا دیکھتے رہ گئے تھے وہ کچھ زیادہ ہی بداخلاق ہوتی جا رہی تھی۔

"شاید طبیعت ٹھیک نہیں ہے میں دیکھتا ہوں۔" احمر نظریں چرا کر کمرے میں آیا۔

"مریم...... تمہیں کیا ہوتا جا رہا ہے یار تم اب امی کے سامنے بھی یوں بداخلاقی سے پیش آنے لگی ہو کل بھی تم ذرا سی بات پر چائے چھوڑ کر آ گئی تھیں اس سے پہلے بھی پورا دن کمرے میں بند رہی ہو یہ جانتے ہوئے بھی کہ سنبل اور صبا کالج گئی ہوئی تھیں اور امی کو خراب طبیعت کے باوجود کھانا پکانا پڑا۔ تم جانتی ہو مجھے بالکل بھی پسند نہیں کہ میری ماں کے ساتھ تم اس طرح سے پیش آؤ۔"

"کیا پسند صرف آپ کی معنی رکھتی ہے میری نہیں؟ نکاح کرتے وقت کیا اس بات کی بھی مہر لگوائی گئی تھی کہ صرف آپ کی خوشیوں اور خواہشوں کا خیال رکھا جائے گا میری نہیں۔ صاف سن لیں احمر! اگر آپ کی ماں اور بہنیں مجھ پر حکم اس لیے چلاتی ہیں کہ اب میں بچے کی ماں بننے جا رہی ہوں اور یہ رشتے مجھے باندھ چکے ہیں اب ہر حال میں نبھانے ہوں گے اور وہ مجھ پر حاوی ہو جائیں گی تو غلط خیال ہے ان کا' کوئی بھی رشتہ میرے پیروں کی زنجیر نہیں بن سکتا۔ میں ایک نئے دور کی لڑکی ہوں جو زمانے کے

ساتھ چلنا جانتی ہے۔ اگر یہ سمجھ کر آپ بھی مجھ پر زبردستی کریں گے کہ آپ میرے پیروں میں بیڑیاں ڈال چکے ہیں تو آپ بھی غلط ہیں۔ میں اپنے راستے جدا کرسکتی ہوں' اپنا کماسکتی ہوں' کسی پر بوجھ بننا نہیں چاہتی۔ اتنی کمزور اور ناتواں نہیں ہوں کہ اپنی ضروریات اور خواہشات کو پورا کرنے کے لیے اپنی توہین برداشت کروں ہرگز نہیں میں اب مزید یہاں نہیں رہ سکتی۔" اسے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ وہ طیش میں کیا بول رہی ہے۔

"تم کیوں خود کو مظلوم تصور کررہی ہو' ایسا کون سا ظلم ہوا ہے تم پر۔" وہ ضبط کے کڑے مراحل پر تھا۔

"آپ کو نظر نہیں آرہا آپ کی ماں اور بہنیں مجھ پر اپنی برتری ثابت کرنا چارہی ہیں اور اس سارے عمل میں آپ بھی ان کے ساتھ مل گئے ہیں۔ سنبل وہ سوٹ لے کر یہ ثابت کرنا چاہتی ہے پسند اس کی معنی رکھتی ہے میری نہیں۔" وہ چلائی اور احمر کی بھنویں تن گئیں۔

"کیا بکواس کررہی ہو مریم...... اب منہ سے ایک لفظ نہ نکلے تمہارے۔" وہ غصے کی شدت سے چیخ پڑا۔

"آپ کی بہنوں کو میں برداشت نہیں ہوتی اور آپ کی ماں معصوم بنی ان کے ذریعے اپنا ہر مقصد پورا کروا لیتی ہیں۔" مریم کا اتنا ہی کہنا تھا کہ احمر کا ہاتھ اٹھا اور وہ توازن برقرار نہ رکھ پائی اور اوندھے منہ گری اسے فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوا وہ بے چین ہوکر اس پر جھکا اس پل وہ صرف یہی سوچ رہی تھی۔ احمر فیملی سے کٹ کر جینے والوں میں سے نہیں ہے اسے اپنی فیملی بے حد عزیز ہے شاید اس سے بھی زیادہ۔

"آئم سوری میری جان تم...... تم ٹھیک تو ہو۔" وہ اسے سنبھالنے کی کوشش کررہا تھا اور مریم نے اس کے ہاتھ کو غصے سے جھٹکا۔ احمر کی ماں اور بہنیں اس کی چیخ سن کر فوراً اس کے کمرے کی سمت بھاگی تھیں' اسے زمین پر گرے دیکھ کر ایک دم پریشان ہوگئیں۔

"احمر گاڑی نکالو فوراً ہسپتال جانا ہوگا۔" صادقہ بیگم مریم کو سنبھالتی ہوئی چیخیں' سنبل اور صبا دونوں آنکھوں میں

آنسو لیے حواس باختہ سی کھڑی تھیں۔ سنبل نے دوڑ کر دروازہ کھولا تو احمر گاڑی زن سے اڑا لے گیا' وہ پیچھے دعائیں کرتی رہ گئی۔

بابا گھر میں موجود نہیں تھے باہر گئے ہوئے تھے وہ دروازہ بند کرتی جائے نماز بچھا کر رو رو کر مریم کی سلامتی کے لیے دعا گو تھی۔ کیا وہ ویسی ہی نند تھی جیسا مریم اسے سمجھتی تھی؟ ہرگز نہیں اور یہ بات مریم نے بھی بخوبی سمجھ لی تھی اس کی طبیعت خراب ہونے پر سنبل کی چیخ اسے پہلے سنائی دی تھی۔ مریم جانتی تھی اس نے انہیں سمجھنے میں بہت بڑی بھول کی تھی' وہ نندوں اور ساس کے جھنجھٹ سے الگ اپنی دنیا احمر کے ساتھ بسانا چاہتی تھی مگر یہ ممکن نہیں تھا۔

❁.....❁.....❁

ڈاکٹرز نے فوراً آپریشن کا مشورہ دیا تھا اور احمر نے بغیر کسی کی رضامندی جانے فوراً ہاں کر دی تھی بعد میں مریم کے گھر والوں کو بھی اطلاع اسی نے دی تھی۔ صادقہ بیگم تو سمدھن کے سامنے چور ہی بن گئی تھیں کہ اس حالت میں وہ ان کی بیٹی کی دیکھ بھال بھی نہ کر سکی تھی مگر مریم کی ماں نے ایسا کوئی ایشو نہ اٹھاتے ہوئے تسلی دی تھی۔ مریم نے گول مٹول سے بچے کو جنم دیا تھا مگر وہ فی الحال ڈاکٹرز کی نگرانی میں تھا اسے دوسرے وارڈ میں رکھا ہوا تھا۔ صادقہ بیگم کی خوشی دیدنی تھی' ہسپتال کے احاطے میں بنی نماز کی جگہ پر وہ شکرانے کے نوافل بھی ادا کر آئی تھیں۔ بابا آئے تو سنبل انہیں لے کر سیدھے ہسپتال چلی آئی اور گلاس ڈور سے ہی ننھے راجہ کو دور سے دیکھ کر پھولے نہیں سما رہی تھی' چہرہ بھلے نہ دیکھا ہو اطمینان تھا اب اس کے ساتھ مستی کرنے کو چھوٹا سا بھتیجا آ گیا ہے۔

مریم اپنی آدھ کھلی آنکھوں سے تمام مناظر دیکھ رہی تھی' سبھی کی خوشی اسے شرمندہ کیے دے رہی تھی وہ ان سے خلاصی پانے جا رہی تھی جو اس پر جان دیتے تھے وہ اپنی حرکتوں پر شرمندہ تھی مگر احمر سے ناراضگی جوں کی توں برقرار تھی وہ یہاں پر سرینڈر کرنے کو تیار نہیں تھی یہاں پر احمر کو اعتراف جرم کرنا تھا اس ایک تھپڑ کا حساب چکانا تھا جب تک وہ اسے کوئی رعایت دینے کے موڈ میں نہیں تھی۔

احمر نے اسے گھر لے جانے کی خواہش ظاہر کی مگر اس نے اپنی ماں کے گھر جانے کو ترجیح دی جہاں شاہ خصوصی طور پر اپنی کے لیے آئی تھی صادقہ بیگم نے بخوشی اجازت دے دی اس وعدے کے ساتھ کہ ہم اپنے پوتے اور بہو کو سوا مہینہ ہوتے ہی گھر لے آئیں گے اور اس پر کسی کو اعتراض بھی نہیں تھا سوائے احمر کے وہ اسے گھر لے جانا چاہتا تھا اور وہ اپنی انا میں اکڑی ہوئی تھی۔

❁.....❁.....❁

احمر کئی بار اس سے ملنے آیا مگر وہ مان کے نہیں دے رہی تھی اب تو احمر کو بھی طیش نے آ لیا وہ اس کے بعد دوبارہ گھر آیا اور نہ ہی فون کیا جبکہ صادقہ بیگم دونوں بیٹیوں کے ساتھ اس سے مل بھی آتیں اور فون بھی گاہے بگاہے کرتی رہتیں۔ احمر کی غیر حاضری حاضرہ بیگم نے بھی محسوس کی تھی وہ پندرہ دن سے گھر نہیں آیا تھا' انہیں خاصی تشویش ہوئی تھی۔ تشویش تو مریم کو بھی بہت تھی' صرف پندرہ دن کی لاتعلقی سے ہوش بھی ٹھکانے آ گیا تھا۔ کچھ ماں کی باتوں نے اس کی سوچ کو بدل ڈالا تھا۔

''تم نے غلط کہاں کیا ہے مریم' وہی کیا ہے جو تمہیں کرنا چاہیے آخر دبو قسم کی لڑکی نہیں ہو' کوئی غلام نہیں بیوی ہو تم اس کی۔ وہ تم پر بھلے ہی کتنے بھی حق رکھتا ہو مگر کیا لازمی ہے کہ تم اس کی منشاء رہو۔ کیا ہوا اگر تمہیں ایک بچے کی ماں کو وہ طلاق دے بھی دے تو کیونکہ یہ تو طے ہے کہ وہ اپنی فیملی سے الگ نہیں رہنے والا اور ساتھ ہی اپنا بچہ بھی چھین لے گا تو تم فکر مت کرو میں تمہاری دوسری شادی کروا دوں گی اور ایسی جگہ کرواؤں گی جہاں نندوں اور ساس کی فکر ہی نہ ہو۔ تمہیں ضرور کوئی نہ کوئی مل ہی جائے گا' کنوارا نہ سہی دو بچوں کا باپ ہی سہی۔ احمر جتنا پیار شاید لینا ممکن نہ ہو پہلی شادی کی ناکامی کے طعنے بھی کبھی کبھی دے گا مگر وہاں تم پر حکم چلانے والا کوئی نہیں ہوگا' تمہیں تو میکے جیسا عیش سسرال میں بھی چاہیے تھا سو تم غلطی پر نہیں تھیں یہ خواہش غلط تو نہیں ہے۔ اگر احمر تمہیں لے کر الگ ہو جاتا تو سب

کچھ کیسے ہینڈل کرتیں تم‘ بچے کو سنبھالنا‘ گھر کو سنبھالنا‘ سبزی لانا‘ بازار سے سودا سلف لانا۔ بجلی‘ پانی‘ گیس کا بل بھرنا‘ سب اکیلے کیسے کرتیں کیونکہ احمر تو آفس چلے جاتے‘ چلو چھوڑو اب سوچنے کا کوئی فائدہ بھی نہیں جانے دو اگر وہ تم سے ناراض ہوکر چلا بھی گیا تو اچھا ہے آسانی سے تمہاری جان چھوڑ دی۔“ مریم کی ماں اسے شناسائی کی ایک نئی دنیا میں دھکیل گئی تھی وہ فوراً سرنفی میں ہلاتے ہوئے شدت سے روئی تھی۔ وہ احمر کے بغیر کیسے رہ سکتی ہے وہ اس کی زندگی تھا اس سے جدا ہونے کا خیال مارے ڈال رہا تھا۔ وہ رشتوں کی اہمیت سمجھ گئی تھی۔

دھند چھٹی تو منظر بالکل صاف ہوگیا تھا سب کچھ ٹھیک تھا بس احمر کو منانا تھا اور وہ بھی زیادہ مشکل نہیں دو آنسو بہانے تھے اور ناراضگی ختم‘ وہ سوچتے ہوئے مسکرائی جبکہ اسمہ بیگم اسے مسکراتے دیکھ کر مطمئن سی کمرے سے باہر نکلی تھی‘ ان کی بیٹی اتنی بے وقوف نہیں تھی اتنی ساری محبتوں کو یوں ٹھکرا دیتی۔ مریم سوچ رہی تھی کہ سسرال والوں کے دلوں میں جگہ مزید بنانی ہے اور اپنے دل میں انہیں بھی جگہ دینی ہے‘ لڑکیاں اکثر غلطی یہاں کرتی ہیں کہ شوہر کو تو دل کے تخت پر بٹھا لیتی ہیں جبکہ سسرالیوں کو رعایا سمجھ کر کھڑے ہونے کا موقع بھی نہیں دیتیں مگر مریم سسرالیوں کو رعایا کے بجائے وزراء کے عہدے پر فائز کرنے کا سوچ رہی تھی اور شرارتی سی ہوکر اپنی ہی سوچ کر مسکرادی۔

❁....❁....❁
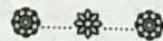
اسے لینے احمر نہیں آیا البتہ باقی سب آئے تھے وہ انہی کے ساتھ گھر لوٹ آئی تھی۔ گھر آکر وہ منے کو ساس اور نندوں کے حوالے کرکے اپنے کمرے میں آگئی تھی‘ مریم نے ایک نظر اسے دیکھا۔ وہ اسے نظر انداز کرتا بالکل اجنبی بنا تھا وہ دروازہ بند کرتی اس تک پہنچی۔ آئینہ کے سامنے کھڑے بال بناتے احمر نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر مصروف ہوگیا۔

”آپ مجھے لینے کیوں نہیں آئے؟“ وہ تو ایسے پوچھ رہی تھی جیسے امی نے اسے آنے کی دعوت دی ہو اور وہ نہ آیا ہو۔ کوئی جواب نہ پاکر ڈریسنگ تک پہنچی تبھی وہ اس کے دونوں ہاتھوں کو تھامتے ہوئے اس کے ساتھ کھڑی تھی۔ احمر ایک دم بے بس ہوا تھا‘ اتنے دن بعد وہ دشمن جاں سامنے بھی خود سے قریب تھی وہ خود کو لاچار محسوس کررہا تھا۔ لب کھلتے اس سے پہلے ہی مریم اس کے سینے میں منہ چھپائے رو رہی تھی۔ اپنے اگلے پچھلے سارے بُرے رویوں کی معافی اسے بن مانگے مل گئی تھی۔

”اچھا یہ بتاؤ ہمارے بیٹے کا نام کیا رکھا؟“

”کچھ نہیں۔“

”ہیں...... یہ کیسا نام ہے؟“ وہ جان بوجھ کر ہونقوں کی طرح اسے حیرت سے تکتے ہوئے پوچھ رہا تھا اور مریم نے اس کے بے وقوفانہ سوال پر اسے سر اٹھا کر ایسے دیکھا جیسے تسلی چاہ رہی ہو کہ کیا واقعی وہ یہ سوال کرچکا ہے۔ مریم کے دیکھنے پر احمر کا بے ساختہ قہقہہ گونجا تھا‘ وہ بھی جھینپ کر مسکرادی۔

”چلو امی سے پوچھتے ہیں کیا نام رکھنا ہے۔“ احمر نے کہا اور اسے لے کر باہر آگیا۔ سنبل اس کے ہاتھ تھامے ورطۂ حیرت میں مبتلا تھی کہ کبھی اتنے چھوٹے ہاتھ بھی ہوسکتے ہیں اور اتنے چھوٹے چھوٹے نازک سے ناخن بھی اور وہ دونوں سنبل پر ہنس رہے تھے۔

احمر نے ماں کی خواہش کو مدنظر رکھتے۔ بہنوں اور ماں کا مان بڑھایا تھا اور وہ احمر کو خوش دیکھ کر خوش تھی۔ زندگی کے اونچے نیچے کچے پکے راستوں پر چلتی وہ متوازن چال چلنا سیکھ گئی تھی اس راہ پر چل کر اسے سکون خوشی اور خواہشیں سب حاصل ہونے والا تھا۔ وہ ننھے عبداللہ کو گود میں اٹھائی بے حد پُرسکون تھی۔

صدف آصف

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

سفینہ فائز کو دیکھ کر سنبھل نہیں پاتی ایک طرف روشنی کی محبت اور دوسری طرف اپنا گھر داؤ پر لگا دیکھ کر اس کے قدم لڑکھڑا جاتے ہیں ایسے میں فائز اسے سہارا دینے کی کوشش کرتا ہے لیکن سفینہ اسے سختی سے وہیں روک دیتی ہے فائز اس کے محتاط انداز پر وہیں ٹھہر جاتا ہے جب ہی وہ شاہ کے واپس آتے ہی اسے ریزائن دینے کا کہتی ہے فائز اس کی بات پر حامی تو بھر لیتا ہے لیکن دوسری طرف اچانک ہی روشنی کا خیال اسے بے چین کر دیتا ہے۔ روشنی دروازے کے باہر کھڑی دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو سن لیتی ہے اسے یہ سمجھ نہیں آتا کہ آخر سفینہ فائز کو یہ جاب چھوڑنے اور یہاں سے دور جانے کا کیوں کہہ رہی ہے دونوں کے درمیان استحقاق کا کون سا رشتہ قائم ہے یہ سب اسے الجھا دیتا ہے اپنی ذات کو سمیٹتے وہ بمشکل باہر آتی ہے اور پیدل چلتے دور نکل جاتی ہے۔ دوسری طرف فائز کے والد کی طبیعت اچانک بگڑنے پر ان کی رحلت ہو جاتی ہے ایسے میں بہزاد اور ریحانہ فوراً وہاں پہنچ کر فائز کو ہمت دیتے ہیں۔ روشنی بھی آفس والوں کے ساتھ فائز کے گھر افسوس کے لیے آتی ہے لیکن وہاں اپنی بھابی کو بے ہوش دیکھ کر شاکڈ رہ جاتی ہے دوسری طرف فائز اس کی حالت پر بے حد متفکر نظر آتا ہے یہ سب دیکھ کر روشنی چپ چاپ وہاں سے لوٹ آتی ہے۔ آفاق شاہ اپنے کاموں میں الجھ کر واپس نہیں آپاتا ایسے میں سفینہ انہیں جلد واپس آنے کا کہتی ہے دوسری طرف روشنی اور سفینہ کے درمیان بدگمانیاں اور تلخ کلامیاں بڑھتی جاتی ہیں ایسے میں عائشہ بیگم اہم کردار ادا کرتی ہیں اور دونوں کے درمیان مزید اختلافات پیدا کر دیتی ہیں۔ شرمیلا آنے والے وقت کو لے کر بے حد مضطرب ہوتی ہے اپنا بچہ کسی اور کو دینا اسے بے حد مشکل لگتا ہے جب ہی وہ مہرین کو اس بات پر آمادہ کرتی ہے کہ وہ اسے یہیں رہنے دے بے شک وہ کبھی اپنے بچے پر اصلیت ظاہر نہ کرے گی لیکن مہرین معاہدے سے پیچھے ہٹنے پر آمادہ نہیں ہوتی ایسے میں آزر اسے اپنے ساتھ کا یقین دلاتا ہے اور کبھی نہ چھوڑنے کا وعدہ کرتا ہے لیکن مہرین خود پر پسٹل رکھ کر شرمیلا کو طلاق دینے کا کہتی ہے۔ سفینہ روشنی کے تلخ رویے کی وجہ جاننا چاہتی ہے جس پر روشنی فائز اور اس کے تعلقات کو نشانہ بناتے اس کے کردار کو مشکوک قرار دیتی ہے اور جلد بھائی کے واپس آنے پر اسے اس گھر سے نکالنے کی دھمکی دیتی ہے جس پر سفینہ شاکڈ رہ جاتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

سفینہ نے نم آنکھوں سے کھلی ہوئی کھڑکی کے پار اُفق پر بکھرے رنگوں کو دیکھا مگر آنکھوں میں جمع کھارے پانی کی وجہ سے منظر دھندلا سا گیا تھا۔

"میرا کیا قصور تھا جو میرے ساتھ ایسا ہوا؟" اس کے اندر جیسے خزاں کا موسم اتر آیا تھا' دل پر گہری اداسی کا راج تھا۔ یہ غم اس پر آہستہ آہستہ اثر کرنے لگا تھا۔

"ایک بار پھر شکست میرا مقدر کیوں بننے چلی ہے۔" ایک ہی بات سوچ سوچ کر دل بھر آ رہا تھا۔ دو آنسو بڑی خاموشی سے گالوں سے پھسل کر اس کی شرٹ کے گلے میں جذب ہونے لگے تو اس نے آنکھوں کو پونچھا' وہ روشنی کے جانے کے

بعد کب سے لاؤنج میں تنہا کھڑی بے آواز آنسو بہانے میں مصروف تھی۔

"تم نے ہمیشہ مجھے دھوکا دیا؟" فائز پر غصہ بڑھتا جا رہا تھا پہلے اس نے شرمیلا کی وجہ سے اس سے بے وفائی کی اب روشنی کے ساتھ محبت کا ڈرامہ رچا کر اس کی زندگی تباہ کرنے چلا آیا تھا۔ اس کا بس چلتا تو وہ لمحے کے ہزارویں حصے میں اسے اپنی زندگی سے نکال پھینکتی۔

"کاش شاہ یہاں ہوتے تو سب کچھ ٹھیک ہو جاتا۔" شوہر کی یاد نے دل پر حملہ کیا۔

"اور جو وہ میرا یقین نہ کریں' اپنی بہن کی باتوں پر ایمان لے آئے تب کیا ہوگا؟" ایک انجانا ساڈر اس کے وجود میں کنڈلی مار کر بیٹھ گیا تھا۔ نند کے بدلتے تیور نے جیسے ہوش و حواس گم کر کے رکھ دیے تھے۔ روشنی کی دھمکیوں کے بعد شاہ کے سامنے پیشی کا سوچ کر جی ہلکان ہونے لگا بڑی زور کا چکر آیا تو اس نے صوفے پر ہاتھ رکھ کر اپنا توازن برقرار رکھا۔ وہ جانتی تھی کہ ڈاکٹر نے اس کنڈیشن میں ٹینشن لینے سے منع کیا تھا مگر کچھ باتیں انسان کے اختیار سے باہر ہوتی ہیں۔ ایک کے بعد ایک امتحان راہ میں ایسے آ کھڑے ہوئے کہ وہ بے بس ہو کر رہ گئی۔ روشنی کی زبانی انکشافات نے اسے سراسیمہ کر کے رکھ دیا تھا۔ اسے تو خبر ہی نہیں ہوئی کہ کب اس نے اسے تایا جان کی میت کے پاس بے ہوش دیکھ لیا تھا اور کب فائز کی سفینہ کے لیے پریشانی روشنی کے لیے باعث اذیت بن گئی۔ وہ منظر دیکھ کر اس نے کئی طرح کی کہانیاں من ہی من میں بنا ڈالی تھی' اس سے پوچھا بھی نہیں' سچ جاننے کی کوشش بھی نہیں کی اور ادھوری بات کو مکمل جان کر بدگمان ہوگئی تھی۔ ویسے بھی روشنی آدھا سچ جان پائی تھی' ایسا سچ جو پورے جھوٹ سے بھی زیادہ مہلک ثابت ہو سکتا تھا' روشنی سے ہونے والے بحث و مباحثہ کے بعد اسے اندازہ ہوا کہ وہ کس قدر غلط فہمی میں مبتلا تھی اور سفینہ کے خلاف اس کے دل میں کس قدر بدگمانیاں پنپ رہی تھیں۔ اس کے دماغ میں نند کی باتیں گڈمڈ ہونے لگیں وہ ایک بار پھر سر تھام کر بڑبڑانے لگی۔

"روشنی ایسا سوچ بھی کیسے سکتی ہے؟ میں بھلا اپنے شاہ سے دھوکے بازی کروں گی' جنہوں نے مجھے زندگی بخشی۔ وہ بھی اس فائز کے لیے جس نے مجھے کسی اور لڑکی کے لیے اپنی زندگی سے نکال دیا تھا...... فائز کے ساتھ اب سوائے کزن کے میرا کوئی دوسرا تعلق نہیں بن رہا تھا۔" اس نے بے اختیار اپنے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

"پر روشنی کو کیسے یقین دلاؤں۔ وہ تو میرا گھر تباہ کرنے پر تلی بیٹھی ہے۔" سفینہ کے دل کو دھڑکا ہوا کہ کہیں بدگمانی کی تیز ہوائیں اس کی گھر گرہستی کو بکھیر کے نہ رکھ دے۔

"میں نے تو فائز کی محبت کو دل کے ایوانوں سے اسی دن نکال باہر کیا تھا جس دن نکاح نامے پر دستخط کر کے شاہ کا ہاتھ تھاما تھا۔" وہ ایک دم آنسو پونچھتے ہوئے زیرلب بولی۔

"اب آیا اونٹ پہاڑ کے نیچے۔" عائشہ بیگم جو روشنی کا تیز لہجہ سن کر کن سوئیاں لینے اس طرف آئی تھی' سفینہ کی اڑی ہوئی رنگت اور نم آنکھوں کو دیکھ کر ان کے من میں لڈو پھوٹ پڑے۔

"بہو بیگم خیر تو ہے؟" وہ جان بوجھ کر ہمدردی کا نقاب اوڑھے اس کے قریب چلی آئیں۔

"اوں؟" سفینہ نے خیالات کی یلغار سے پیچھا چھڑایا اور انہیں چونک کر دیکھا' چہرے پر چھائی مکاری اور لبوں پر مسکراہٹ دل جلا گئی۔

"کہاں کھوئی ہوئی ہو' کوئی مشکل آن پڑی ہے کیا؟" عائشہ بیگم جوش سے تمتماتے چہرے کے ساتھ سراپا سوال بنی کھڑی تھی۔

"کیا مطلب؟" اس نے غائب دماغی سے پوچھا۔

"ہائے...... ایسا کیا ہوگیا' جو روشنی کا غصہ کم ہونے کا نام نہیں لے رہا کمرہ بند کرے پڑی ہے؟" چٹخارے لیتا انداز

اسے بھسم کر گیا تھا۔
"آپ کو کس نے اجازت دی کے ہمارے ذاتی معاملے میں دخل اندازی کریں ہاں؟" وہ عالم طیش میں چلائی تو عائشہ بیگم کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔
"وہ..... میں تو؟" اس کے گھورنے پر عائشہ کے منہ سے صفائی کے لفظ بھی ادا نہیں ہو پا رہے تھے۔
"چھوڑیں ان باتوں کو اور جا کر میرے لیے فریش اورنج جوس بنا کر لائیں؟" عائشہ بیگم کو ان کی اوقات یاد دلانا ضروری ہوگئی تھی اس نے انگلی سے کچن کی طرف اشارہ کیا۔
"ابھی لاتی ہوں جی؟" وہ ایک دم گھبرا کر کچن کی جانب چل دیں۔
"پہلے دن سے ان کے ساتھ اتنی سختی دکھاتی تو یہ دن دیکھنے کو نہیں ملتا۔" سفینہ نے دانت کچکچا کر خود کو سرزنش کی۔
"فائز کو میری زندگی سے جانا ہوگا میں اسے اپنی زندگی تباہ کرنے نہیں دوں گی۔" سفینہ نے آنسو پونچھتے ہوئے عزم سے سوچا۔

شکیل سے ملنے کی تڑپ نے انہیں کئی سالوں سے بے حال رکھا وہ اس کے آنے کا انتظار انگلیوں پر دن گن رہی تھیں مگر شکیل نے آتے ہی وہ کچھ کیا کہ ان کے سارے ارمان خاک میں مل گئے۔ اس کی بیوی کے لیے جی حضوری نے ان کی نیند، بھوک، پیاس اڑا کر رکھ دی تھی۔ ایک اور ستم اس وقت ہوا جب شکیل نے شام کی چائے کے دوران سب کے سامنے مکان بیچنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ ایک دھماکا ہوا جس میں دلشاد بانو کے دل کے پرخچے اڑ گئے۔ غصے کی ایک لہر وجود میں جاگی اور بیٹے کو بری طرح ذلیل کرنے کا ارادہ کیا مگر پھر اپنے مزاج کے برعکس انہیں ضبط سے کام لینا پڑا۔ اب حالات پہلے جیسے بھی تو نہیں رہے تھے۔ شکیل میں ایسا بدلاؤ آیا تھا کہ اس کے سامنے منہ کھولتے ہوئے بھی انہیں خوف محسوس ہوتا کہ کب وہ ماں کو ذلیل کر کے نہ رکھ دے۔ شکیل اب پہلے جیسا نہیں رہا تھا سر جھکا کر ان کی جائز ناجائز سن لیتا وہ تو اب ہر بات میں مین میخ نکالتا ہر بات پر خوب بحث مباحثہ کرتا۔ اس کے وجود میں شاید باہر کی کمائی کا پارہ اعتماد بن کر دوڑ رہا تھا۔ وہ جب سے آیا تھا ماں بیٹی کو حیران کرنے پر تلا ہوا تھا۔ دلشاد سے تو پھر لحاظ سے بات کر لیتا مگر سائرہ کو تو وہ ذرا سی رعایت دینے کو تیار نہ ہوتا۔ نرما کے منہ سے کوئی بات نکلتی نہیں اور وہ پورا کرنے کے لیے پاگل ہو اٹھتا۔ دلشاد کو کبھی کبھی شبہ ہوتا کے رانی کے گھول کے پلائے ہوئے تعویزوں کا الٹا اثر ہو گیا ہے۔ وہ دل ہی دل میں حرام خور ملنگی بابا کو گالیاں دیتی رہ جاتیں۔ جس نے بہو بیٹے کو دور کرنے کی جگہ مزید قریب کر دیا تھا۔ اس وقت بھی انہیں یہ ہی خیال آیا اور وہ بے چینی سے پورے کمرے میں گول گول چکر لگاتے ہوئے بولنے لگیں۔
"میرے اتنے پیسے..... ہڑپ کر گیا۔ اللہ کرے پولیس والے خوب پھینٹی لگائیں اس خبیث اور اس کی چیلی رانی کی۔ بے غیرت، جھوٹا۔ دھوکے باز۔ اتنے پیسے لوٹ لیے اُس منحوس ملنگی بابا نے اور ایک ٹکے کا کام نہیں کیا؟" ان کا تاؤ کم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔
"کہیں..... اس کے کالے جادو نے ہی تو میرے سارے کام الٹے کر کے نہیں رکھ دیے؟" ایک اور سوچ در آئی۔
"کمینے نے مجھے بھی دھوکا دیا اور میری بیٹی کو بھی لوٹا؟" بولتے ہوئے دل بھر آیا۔
"اگر میرے بس میں ہوتا تو اسے جا کر سیدھا پھانسی لگوا دوں؟" دلشاد بانو نے جی بھر کر اس جعلی پیر اور اپنی ملازمہ کو کوسا۔ اپنے دکھڑوں کے دوران وہ یہ بات سرے سے بھول ہی گئیں کہ کسی ملنگی بابا کی کیا مجال جو کام اچھے یا برے کر سکے یہ تو انسان کے اپنے اعمال ہوتے ہیں؛ جن کا صلہ وہ بھگتا ہے۔ اچھائی کی صورت میں بھی اور برائی کی شکل میں بھی مگر

ناسمجھ انسان اپنے گناہوں کا بوجھ دوسروں پر ڈال کر یہ سمجھتا ہے کہ فلاں کام اس کی وجہ سے بگڑا یا اس کی وجہ سے سیدھا ہوا۔ وہ بھول جاتا ہے کہ ساری پلاننگ اللہ کی ہوتی ہے انسان تو تقدیر کے ہاتھوں بے بس ہو جاتا ہے مگر نیک راہ پر چلنے والوں کو فلاح حاصل ہوتی ہے۔

جیسے جیسے دن گزر رہے تھے آزر کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا' وہ جلد از جلد اپنے بچے کو سینے سے لگانے کے لیے بے قرار تھا۔ اس کی بے تابیوں پر مہرین ایک ان دیکھی آگ میں جلنے لگی' آزر کا اسے نظر انداز کرنا' شرمیلا کو اس پر فوقیت دینا' اس کے لیے باعث اذیت تھا۔ پہلے تو اسے صرف شرمیلا سے بیر تھا' اب وہ ننھا سا وجود بھی دل میں کانٹے کی طرح چبھنے لگا تھا' جس نے ابھی دنیا میں آ کر آنکھ بھی نہیں کھولی تھی۔ وہ اس سے جلنے لگی' اس کا وجود زہر سے بھی بدتر لگنے لگا۔ شرمیلا کی طرف نگاہ بھر کر دیکھنا بھی مہرین کے لیے محال ہو گیا تھا اس نے بڑی کوشش کی کہ شرمیلا کو اپنی ہنستی بستی دنیا سے نکال کر بہت دور پھینک دے مگر باوجود کوشش کے وہ کچھ نہ کر سکی۔ آزر مکمل طور پر اس کی ڈھال بنا ہوا تھا۔ وہ اس کے معاملے میں مہرین کی ایک بھی سننے کو تیار نہ تھا۔ اس نے آزر کے دل میں اس غلط فہمی کا بیج بونے کی بھی کوشش کی کہ شرمیلا اور اس کی فیملی جونک کی طرح ان کی دولت کے لالچ میں چپکے ہوئے ہیں مگر آزر نے یہ بات بھی ہنس کر ٹال دی اور اسے سمجھایا کہ شرمیلا کی ماں ایک شریف اور نیک عورت ہیں' جنہیں داماد کی دولت سے کوئی سروکار نہیں' اگر مجبوری نہ ہوتی تو شاید وہ ان کے دیے ہوئے گھر کو چھوڑ کر کب کی کہیں اور شفٹ ہو جاتیں۔ وہ جب بھی شرمیلا کی کوئی کمزوری آزر کے سامنے لانے کی کوشش کرتی وہ الٹا اسے ہی جھٹلا دیتے۔ شوہر کی حمایت پر ان لوگوں کے لیے مہرین کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا۔

آزر مہرین کی بہت ساری غلط باتوں کو نظر انداز کر جاتے مگر انہیں اس بات کا اچھی طرح سے ادراک تھا کہ تعیشات سے بھرا پرا یہ وسیع و عریض گھر کبھی کبھی شرمیلا کے لیے ایک ایسی تاریک پناہ گاہ ہے' جہاں تازہ ہوا کے لیے کوئی روزن دکھائی نہیں دیتا' اسے گھٹن سی ہوتی' سانس لینا مشکل ہو جاتا۔ اسی لیے وہ اکثر اسے بتول سے ملوانے کے لیے لے جاتے تھے' جہاں ساس کا رکھ رکھاؤ اور سالیوں کا سادگی بھرا بے غرض سا انداز انہیں بڑا متاثر کرتا۔ مہرین کے بیان کے برعکس وہ لوگ اسے کبھی بھی مکار لالچی' عیار اور دولت کے بھوکے نظر نہ آئے۔ مہرین کا جب آزر پر بس نہ چلا تو اس نے ایک بار پھر سے شرمیلا کا پیچھا لے لیا اور اسے باور کرانے پر تل گئی کہ اس کا اور آزر کا رشتہ کچے دھاگے سے بندھا ہوا ہے' جو کسی بھی وقت جھٹکے سے ٹوٹ جائے گا۔ وہ اس شادی کو بزنس ڈیل کا نام دیتی تھی مگر سچائی اس کے برعکس تھی' شرمیلا نے مجبوری کے تحت بھلے ہی یہ سودا کیا تھا مگر گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ اپنے ہونے والے بچے اور شوہر کی محبت اس پر حاوی ہوتی جا رہی تھی اور ان سے دور جانا اس کے لیے سوہان روح تھا ویسے بھی پچھلے دنوں مہرین نے جس طرح کنپٹی پر بندوق رکھ کر خودکشی کا ڈرامہ رچایا اور اسے طلاق دلوانے کی کوشش کی تھی' اس وجہ سے شرمیلا بہت خوف زدہ رہنے لگی تھی' وہ تو شکر ہے آزر پہلی بیوی کے دباؤ میں نہیں آئے اور الٹا مہرین کو طلاق دینے کا اعلان کرنے کے ساتھ ایک جانثار سید کر کے اس سے پستول چھین لیا ورنہ جانے کیا ہو جاتا۔ طلاق کی دھمکی پر مہرین کے ہوش ٹھکانے آئے اور وہ آزر سے لپٹ کر روتے ہوئے معافی طلب کرنے لگی تھی۔ شرمیلا کے آرام کا ہر طرح سے خیال رکھا جاتا تھا۔ ڈاکٹر کے وزٹ باقاعدگی سے ہوتے۔ اسے مادی لحاظ سے کافی کچھ ملا تھا لیکن اس کا دل خالی ہو چکا تھا۔ اب اس معاملے میں ناکامی کے بعد سوکن شرمیلا کے لیے بھوکی شیرنی بنی ہوئی تھی۔ طعنے بازی سے ہر وقت شرمیلا کا جینا حرام کیے رکھتی۔ جس کی وجہ سے اس کی طبیعت مزید خراب رہنے لگی' وزن بھی کم ہو گیا اور ایک دن وہ گر کر بے ہوش ہو گئی۔ آزر کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور اس نے مہرین کو بہت بری بھلی سنانے کے ساتھ ساتھ اپنے ہونے والے بچے کے خیال سے شرمیلا سے دور رہنے کا مشورہ

دیا‘ جس کو اس نے اپنی بے عزتی تصور کیا اور اس کے دل میں بدلے کی ایک آگ جل اٹھی۔ دماغ نئی منصوبہ بندی میں جت گیا تھا۔

رومیو کی سراب جیسی محبت میں گرفتار روشنی خوابوں کے دوش پر سوار بغیر کچھ سوچے سمجھے اتنے کم عرصے میں کتنا آگے بڑھ آئی تھی اور جب اس سراب کے نزدیک پہنچی تو پتا چلا کہ وہ محض اس کا فریب نظر نکلا‘ وہ تو اس کی بھابی کی محبت میں گرفتار تھا‘ یہ بات اس کے دل کو زخمی کررہی تھی۔ اس نے سفینہ سے بات چیت بند کردی تھی اور آفاق کی واپسی کی منتظر تھی۔

”روشنی؟“ وہ جو روم میں اندھیرا کیے اپنی ناتمام خواہشات کا ماتم منارہی تھی‘ دروازہ کھلنے پر بند آنکھوں کی جھری سے اس نے روشنی کی لکیر کے ساتھ سفینہ کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھا۔ بھابی کے چہرے پہ پھیلے تاثرات سچائی کی دلیل تھے‘ لمحہ بھر کو دل سفینہ کی باتوں پر ایمان لانے کو چاہا مگر پھر کانوں میں سرگوشیاں گونج اٹھیں‘ بے ہوش سفینہ پر جھکا فائز اور اس کا پریشان چہرہ نگاہوں میں کیا گھوما اندر کی نفرت اچھل کر باہر آگئی اس کے گرد بڑی تیزی سے بدگمانی کا جالا پھیلتا چلا گیا۔

”سنو تم نے باتوں کو مس انڈر اسٹینڈ کیا ہے‘ سچائی وہ نہیں جو تم فرض کیے بیٹھی ہو۔“ وہ بے قراری سے بولتی ہوئی اس کے روم میں داخل ہوئی مگر روشنی کی طرف سے جواب ندارد تھا۔

”روشنی پلیز...... میری بات تو سنو؟“ سفینہ قریب ہوئی‘ جھک کر اسے دیکھا اور التجائیہ انداز میں پوچھا۔

”بھابی آپ نے ہمیں بہت بے وقوف بنالیا مگر اب مزید نہیں۔“ روشنی سیدھی ہوکر بیٹھی اور گہری سانس لے کر نفرت زدہ لہجہ میں جواب دیا۔

”یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟“ وہ ایک دم ہک دک سی رہ گئی۔

”مجھے تو وہ سب سوچ کے بھی شرم آتی ہے آپ اور رومیو......“ اس نے سفینہ پر نگاہیں گاڑتے ہوئے جملہ ادھورا چھوڑا۔

”تم غلط سوچ رہی ہو؟“ وہ ہکلائی۔

”تو کیا یہ جھوٹ ہے کہ شادی سے پہلے آپ کا رومیو سے کوئی تعلق تھا؟“ اس نے دانت کچکچاتے ہوئے بات ادھوری چھوڑی۔

”دیکھو وہ میرا تایا زاد ہے۔ یہ سب ماضی کی باتیں ہیں مگر اب ایسا کچھ نہیں۔“ اس نے ایک بار پھر صفائی دینا چاہی۔

”ایک منٹ بھابی اگر وہ آپ کے کزن تھے تو آپ نے مجھ سے بھائی سے یہ بات کیوں چھپائی‘ کچھ تو گڑبڑ ہوگی ناں یا آپ کے دل کا چور ایسا کرنے پر مجبور کررہا تھا؟“ اس کے لہجہ میں تشکیک کے سائے لرزے۔

”وہ ہمارا آپس میں ملنا جلنا نہیں تھا؟“ سفینہ نے انگلیاں مسلتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

”ابھی یہ بحث بے کار ہے۔ اس لیے اس بات کو یہیں ختم سمجھیں۔“ اس نے ہاتھ اٹھا کر بے لچک انداز میں بات کاٹی۔

”روشنی...... ٹرسٹ می......“ اس نے بڑی امید سے کہنا چاہا مگر وہ کچھ سننے کو تیار ہی نہیں تھی۔

”بات ابھی ختم ہوئی ہے مگر بھائی کے آتے ہی دوبارہ شروع ہوجائے گی اور پھر یہ ان پر ڈیپنڈ کرے گا کہ وہ آپ پر ٹرسٹ کرتے ہیں یا اس گھر سے آؤٹ کرتے ہیں۔“ روشنی کا لہجہ اچانک اتنا سفاک ہوا کہ سفینہ کی گلابی مائل رنگت میں زردیاں سی گھل گئیں۔

”روشنی...... ایک ریکویسٹ ہے تم چاہے مجھے کتنا ہی برا بھلا کہہ لو مگر شاہ سے کچھ نہ کہنا؟“ پپڑی زدہ لبوں سے سرسراتی آواز نکلی۔

”کیوں اپنے بھائی کو ساری عمر بے وقوف بنتا دیکھوں انہیں بھی تو پتا چلنا چاہیے کہ ان کی نیک پروین جیسی بیوی پیچھے

سے کون سا کھیل کھیل رہی ہے؟" وہ چبا چبا کر بولتی رہی۔
"شٹ اپ...... جسٹ شٹ اپ...... میرے کردار پر ایک بار اور انگلی اٹھائی تو میں بھول جاؤں گی تمہارا اور میرا رشتہ کیا ہے؟" سفینہ ایک دم جلال میں آ کر چیخی تو روشنی کو چپ ہونا پڑا۔ دونوں کے درمیان ایک ناگواری خاموشی چھا گئی تھی۔
"روشنی صرف ایک بار ٹھنڈے دل سے میری باتوں پر غور کرو تمہیں اندازہ ہو جائے گا کہ میں غلط نہیں ہوں؟" سفینہ نے نرم لہجہ اپناتے ہوئے اپنا موقف بتانا چاہا۔
"آپ جائیں یہاں سے...... مجھے کچھ نہیں سننا۔" اس نے منہ پھیر کر بھابی کو انگلی سے دروازہ دکھایا۔
"ٹھیک ہے اب وقت ہی تمہیں میری بے گناہی کا ثبوت دے گا۔" دوسری جانب سے مثبت جواب نہ ملنے پر سفینہ مایوس ہو کر بولی۔ وہ ہارے ہوئے انداز میں الٹے پیروں باہر کی جانب چل دی۔ روشنی کے کمرے کی دہلیز پار کرنے سے پہلے اس نے ایک بار مڑ کر اسے دیکھا مگر روشنی ساکت بیٹھی سر اٹھائے ایک ہی سمت میں گھور رہی تھی۔ اسے رومیو کو کھونے کا ڈر مارے دے رہا تھا جبکہ سفینہ کے اندر شاہ سے الگ ہونے کا خوف سرایت کرتا جا رہا تھا۔
خان ہاؤس چھوڑنے کے بعد سے سفینہ آفاق کے ساتھ کیسی مطمئن زندگی گزار رہی تھی۔ شاہ ہاؤس اسے ایک سرسبز و شاداب سایہ دار درخت جیسا لگتا تھا مگر فائز کی آمد نے اس کے وجود پر ایک دم خزاں کا سایا کیا تو یوں لگا خشک پتوں تلے دب کر اس کا سانس گھٹنے لگا ہو۔

❁

"کیا شکیل کے ابا کا ارمانوں سے بنوایا ہوا یہ گھر مجھ سے چھن جائے گا؟" دلشاد بیگم نے چاروں طرف نگاہیں گھمائیں اور آزردہ ہو گئیں۔ اچانک انہیں احساس ہوا جب وہ خان ہاؤس کو تنکا تنکا بکھیر نے پر اڑ گئی تھیں تو ابرار خان اور ان کے خاندان پر کیا بیتی ہوگی۔ مکافات عمل نے شاید ان کے گھر کا راستہ دیکھ لیا تھا۔
"نہیں میں ایسا نہیں ہونے دوں گی، چاہے مجھے شکیل کو جائیداد سے عاق ہی کیوں نہ کرنا پڑ جائے؟" دماغ میں پلتے خدشوں کو ہٹ دھرمی سے انگوٹھا دکھانا چاہا مگر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ وہ چلتی ہوئی اس کمرے میں آئیں جہاں شکیل ٹھہرا ہوا تھا۔ دھیرے سے نئے روم فریج کا ڈور کھولا، جو شکیل نے چند دن پہلے ہی خریدا تھا کیوں کہ نرما کو پرانے فریج میں سے بساند اٹھتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ وہ اس میں رکھا ہوا پانی تک پینے کی روادار نہیں تھی۔ اس نے شوہر سے فرمائش کر کے اپنے کمرے میں چھوٹا سا فریج منگوا لیا۔ دلشاد اور سائرہ اس کے نخروں پر کلستی رہتی تھیں۔
"میرے بیٹے کی کمائی کیسے اڑا رہی ہے، کمبخت ماری؟" انہوں نے بڑبڑا کر ٹھنڈی بوتل سے گلاس بھر کر جوس نکالا اور غٹ غٹ پیتی چلی گئیں مگر پیاس تھی کہ بجھنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔
"بہو کو کیا کہوں بیٹا بھی تو جورو کا غلام بن گیا ہے۔" وہ ماتھے پر ہاتھ مارتی ہوئی اس کمرے سے باہر آئیں کہیں چین نہیں مل رہا تھا۔
"نرما بیگم کو دیکھو وہ کیسے راجہ کو چھو کر رانی بنی ہوئی ہیں۔" دلشاد بانو کا بیٹے کی بیوی کے لیے دلداریاں دیکھ کر کلیجہ کلس اٹھا۔
وہ شکیل سے بہت بری طرح سے خفا تھیں، سائرہ جب بھی ان کی شہہ پر نرما کو شاہ خرچیوں یا کسی اور معاملے پر ٹوکنے کی کوشش کرتی۔ شکیل فٹ سے سینہ ٹھونک کر بیوی کی ڈھال بن کر بیچ میں آ کھڑا ہوتا۔ یوں لگتا جیسے نرما کے معاملے میں اس پر کوئی جنون سوار ہے۔ دلشاد کے ممتا بھرے جذبات اس کے جنون کی نذر ہو گئے۔ آج تو ویسے بھی ان کا دماغ بہت خراب تھا، جب نرما نے شاپنگ پر جانے کی خواہش کا اظہار کیا اور شکیل نے چوں وچراں کیے بغیر اس کے پرس کو ڈھیر سارے پیسوں سے بھر دیا تھا۔ اس نے بڑی فاتحانہ نگاہوں سے ساس کو دیکھا اور اپنی سہیلی کے ساتھ بنا انہیں بتائے نکل

گئی۔ اس وقت سے بیٹے کے لئے لینے کی خواہش دل میں آگ کی طرح بھڑک رہی تھی۔ اس وقت بھی وہ ہی منظر نگاہوں میں گھوما اور مٹھیاں بھنچ گئیں۔ ان کا غصہ بتدریج بڑھنے لگا ٹھنڈی جوس بھی اُن کے اندر بھڑکتی آگ کو بجھا نہیں پا رہا تھا۔ ایک نئی وحشت نے انہیں گھیر لیا تھا۔ وہ بے کلی کے گہرے احساس تلے دب کر بیٹی کے کمرے میں پہنچ گئیں اور جلے دل کے پھپھولے پھوڑتے ہوئے بیٹے کو ہموا بنانے کے تدبیر سوچنے لگیں۔ دلشاد نے بہو کے جانے کی اطلاع دی اور وہ سائرہ صلح مشورہ کرنے بیٹھ گئیں۔

''ایسا کرزما کی غیر موجودگی میں گھر کے معاملے پر بھائی سے بات کرلے۔'' دلشاد بانو کو یہ موقع بڑا مناسب لگا۔

''اچھا اماں مگر کوئی فائدہ نظر نہیں آتا شکیل کی آنکھوں پر تو خود غرضی کی پٹی بندھ گئی ہے؟'' سائرہ نے مایوس نگاہوں سے دیکھتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

''آئے کچھ بھی ہو ہے تو تیرا بھائی ہی، بہن کا کچھ تو درد اس کے دل میں بھی ہوگا بس تو اس کی ہمدردی حاصل کرنے کی کوشش کرلے باقی میں سنبھال لوں گی۔'' ان کے سمجھانے پر آس کا جھلملاتا دامن تھام کر سائرہ بیگم اپنے چھوٹے بھائی سے بات کرنے کو تیار ہوگئیں۔

''باپ کو مرے دو دن نہیں گزرے اور ماموں اسے گھر سے بے دخل کرنے پر تل گئے۔'' فائز کا دماغ ٹھکانے پر نہیں تھا' حواس منجمد سے ہونے لگے۔ ادھر سفینہ سے نوکری چھوڑنے کا وعدہ بھی کرچکا تھا' اب ماں اور نانی کو لے کر کہاں جاتا' اسے کوئی راستہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ایسا لگنے لگا جیسے اندھیرے سے نکلنے کو تیار بیٹھے ہیں۔ باپ کے مرنے کے بعد آنسو اس کی آنکھوں سے خشک ہوچکے تھے مگر دل کے زخم ابھی تک ہرے تھے۔ سوچوں سے چھٹکارا پانے کے لیے اس نے اپنا خالی وجود بامشکل اٹھایا' شکستہ حوصلے جمع کیے اور پارکنگ میں جاکر گاڑی کا فرنٹ ڈور کھول کر اس میں آبیٹھا گھر جانے کو بالکل من نہیں تھا۔ مرر میں اپنی شکل دیکھی سرخ ہوتی ہوئی آنکھیں' ہلکی سی بڑھی ہوئی شیو اس کے اندرونی خلفشار کو ظاہر کررہی تھی۔

باپ کی جدائی' سفینہ کی لاتعلقی اور ماموں کی خود غرضی نے فائز کے اندر کی بے چینی اور گھٹن کو حد سے بڑھا دیا تو وہ گاڑی لے کر سڑک پر دوڑانے لگا' ایک انجانی طاقت اسے مخصوص راستوں پر دھکیلتی چلی گئی' اس کے پیروں نے جب گاڑی کے بریک پر پورا باؤ ڈالا تو وہ خان ہاؤس کے نزدیک واقع پارک کے آگے کھڑی تھی۔ وہ عادتاً جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر چلتا ہوا اندر آیا اور پارک کے تنہا گوشے میں جا بیٹھا۔ اس جگہ سے اس کی زندگی کی بہت سی اچھی بری یادیں وابستہ تھیں۔ گھنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے دور افق پر غروب ہوتے ہوئے سرخی مائل آفتاب کو تکتے اس کا ذہن کہیں دور بہت دور جا پہنچا۔

وہ ایک ایک منظر میں کھونے لگا جب وہ سفینہ کے ساتھ تھا' زندگی کتنی حسین تھی' وہ دونوں مسکراہٹ بن گئے تھے' جو ایک دوسرے کے لبوں سے پھوٹتے ہوئے خوشی کا احساس دلاتے۔ وہ لمحات اگرچہ سچائی پر مبنی تھے مگر اب ان پر خواب و خیال کا گماں ہوتا تھا۔ کاش کہ یہ خواب و خیال کی باتیں پھر سے حقیقت کا روپ دھار سکتی۔ سب کچھ پہلے جیسا ہوجاتا مگر افسوس گیا وقت کبھی لوٹ کر آیا ہے جو اب آتا۔

''سفینہ کا بھی ساتھ چھوٹ گیا...... میرے پاس تو کچھ بچا بھی نہیں۔'' اسے اپنے بے مایہ آنسو جو آنکھوں سے نکل کر اپنا نام و نشان کھو چکے تھے' کی تکلیف محسوس ہوئی۔ وہ کتنی سفاکی سے اسے دور جانے کا حکم دے بیٹھی ہے۔ اس نے درد کی انتہاؤں پر جاکر سوچا۔

''فائز جلال...... بھلا تمہاری حیثیت ہی کیا ہے جو وہ تمہارے لیے نرم دلی اختیار کرتی' جب کہ تم نے اسے ٹھکرانے کا' شرمیلا کی محبت کا جھوٹا ڈرامہ رچایا تھا؟'' اسے خود پر ہنسی آئی' زندگی نے ہمیشہ اسے ایک سراب الفت میں مبتلا رکھا۔

فائز کے دل نے ہمیشہ پیار بانٹا پھر بھی بدلے میں اسے درد کے سوا کیوں کچھ نہیں ملا' قسمت کے اس عجیب وغریب سودے کو سمجھنے سے اس کا دماغ قاصر تھا۔

''دادابا کاش آپ اتنی جلدی نہیں جاتے تو ہمارا گھونسلہ یوں تنکا تنکا ہوکر نہیں بکھرتا۔'' فائز نے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر بے ساختہ ابرار خان کو پکارا اور خوابیدہ ذہن اور بند ہوتی آنکھوں کے ساتھ بنچ پر سر ٹکا کر لیٹ گیا اور غنودگی چھا گئی۔ نیند میں دکھ کے گہرے سمندر میں اترتے ہوئے اسے خوف نے آگھیرا' وہ بچوں کی طرح ہاتھوں میں منہ چھپائے بیٹھا تھا کہ اچانک ایک جانی پہچانی سی خوشبو اس کے اطراف میں پھیلی تھی۔ اس نے انگلیوں کی درزوں سے جھانکا تو ابرار خان کا مسکراتا نورانی چہرہ سامنے آگیا۔ وہ ایک دم شکوہ کناں نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگا۔

''آپ چلے گئے پاپا نے بھی میرا ساتھ چھوڑ دیا میری زندگی تو اندھیرا بن کر رہ گئی؟'' وہ نمناک لہجے میں بولا۔

''سب ٹھیک ہوجائے گا۔ میرے بچے فکر کیوں کرتے ہو تمہاری زندگی اب روشنی بن جائے گی؟'' ابرار خان نے اپنا ضعیف ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھا اور فائز کو یوں لگا کہ اس کے اردگرد پھیلے اندھیرے کے بادل چھٹ گئے جیسے وہ بیچ منجھدار سے کنارے پر نکل آیا ہو۔ اس کے ہاتھ چمکنے لگے تب ابرار خان مسکرا کر ہاتھ ہٹایا اور واپسی کے لیے مڑ گئے تو وہ ایک دم بے چین ہو اٹھا۔

''دادابا......'' فائز نے بے اختیار انہیں پکارا مگر وہ رکے نہیں چلتے چلے گئے۔

''یہ کیا ہورہا ہے؟'' فائز نے سوچا مگر اب خواب کا منظر بدلنے لگا۔ اسے کسی کی موجودگی کا نیا احساس ہونے لگا۔ آنکھوں کے بند دریچوں کے پیچھے سے لبوں پر مسکراہٹ سجائے سفینہ نے جھانکا' فائز نے اسے تھامنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو سفینہ کی جگہ روشنی نے اس کا ہاتھ تھام لیا وہ ایک دم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا' گھبرا کر اِدھر اُدھر سر گھمایا تو ایک خاص قسم کی خوشبو نتھنوں میں سمائی جو ابرار خان کے پاس سے آتی تھی۔

''یہ سب کیا تھا؟'' وہ خواب میں دکھائی دینے والے اشاروں کو سمجھنے سے قاصر تھا مگر اتنا ضرور ہوا کہ دل میں پھیلی بے سکونی غائب ہوگئی تھی۔ سکون اور طمانیت چھا گئی تھی' فائز بہت دیر تک ایک ہی جگہ جما بیٹھا رہا اور اپنے خواب کے بارے میں سوچتا رہا آخر کار جب تاریکی پھیلنا شروع ہوئی تو اس نے بھی گھر لوٹنے کا سوچا اور اٹھ گیا۔ اچانک روشنی کا چہرہ نگاہوں میں آسمایا' دماغ نے فوراً ہی سفینہ سے کیا گیا وعدہ یاد دلایا۔ اس نے سر جھٹکا۔ وہ اس وقت کسی کے بارے میں نہیں سوچنا چاہتا تھا۔ گاڑی کی طرف اٹھنے والا ہر قدم اسے احساس دلانے لگا کہ آئندہ زندگی کا سفر اب تنہا ہی طے کرنا تھا پھر بھی جانے کیسا اطمینان پھیلا ہوا تھا' جانے کیوں ایک بار پھر روشنی کا خیال دل میں ستارہ بن کر چمکنے لگا۔ وہ اپنے جذبات کی حقیقت سمجھنے سے قاصر تھا۔

❀......❀......❀

شکیل رات کے کھانے کے بعد صحن میں چہل قدمی میں مصروف تھا' نرما ابھی تک نہیں لوٹی تھی' وہ اپنی دوست کی طرف ڈنر پر انوائیٹڈ تھی' اس لیے کال کرکے اسے بتادیا تھا۔ شکیل نے مطمئن ہوکر کھانا کھایا اور پھر صحن میں چہل قدمی کرتے ہوئے ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں سے لطف اندوز ہونے لگا۔ دلشاد نے جھانک کر صحن میں دیکھا اور بہت سوچ بچار کے بعد بیٹی کو ایک بار پھر بھائی سے بات کرنے پر مجبور کیا۔ سائرہ نے اثبات میں سر ہلایا اور بھائی کے لیے چائے لے کر

باہر آ گئیں۔ ماں کے کہنے پر بھائی سے بات کرنے کا سوچا تو تھا مگر بہت پرامید نہیں تھیں کیوں کہ پہلے بھی شکیل نے اس کی بات سننے کی جگہ اپنی مجبوریوں کی طویل فہرست، بہن کو پکڑا دی تھی۔ دلشاد کا خیال تھا کہ سائرہ کے حالات جان کر شاید بھائی کی غیرت پر ضرب پڑ جائے اور اس کے شعور کی آنکھیں کھل جائیں وہ پورا گھر سائرہ کے نام لکھ کر واپس چلا جائے۔

''مجھے پتا ہے تمہیں کھانے کے بعد اب بھی چائے پینے کا چسکہ ہے؟'' سائرہ نے چہرے پر خوش اخلاقی کا نقاب چڑھا کر شکیل کی طرف کپ بڑھایا۔

''او تھینک یو؟'' وہ مسکرا کر بہن کو دیکھنے لگا۔ سائرہ کا حوصلہ بڑھا مگر اس سے پہلے کے وہ کچھ کہتی شکیل نے لب کھولے۔

''ہاں تو پھر آپ لوگ کب تک یہ گھر خالی کررہے ہیں؟''

''اب تم سے کیا چھپانا۔ ہمارے لیے یہاں سے جانا ابھی ممکن نہیں۔ تمہارے بہنوئی کی بیماری کے بعد ہمارے حالات بہت خراب ہوگئے تھے اور اب تو سر پہ ان کا سایہ بھی نہیں رہا۔'' سائرہ کا لہجہ گلوگیر ہوا جلال خان کی یاد نے گرفت میں لے لیا بیماری کے چند سالوں کو نکال دیا جائے تو کیسی بھرپور زندگی گزاری تھی ان کے ساتھ۔

''مجھے اس بات پر بہت افسوس ہے جلال بھائی کی جگہ تو خیر کوئی نہیں لے سکتا پر کسی کے جانے سے زندگی کے کام رکتے نہیں۔'' شکیل نے چائے کا کپ تھامتے ہوئے تسلی دینا ضروری سمجھی۔

''ہاں مگر اللہ کی رضا کے آگے کسی کا بس چلا ہے کیا؟'' سائرہ نے دوپٹے سے آنسو پونچھے۔

''آپ پریشان نہ ہوں میں ہوں ناں یہ گھر بیچ کر آپ کو بھی حصہ دوں گا جس سے آپ کے مسائل حل ہو جائیں گے؟'' اس نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے گہری نگاہوں سے بہن کو دیکھا۔ دلشاد بانو کے کان ادھر ہی لگے ہوئے تھے وہ اس بات پر بری طرح سے تپ گئیں۔

''یہ گھر بک گیا تو ہم کہاں جائیں گے؟'' وہ ایک دم خفا ہوئیں۔

''مجھے یہ گھر بیچ کر جلدی واپس جانا ہے اس لیے بہتر یہ ہی ہوگا کے آپ لوگ جلدی اپنا کہیں اور انتظام کرلیں۔'' شکیل کا انداز بڑا دل دکھانے والا تھا۔

''ایک منٹ شکیل اس گھر پر میرا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا تمہارا مگر لگتا ہے تمہارا خون سفید ہوگیا ہے؟'' وہ چڑ کر ملامتی انداز میں بولیں۔

''میں نے اس بات سے کب انکار کیا؟ آپ کا پورا حصہ دے تو رہا ہوں؟'' وہ سمجھانے لگا۔

''ہمیں حصہ نہیں رہنے کے لیے یہ گھر چاہیے؟'' وہ تیز لہجہ میں بولیں۔

''یہ بات تو اب ناممکن ہے۔'' وہ کپ کو سائیڈ میں پٹختے ہوئے خود بھی بھڑک اٹھا۔

''ہائے شکیل تو اتنا بے غیرت نکلے گا میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا بہنوئی کی موت پر آنا تو بہانہ تھا تو تو اصل میں ماں اور بہن کے سر سے چھت چھیننے آیا ہے؟'' دلشاد کی برداشت جواب دے گئی وہ فوراً بیٹی کی مدد کو پہنچیں۔

''اماں مجھے پیسوں کی ضرورت ہے وہاں نیا کاروبار شروع کرنا ہے اور یہ مظلومیت کا ڈرامہ رہنے دیں ان کا سسرال والا گھر کتنا بڑا ہے وہاں جا کر کیوں نہیں رہتیں؟'' اس نے زچ ہو کر ہاتھ جوڑے۔

''واہ بھائی واہ...... تم سے یہ امید نہ تھی؟'' سائرہ نے افسوس سے شکیل کو دیکھا پھر ماں کی طرف نظریں گھمائیں۔

''کیوں غلط بول رہا ہوں کیا؟'' شکیل نے ماں کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''ارے اس کے دیور بہزاد نے ایک سال پہلے سائرہ کو اس گھر کے حصے کے پیسے پہنچا دیے تھے ان ہی پیسوں

سے تو تیرے بہنوئی کا علاج ہوتا رہا ورنہ یہاں کون سے خزانے گڑے تھے؟'' دلشاد نے انکشاف کیا تو شکیل نے چونک کر ماں کو دیکھا۔

''تو یہ فائز نکما کیا کرتا رہا اتنے سالوں میں؟'' وہ بھی گرم ہوا۔

''بھائی میرے بیٹے کا نام لینے سے پہلے سو بار سوچنا؟'' سائرہ نے چلا کر کہا۔

''اے لو اس بڑے سے گھر کے سارے خرچے فائز کی تنخواہ سے ہی پورے ہوتے تھے حالانکہ یہ تیری ذمہ داری تھی مگر بھیا تو نے شروع شروع میں تو باقاعدگی سے پیسے بھیجے پھر پلٹ کر پوچھا بھی نہیں کہ ماں زندہ بھی ہے یا مرگئی۔ اللہ میری بیٹی کو سلامت رکھے اس کا ہی دم تھا ورنہ مجھے ایدھی صاحب کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑتا؟'' دلشاد نے بھی بھڑک کر جواب دیا۔

''ہاں تو کیا کرتا ہمارا اپنا پورا نہیں پڑ رہا تھا اور وہ جو کرایہ آتا تھا میں نے کبھی اس کا حساب مانگا؟'' اس نے بھی آنکھیں نکالیں۔

''بے غیرت، بے شرم۔ ماں سے حساب لینے چلا ہے۔ میں کہتی ہوں جیسے چپ چاپ آیا ہے ویسے ہی چلا جا اب اگر اس گھر کی جانب نگاہ اٹھا کر بھی دیکھی تو آنکھیں نکال لوں گی۔'' دلشاد نے گرجتے برستے ہوئے فیصلہ سنایا۔

''نہیں اماں گھر تو میں بیچ کر ہی جاؤں گا۔ اس طرح فائز کو بھی کچھ پیسہ مل جائے گا جس سے وہ کوئی چھوٹی موٹی دکان کھول لے گا۔'' بہن کے بدلتے تاثرات پر تھوڑا نرم پڑتے ہوئے بولا ورنہ اسے تو بس اپنا مال سمیٹنے کی فکر لگی ہوئی تھی۔

''اماں کہاں جائیں گی یہ بھی سوچا ہے تم نے بھی؟'' سائرہ نے شکیل کی ڈھٹائی پر دانت پیسے۔

''چلو یہاں ایک نئی نوٹنکی لگی ہے؟'' نرما دونوں ہاتھوں میں شاپرز تھامے اندر داخل ہوئی تو نند کا سوال کانوں میں پڑا وہ بڑبڑاتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

''اسے کیا فکر ہے ماں جیے یا مرے؟'' دلشاد نے بہو کو ترچھی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بیٹے کو سنایا۔

''اتنے سالوں اماں نے آپ کو یہاں رکھا اب کیا ان کی باقی کی زندگی۔ آپ کے ساتھ نہیں گزر سکتی؟'' شوہر کا ساتھ دینے کے لیے وہ کاندھے سے کاندھا ملا کر کھڑی ہوگئی۔ ان دونوں نے قہر آلود نگاہوں سے بیک وقت نرما کے چمکتے چہرے کو دیکھا جہاں بے فکری چھائی ہوئی تھی۔

''نرما تم خاموش ہوجاؤ؟'' شکیل نے توقع کے خلاف اپنی بیوی کو جھاڑا تو وہ حیران ہوکر شوہر کو دیکھنے لگی۔

''یہ ٹھیک تو کہہ رہی ہیں اگر یہ گھر بک گیا تو اماں کا کیا ہوگا؟'' اس نے ماں کا ہاتھ تھام کر پیار سے کہا تو دلشاد بانو کی آنکھوں کی روشنی جیسے لوٹ آئی، سائرہ نے بھی چونک کر بھائی کی طرف دیکھا۔

''آپ کو کیا ہوگیا ہے شکیل؟'' نرما گھبرائی۔

''بس میں نے فیصلہ کیا ہے کہ یہ مکان میں سائرہ باجی کے نام کرکے امریکا جاؤں گا؟'' اس کے فیصلہ کن انداز نے وہاں موجود سارے نفوس کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

❊ ❊ ❊

ڈگمگاتے قدم، ڈولتا وجود، متورم آنکھیں، سفینہ کمرے میں داخل ہوئی تو خودترسی کی انتہاؤں کو چھونے لگی۔ غیر محفوظ ہونے کا احساس اچانک بیدار ہوا اور وجود میں سرائیت کرتا چلا گیا۔ خوف کا غلبہ طاری ہونے لگا تو اس نے پلٹ کر بے اختیار دروازے کی کنڈی چڑھائی۔ سینے پہ ہاتھ رکھا یوں لگا جیسے دباؤ بڑھتا جارہا ہے، گھٹن کے ساتھ ساتھ سانس لینے میں مسئلہ ہوا تو وہ کمرے سے ملحقہ بالکونی میں نکل کر ننگے پیر جا کھڑی ہوئی اور منہ کھول کر تازہ ہوا میں سانس لینے لگی۔ غم و غصے، افسوس و بے چارگی کی تفسیر بنی وہ شاہ کی یاد کو سینے سے لگائے اپنی قسمت کی خرابی پر ماتم کرنے جوگی بھی نہیں تھی۔

''مجھ سے یہ سانپ سیڑھی کا کھیل نہیں کھیلا جارہا؟'' ہاتھ میں تھامے فون کو گھورتے ہوئے اس نے سوچا۔
''ان کو واپس آنے کا کہتی ہوں اور سب کچھ سچ بتادیتی ہوں۔ اس کے بعد جو ہوگا دیکھا جائے گا۔'' اس نے سرد آہ بھری اور فیصلہ کن انداز میں سر ہلایا۔
''ہر وقت سانپ کے ڈسنے یا اوپر سے نیچے آنے کا خوف مجھے بے موت ماردے گا؟'' اس نے سرگوشی کی انگلیوں نے تیزی سے آفاق کا نمبر پریس کرنا شروع کیا اور فون کان سے لگایا۔ دوسری جانب بیل جارہی تھی۔
''اگر ساری بات سننے کے بعد شاہ نے اپنا اعتبار چکنا چور ہونے پر مجھ سے قطع تعلق کرلیا تو پھر میں تو کہیں کی نہیں رہوں گی؟'' اس کے ذہن میں انگارے دہکنے لگے۔
''ہیلو...... میم صاحب۔ ابھی تک جاگ رہی ہو؟'' دوسری طرف سے کال ریسیو ہوچکی تھی۔ آفاق کی پیار بھری سرزنش پر سفینہ کا دل دھڑکا۔
''شاہ؟'' وہ کچھ بولتے ہوئے گم صم سی رہ گئی۔
''جی شاہ کی جان؟'' وہ اتنی چاہت سے بات کررہا تھا کہ سفینہ کو اپنے آپ پر شرمندگی ہونے لگی۔
''کچھ نہیں بس آپ کی یاد آرہی تھی؟'' اس نے بات بدل دی۔
''ویسے...... میں بھی اپنی پرنسز کو دل سے یاد کررہا تھا' ابھی کال کرنے کا سوچ ہی رہا تھا کہ تمہارا فون آگیا؟'' شاہ کا محبت بھرا لہجہ کانوں سے ٹکرایا' اس کا دل بھر آیا' وہ لحہ بھر ایسے ہی کھڑی رہی اور پھر کچھ کہے بناء لائن کاٹ دی۔ آفاق نے فوراً ہی دوبارہ کال کی' بیل مسلسل ہوتی رہی مگر اس نے کال ریسیو نہیں کی۔ شاہ نے اس رات کئی بار ٹرائی کیا مگر سفینہ نے فون اٹینڈ نہیں کیا۔ وہ تھک کر بستر پر جالیٹی اور اس کا تکیہ مسلسل بھیگتا رہا' ایسا لگتا تھا کہ رات بھر وہ آنسوؤں کے سارے تارے سیاہ چادر جیسے آسمان پر ٹانک کررہے گی۔

''موبل...... سو رہی ہو کیا؟ مجھے آفس کو دیر ہورہی ہے۔'' نبیل نے دھیرے سے چادر ہٹائی اور بیوی سے پوچھا تو اس نے آنکھیں کھولیں اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔
''بس ابھی ناشتہ لاتی ہوں۔'' وہ جلدی سے گھنے بالوں کو سمیٹتی ہوئی باتھ روم میں جا گھسی اور منہ ہاتھ دھونے کے بعد کچن کی جانب بڑھ گئی۔
''آجائیں چائے ٹھنڈی ہورہی ہے۔'' موبل نے ناشتہ لگا کر اسے پکارا جو سامنے بیٹھا اخبار کے مطالعے میں مصروف تھا۔
''چلو تم بھی میرے ساتھ ہی ناشتہ کرلو؟'' بیوی کو دیکھ کر وہ شائستگی سے مسکرایا اور ہاتھ پکڑ کر کرسی پر بٹھالیا۔ موبل نے نگاہ اٹھا کر نبیل کی جانب دیکھا۔ نک سک سے تیار' مسکراتا ہوا وہ ہینڈسم لگ رہا تھا۔ اس نے چائے کا کپ بڑھایا۔
''بھئی آج مجھے واپسی پر دیر ہوجائے گی۔'' نبیل نے چائے کا سپ لیتے ہوئے اطلاع دی۔
''کہیں پھر سے کسی اور کے چکر میں تو نہیں آگئے۔'' اس کے دل میں وسوسہ اٹھا' ایک بار پھر شوہر کا جائزہ لیا۔
''موبل کے حواسوں پر آج کل پھر سے شک کے بادل چھائے ہوئے تھے۔'' نبیل نے موبل کے اندر جھانکتے ہوئے سوچا۔ اس کے چہرے کے تاثرات باآسانی پڑھے جارہے تھے۔
''مہذب دکھائی دینے والا یہ شخص پھر سے کسی اور لڑکی کے لیے اس دن والا وحشی انسان نہ بن جائے۔ جس نے شرمیلا کو اغواء کیا تھا۔'' موبل کے دل میں ایک اور دھڑکا جاگا۔

''کیا ہوا جان تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' نبیل نے کانٹے سے ٹوسٹ پروتے ہوئے بڑی فکر مندی سے پوچھا وہ مزید بکھر گئی۔

''میرے اللہ...... یہ شخص سچ مچ میں اچھا ہوگیا ہے یا اچھائی کی آڑ میں پھر سے کوئی نیا ڈرامہ کررہا ہے۔'' موحل نے سر پہ ہاتھ رکھ لیا' چند دنوں سے اس کے اندر عجیب سے وسوسے جنم لینے لگے تھے۔

''تم پلیز رات کا کھانا جلدی کھا کر سو جانا میرے انتظار میں بھوکی نہ رہنا؟'' نبیل نے خیالوں میں کھوئی موحل سے نہایت عاجزی سے کہا۔

''کیوں آپ ڈنر پر بھی نہیں ہوں گے کیا؟'' موحل نے اس کی پلیٹ میں آملیٹ ڈالتے ہوئے کٹیلی نگاہوں سے دیکھا۔

''بتایا تو ہے آفس کا ایک ضروری کام ہے۔ اس کے بعد کلائنٹ کے ساتھ ڈنر پر جانا ہے؟'' اس نے سادہ انداز میں وجہ بیان کی۔

''کیا کلائنٹ کوئی خوب صورت لڑکی ہے؟'' بیوی کے طنزیہ انداز پر نبیل شاک سا رہ گیا۔

''لڑکی...... ! یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟'' وہ کچھ نہ کرتے ہوئے بھی چور سا ہو کر اسے دیکھنے لگا۔

''ٹینشن نہ لیں بے فکر ہو کر جائیں میں تو ایسے ہی مذاق کررہی تھی۔'' موحل نے زبردستی کی مسکراہٹ لبوں پر سجائی اور پیٹھ موڑ کر برتن سمیٹنے لگی۔

''اگر تم اس بات سے پریشان ہو تو میں ارشد سے ڈنر کے لیے معذرت کرلوں گا اب تو خوش؟'' وہ اس کے پیچھے کچن میں آگیا مگر موحل اس کی جانب دیکھے بغیر خود کو مصروف ظاہر کرنے لگی۔ کچن میں کھٹر پٹر جاری تھی مگر اس نے ایک لفظ نہ بولا۔ نبیل کچھ دیر جواب کے انتظار میں کھڑا رہا پھر مایوس ہو کر چپ چاپ باہر نکل آیا' سگریٹ سلگاتے ہوئے اچانک اسے ادراک ہوا کہ اب موحل کا یقین جیتنا ناممکن ہوگیا ہے شاید شرمیلا والے واقعے نے ہمیشہ کے لیے اسے بیوی کی نگاہوں میں گرا دیا تھا' کسی شوہر کے لیے اس سے بڑی سزا اور کیا ہوسکتی تھی کہ وہ جس عورت کے ساتھ زندگی گزار رہا ہو وہ اس پر اعتبار نہیں کرتی۔

❀......❀......❀

فائز دفتر میں داخل ہوا تو روشنی اسے دیکھتے ہی بے اختیار کیبن میں چلی آئی اور اس کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ دیا۔ وہ اس کے اظہار محبت پر ہکا بکا رہ گیا مگر روشنی کو اس بات سے کوئی مطلب نہیں تھا وہ بس سب کچھ ایک ہی نشست میں بتانے کی خواہش مند تھی۔ اس نے سفینہ پر بہت غلط الزامات لگائے نہ جانے کتنا وقت بیت گیا مگر روشنی کا غصہ کسی طرح کم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا' فائز اس کی باتیں سن کر عجیب شش و پنج کا شکار ہونے لگا جبکہ روشنی رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی مجبوراً اس نے ہاتھ اٹھا کر خاموش کرایا اور اسے سمجھانے لگا مگر اس پر فائز کے سمجھانے کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا' وہ سفینہ سے بری طرح سے بدگمان تھی' وہ دوبارہ بھابی کے خلاف بولنے لگی۔ روشنی کی باتیں سن کر فائز کا دل ڈوبنے لگا مگر جب تک اس نے اپنے دل کی پوری بھڑاس نہیں نکال لی وہ تحمل سے اس کی بات سنتا رہا۔ اسے اب سمجھ میں آیا کہ سفینہ نے اسے کیوں یہاں سے جانے کو کہا تھا۔ روشنی کے جذبات جان کر اس کے یہاں سے جانے کا عزم مزید پختہ ہوگیا۔ فائز کو روشنی کے ساتھ بھی ہمدردی ہوئی تاہم اس سے زیادہ سفینہ کا خیال پریشان کیے دے رہا تھا۔ اس پر اتنا کچھ بیت گیا اور فائز کو خبر ہی نہ ہوسکی۔ اسے خود پر غصہ آنے لگا کہ ایک بار پھر وہ سفی کے لیے دکھ کی وجہ بنا۔ اس کی وجہ سے اس کی شادی شدہ زندگی کو خطرات لاحق تھے۔ حالات ہی ایسے تھے شاید یہ سب یوں ہی ہونا تھا۔ نجانے ہمیشہ ایسا کیوں ہوتا ہے۔

''آپ مجھے چھوڑ کر نہیں جائیں گے؟'' روشنی نے اسے سوچوں میں گم دیکھا تو روتے ہوئے پوچھا۔
''تم فکر مت کرو روشنی جو بھی ہوگا اچھے کے لیے ہی ہوگا؟'' اس نے سرد آہ بھرتے ہوئے تسلی دینا چاہی۔
''مجھے سمجھ میں نہیں آتا وہ یہ سب کیسے کرسکتی ہیں؟'' اس نے دانت کچکائے۔
''پلیز...... میں سفینہ کے خلاف ایک لفظ نہیں سننا چاہتا' وہ بالکل ایسی نہیں ہے جیسا تم نے سمجھا ہے؟'' اس نے پھر سمجھانا چاہا۔
''بھابی نے آپ کے ساتھ بے وفائی کی...... میرے بھائی کو دھوکا دیا' آپ پھر بھی ان کا ساتھ دے رہے ہیں۔'' وہ بھڑکی۔
''اس نے ایسا کچھ نہیں کیا بس حالات ہی ایسے ہوگئے تھے؟'' اس نے ایک بار پھر نرمی سے سفینہ کا دفاع کیا۔
''کیا آپ بھی مجھ سے میرا مطلب ہے؟'' اس کی زبان جھجکی۔
''نہیں روشنی میں نے تمہیں ہمیشہ اچھا دوست سمجھا اس کے سوا کچھ نہیں اب بہتری اسی میں ہے کہ تم گھر جاؤ اور ٹھنڈے دل سے میری باتوں پر غور کرو؟'' فائز نے اپنے دل کی نہیں سنی اور ایک بار پھر سفینہ کے لیے قربانی دیتے ہوئے روشنی کی محبت کو ٹھکرا دیا۔
''یہ...... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' وہ شاک کے عالم میں اسے تکنے لگی۔
''یہ ہی سچ ہے میں تم سے پیار نہیں کرتا؟'' اس نے نگاہیں چرائیں تو روشنی کی انا کو زک پہنچی۔
''او کے ٹھیک ہے میں چلتی ہوں مگر میری بات یاد رکھیے گا اگر آپ نے یہ آفس چھوڑا تو بھابی کو شاہ ہاؤس چھوڑنا پڑے گا؟'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی پھر جھک کر فائز کی آنکھوں میں جھانک کر دھمکایا۔
''تمہارا نام روشنی ہے اور تم پر ایسی باتیں سوٹ نہیں کرتی۔ تم جو چاہتی ہو وہ کم از کم میرے لیے ناقابل قبول ہے' جہاں تک شاہ اور سفینہ کی بات ہے میرا نہیں خیال کے ان کا رشتہ اتنا کچا ہے جو کسی کے کہنے سے ٹوٹ جائے؟'' وہ اس کے پہلو میں کھڑا ہوا اور بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔
روشنی نے فائز کی آنکھوں میں دیکھا اور مسمریزم سی ہوگئی۔ فائز اس کے ساتھ باہر تک آیا مگر اس کے منہ سے مزید ایک لفظ نہیں نکلا یوں لگا جیسے قوت گویائی چھن گئی ہو۔

***

''کیسی ہو شرمیلا؟'' اس نے صائمہ کی آواز پر مڑ کر دیکھا اور بے اختیار گلے لگ گئی۔
''ایک نیوز ہے تمہارے لیے؟'' خیر خیریت دریافت کرنے کے بعد صائمہ نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے دھیرے سے کہا۔
''اچھا وہ کیا میرے نیوز چینل؟'' جواباً شرمیلا نے شرارتی ہوکر اسے دیکھا مگر اس کی سنجیدگی میں فرق نہیں آیا۔
''نبیل اور اس کی بیوی موبل میں کئی دنوں سے کھٹ پٹ چل رہی تھی اور وہ اسے چھوڑ کر گاؤں جانے کی تیاری کررہی ہے؟'' صائمہ نے بات مکمل کی مگر اسے ذرا سی خوشی محسوس نہ ہوئی بلکہ وہ یہ سن کر ایک دم افسردہ ہوگئی۔
''ہر ظالم اپنے انجام تک پہنچتا ہے؟'' شرمیلا کی آواز بھیگی۔
''بے شک اللہ ظالم کی رسی ڈھیلی چھوڑتا ہے مگر اسے نہیں چھوڑتا۔'' صائمہ بھی ایک خاص احساس میں مبتلا ہوکر نم دیدہ ہوئی۔
''اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحم فرمائے اور سچائی کے راستے پر چلنے کا حوصلہ عطا فرمائے' آمین؟'' شرمیلا نے دعا کے لیے

ہاتھ بلند کیے۔
''آمین...... تم آمین؟'' صائمہ نے بھی اُس کی تائید کی اور صدق دل سے کہا۔ دونوں کے درمیان چند لمحے کی خاموشی در آئی۔
''صائمہ مجھے بھی اپنی ایک غلطی کا اعتراف کرنا ہے اسی لیے فون کیا تھا؟'' شرمیلا ہمت کرکے آخر بولنے کو تیار ہوئی۔
''ہاں بولو؟'' صائمہ نے حوصلہ دیتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔
''اولاد سے بڑی خوشی دنیا میں کوئی نہیں' پیسہ' دولت تعیشات ہر شے اس کے آگے ہیچ ہیں......'' شرمیلا کی تمہید میں بہت کرب تھا۔
''جانتی ہوں تم اس معاہدے سے انحراف کرنا چاہتی ہوناں جو تمہارے اور مہرین کے بیچ میں ہوا تھا؟'' صائمہ نے اسے چونکایا۔
''تم...... تمہیں کیسے پتا چلا؟'' وہ ہکلائی۔
''مجھے تو اس بات کا بھی اندازہ ہے کہ تم ساری چیزیں مہرین کو لوٹانے کی خواہش مند ہو؟'' صائمہ نے کہا تو شرمیلا نے اثبات میں سر ہلایا۔
''مگر اب اس چیز کی ضرورت نہیں۔'' صائمہ کا لہجہ جوش سے بھر گیا' شرمیلا کو کسی انہونی کا احساس ہوا۔ اس کے چہرے پر پھیلی چمک اور آنکھوں کی خوشی خاصی حوصلہ افزا تھی۔
''صائمہ تم کہنا کیا چاہتی ہو پلیز کھل کر بتاؤ؟'' وہ بے چین ہوئی۔
''میں تمہیں سب کچھ بتاتی ہوں مگر تم پلیز اس بات کا آزر بھائی سے ہرگز ذکر نہیں کرنا؟'' وہ مسکرا کر منت کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھنے لگی۔
''ایسی کیا بات ہے؟'' شرمیلا نے نگاہ اٹھا کر حیرت کا اظہار کیا۔
''بات بہت خاص ہے' ایک دن بتول خالہ نے آزر بھائی کو بلوا کر ان کے سامنے چیک بکس' گاڑی کی چابی اور گھر کے کاغذات رکھ دیے کہ انہیں یہ سب نہیں چاہیے۔ وہ جھونپڑے میں رہ کر روکھی سوکھی کھا کر بھی صرف اپنی بیٹی کی شادی شدہ زندگی قائم دیکھنا چاہتی ہیں۔ ان کے جڑے ہوئے ہاتھ دیکھ کر آزر بھائی شرمندہ ہوگئے۔ انہوں نے ہر چیز واپس لینے سے انکار کردیا' الٹا خالہ کو سمجھایا کہ داماد بھی بیٹے کی طرح ہوتا ہے اور یہ سب ایک بیٹے کی طرف سے اس کی ماں کے لیے تحفہ ہے کوئی سودے بازی نہیں اور ہاں جاتے جاتے انہوں نے خالہ سے تمہیں طلاق نہ دینے کا وعدہ بھی کیا تھا؟'' صائمہ کے پے در پے انکشافات سے شرمیلا کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔
''یہ تم کیا کہہ رہی ہو صائمہ؟ اماں نے تو مجھ سے کوئی ذکر نہیں کیا......'' اس نے صائمہ کو جھنجھوڑا۔
''یہ سب سچ ہے شرمیلا کیوں کہ آزر بھائی نے خالہ بتول کو منع کیا تھا وہ تم سے کبھی بھی ان باتوں کا ذکر نہ کریں' اس لیے وہ چھپا گئیں مگر مجھ سے کسی نے کوئی پرامس نہیں لیا تھا' اس لیے میں نے تمہیں سب کچھ سچ سچ بتا دیا۔'' اس نے ایک دم ہنستے ہوئے بات مکمل کی۔
''آزر میرے لیے انسان نہیں فرشتہ ہیں۔'' سچائی جاننے کے بعد شرمیلا کی نگاہوں میں آزر کا قد مزید اونچا ہوگیا تھا۔
''اس میں کوئی شک نہیں کہ قسمت سے تم ایک نفیس انسان سے ٹکرا گئی۔ آزر بھائی کو پتا ہے کہ تمہارے اندر ان کو اور اپنے بچے کو کھونے کا حوصلہ نہیں' ان کا بھی کچھ ایسا ہی حال ہے مگر وہ تمہارا بھرم بھی قائم رکھنا چاہتے تھے اسی لیے شروع سے پس پردہ رہ کر تمہاری خوشیوں کا خیال رکھتے آئے ہیں؟'' صائمہ نے کھلے دل سے اعتراف کیا تو

شرمیلا نے سر ہلا دیا۔

روشنی تمسخر اڑاتا طنزیہ انداز میں سفینہ کی طرف دیکھ کر مسکراتی تو اسے اپنی روح جسم سے الگ ہوتی محسوس ہوتی۔ چند دنوں میں ہی اس سنہری رنگت میں زردیاں گھل گئیں تھیں۔ اس کا کمزور پڑتا وجود سفینہ کو لگتا تھا کہ وہ اندر ہی اندر بھسم ہو رہی ہے۔ اچانک روشنی نے عائشہ بیگم کے بہکائے میں آ کر اسے شاہ ہاؤس چھوڑ کر جانے کا حکم نامہ دے دیا۔

''بھابی آپ میکے جانے کی تیاری پکڑ لیں صرف یہ ہی صورت ہے کہ میں بھائی کو کچھ نہیں بتاؤں گی؟'' وہ جانے کیوں اتنی کٹھور بن گئی تھی۔

''میں اپنا گھر بار چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔'' وہ ایک دم دہل کر اسے دیکھنے لگی۔

''جانا تو آپ کو پڑے گا نہیں تو بھائی کو کال کر کے مدد کے لیے بلوا لیں؟'' اس نے مسکرا کر سفینہ کی طرف دیکھا۔

''یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟'' وہ نا سمجھی سے اسے تکنے لگی۔

''اگر آپ چاہتی ہیں کہ بھائی کے دل میں آپ کے لیے نفرت نہ جاگے تو' یہاں سے چلی جائیں؟'' اس کا انداز فیصلہ کن تھا۔

''میں شاہ کی نفرت نہ سہہ پاؤں گی؟'' وہ سر پہ ہاتھ رکھ کر بڑبڑائی۔

''تو پھر ان کو خود سچ بتا دیں؟'' روشنی نے سانس اپنے اندر کھینچ کر اسے دیکھا۔

''یہ میرے لیے ممکن نہیں؟'' اس نے گلابی لب بے دردی سے کاٹے۔

''چلیں پھر یہاں سے جانا تو ممکن ہے۔'' وہ خاص انداز میں اسے دیکھنے لگی۔

''کبھی تو...... کبھی تو میں شاہ سے مل سکوں گی ناں؟'' سفی کی محبت کرلا ہی' اس کی دماغی حالت عجیب سی ہو گئی۔

''نہیں' کبھی نہیں۔ میں اپنے بھائی پر آپ کا سایہ بھی نہیں پڑنے دوں گی؟'' اس کا انداز بے لچک تھا۔

''کبھی تو اس گھر میں آ سکوں گی؟'' سنہری آنکھوں سے آنسو پانی کی طرح بہہ رہے تھے۔

''نہیں' کبھی نہیں؟'' وہ ایک دم سختی سے انکار میں سر ہلانے لگی۔

''کوئی رابطہ تو رکھ سکوں گی؟''

''نہیں رابطہ رکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے' جب آپ میں سچ بولنے کی ہمت ہی نہیں۔''

''میں اتنی مجبور نہ ہوتی تو کبھی یہاں سے جانے کا نہ سوچتی؟''

''آپ کو پرامس کرنا ہوگا کہ آفاق بھائی سے کبھی نہیں ملیں گی اور نہ اس گھر سے کوئی تعلق رکھیں گی؟'' روشنی نے ایک دم تلخ ہو کر اسے وارن کیا۔

''اگر آفاق شاہ نے مجھ سے ملنے کی کوشش کی تب کیا ہوگا؟'' سفینہ نے نند کی سفاکی پر رحم طلب نظروں دیکھا۔

''ایسا نہیں ہوگا وہ کل آ رہے ہیں اور میں انہیں سب کچھ سچ سچ بتا دوں گی۔'' وہ ظالم بنی اسے دہلائے جا رہی تھی۔

''شاہ مجھے نہیں چھوڑیں گے۔'' سفینہ دھاڑیں مار مار کر روتی رہی مگر روشنی کو جانے کیوں اس پر ترس نہیں آ رہا تھا۔ سفینہ نے اپنے ہاتھوں سے شادی شدہ زندگی کو دار پر چڑھا دیا تھا۔ اپنے ہاتھوں اپنی قربانی دینا بہت اذیت ناک ہوتا ہے۔ روشنی' اس کی بات سننے کو تیار نہ تھی سفینہ بلک بلک کر روتی رہی مگر اس نے اپنا دل پتھر کر لیا جہاں ضد آ جائے وہاں رشتے نہیں رہتے صرف نفع' نقصان کا حساب ہوتا ہے۔

''سودے بازی میں کسی بھی طرح کی ہمدردیاں نہیں ہوتیں......'' مہرین کا انداز فلسفیانہ ہوا۔
''مگر...... شرمیلا اب آزر بھائی سے الگ ہونا نہیں چاہتی؟'' صائمہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کہے تو کیا کہے۔
''پیسے کی فکرمت کرو' اتنا ہوگا کہ تمہیں کبھی کچھ کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑے گی بس تم میرا یہ کام کردو؟'' مہرین کے لہجے میں اسرار تھا۔
''آپ کہنا کیا چاہتی ہیں...... کون سا کام؟'' صائمہ ٹکرٹکر اس کی صورت دیکھنے لگی۔
''بس تم کسی بھی طرح شرمیلا کے بچے کو دنیا میں آنے سے روک دو؟'' وہ جنونی سی دکھائی دی۔ جب انسان طاقت کے نشے میں چُور رہتا ہے تو اس کے اندر بسی انسانیت گہری نیند سو جاتی ہے۔
''یہ کیسے ممکن ہے بھلا؟'' صائمہ نے جھرجھری سی لی۔
''دیکھو میں سچ کہہ رہی ہوں۔ ساری زندگی تمہیں کبھی پیسے کا پرابلم نہیں ہوگا۔ بس تم کسی طرح سے اس کا ابارشن کروا دو اس کا طریقہ میں تمہیں بتاؤں گی؟'' مہرین نے جیسے ایک اور دھماکا کیا۔
''آپ نے تو یہ کھڑاگ اس بچے کی خاطر پالا تھا اور اب خود اسے مروانا چاہتی ہیں؟'' صائمہ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔
''جانے کون سی منحوس گھڑی تھی جو شرمیلا نے اس گھر میں قدم رکھا' سب کچھ تنکا تنکا بکھیر کر رکھ دیا اس نے میرا سکون چھینا' میرا شوہر مجھ سے لے لیا' تم اس سے اس کا بچہ چھین لو میں تمہیں اس کے بدلے میں دنیا بھر کی خوشیاں دے دوں گی؟'' مہرین مزید کچھ بولتے بولتے رک گئی۔ مہرین کا ضمیر مر چکا تھا۔ اس کی عقل پر پردہ پڑ گیا تھا' تب ہی وہ یہ گھناؤنا کام کرنے کے لیے صائمہ کی برین واشنگ کر رہی تھی۔
''میں اس طرح نہیں کرسکتی......'' صائمہ نے دانستہ نظریں چرائیں۔
''دنیا میں پیسے سے بڑی کوئی طاقت نہیں تم بولو تمہیں اس کام کے بدلے میں کتنا پیسہ چاہیے اپنی بولی لگاؤ میں بڑی سے بڑی رقم دیتے ہوئے پیچھے نہیں ہٹوں گی؟'' مہرین بے تابی سے بولی تو صائمہ سوچ میں پڑ گئی۔ وہ چپ چاپ وہاں سے اٹھ آئی۔

٭......٭......٭

گھر کے بکنے کی خبر نے دلشاد بانو کو پاگل اور جنونی بنا دیا تھا۔ طیش کے عالم میں انہوں نے بیٹے اور بہو کا سامان باہر پھنکوا دیا مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا وہ تو پیسے لے کر جا چکا تھا۔ شکیل نے بڑی چالاکی سے ماں پر یہ ظاہر کیا کے وہ پورا گھر سائرہ کے نام کر رہا ہے مگر اس نے جھوٹ کہا تھا۔ وہ جانتا تھا کے ان لوگوں کو دھوکے سے ہی رام کیا جاسکتا ہے۔ چکنی چپڑی باتوں میں ماں اور بہن کو پھنسایا اور پھر کاغذات بنوا کر پہلے ماں سے انگوٹھا لگوایا اور پھر ایک دن بہن کو سائن کرنے کے لیے کہا۔ سائرہ کے پوچھنے پر اس نے کہا یہ گھر آپ کے نام کرنے کے لیے کاغذی کارروائی ضروری ہے وہ خوش ہوگئیں اور فائز کو سرپرائز دینے کا سوچ کر اس سے یہ بات چھپالی۔ شکیل نے میٹھی میٹھی باتوں سے محبت کی ایسی پٹی ان کی آنکھوں پر باندھی کے ان دونوں کو وہ سچا نظر آنے لگا اور اس کے ہاتھوں بے وقوف بن کر رہ گئیں' سائرہ سمجھتی رہی کہ بھائی نے گھر ان کے نام کر دیا ہے مگر در اصل اس نے دھوکا دہی سے مکان بیچ دیا اور پیمنٹ ملتے ہی دوسرے شہر جانے کا بہانہ کر کے بیوی کو لے کر خاموشی سے امریکا واپس لوٹ گیا' ڈرامے میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لیے' اپنا کچھ سامان بھی یہیں چھوڑ گیا۔ سچائی تو اس دن پتا چلی' جب ایک ہفتے بعد فائز سے مکان کے نئے مالک نے گھر خالی کرنے کی تاریخ مانگی۔ فائز پر اس دن یہ عقدہ کھلا کے ماموں نے دھوکے بازی سے نانا کا گھر بیچ دیا۔ وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اسے سمجھ میں نہیں آیا کے گھر جا کر

کیسے اس بات کا ذکر کرے مگر ماں اور نانو کو بتانا ہی تھا۔ اس کی بات سنتے ہی دلشاد نے غیض وغضب میں آ کر شکیل کے کمرے کی تلاشی لی تو ایک خط ماں کے نام ملا جس میں معافی مانگنے کے ساتھ گھر بیچنے کا اقرار نامہ تھا۔ شکیل نے تلافی کے طور پر بہن کا حصہ اور ماں کے لیے چند لاکھ روپے رکھ چھوڑے تھے۔ وہ دونوں تو چکرا کر رہ گئیں۔ دلشاد بانو نے اس کے کمرے میں رکھی ہوئی ہر چیز کو توڑ پھوڑ دیا۔ وہ کسی کے قابو میں نہیں آ رہی تھیں، سائرہ اور فائز نے اپنی سی کوشش کی انہیں سمجھانے کی مگر وہ کسی کی بھی نہیں سن رہی تھیں۔ ان کا دماغ خراب ہو چکا تھا۔

''ہوش سے کام لیں..... اماں۔'' سائرہ نے ان کے ہاتھ تھامے۔

''ہوش کیسے رہے گا میری تو ساری عمر کی کمائی لٹ گئی؟'' وہ چلائیں۔

''چھوڑیں نانو میں آپ کو اس سے بڑا گھر بنوا کر دوں گا؟'' فائز نے انہیں بانہوں کے گھیرے میں لے کر تسلی دینا چاہی۔

''وہ یہ گھر تو نہیں ہوگا' مجھے تو یہاں سے مر کر نکلنا تھا پتا ہوتا تو اُس آستین کے سانپ کو اپنے گھر سے کیا اپنی زندگی سے نکال کر پھینک دیتی؟''

''اماں یہ شکیل اور اس کی بیوی کی ملی بھگت تھی دیکھیں تو ہمیں کیسا بے وقوف بنایا؟'' سائرہ کو دکھ ہوا' دوپٹے کے پلو سے آنسو پونچھنے لگیں۔

''ہائے اُس منحوس کی وجہ سے میں اور میری بچی در بدر ہو کر رہ گئے ہیں۔ اس نے یہ بھی خیال نہیں کیا کہ بہن ابھی عدت میں ہے یہ بھی نہیں سوچا کہ ہم سب کہاں جائیں گے؟'' وہ سینہ کوبی کرتی زمین پر بیٹھ گئیں اور پھر اونچی آواز میں بین کرنے لگیں۔

نانی کی بات پر فائز کو خیال آیا کے اب اسے نیا ٹھکانہ ڈھونڈنا ہوگا' ایک بار پھر نئے مکان میں جا کر رہنا ہوگا' اجنبی در و دیوار سے شناسائی حاصل کرنی ہوگی۔ اس کا دل بجھنے لگا۔

''میں اُسے نہیں چھوڑوں گی اگر وہ میرے سامنے آ گیا تو اُسے بھی مار دوں گی اور اُس کی بیوی کو بھی۔'' دلشاد بیگم واقعی اپنے ہوش وحواس میں نہیں تھیں۔ اُنہیں سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔ فائز نے بے بسی سے اُنہیں دیکھا۔ اُن کا جنون ختم کرنے کی کوئی تدبیر اُسے سجھائی نہیں دے رہی تھی۔

اچانک دروازہ کھلا اور بہزاد اندر داخل ہوئے' وہ یہاں کا سوگوار ماحول دیکھ کر ہکا بکا رہ گئے۔ بھائی کی وفات کے بعد سے وہ کئی بار بھابی اور بھتیجے کی خیریت دریافت کرنے آتے تھے مگر سائرہ عدت میں ہونے کی وجہ سے ان کے سامنے نہیں آتی تھیں لیکن اس وقت یہاں کا عجیب منظر دیکھ کر وہ پریشان ہو گئے۔ بہزاد کو جب فائز کی زبانی شکیل کی دھوکے بازی کے بارے میں پتا چلا تو دلشاد بانو کو بڑے ملال سے دیکھا' ایک وقت وہ تھا جب انہوں نے خان ہاؤس کو بکوانے کی سر توڑ کوشش کی تھی مگر وہ نہ بک سکا' ان کا اپنا ٹھکانہ اجڑ گیا تھا۔ یہ تھا قدرت کا انصاف۔ سائرہ نے بہزاد کو دیکھتے ہی چہرہ ڈھانپ کر اپنے کمرے کا رخ کیا۔ فائز کی اتری صورت دیکھ کر البتہ بہزاد کا دل دکھنے لگا۔ اس کی طرف دیکھ کر انہیں ہمیشہ بڑے بھائی کا خیال آتا تھا۔ زندگی نے اُنہیں عجب مقام پر لا کھڑا کیا تھا۔ ایک عجیب سی کشمکش اُنہیں بھی سکون نہیں لینے دے رہی تھی۔ وہ کریں تو کیا کریں' ریحانہ کبھی نہیں مانتی مگر انہیں اسے منانا تھا اور پھر وہ صحیح فیصلے تک جا پہنچے۔ انہوں نے فائز اور سائرہ کو دلشاد بیگم کے ساتھ باعزت طریقے سے خان ہاؤس لوٹنے کی پیش کش کر دی اور زبردستی ان کا سامان بندھوانے لگے۔

''بولو..... مہرین بولو.....'' آزر اس کے سامنے سوالیہ نشان بنے آ کھڑے ہوئے۔

''وہ صرف شرمیلا کی ہی نہیں میری بھی اولاد ہے تم نے اس بات کا بھی لحاظ نہیں کیا؟'' وہ غصے سے پاگل ہو رہے تھے۔

''اور اس بچے نے کیا بگاڑا ہے تمہارا' وہ تو معصوم ہے تم اس سے کینہ رکھ رہی ہو شرم آنی چاہیے؟'' مہرین تھرتھر کانپنے لگی۔

''مجھے معاف کردیں آزر مجھ سے آپ کا بٹا ہوا وجود برداشت نہیں ہو رہا تھا؟'' مہرین کے لب کپکپائے۔

''وہ تو شکر ہے کہ صائمہ نے مجھے ساری سچائی بتادی اور میں نے وہ ساری دوائیں ضائع کردیں' جو تم نے اسے دی تھیں ورنہ سب کچھ ختم ہو جاتا۔'' انہوں نے مٹھیاں بھینچ کر خود پر قابو پایا ورنہ اس وقت تو مہرین کی جان لینے کی خواہش دل میں جاگ اٹھی تھی۔

''مجھ سے غلطی ہوگئی؟'' مہرین کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنا راز کھلنے پر کیسے اپنی جان بخشی کروائے۔

''غلطی..... یہ غلطی نہیں بھیانک جرم ہے۔'' آزر نے ہذیانی انداز میں اسے جھنجھوڑا۔

''پلیز..... آزر مجھے معاف کردیں.....'' اپنا طنطنہ بھلا کر وہ ایک دم اس کے قدموں میں بیٹھ کر گڑگڑانے لگی۔

''اتنے بڑے امتحان میں مجھے ڈال کر توقع کرتی ہو کہ میں تمہیں معاف کردوں گا؟'' وہ پاؤں چھڑا کر دور جا کھڑے ہوئے۔

''آزر پلیز میں نے یہ سب آپ کی محبت میں کیا تھا۔'' اس نے ان کی پشت پر جا کر صفائی دینا چاہی۔

''محبت اسے محبت نہیں حسد کہتے ہیں۔ مہرین چلی جاؤ یہاں سے؟'' وہ پھر سے ہذیانی ہوئے۔

''کہاناں آزر غلطی ہوگئی۔ اللہ بھی تو اپنے بندوں کو معاف کردیتا ہے تو کیا آپ مجھے ایک بار معاف نہیں کرسکتے؟'' آزر کا غصہ کم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا مہرین نے مذہب کے نام پر اسے قائل کرنا چاہا۔

''پہلی بات مہرین کہ میں اللہ نہیں ایک معمولی انسان ہوں۔ مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں کہ اپنے ہونے والے بچے کو قتل کرنے والی کے ساتھ ہنسی خوشی رہنے لگوں۔ اس لیے تمہاری سزا یہ ہے کہ میں اب تم سے ہمیشہ کے لیے اپنا آپ چھین رہا ہوں۔ شرمیلا کے لیے میں ایک نیا گھر خریدا ہے میں بھی اس کے ساتھ یہاں سے شفٹ ہو رہا ہوں۔ ہاں یہ دولت اب ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گی' جس کے بل پر تم انسانوں کی قسمتوں میں خوشی اور غم لکھنے کی کوشش کرتی رہی ہو۔'' آزر نے اسے دھکیل کر سامنے سے ہٹایا اور خود باہر کی طرف بڑھ گئے۔ مہرین کے جسم سے جان نکلتی چلی گئی وہ ہچکیوں کے ساتھ روتے ہوئے فرش پر بیٹھتی چلی گئی۔

* * *

''او کے تو پھر تم نے میری باتوں پر مکمل عمل کیا؟'' فائز نے روشنی سے سوال کیا۔

''جی جناب۔ ویسا ہی ہوا جیسا آپ چاہتے تھے؟'' روشنی کے پُراعتماد جواب سے فائز کی جان میں جان آئی۔

''اب ایک کام کرو کہ اپنے بھائی کو فون کر کے کسی بھی بہانے سے پاکستان واپس بلوالو'' اس نے ایک اور مشورہ دیا۔

''ہونہہ یہ بہتر رہے گا ویسے بھی انہیں جب میں نے یہ خبر دی کے بھابی پتا نہیں کیوں ناراض ہو کر دو دن سے میکے جا بیٹھی ہیں وہ پریشان ہوگئے' کئی بار فون کر ڈالا' لگتا ہے ان کا کام میں دل نہیں لگ رہا بلکہ اس بات پر خفا ہونے لگے کہ بھابی نے انہیں بتایا کیوں نہیں؟'' روشنی نے مسکرا کر اس سے اتفاق کیا۔

''اس کا مطلب ہے کہ بادل خوب گرجے برسیں گے اور پھر مطلع صاف ہو جائے گا؟'' وہ ہنسا۔

''مجھے بھی کچھ ایسا ہی لگتا ہے؟'' روشنی بھی کھکھلائی۔
''اچھا تو ان دونوں کے ملن کی خوشی میں آج سے ہماری ناراضگی ختم اور پہلے جیسی پکی والی دوستی؟'' فائز نے شوخی سے اپنا چوڑا ہاتھ اس کے سامنے پھیلایا۔
''صرف دوستی؟'' اس نے ہاتھ تھام کر معنی خیز انداز میں پوچھا۔
''باقی معاملات تو اب آپ کے بھائی اور بھابی کے ہاتھوں میں ہیں دیکھو کیا فیصلہ آتا ہے؟'' اس نے سرد آہ بھری۔
''مجھے ان دونوں پر مکمل اعتبار ہے؟'' روشنی کے ہونٹوں پر شفاف مسکراہٹ اس بات کی غماز تھی کے اس کا دل بھی سفینہ کی جانب سے صاف ہوچکا ہے جس کا سارا کریڈٹ فائز کو جاتا تھا جس نے اس کا مقدمہ ہر بار اس ڈھنگ سے لڑا کے روشنی کے پاس یقین نہ کرنے کے سوا کوئی دوسرا چارہ نہیں تھا۔
''تھنک یو روشنی...... یہ سب تمہاری وجہ سے ممکن ہوا...... مجھے امید ہے کہ اب سنی کی زندگی کے دکھ دور ہوجائیں گے؟'' اس نے گہرا سانس لیا۔
''مجھے تو خود پر یہ سوچ کر غصہ آتا ہے کہ میں نے اپنی بھابی پر شک کیوں کیا؟'' اس نے ملامتی انداز میں کہا۔
''کوئی بات نہیں اب تو دل صاف ہوگیا ہے ناں۔'' وہ مسکرا کر جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا تو روشنی بھی اس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چل دی۔
اس ملاقات میں ان دونوں نے ایک نئی حکمت عملی طے کی کہ کیسے سفینہ اور شاہ کے بیچ چھائی دڑار کو پُر کردیں۔ فائز کو یقین تھا کہ آنے والا وقت انہیں مزید قریب کردے گا۔ گھر واپس جاتے ہوئے وہ یہ سوچ کر ہی بہت خوش ہو رہا تھا کہ اس کی وجہ سے جو زخم سنی کو لگا تھا اس پر مرہم بھی اس کی کوششوں سے لگنے والا تھا۔

❁

پرنسز......'' آج کتنے دنوں بعد سفینہ کے کانوں نے یہ آواز سنی تو اسے اپنا واہمہ محسوس ہوا۔ وہ جو آنکھوں پہ ہاتھ رکھے اپنے وجود کو دلاسہ دینے کی ناکام کوشش کررہی تھی چونک گئی۔
''یہ کیا کردیا تم نے پرنسز؟'' شاہ کے دوبارہ پکارنے پر چونک کر آنکھوں سے بازو ہٹائے اور اس شخص کو دیکھا جس کے بغیر وہ تہی دست و داماں رہ گئی تھی۔
''سارے وعدے بھلا کر میرے ارمانوں کا خون کرکے یہاں کیوں چلی آئیں...... مجھے تم سے یہ توقع نہیں تھی اور میری کال بھی پک نہیں کی......'' آفاق شاہ کی آواز میں دکھ واضح طور پر نمایاں تھا۔
''میں کب آنا چاہتی تھی مگر وہ روشنی......'' وہ بے اختیار اس کی طرف بڑھی مگر جا سا حلیہ بڑھی ہوئی شیو بکھرا بکھرا سا آفاق شاہ آنکھوں کی پیاس بجھ ہی نہیں رہی تھی۔ وہ دوڑ کر اس کی بانہوں میں سما گئی۔
''کیا روشنی؟'' شاہ کا غصہ محبت میں ڈھل گیا اس کا چہرہ اوپر کرکے آنکھوں میں جھانکا۔ اچانک سفینہ کے دماغ میں روشنی کی باتیں گونج اٹھیں اور وہ خوف زدہ سی ہوکر دور ہٹ گئی۔
''اس نے آپ کو جو کچھ بتایا وہ سچ نہیں اسے بہت بڑی غلط فہمی ہوئی ہے۔'' اپنے آپ پر قابو پانے کے بعد اس نے تیزی سے بولنا شروع کیا۔
''کون سا سچ کیسی غلط فہمی اور روشنی نے ہی تو مجھے تمہیں یہاں لینے بھیجا ہے؟'' وہ ایک دم مسکرایا۔
''آپ کو اس نے کچھ نہیں بتایا...... مگر میں سب کچھ بتادوں گی مجھ سے اب یہ بوجھ سنبھالا نہیں جارہا؟'' وہ زخمی انداز میں مسکرائی۔

''سفینہ مجھے ساری بات سچ سچ بتاؤ کیونکہ روشنی تو تمہارا فیور ہی کر رہی تھی کہ میں تمہیں منا کر گھر لے آؤں؟'' آفاق شاہ نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے قریب کیا۔

''روشنی ایسا کہہ رہی تھی؟'' وہ حیران ہوئی۔

''ہاں یار ویسے کون سی سچائی چھپائی ہے تم نے؟'' اس نے جان بوجھ کر کریدا۔

''ایک بہت بڑی بات چھپائی ہے میں نے جس کے لیے میں آپ کی مجرم ہوں..... مگر یقین کریں ان سب باتوں میں میرا کوئی قصور نہیں؟'' سفینہ نے ایک دم رو کر اس کے آگے ہاتھ جوڑے اور فائز کو اپنی سچائی بتاتی چلی گئی۔

''شاہ ان آنکھوں نے کبھی یہ گستاخی بھی نہیں کی کہ کسی اور کے خواب دیکھتیں' شادی کے بعد سے آپ کے سوائے میرے دل پر کسی کی پرچھائیں تک نہیں پڑی؟'' وہ مسلسل بولے جا رہی تھی۔

''یہ دل ہمیشہ آپ کی خاطر ہی دھڑکا' اس پر ہمیشہ آپ کا حق رہا' میں تو خیانت کا سوچ بھی نہیں سکتی۔'' وہ اسے یقین دلانے کے لیے اپنی ساری طاقت صرف کرنے میں مگن تھی۔

''بس سفینہ بس تمہیں اپنی صفائی دینے کی کوئی ضرورت نہیں کیوں کہ میں یہ بات پہلے سے ہی جانتا تھا کہ میرے آفس میں کام کرنے والا رومیو دراصل تمہارا کزن اور سابقہ منگیتر فائز ہے.....'' شاہ جو کب سے ٹھہرے پانی کی طرح ساکت سب کچھ سن رہا تھا اچانک ہاتھ اٹھا کر بولا۔

''آپ سب کچھ جانتے تھے.....!'' اس کے لب کپکپائے۔

''پرنسز میں اتنا بڑا کاروبار چلا رہا ہوں۔ ساری دنیا میں گھومتا پھرتا ہوں' پھر کیا آپ کی سچائی جاننا میرے لیے کوئی مشکل کام تھا' ویسے بھی وہ سب ماضی تھا' جس پر تمہیں شرمندہ ہونے کی بالکل ضرورت نہیں' تم نے کوئی جرم نہیں کیا؟'' اس نے گہری نگاہوں سے بیوی کو دیکھتے ہوئے تسلی دی۔

''آپ اتنا کچھ جانتے تھے تو پھر مجھے کیوں نہیں بتایا؟'' وہ ایک دم چونکی۔

''اس لیے کے میں چاہتا تھا کے تم مجھ پر ٹرسٹ کرو اور مجھے خود اپنے ماضی کے بارے میں بتاؤ' مجھے تو اپنی بیوی پر پورا بھروسا تھا مگر شاید تمہیں مجھ پر یقین نہ تھا؟'' اس کا لب ولہجہ اداس ہوا۔

''یہ بات نہیں تھی مگر میں آپ کو کھونا نہیں چاہتی تھی بس اس ڈر سے کچھ نہیں بتایا کہ مردوں کو سات خون بھی معاف ہوتے ہیں اور عورت کو ایک بھی نہیں؟'' وہ گڑبڑائی۔

''یہ فضول بات تمہارے چھوٹے سے اس دماغ میں کیوں کر سمائی میری پرنسز کو میرا خون معاف ہے؟'' اس نے ہنستے ہوئے اس کے بالوں کی لٹ کو کان کے پیچھے کیا۔

''آپ ٹھیک کہتے ہیں میرا دماغ ہی نہیں دل بھی چھوٹا ہے' بس اسی لیے میں نے جو غلطی کی نہیں اس کی سزا آپ کے ساتھ ساتھ خود کو بھی دی؟'' اس کا لہجہ گلوگیر ہوا۔

''اچھا کام کی بات سنو' میں نے تم سے ذکر کیا تھا ناں کہ روشنی کی شادی کے لیے ایک لڑکا پسند کیا ہے' وہ کوئی اور نہیں تمہارا کزن فائز ہی تھا کیوں کہ میں نے اپنی بہن کی آنکھوں میں اس کے لیے چاہت کے رنگ دیکھ لیے تھے مگر اس کا ماضی دھندلایا ہوا تھا پھر لڑکے کی انویسٹی گیشن کی تو بہت ساری باتیں میرے سامنے عیاں ہوئیں' میں تو اس دن سے انتظار کر رہا تھا کے تم خود مجھے سب کچھ بتاؤ اور میں تمہیں خوش خبری دوں کے روشنی کی شادی تمہارے کزن سے کرنا چاہتا ہوں' اتنے اشارے بھی دیے مگر تمہاری عقل میں کچھ آیا ہی نہیں؟'' وہ سفینہ کو ساتھ لے کر اپنی گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے شرارت سے بولتا چلا گیا۔

''اچھا مگر وہ روشنی تو مجھ سے بہت ناراض تھی؟'' سفینہ نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے اپنی ہاتھوں کی لکیروں میں جھانک کر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں کیونکہ فائز کے ذریعے ہی اسے ساری سچائی پتا چل گئی تھی اس نے جان بوجھ کر تمہارے ساتھ ایسا رویہ رکھا تاکہ تم مجھے مدد کے لیے پکارو' تمہارے اندر کا خوف باہر آجائے مگر تم تو ایک نمبر کی ڈرپوک نکلی اور میدان چھوڑ کر میکے بھاگ آئیں؟'' اس نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے ہلکے پھلکے انداز میں چھیڑا۔

''اف میں بلاوجہ اتنے دنوں تک جلتی کڑھتی رہی۔'' اس نے ماتھے پر ہاتھ مارا اور شان سے فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ شاہ نے کار اسٹارٹ کی سفینہ کو یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ آفاق شاہ کے ساتھ اپنے گھر لوٹ رہی ہے۔

''ہم شاہ ہاؤس جارہے ہیں؟'' وہ بے یقین ہونے کے ساتھ ساتھ بے انتہا خوش بھی تھی۔ اسی لیے پوچھ بیٹھی۔

''ابھی تو ہم آفس جارہے ہیں؟'' اس نے مڑ کر پیچھے دیکھتے ہوئے کہا۔

''آفس وہ کیوں؟'' سفینہ چونکی۔

''وہاں سے کال آئی ہے کہ فائز ریزائن دے کر بھاگنے کے چکر میں ہے اس کا استعفیٰ کینسل کروانا ہے' جو صرف تم ہی کرواسکتی ہو؟'' شاہ نے بتایا تو سفینہ کو یاد آیا کہ اس نے ہی تو فائز کو جانے کو کہا تھا' اسے شرمندگی نے گھیر لیا۔

''پرنسز ایک بات کہوں مجھے لگتا ہے کہ فائز کے ساتھ قسمت نے بہت برا سلوک کیا ہے' اب اگر ہم چاہیں تو اس کے دکھوں کا مداوا ہوسکتا ہے۔''

''میں کیا کرسکتی ہوں؟'' وہ غائب دماغی سے بولی۔

''فائز اور روشنی کی شادی کروادو؟'' آفاق شاہ نے تجویز پیش کی۔

''ہاں فائز بہت اچھا ہے اور روشنی کو اس سے اچھا لڑکا مل نہیں سکتا۔'' سفینہ نے بے خوف ہوکر اپنی رائے دی۔ شاہ کے دیے ہوئے اعتماد نے اسے یہ قوت بخشی تھی۔ اسے لگا کہ دکھوں کی ساری زنجیریں' سارے پہرے توڑ کر آخر وہ آزاد فضاؤں میں اُڑنے لگی ہے' دل غم سے آزاد ہوا۔

''تمہارے فیصلے نے دو دلوں کو ٹوٹنے سے بچالیا' آئی ایم پراؤڈ آف یو؟'' شاہ نے گیئر پر اس کا ہاتھ رکھا اور گیئر لگایا۔

''میرے لیے تو قابل فخر آپ ہیں' مجھے زندگی دینے کا شکریہ؟'' وہ کھل کر مسکرائی اور جیسے آفاق شاہ کے رگ و پے میں زندگی دوڑنے لگی۔

''پرنسز میں کہتا تھا ناں کہ تم صرف میرے لیے بنی ہو؟'' شاہ نے اس کا ہاتھ دبا کر چھوڑا۔

''ایک بات اور میں ہی ہوں جو تمہارے سارے خواب پورے کرسکتا ہوں؟'' آفاق شاہ نے مڑ کر اس کی آنکھوں میں جھانکا' نئے سرے سے اُسے اپنی محبت کا یقین دلایا اور سفینہ سرشاری میں ڈوبی ہوئی بے خود ہوتی مسکرارہی تھی۔ اس کے دل کے دریچے میں شاہ کی محبت نے قدم جمادیے تھے جہاں اب کوئی خوف' کوئی اندیشہ نہ تھا۔

(تمت بالخیر)

زندگی امتحان لیتی ہے

حمیرا نوشین

"آہ...... پتا نہیں کس کی نظر کھا گئی اس گھر کو، کل تک جس گھر میں رونقیں، بچوں کی دلآویز مسکراہٹیں ان کی معصوم باتیں گونجتی تھیں، خوشی، سکون، اعتماد، پُرخلوص جذبوں سے گندھی محبتیں رقص کرتی تھیں آج وہاں وحشت اور تاریکی نے اپنے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔ آہوں، سسکیوں نے اس گھر کو اپنا مسکن بنالیا، موت اپنے آہنی پنجوں میں تین نفوس کو دبوچ کر لے گئی اور وہ کچھ بھی نہ کرسکے۔ زندگی ایک بہت بڑا امتحان ہے اور اس گھر کے مکین کیسے کرب ناک امتحان سے دوچار ہوئے تھے کہ ہر لب پہ آہ و فغاں تھی، آنکھوں میں سیل رواں اور دل...... دل تو بس اپنا فریضہ انجام دے رہا تھا۔

زندگی تو کب کی ہوچکی خاموش
دل تو بس عادتاً دھڑکتا ہے

سب اس شعر کی تفسیر بنے ہوئے تھے۔

"توبہ...... توبہ قیامت کے آثار ہیں ڈائن ساس تین تین کو نگل گئی، بہو سے دشمنی تھی تو اس اکیلی کی جان لے لیتی، پوتے تو اپنا خون تھے، ان کو تو نہ ایسی بے دردی کی موت مارتی۔"

"ہائے...... ہائے ہمارے کلیجے پھٹ رہے ہیں، پتا نہیں اس بے رحم عورت نے تینوں کا خون اپنے سر لیا۔" پڑوسن نے گال پیٹ لیے۔

"سنا تھا بیٹا بیوی پر جان چھڑکتا تھا سب کچھ مرنے والی کے ہاتھ میں تھا بڑا پیار محبت تھا دونوں میں، بس ماں یہی سب کچھ برداشت نہ کرسکی اور لگا دیا ٹھکانے۔" دوسری عورت کی بلند سرگوشی پاس سے گزرتے خاور کا دل چیر گئی تھی۔

"میرے بھائی تھوڑا سا کھانا کھالو اللہ کے لیے اپنی جان پر اس طرح ظلم نہ کرو کچھ تو اپنا خیال کرو۔ عباس کی طرف ہی دیکھ لو۔" بسمہ کھانے کی ٹرے لیے اس کے سامنے بیٹھی تھی۔

"کس دل سے آپا تم مجھے کھانے کو کہہ رہی ہو، جس باپ نے روز ایک ایک کرکے اپنے بچوں کے لاشے دفنائے ہوں، ایک محبت کرنے والی بیوی کو اپنے ہاتھوں قبر میں اتارا ہو اس شخص کے حلق سے کیسے نوالے اتریں گے، لے جاؤ یہاں سے اس کھانے کو، روز صدموں اور غم کی مار کھا رہا ہوں، مجھ میں اب کھانے کی گنجائش کہاں۔" خاور نے رندھی آواز میں ٹرے پیچھے کھسکائی اور بسمہ نے اپنی سسکیوں کا گلا گھونٹا۔

"آپا تم نے بھی مجھے کبھی امی اور موحل کے کشیدہ تعلقات کے بارے میں نہیں بتایا کہ ان دونوں کے درمیان کیسی رنجش چل رہی ہے جس نے تین جانوں کو نگل لیا۔" اس نے بے بس ہوکر بسمہ کی طرف دیکھا۔

"کیسے بتاتی تمہیں، کوئی بات ہوتی تو ذکر کرتی امی کی تو جان تھی موحل بھابی میں، ہم بیٹیوں کو امی سے اکثر شکوہ ہوتا کہ موحل کی ذات کے سامنے تو ہماری بھی قدر نہیں رہی اور وہ ہنس کر ہمیں گلے لگا لیتیں، موحل بھابی نے ہمیشہ انہیں ماں کا درجہ دیا، کسی جھگڑے کسی رنجش کا انہوں نے کبھی ذکر ہی نہیں کیا تو میں کیسے تمہیں ان کے برے رویوں کی خبر دیتی۔" وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر رو پڑی۔

"پھر...... پھر یہ سب کیسے ہوا؟ یہ معمہ میری سمجھ سے باہر ہے، موحل نے مجھے فون کرکے کیوں بتایا اور اس کے ایک ہفتے بعد ہی یہ حادثہ ہوگیا امی نے کیوں میرے بچوں کی جان لی، اللہ کے لیے آپا میری مشکل آسان کردو، میں بڑی اذیت میں ہوں بڑی تکلیف میں ہوں میرا پورا وجود درد سے بلبلا رہا ہے، امی سے پوچھ کر میرے گلے سے یہ پھانس نکال دو، اللہ کے لیے میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں۔" اس کی بات سن کر بسمہ روتی ہوئی اس

کے پاس سے اٹھ گئی اور خاور کی آنکھوں میں دس برس پہلے کا منظر گھوم گیا۔

سرخ زرتار آنچل میں سج سج قدم اٹھاتی موول خاور کے ہمراہ چل رہی تھی...... بسمہ، یسریٰ، عدیلہ ان کے بچے ان پر پھول نچھاور کررہے تھے اور نفیسہ بیگم کے تو پاؤں ہی زمین پر نہ پڑتے تھے لگتا تھا کہ چاند آنگن میں اتر آیا ہو، جس نے پورے گھر کو چکا چوند کردیا ہو وہ بار بار اس کی بلائیں لیتیں اور سب ان کی دیوانگی پر ہنس پڑتے۔

''بس کریں نفیسہ آپا...... کسی اور کے لیے بھی اس نازک جان کو چھوڑ دیں......'' کسی چلبلی رشتہ دار نے ہنس کر فقرہ اچھالا اور وہ خفیف سی ہوگئیں خود موول یہ بات سن کر سرخ پڑ گئی تھی۔

کتنی لڑکیاں دیکھنے کے بعد ان کی نظر انتخاب موول پر ٹھہری تھی سب رشتہ دار ان کی پسند پر حیران تھے، کتنے اچھے اچھے تعلیم یافتہ گھرانوں کی حسین دوشیزائیں رد کر کے انہوں نے یتیم و یسیر موول کا انتخاب کیا تھا ان کی جہاندیدہ نظروں نے اس کی محبت کی تشنہ نگاہوں کو پل میں بھانپ لیا تھا اور انہوں نے اسی وقت فیصلہ کرلیا تھا کہ یہی بچی میرے گھر کو خوشیوں سے بھرے گی۔

جہاں وہ بے پناہ حسن کی مالک تھی وہیں سیرت حسن میں بھی یکتا تھی۔ بچپن میں ماں کی محبت کو ترسی ہوئی موول کو جب نفیسہ بیگم کا پیار ملا تو اس نے بھی بیٹی بن کر رہنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی، خاور کے پُرخلوص ساتھ محبت اور اعتماد نے اس کی پچھلی زندگی کے تمام دکھ دھو ڈالے تھے۔ خوشی و مسرت اس کے انگ انگ سے پھوٹی پڑتی تھی۔

''اے میرے ہونے والے بارہ بچوں کی ماں کبھی اپنی نظر التفات ہم پر بھی ڈال لیا کرو کب سے تمہاری زلفوں کی چھاؤں کو ترس رہا ہوں۔'' خاور نے شوخی سے کہتے ہوئے اس کے بالوں میں منہ چھپالیا۔

''توبہ...... آپ بھی ناں حد کرتے ہیں۔'' وہ ہنس دیتی۔

''کیوں بارہ کم ہیں تو تعداد بڑھا لیتے ہیں۔'' وہ بھی اس کی ہنسی میں شامل ہوجاتا۔

''پیچھے ہٹیں امی کی دواؤں کا ٹائم ہورہا ہے یہ رومینس کسی اور وقت کے لیے اٹھا رکھیں فی الحال مجھے یہاں سے کوچ کرنا ہے۔'' وہ اسے دھکیلتی بیڈ سے نیچے اتر گئی۔

''قسم سے یہ امی بھی ناں، کبھی کبھی مجھے اپنی رقیب لگتی ہیں، تم دونوں ساس بہوؤں کی محبت میں میری محبت دم توڑتی جارہی ہے۔ تمہارے قرب کو ترس گیا ہوں میں۔ پتا نہیں امی نے کون سے تعویذ گھول کر پلائے ہیں جو اپنا ہی اسیر کرلیا ہے بیٹے کو تو ترسا دیا ہے۔'' اس کا منہ پھول گیا۔

''بے پناہ پیار، محبت اور خلوص کے تعویذ گھول کر روزانہ پلاتی ہے میری ماں اور خبردار جو آپ امی کی مجھ سے محبت سے جیلس ہوئے، آپ مردوں میں یہی تو خامی ہے محبت میں شراکت برداشت نہیں کرتے، چاہے

وہ ماں کی ہو یا کسی اور کی مگر میں آپ کو بتا رہی ہوں امی اور میری محبت کے بیچ میں مت آنا ورنہ آپ کے حق میں اچھا نہیں ہوگا' رات کو بھی امی کے کمرے میں بستر لگالوں گی۔'' موحل نے دھمکی دی۔

''نہ میری جان ایسا ظلم نہ کرنا میں تم دونوں کی محبت کے بیچ میں آؤں میری توبہ۔'' اس نے فوراً کانوں کو ہاتھ لگائے اور وہ ہنستی ہوئی باہر نکل گئی۔

زندگی کتنی حسین تھی کسی گرم جھونکے کا ان کی زندگی میں کوئی گزر نہ تھا یکے بعد دیگرے عباس اور ولید نے ان کے آنگن کی خوشیوں میں اضافہ کردیا زندگی دنیا میں ہی جنت لگنے لگی تھی۔

''موحل بچہ کب سے دودھ کے لیے بلک رہا ہے چھوڑ دے میرا پرہیزی کھانا پکانا' پہلے بچے کو فیڈ کروا دو۔'' وہ کمرے سے ہی پکاریں۔

''بس امی ابھی آئی۔'' چند منٹ بعد وہ ان کے کمرے میں بیٹھی ولید کو فیڈ کروا رہی تھی۔ عباس پاس ہی سویا ہوا تھا۔

''بچوں کی طرف سے اتنی غافل نہ ہوجایا کرو ٹائم پہ ان کے کھانے پینے کا خیال رکھا کرو۔'' وہ اسے تنبیہہ کرتیں۔

''اچھا اور آپ کے کھانے پینے کے اوقات نظر انداز کردوں یہ مجھ سے قطعی نہیں ہوسکتا۔ پہلے آپ بعد میں کوئی اور۔'' اس نے ان کا ہاتھ پکڑ کر چوما اور وہ دل میں رب کے حضور متشکر ہوگئیں کہ ان کا موحل کو بہو بنانے کا انتخاب غلط نہیں تھا۔ محلہ پڑوس رشتہ دار سب ساس بہو کی محبت کے گن گاتے بیٹیاں آتیں تو ماں کی بھابی سے محبت دیکھ کر شکوہ لبوں پہ بج جاتا۔

''بھئی جتنی محبت میں نے تمہیں دینی تھی دے دی' اب تم بھی بیٹی بن کر اپنے گھر میں موجود ساس سے ماں کا پیار لو مجھے اپنی بیٹی کے ساتھ خوش رہنے دو۔'' وہ منہ پہ صاف بات کرتیں تو وہ تینوں ان کی طرف سے مطمئن ہوجاتیں کہ ماں گھر میں خوش ہے' بہو ان کا ہر طرح سے خیال رکھتی ہے ورنہ تو انہیں یہی فکر تھی کہ ایک بھائی ہے پتا نہیں بھابی ہماری ماں سے کیا سلوک کرے گی' موحل کی محبت نے ان کے اندیشوں کا گلا گھونٹ دیا تھا وہ ماں کی طرف سے مطمئن ہوکر کئی کئی ہفتوں بعد چکر لگاتیں۔

''بس کردو یہ اپنی کاریگری کیوں ناحق آنکھیں پھوڑ رہی ہو آج کل بازار سے ہر چیز مل جاتی ہے پھر کیوں ہلکان کررہی ہو اپنے آپ کو۔''

''اس میں ہلکان ہونے کی کیا بات ہے اتنے برسوں بعد اللہ نے بسمہ آپا کی طرف امید کی کرن جگائی ہے تو یہ بھی نہ کروں۔ بے شک بازار سے ہر چیز مل جاتی ہے مگر جو میکے کی طرف سے اپنے ہاتھوں سے محبتوں سے گندھی چیزیں جاتی ہیں ان کی خوشی ہی الگ ہوتی ہے اور میں اس خوشی سے بسمہ آپا کو محروم نہیں کرنا چاہتی۔'' اس نے مشین کی سوئی میں دھاگا ڈالا اور پھر سے شروع ہوگئی۔

''ہاں...... کہہ تو تم ٹھیک رہی ہو مگر اپنی بھی فکر کرو خود بھی تو کسی حال سے ہو میرے منہ میں خاک اگر تمہارے ساتھ کچھ ایسا ویسا ہوگیا تو میں خاور کو کیا جواب دوں گی' ساری عمر میں اپنے آپ کو معاف نہیں کرسکوں گی۔'' وہ فکر مند ہوئیں۔

''ایسا کچھ نہیں ہوگا ہر وقت آپ کی دعاؤں کے حصار میں ہوں اور ماں کی دعائیں تو بگڑے کام بھی سنوار دیتی ہیں۔'' مسکراتے ہوئے اس نے مشین میں چھوٹا سا کپڑا پھنسایا تو وہ چپ کرگئیں۔

''پتا نہیں یہ خاور کو بیٹھے بٹھائے کیا سوجھی اچھی بھلی نوکری چھوڑ کر دیار غیر جا بیٹھا بھلا یہ بھی کوئی بات ہے پیچھے ماں بیوی بچوں کو اکیلا چھوڑ گیا۔'' وہ خاور کو یاد کرکے آبدیدہ ہوئیں۔

''امی کمپنی کا ویزہ تھا اچھی جاب ہے اتنی معقول تنخواہ ہے دو سال کی تو بات ہے پتا بھی نہیں چلے گا۔'' ان کو سمجھتے ہوئے کہا۔

''ہاں......بس پیسوں کو فوقیت حاصل ہوگئی ہے ماں کی ممتا جائے بھاڑ میں۔ بچوں کی محبت کا گلا گھونٹ کر پیسہ کمانے نکل پڑو۔ یہی ریت بنتی جارہی ہے اس نوجوان نسل کی۔ اللہ کا دیا سب کچھ تھا اچھا کھا کر سوتے تھے' تن پہ عمدہ لباس سجتا تھا پھر کیا ضرورت تھی اس کو یہاں سے جانے کی۔ مجھ بوڑھی جان کو اس عمر میں جدائی کا صدمہ دینے کی کوئی تک بنتی ہے۔'' وہ اب بھی بیٹے سے خفا تھیں۔

''یہ جدائی عارضی ہے امی بہت جلد وہ ہمارے پاس ہوں گے۔''

''بس تم مجھے انہی تسلیوں کے سہارے زندہ رکھو اچھا اب یہ چھوڑو ولید اٹھ گیا ہے شاید رونے کی آواز آرہی ہے چل کر دیکھو۔'' ان کی بات سن کر وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ اٹھ کھڑی ہوئی۔

زندگی کے دن سبک روی سے گزر رہے تھے نفیسہ بیگم پر ایک ایک لمحہ بھاری تھا' پتھر کی سل سینے پر رکھ کر وہ یہ وقت گزار رہی تھیں' بیٹے سے دوری کسی طور برداشت نہ ہو پارہی تھی۔ وہ روز بروز کمزور ہوتی گئیں موبل ہر وقت ان کی طرف سے فکر مند رہتی عباس اور ولید کے بعد اب عارب نے بھی اس کی مصروفیت میں اضافہ کردیا تھا وہ سب کچھ خوش اسلوبی سے کررہی تھی مگر نفیسہ بیگم کی بیماری نے اسے تھکا دیا تھا وہ ہر وقت انجانے خوف کی لپیٹ میں رہتی' خاور کا کانٹریکٹ چار سال کا ہوگیا تھا اور ماں اس کی جدائی میں گھلتی جارہی تھی ان کے جگر کا ٹکڑا ان کا اکلوتا سب سے چھوٹا بیٹا ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھا اور بیٹا بھی ایسا فرماں بردار کہ کبھی ماں کے آگے اونچی آواز میں بات نہ کی کبھی اپنے اکلوتے اور چھوٹے ہونے کا فائدہ نہ اٹھایا' بہنوں کا مان رکھنے اور ماں پہ جان چھڑکنے کو ہمہ وقت تیار' بس ایک یہی بات نہ مان کر اس نے دل کو چھلنی کردیا تھا اس کے جاتے وقت تک وہ کرلاتی رہیں۔

''میرا بچہ میری بات مان لے ماں کو اس بڑھاپے میں اپنی جدائی کا غم نہ دے' میری آنکھوں سے میری روشنی چھین کر نہ لے جا تیرے بغیر میرے گھر میں اندھیرا ہے۔'' وہ اسے چمٹا کر رونے لگیں تو وہ بھی آبدیدہ ہوگیا۔

''میری بہادر امی کیا ہوگیا ہے آپ کو دو سال کی دوری بھی کوئی دوری ہے یوں گزر جائیں گے یہ دو سال کہ آپ کو پتا بھی نہیں چلے گا۔'' اس نے چٹکی بجائی۔

''اور یہ جو دو جانشین آپ کے پاس چھوڑے جارہا ہوں کیا ان کی موجودگی میں بھی میری یاد ستائے گی۔'' اس نے عباس اور ولید کو ان کے سامنے کیا تو انہوں نے تینوں کو اپنے ساتھ چمٹالیا۔

''تم سب اس گھر کی رونق ہو کسی ایک کے بغیر بھی میری زندگی بے چراغ ہے۔'' خاور نے شرمندہ ہوکر نظریں چرائیں بہتر مستقبل کے لیے وہ جانے کا ارادہ کرچکا تھا۔ ایسے مواقع زندگی میں بہت کم ملتے ہیں' ماں کی آنکھ میں آنسو بیوی بچوں کو دلاسے اور اپنے دل پہ بوجھ لیے وہ روانہ ہوگیا تھا۔
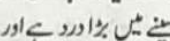
''موبل میرا دل گھبرا رہا ہے میرے پاس آجا۔'' انہوں نے پکارا اور وہ دوڑی چلی آئی۔

''کیا ہوا امی خیریت تو ہے کہیں درد وغیرہ تو نہیں ہو رہا؟'' وہ ان کی حالت دیکھ کر بے چین ہوگئی۔

''ہاں...... سینے میں بڑا درد ہے اور یہ درد میرے لخت جگر کا دیا ہوا ہے جب تک اس کو بانہوں میں نہیں بھروں گی اس درد سے کسی طور چھٹکارا حاصل نہیں ہوگا۔'' وہ کراہیں اور موبل نے لاچار ہوکر سر جھکالیا' اپنے محبوب شوہر کی جدائی تو اس کے لیے بھی جانگسل تھی تین سال کا عرصہ ہوگیا تھا اسے گئے' اب تو عارب بھی ڈھائی سال کا ہوچکا تھا۔ باپ کی تصویر اور آواز سن کر ہی باپ سے آشنا ہوا تھا۔ لمس سے ابھی تک وہ محروم تھا۔

''امی اپنے آپ کو سنبھالیں اگر آپ یوں حوصلہ ہار

دیں گی تو میرا کیا بنے گا میں بھی تو آپ کے سہارے دن گزار رہی ہوں اور وہ خود بھی ہم سب سے ملنے کے لیے بے چین ہو رہے ہیں ہماری یاد ہر لمحہ انہیں تڑپاتی ہے عارب کو سینے سے لگانے کے لیے وہ کب سے بیقرار ہیں بس کچھ عرصے کی مجبوریاں ہیں اللہ نے چاہا تو وہ بہت جلد ہم سب کے درمیان ہوں گے۔'' ان کے ہاتھ سہلاتے ہوئے اس نے ان کا حوصلہ بڑھایا مگر نفیسہ بیگم کو کوئی تسلی نہ سمجھا سکی ان کی حالت بگڑتی چلی گئی۔ عباس نو سال کا اور ولید سات سال کا تھا دونوں ماشاءاللہ سمجھدار تھے وہ بھی اپنی معصوم باتوں سے دادی کا حوصلہ بڑھانے لگے۔ وہ ان کی طبیعت کے پیش نظر شام کو زبردستی ڈاکٹر کے پاس لے گئی۔

''بیٹے سے دوری نے ان کا دل کمزور کردیا ہے بہتر یہی ہے کہ آپ ان کے بیٹے کو ان کے پاس بلالیں ورنہ کچھ بھی ہوسکتا ہے۔'' ڈاکٹر نے چیک اپ کے بعد مومل کو صورت حال سے آگاہ کیا تو اس نے گھبرا کر رات کو روتے ہوئے خاور کو فون کیا تھا کہ شاید وہ یہ سب سن کر دوڑا چلا آئے مگر وہاں تو مکمل خاموشی تھی اور اس کے ایک ہفتے بعد یہ سب کچھ ہوگیا' اس کی مومل چلی گئی' سینے پر سر رکھ کر کہانیاں سننے والا ولید جھلسا ہوا اس سے روٹھ گیا' عارب کو تو اس نے جی بھر کر دیکھنا تھا اس کی باتوں سے اپنے دل کو شاد کرنا تھا اور وہ اس کے دل کو برباد کرتا ہوا چلا گیا اور اس سب کی ذمہ دار اس کی ماں اس کی جنت تھی۔ جس نے اس کی زندگی کو دنیا میں دوزخ بنا دیا تھا' کوئی ماں اتنی سفاک بھی ہوسکتی ہے سوچ سوچ کے اس کا دماغ شل ہوجاتا۔

مومل کا اس دن کے بعد فون نہیں آیا تھا' اس نے بھی فون نہیں کیا' وہ کسی بھی طرح چھٹی لینے میں کامیاب ہوگیا وہ مومل کو سرپرائز دینا چاہتا تھا اور اچانک جاکر صورت حال سے واقف ہونا چاہتا تھا' جس دن اس کی سیٹ تھی اس سے ایک دن پہلے یہ روح فرساں خبر سننے کو ملی کہ سلنڈر پھٹ جانے کی وجہ سے اس کے بیوی بچوں کو آگ نے لپیٹ میں لے لیا' وہ صدمے سے نڈھال ہوگیا۔

''اوہ تو مومل ٹھیک کہہ رہی تھی کہ جلدی آجائیں امی میری جان لے لیں گی تو میری ماں' میرے بیوی بچوں کو کھا گئی وہ فوراً پہنچا تھا برن وارڈ میں اس نے اپنے پھولوں کو جس حال میں دیکھا تھا وہ اس کا دل بند کیے دے رہا تھا۔ مومل کے چہرے پر صرف آنکھوں کے گڑھے نظر آتے تھے وہ شاداب چہرہ اتنی بری طرح جھلسا ہوا تھا کہ اسے یقین نہ آتا کہ یہ میری وہی بے داغ شہابی رنگت والی مومل ہے۔ جس کو دیکھ کر لوگوں کی نظریں ٹھہر جایا کرتی تھیں۔ وہ تڑپ اٹھا' مومل نے ترسی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تھا' جیسے وہ جینا چاہتی ہو وہ ایک نظر اس کے دل میں گڑ کر رہ گئی اور پھر یکے بعد دیگرے ایک ایک دن کے وقفے سے وہ تینوں کو اپنے ہاتھوں سے اُس شہر خموشاں میں چھوڑ آیا تھا جہاں صرف جانے کا راستہ ہے آنے کی تمام راہیں مسدود۔

ماں کے بڑھتے ہاتھوں کو اس نے بری طرح جھٹک دیا تھا اور نفرت سے رخ پھیر لیا ان کا کلیجہ کٹ گیا وہ بیٹا جس کو سینے سے لگانے کے لیے وہ برسوں تڑپی تھیں اس کی یاد میں جاگتی نجانے کتنی راتیں سیاہ کی تھیں وہ یوں منہ پھیر کر چلا گیا جیسے ان سے اس کا کوئی واسطہ ہی نہ ہو اتنا اجنبی' اتنی نفرت اس کے دل میں گھر کر گئی وہ لوگوں کی نظروں میں مجرم تھیں مگر بیٹے پر کامل بھروسہ تھا وہ ماں کو بے اعتبار نہیں کرسکتا وہ اتنے گھناؤنے الزام کی متحمل نہیں ہوسکتی تھیں خاور نے لوگوں کی باتوں پر آنکھیں بند کرکے یقین کیا تھا کہ اس کی ماں نے اس کے بیوی بچوں کو جان بوجھ کر جلا کر مارا تھا سلنڈر پھٹنے کا تو بہانہ تھا وہ روتی رہیں کرلاتی رہیں کسی نے ان کی بات پر یقین نہ کیا۔

''آئے ہائے بہو سے محبت کا ڈھونگ رچاتی رہی دل میں اس کے لیے کتنی نفرت پال رکھی تھی کہ بیچاری کی جان لے لی۔ ہمیشہ بہو ہی سلنڈر سے پھٹ کر کیوں

مرتی ہے ساس کے مرنے کا تو کبھی نہیں سنا۔'' لوگوں کی زبانیں چہ کے لگاتی رہیں اور وہ گھائل ہوتی رہیں پتا نہیں کتنے جتن سے ان کے بھائیوں نے پولیس کیس بننے سے روکا۔

''مائیں تو بیٹوں کا گھر آباد کرتی ہیں اور آپ نے میرے گھر کو برباد کردیا' آگ لگادی جن معصوموں سے یہ گھر چہکتا تھا اس آنگن کو سونا کردیا کیسے...... کیسے اتنا بڑ ادل کرلیا آپ نے' مانا کہ موبل نے آپ سے کبھی جھگڑا کیا ہوگا' آپ کی بات نہ مانی ہوگی' آپ سے دل میں کسی بات پر پُرخاش رکھی ہوگی مگر اللہ کے لیے ان معصوموں کا تو گناہ بتادیں وہ کس گناہ کی بھینٹ چڑھے میرے دل کے ٹکڑوں کو کس طرح بے دردی سے موت کے حوالے کیا۔ مجھے بتائیں امی...... مجھے بتائیں' آپ کا یہ چپ رہنا آپ کے گناہ گار ہونے کی دلیل ہے' آپ کے پاس اپنی صفائی دینے کے لیے الفاظ نہیں ہیں اسی لیے چپ کا لبادہ اوڑھ لیا آپ نے' میں کیسے لوگوں کی نظروں کا سامنا کروں جب لوگ مجھ سے سوال کرتے ہیں کہ تمہاری ماں نے آخر کس بات کی سزا دی تمہیں......؟ بتائیں کیا قصور تھا موبل اور میرے بچوں کا' مجھے حقیقت بتائیں کون سی دشمنی آپ دونوں کے بیچ چل رہی تھی' مجھے سچ سے آگاہ کریں ورنہ میرا دل پھٹ جائے گا۔'' وہ نفیسہ بیگم کے سامنے چیخ رہا تھا اور وہ چپ کی دیوار بنی ساکت آنکھوں سے بیٹے کو دیکھ رہی تھیں شروع شروع میں انہوں نے اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے چند لفظ بولے تھے اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر معافی مانگی تھی کہ اللہ کے لیے اپنی ماں پر اتنا بڑا الزام مت لگاؤ جو کچھ لوگوں نے دیکھا وہ نہیں تھا اس عمر میں تم اپنی ماں کے سر میں خاک نہ ڈالو' مجھے اپنے ہاتھوں سے گلا گھونٹ کے دفنادو پر اتنے گھناؤنے الزام میرے اوپر مت لگاؤ۔'' مگر بیٹے کی آنکھوں میں واضح بے یقینی تھی خاور کو ان کی بات میں ایک فیصد بھی سچائی نظر نہ آتی تھی جلے ہوئے مسخ چہروں کو اس نے اپنے ہاتھوں سے دفنایا تھا موبل نے اس واقعے سے ایک ہفتہ پہلے خود فون پر روتے ہوئے کہا تھا'' کہ خدا کے لیے جلدی آجائیں ورنہ امی میری جان لے لیں گی' مجھے ان کی نگاہوں سے بڑا خوف آتا ہے پتا نہیں انہیں کیا ہوگیا ہے؟ جینا مشکل کردیا ہے انہوں نے میرا اور میرے بچوں کا' بس مجھ سے اب اور انتظار نہیں ہوتا' آپ جلدی آنے کی کوشش کریں' ورنہ میرے مرنے کی خبر جلد سن لینا اور میری موت کی ذمہ دار امی ہوں گی۔''

آہ! کیسے بھلادوں ان الفاظ کو...... موبل نے خود اسے حالات سے آگاہ کیا تھا وہ کیوں لاپروا ہوگیا تھا اس نے اس کی بات پر کیوں نہ یقین کیا کیوں نہ وہ فوراً آ گیا' اگر وہ آجاتا تو یہ سب نہ ہوتا' موبل اس کے پاس ہوتی بچے معصوم باتوں سے اس کا دل بہلا رہے ہوتے۔

آہ! میرے جگر گوشوں کہاں سے لاؤں تمہیں' میرے کان تمہاری باتیں سننے کے لیے ترس رہے ہیں' میرے لب تمہاری پیشانی پر بوسہ دینے کے لیے مچل رہے ہیں' تمہارا بھائی عباس تمہاری جدائی برداشت نہیں کرپارہا' وہ روز بروز کمزور ہوتا جارہا ہے اس واقعے نے اس کی قوت گویائی سلب کرلی ہے' موبل اپنے لخت جگر کو دیکھو تمہارے بغیر وہ کتنا تنہا ہوگیا ہے' تمہارے لیے روتا و تڑپتا ہے تمہارے سینے سے لگنے کے لیے آہیں بھرتا ہے اس کی آہیں میرا کلیجہ چیر دیتی ہیں' میری موبل میں تمہارا مجرم ہوں' میری سفاک ماں نے ہمارا گھر اجاڑ دیا' ہماری خوشیاں چھین لیں ایک تابناک مستقبل سے ہمیں محروم کردیا۔ وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔

❁......❁......❁
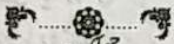
بیٹے کی آنکھوں سے چھلکتی نفرت نے نفیسہ بیگم کا اندر پھونک دیا تھا وہ بار بار اس کی طرف ملتجی نگاہوں سے دیکھتیں شاید ماں کی محبت انگڑائی لے شاید اسے ان لمحوں کا خیال آجائے جب وہ اس کے چہرے پر ہنسی سجانے

اس کو دنیا کی ہر نعمت اور خوشی دینے کے لیے اپنا آپ بھلا دیتی تھیں وہ ماں جو اس کا کھلونا ٹوٹ جانے پر اس کے ساتھ رو پڑتی تھیں وہ کیسے اپنے بیٹے کے دل کو ٹھیس پہنچا سکتی ہے شاید وہ سوچ لے کیا پتا وہ میرے سینے سے آ لگے، مگر خیال خیال ہی رہے خاور ان کی طرف دیکھتا تک نہ تھا' وہ مضطرب ہو جاتیں بسمہ مستقل ماں کے پاس رہتی وہ عباس کو سنبھالتی خاور کو حوصلہ دیتی ماں کو باور کراتی کہ میں جانتی ہوں میری ماں بالکل بے گناہ ہے مگر وہ چپ سادھے تسبیح کے دانے گراتی رہتیں ان کی آنکھوں میں اتنی وحشت ہوتی کہ دیکھنے سے بھی ڈر لگتا' وہ زبردستی ان کے منہ میں کچھ ڈال دیتی تو وہ کھالیتیں انہوں نے منہ سے کبھی اپنے لیے کچھ نہ مانگا خلاؤں میں گھورتی رہتیں' دروازے کی راہ تکتیں کچن میں جاکر دھاڑیں مار مار کر رونے لگتیں خاور ان کی چیخوں سے گھبرا کر کانوں پر ہاتھ رکھ لیتا۔

''ہونہہ اب احساس جرم رلا رہا ہے' دوسروں کی جان لینے والے خود بھی ہمیشہ اذیت میں مبتلا رہتے ہیں۔'' وہ نفرت سے سوچتا۔

بیٹے کی نفرت بھری نگاہوں نے ان کے اندر ایک الاؤ روشن کردیا تھا وہ دن رات اس بھٹی میں جل رہی تھیں تقدیر نے ان کے ساتھ کیسا کھیل کھیلا تھا وہ سمجھنے سے قاصر تھیں' ہر ایک کی نظر میں وہ مجرم تھیں صرف ان کی بیٹیاں تھیں جو ماں کو صرف ماں سمجھ رہی تھیں وہ مر کر بھی اپنی ماں کے گناہ گار ہونے کا یقین نہیں کرسکتی تھیں کیونکہ ان کی پوری زندگی کھلی کتاب کی مانند ان کے سامنے تھی' ان کا دل اپنی ماں کے بے گناہ ہونے کی گواہی دے رہا تھا مگر لوگوں کی زبانوں کو کیسے پکڑا جاسکتا تھا وہ زہر اگلتی رہیں' اور وہ گھائل ہوتی رہیں یہاں تک کہ نفیسہ بیگم کوما میں چلی گئیں' چھ ماہ ہوگئے تھے انہیں اس کیفیت میں پتا نہیں کون سی گھڑی کے انتظار میں وہ سانسیں لے رہی تھیں۔

❀ .... ❀ .... ❀

وہ سب نفیسہ بیگم کے گرد بیٹھے تھے۔ بیٹیاں سورہ یٰسین پڑھ کر سنا رہی تھیں' ماں کی اٹکتی سانسوں کو گنتی' روتی آنکھوں سے وہ رب سے ان کی آسانی کے لیے دعا گو تھیں عباس بھی دادی کا ہاتھ تھامے ان کے پاس بیٹھا تھا' عزیز رشتہ دار سب آچکے تھے تین دن سے وہ اس اذیت میں مبتلا تھیں اور اس سے کڑی اذیت میں ان کی بیٹیاں تھیں' ان کی ماں ایک مجرم ایک قاتل کے نام سے اس دنیا سے رخصت ہو رہی تھیں یہ احساس ہی ان کے لیے سوہان روح تھا۔ ماں کی یہ حالت دیکھتے ہوئے بسمہ خاور کے پاس آئی اور اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے۔

''بھائی اللہ کے لیے امی کو معاف کردو کہ ہمیں یقین ہے کہ ہماری ماں نے یہ سب نہیں کیا' وہ کسی کی جان بچانے کے لیے اپنی جان تو دے سکتی تھیں مگر کسی صورت کسی کی جان نہیں لے سکتی تھیں' انہوں نے ہمیشہ حقوق العباد کا خیال رکھا تو پھر کیسے وہ یہ گناہ عظیم کرسکتی ہیں سب لوگ جھوٹ بول رہے ہیں' ہماری ماں بے گناہ ہے' اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد امی کے گناہ گار ہونے کی گواہی آپ کا دل بھی نہیں دے سکا ہوگا کیونکہ آپ انہیں اچھی طرح جانتے ہیں پھر لوگوں کی باتوں میں مت آئیں' اپنی عاقبت خراب مت کریں' اپنی جنت کو عاصی و گناہ گار نہ سمجھیں' اپنی ماں کی نزع کی تکلیف کو کم کریں اللہ کے لیے ان کے کان میں ایک بار بول دیں۔' ماں مجھے آپ پر بھروسہ ہے آپ میرے بیوی بچوں کی قاتلہ ہرگز نہیں ہوسکتیں' مومل بھابی کو تو انہوں نے بیٹیوں کی طرح چاہا تھا اور کوئی اپنی بیٹی کی جان کیسے لے سکتا ہے؟ اپنے جگر کے ٹکڑوں کو اتنی سفاکیت سے موت کے منہ میں کیسے دھکیل سکتا ہے' یہ سب جھوٹ ہے' ہماری ماں بالکل پاک دامن ہے' بے گناہ ہے' وہ قاتلہ نہیں ہے' اٹھیں' یہاں سے ماں کے پاس چل کر بیٹھیں ان کی مشکل آسان کردیں اللہ کے لیے ان کی مشکل آسان کردیں۔'' بسمہ ہذیانی انداز میں چیختی خاور کو کھینچتی
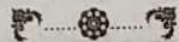
ہوئی ماں کی چارپائی کی طرف لے جارہی تھی اور وہ مرے قدموں سے اس کے ساتھ کھنچا چلا جارہا تھا۔ ماں کی پٹی سے لگ کر وہ سر جھکا کر بیٹھ گیا۔

''آ...... وہ بیچارہ ماں کے ہاتھوں لٹ گیا' سب کچھ ختم ہوکے رہ گیا' کیسا گبھرو جوان تھا کیا حال ہوگیا' ایک ہی سال میں بالوں میں سفیدی بھی جھانکنے لگی۔'' اس کے پیچھے سے آواز ابھری۔

''سچ کہتے ہیں اللہ دنیا میں کیے کی سزا دنیا میں ہی دے دیتا ہے دیکھ لو سال سے اوپر ہوگیا ماں کیسی اذیت میں مبتلا ہے' ایسی گناہ گار کو تو موت بھی قبول نہیں کررہی۔'' ایک اور سرگوشی ابھری۔

نفیسہ بیگم نے گہرا سانس لیا سب متوجہ ہوگئے وہ لمبے لمبے سانس کھینچ رہی تھیں جیسے بہت تکلیف میں ہوں۔

''آئے...... ہائے بیٹیوں تم ماں سے پرے ہٹ جاؤ' تمہارے پڑھنے سے اب اسے کچھ سکون نہیں ملے گا مولوی صاحب کو بلاؤ وہی کچھ ایسا کلام پڑھیں تو اس گناہ گار کی سختی ختم ہو اور موت اسے گلے لگائے گناہ گار بندے ایسی ہی جان کنی میں مبتلا ہوتے ہیں۔'' کوئی عورت اٹھ کھڑی ہوئی اور یسریٰ' عدیلہ کو وہاں سے ہٹانے لگی ان تینوں نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

''چپ کرجائیں ہماری ماں بے گناہ ہے ہماری ماں قاتلہ نہیں ہے۔'' وہ تینوں چلائیں۔ ساری عورتوں نے انگلیاں منہ میں دبالیں۔

''لو جی آنکھوں دیکھے واقعے کو کیسے جھٹلا رہی ہیں جیسے ان کے بے گناہ کہنے سے سارے گناہ دھل جائیں گے۔'' وہ استہزائیہ مسکرائیں۔ ان تینوں کا وجود لرزہ براندام تھا ہر عضو مجسم دعا تھا اور آنکھیں اشکبار' لوگ کیا کہہ رہے ہیں وہ اس سے بے نیاز ہوکر اپنے رب کی طرف آس لگائے ہوئے تھیں یک دم انہیں یوں لگا کہ ان کے اور رب کے درمیان فاصلے مٹتے چلے جارہے ہیں۔

''دا...... دو...... دا...... دو...... یہ...... سب جھوٹ...... بو...... ل...... رہی ہیں آ...... آپ نے کسی کو...... نہیں مارا' آپ تو...... ہم سب سے...... بہت پیار کرتی تھیں ناں اور سب سے...... زیادہ تو...... ولید کو پیار...... کرتی تھیں پھر...... آپ اس کو کیسے مار سکتی ہیں......'' اچانک عباس نے کھڑے ہو کر اٹک اٹک کر بولنا شروع کردیا۔ یسریٰ' بسمہ کی آنکھوں سے خوشی کے مارے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔

''عباس...... عباس تم بول سکتے ہو تم بول رہے ہو بتاؤ بیٹا اس دن کیا ہوا تھا۔'' خاور نے اسے جھنجوڑا۔

''اس دن میں اور ولید اسکول سے آئے تو مما نے ویجی ٹیبل بنائی ہوئی تھی ہم دونوں نے ویجی ٹیبل کھانے سے انکار کردیا' مما ہمارے لیے نوڈلز بنانے لگیں چولہے میں گیس نہیں آرہی تھی مما نے چھوٹا سلنڈر جلایا مگر وہ جل نہیں رہا تھا میں لاؤنج میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگا' ولید مما کے پاس ہی کچن میں کھڑا رہا' عارب مما سے فیڈر مانگ رہا تھا وہ بھی کچن میں مما کے پاس تھا۔ انہوں نے چولہے کو دیکھا تو اس کے سوراخ چائے گر جانے کی وجہ سے بند تھے کچھ دیر مما اس کے سوراخ کھولنے کی کوشش کرتی رہیں مگر چولہا نہ جلا تو ولید دوڑ کر پلاس اٹھا لایا' مما نے اس کے ہاتھ سے پلاس (اوزار) لے کر جیسے ہی چھوٹے سلنڈر کی پلیٹ کو کھولنے کے لیے زور لگایا تو پلیٹ پوری ہٹ گئی اور گیس فوارے کی طرح نکلی زوردار دھماکا ہوا اور کچن کے پنکھے میں آگ لگ گئی میں چیختا ہوا اندر جانے لگا تو دادو نے مجھے پکڑ لیا وہ خود اندر جانے لگی تو میں ڈر کر ان سے لپٹ گیا' کچن میں اتنا دھواں اور آگ تھی کہ کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا' مما ولید اور عارب کی چیخیں سنائی دے رہی تھیں مما نے پہلے عارب کو زور سے باہر دھکا دیا تو وہ لاؤنج میں آ کر گرا مما پھر اندر چلی گئیں دھوئیں میں ڈھونڈ کر ولید کو کھینچ کر باہر لائیں تو آگ ان کے جسموں سے لپٹی ہوئی تھی دادو نے روتے ہوئے ان کے اوپر بلینکٹ ڈالے پھر......

پھر سب لوگ آگئے' انہیں ہاسپٹل لے گئے۔'' عباس بولتا رہا تھا اور نفیسہ بیگم کی سانسیں ہموار ہوتی جارہی تھیں' ہر آنکھ کان بنی ہوئی تھی سب دم بخود عباس کی بات سن رہے تھے۔

''اور...... اور جس وقت دھماکا ہوا دادو اس وقت کہاں تھیں۔'' خاور نے پتا نہیں کس خیال کے تحت پوچھا۔

''دادو اس وقت نماز پڑھ رہی تھیں۔'' خاور کی اٹکی ہوئی سانس بحال ہوئی۔

''وہ جو اس دن مما نے روتے ہوئے مجھے فون پر بتایا تھا کہ دادو مما سے جھگڑا کرتی ہیں اس سب کے بارے میں تم جانتے ہو۔'' وہ آج سارے رازوں کو جان لینا چاہتا تھا۔

''ہاں بابا مجھے پتا ہے' دادو ہر وقت آپ کو یاد کر کے روتی تھیں' وہ آپ کے لیے پریشان ہوتی تھیں آپ کو انہوں نے کتنا بلایا مگر آپ نہیں آئے' ایک دن دادو کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی تو مما رونے لگیں ہم سب بھی دادو سے چمٹ گئے مما نے روتے ہوئے آپ کو بتایا کہ ''دادو مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گی آپ جلدی آجائیں وہ دادو سے بہت پیار کرتی تھیں ہمارا کھانا لیٹ کردیتی تھیں مگر دادو کو وقت پر کھانا اور میڈیسن دیتی تھیں مما کہتی تھیں اگر دادو کو کچھ ہوگیا تو میں بھی ان کے بغیر زندہ نہیں رہوں گی' اس لیے مما نے آپ سے ایسی باتیں کیں تاکہ آپ جلدی سے آجائیں مگر پاپا آپ نہیں آئے' میری مما چلی گئیں' میرے بھائی مجھے چھوڑ کر دور چلے گئے پاپا آپ نے ایسا کیوں کیا...... دادو کو آپ نے دور رہ کر اتنا کیوں ستایا؟'' وہ ہچکیوں سے رونے لگا۔

ایک کے بعد ایک راز سے پردہ اٹھتا جارہا تھا سارے منظر صاف ہونے لگے نفیسہ بیگم دنیا والوں کی نظروں میں ملزم سے مظلوم بن گئیں اور ان کا ملزم ان کا نور نظر تھا جس کی دوری نے یہ دن دکھایا' خاور حقیقت جان کر تڑپ اٹھا۔

''اس کا مطلب میری ماں بے گناہ ہے میں نے ناحق ان پر الزام لگایا بلکہ بہتان باندھا' اپنی جنت کی محبتوں پر شک کیا...... آہ...... امی...... امی اللہ کے لیے مجھے معاف کردیں' آپ بے گناہ ہیں' ساری دنیا نے سن لیا' سب کو پتا چل گیا کہ آپ قاتل نہیں ہیں' آپ نے ساری زندگی دوسروں کی زندگیوں میں آسانیاں پیدا کیں تو پھر اتنا بڑا جرم آپ کیسے کرسکتی تھیں...... آہ...... صورت حال ایسی ہوگئی تھی کہ سب آپ پر شک کرنے لگے مجھے معاف کردیں امی مجھے معاف کردیں' اپنے خاور کو معافی دے دیں۔'' وہ ماں کے قدموں سے لپٹا رو رہا تھا' بیٹیوں نے ہاتھ اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔

''صد شکر کہ ہماری ماں کی بے گناہی ثابت ہوگئی۔''

عورتیں حقیقت جان کر ایک دوسرے سے نظریں چرانے لگیں' ہائے...... بیچاری پر کیسے کیسے الزام لگے' ساری عمر کسی کو تکلیف نہیں پہنچائی پڑوسیوں کے حقوق کا خیال رکھا' رشتہ دار سب ان کے حسن سلوک سے متاثر تھے پھر ایسی نیک عورت کیونکر اس بدفعل کی مرتکب ہوسکتی تھی' سب کے بیان پل میں بدل گئے۔

نفیسہ بیگم آج سرخرو ہوگئی تھیں لوگوں نے ان کی بے گناہی کا اعتراف کرلیا تھا۔ ان کا پوتا عباس ان کا سچا گواہ بنا تھا۔ صدمے نے عباس کو قوت گویائی بخش کر ان کی بے گناہی کو ثابت کردیا تھا ان کا وجود لرزا' پورا وجود رب کا شکر گزار بن گیا کہ اللہ اپنے بندوں کو آزمائش میں ڈالتا ہے' کڑے امتحان لیتا ہے اور پھر صبر سے کام لینے والوں کو سرخرو بھی کردیتا ہے۔ میرے مالک تیرا شکر ہے' انہیں زور کی ہچکی آئی' بیٹیاں تڑپ کر ان کے قریب ہوئیں' خاور نے ہاتھ تھام لیے عباس دادی کے جسم سے لپٹ گیا اور ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ ایک نور نے ان کے چہرے کا احاطہ کیا اولاد کی آنکھوں سے تشکر وجدائی کے آنسو رواں ہوگئے۔

''اے اللہ تیرا شکر ہے ہماری ماں سرخرو ہوکر اس دنیا سے رخصت ہوئی۔''

''اللہ جنت نصیب کرے' بڑی نیک عورت تھی جب سے میری بیٹی بیوہ ہوکر آئی تھی چپ چاپ میرے ہاتھوں میں اتنی رقم تھما جاتی تھی کہ آسانی سے اس کا اور اس کے بچوں کا گزارا ہوجاتا تھا کسی بھائی پر بوجھ نہ تھی۔''

''صحیح کہہ رہی ہو میرے بھی ہمیشہ دکھ سکھ میں ساتھ کھڑی رہی' کبھی امیری غریبی کا فرق نہ رکھا' یہ تو لوگوں نے ساس بہو کے رشتے کو بدنام کررکھا ہے۔ جو اس بہشتن کے سر پہ الزام لگا ورنہ پورا محلہ جانتا تھا کہ اس نے اپنی بہو کو کیسے پھولوں کی طرح رکھا ہوا تھا اللہ اس کے درجات بلند کرے۔''

ایک کے بعد ایک عورتوں کے بیانات نفیسہ بیگم کی نیکیوں کے پلڑے کو بھاری کررہے تھے اور خاور عباس کو چمٹائے خالی آنکھوں سے ماں کو دیکھتے ہوئے یہی سوچ رہا تھا کہ یہ دنیا ہے ظاہری آنکھ سے دیکھتی ہے' پل میں کسی بھی انسان کے نیک وبد ہونے کی گواہیاں منہ سے اگلنے لگتی ہے اور ہم بدنصیب' کوتاہ علم کسی بھی پاک دامن پر انگلی اٹھا کر اسے پل میں ذلیل ورسوا کردیتے ہیں مگر یہ اللہ ہی کی ذات ہے جو اپنے نیک بندوں کو رسوا ہونے سے بچالیتی ہے' اس کی آنکھوں سے آنسو سیلاب کی صورت بہہ رہے تھے اب اسے رونا تھا عمر بھر رونا اور پچھتاؤں کی آگ میں جلنا تھا اپنے بیوی بچوں کے ساتھ ساتھ ماں کی ممتا کے لیے بھی تڑپنا اس گناہ گار کی قسمت میں لکھ دیا گیا تھا۔

وہ دھڑکتے دل سے کمرہ عدالت میں داخل ہوئی۔ آج اس کی پہلی پیشی تھی۔ زندگی میں اس نے آج حقیقی آنکھوں سے پہلی بار عدالت کو اس کے ماحول کو دیکھا تھا۔ فلموں اور ڈراموں سے قدرے مختلف تھا۔ آس پاس کھڑے بڑی بڑی مونچھوں والے غنڈے بدمعاش قسم کے افراد جو اسے ایسے دیکھ رہے تھے جیسے ابھی کھا جائیں گے۔ بڑی بڑی توند والے پولیس اہلکار اس پر ایسے نظریں گاڑے ہوئے تھے جیسے کوئی شیر اپنے شکار سے پہلے اسے دیکھتا ہے۔ آس پاس چلتے پھرتے عجیب وغریب قسم کے افراد اسے گھورتے ہوئے اس کے آگے پیچھے ایسے منڈلا رہے تھے جیسے مکھیاں۔ اسے بے اختیار سلمان پر غصہ آیا جسے اس نے اس مقام پر لا کھڑا کیا تھا۔ اس نے دو بار ایسا محسوس کیا کہ جیسے آگے پیچھے چلتے افراد نے جان بوجھ کر اس سے ٹچ ہوتے ہوئے گزرنا اپنا فرض سمجھا ہو۔ اسے گھن آنے لگی اس ماحول سے۔ اس نے بے اختیار اپنا بڑا دوپٹا پھیلا کر اپنے گرد لپیٹتے ہوئے سر پر رکھ لیا۔

''دیکھو سعدیہ دوپٹہ عورت کی زینت ہوتی ہے ماڈرن ہونا ٹھیک مگر سر پر دوپٹہ لینے سے عورت پُروقار لگتی ہے۔'' اس کے کانوں میں مانوس آواز گونجی۔

انتظار کرتے لمحے بیت گئے کمرہ عدالت میں اسے دوبار بلایا گیا۔ اور ہر بار ہی اس باہر بیٹھ جانے کو کہا گیا۔ شدید گرمی، حبس اور آس پاس کے لوگوں کی اٹھتی چبھتی ہوئی نگاہیں۔ ٹوٹی پھوٹی بنچیز۔ کتنا عجیب اور تلخ تجربہ تھا اس کی زندگی کا۔

''جب باہر کی دنیا دیکھو گی تو ہوش ٹھکانے آجائیں گے۔ مت پیدا کرو ایسے حالات کہ کسی تلخ تجربہ کا سامنا کرنا پڑے...... پلیز سمجھ جاؤ۔'' ایک بار پھر اس کے کانوں میں مانوس آواز کی سرگوشی گونجی۔

''لگتا ہے وہ نہیں آئے گا۔'' بیٹی کی ضد کے ہاتھوں مجبور، بیمار باپ نے سرگوشی کی۔

''اسے آنا چاہیے۔'' اس نے بھی سرگوشی میں جواب دیا۔

''آپ کا وقت ختم ہوگیا' اب آپ لوگ اگلی پیشی پر آئیے گا۔ آپ کی مخالف پارٹی نہیں آئی عدالت آج کی پیشی منسوخ کرتی ہے۔ آپ لوگ جاسکتے ہیں۔'' لیڈی پولیس نے آکر ان کی کوفت اور غصہ میں مزید اضافہ کیا۔

''سنیں ایسے کیسے...... یہ آپ......'' وہ تلملا اٹھی تھی مگر لیڈی پولیس اپنی بات کہہ کر جاچکی تھی۔ یہاں کسی کے پاس اتنا وقت کہاں تھا کہ وہ کسی کی باتیں سنے۔

''چلو بیٹی۔''

''مگر ابو...... وہ میں......''

''گھر چلو خاموشی سے' اسی لیے سمجھاتا تھا' اس ملک میں کوئی قانون نہیں۔ چلو گھر۔'' باپ نے اسے بازو سے پکڑ کر تقریباً غصے سے کہا۔ وہ جانا نہیں چاہتی تھی جرح کرنا چاہتی تھی مگر شاید اس غلیظ ماحول سے اسے الجھن ہو رہی تھی وہ جلد از جلد اس ماحول سے فرار چاہتی تھی۔ گاڑی میں بیٹھنے تک طرح طرح کی نظریں اس کا تعاقب کرتی رہیں۔

''آگئی...... شوق پورا کرلیا اپنا' کرالیا بوڑھے باپ کو خوار نہیں آیا ناں وہ؟ وہ آئے گا بھی نہیں' بے عقل۔''

''پھوپو بس...... اللہ کے لیے اب آتے ہی آپ شروع ہوگئیں' پہلے ہی اتنا خوار ہو کر آرہے ہیں۔''

''خواری تم نے خود منتخب کی ہے اپنے لیے کسی دوسرے پر غصہ کیوں کر رہی ہو' ہوش کے ناخن لو اب بھی وقت......''

''پھوپو...... بس کریں پہلے ہی گرمی نے برا حال کردیا ہے اوپر سے اے سی بھی بند کیے بیٹھی ہیں آپ۔'' اس نے فریج سے ٹھنڈا پانی نکال کر حلق میں انڈیلتے پھوپو کی بات کاٹی اور پانی پی کر فوراً کمرے

سے چلی گئی۔

''اسے سمجھائیں ایسے نہیں ہوتا' میری زندگی کھلی کتاب کی طرح اس کے سامنے ہے پھر بھی یہ عقل سے کام کیوں نہیں لے رہی۔'' پھوپو نے پانی کا گلاس بھائی صاحب کو پکڑاتے ہوئے کہا۔

''یہ اب سمجھنے' سمجھانے سے گزر چکی ہے سوچتا ہوں۔ ہوسکتا ہے ہم ہی غلط ہوں' وہ جو کہتی ہے وہ ٹھیک۔''

''خاک ٹھیک' بھائی میں نے بھی دنیا دیکھی ہے' زندگی کے ایک تلخ تجربے سے بھی گزر چکی ہوں۔ میں اس سے ہر طرح کی جرح کر کے اس کا مکمل تجزیہ کرچکی ہوں اور اپنے تجربے کی روشنی میں آپ کو بتا چکی ہوں پہلے بھی کہ اس کی باتوں اور الزامات میں ستر فیصد جھوٹ ہے۔ سلمان ایک اچھا نیک انسان ہے۔ اس سے محبت کرتا ہے' اسے اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہے مگر یہ میڈم پتا نہیں کن آسمانوں پر رہتی ہے' کیا کچھ عورتیں نہیں سہتی' کیا کچھ ہے جو مرد عورتوں کو نہیں کہتے اور کتنی باتیں ہیں جو عورتیں برداشت کرتی ہیں صرف اپنا گھر بچانے کے لیے آپ کے سامنے میری مثال ہے کیا کچھ نہیں سہا میں نے اپنا گھر بچانے کے لیے اپنی ذات کو کچل کر رکھ دیا شوہر کا ستم تو جو سہا سو سہا ساتھ اتنے بڑے سسرال اور سسرالی رشتہ داروں کو بھی نبھایا مگر میری ہر کوشش رائیگاں گئی۔ اسے تو کسی نے اونچی آواز تک میں نہیں مخاطب کیا پھر بھی بیوقوفی کرنے پر تلی ہے۔ بہت پچھتائے گی۔'' پھوپو نے بھائی کی بات کے بیچ میں ہی بولنا شروع کردیا۔

''ایک گلاس پانی اور دو حلق میں کانٹے چبھ رہیں۔'' انداز ایسا تھا جیسے اس موضوع سے بچنا چاہتے ہوں اور اس میں کامیاب بھی ٹھہرے پھوپو کو فوراً ہی بھائی کی تھکاوٹ کا احساس ہوا تھا۔

''چلیں آپ انھیں آرام کریں' میں نے آپ کے کمرے کا اے سی آن کردیا ہے۔ بہت گرمی ہے سو جائیں جا کر میں بات کروں گی ضویا سے۔ اللہ بہتر کرے گا سب' پریشان نہ ہوں۔'' پھوپو کو اندازہ ہوگیا کہ بھائی بہت پریشان اور نڈھال ہیں' اس عمر میں ضویا انہیں کتنا تنگ کررہی ہے۔ انہوں نے بھائی کو ہاتھ کا سہارا دے کر اٹھاتے ہوئے سوچا۔ انہوں نے ضویا کے کمرے میں جھانکا وہ شاید واش روم میں تھی۔ انہیں ایک لمحہ کو پھر شدید غصہ آیا۔ پچھلے پانچ مہینے سے وہ چھوٹی چھوٹی باتوں کو ایشو بنا کر شوہر سے ناراض ہوکر میکے آ بیٹھی تھی۔ ہر بندہ اسے سمجھا کر تھک چکا تھا۔ خود دو بار سلمان بھی اسے لینے اور منانے آیا مگر اس نے ایک ہی ضد پکڑ رکھی تھی نہ جانے اس کی عقل کہاں گھانس چرنے چلی گئی تھی۔ پھوپو نے دوپہر کے کھانے کا انتظام کرتے ہوئے دل میں سوچا۔ اگلی صبح اسی بےچینی اور خفگی سے شروع ہوئی وہی روز کی طرح پھوپو کی نصیحتیں' ضویا کی ہٹ دھرمی۔

''میرے شوہر نے مجھے مارا پھر کمرے میں بند کردیا'

میرے بچوں کو الگ کردیا۔ میری ساس نے الزام لگایا...... وہ میرا ٹکٹ، پاسپورٹ لے کر بھاگ گیا۔ میری ساری عمر اس کی راہ تکتے گزری...... میرا شوہر دماغی عارضہ میں مبتلا تھا مارتا پیٹتا تھا مگر مجھے اس سے محبت ہے۔''

ٹی وی پر خواتین کے عالمی حقوق پر ایک پروگرام چل رہا تھا، عورتیں ظلم و ستم کی ستائی، دکھیاری رو رو کر اپنی داستانیں سنا رہی تھیں۔ ضویا ایک ٹک انہیں دیکھ رہی تھی۔ اس کے دماغ میں سوچوں کے جھکڑ چل رہے تھے کہ یہ عورتیں ٹھیک ہیں جو ظلم و ستم سہہ کر بھی گھر بچانے کی خاطر نبھا کی کوشش کرتی رہتی ہیں یا وہ عورتیں ٹھیک ہیں جو اپنی بقا و حق کے لیے اٹھ کھڑی ہوتی ہیں۔ وہ جتنا سوچتی اتنا ہی اس کا دماغ الجھ جاتا۔

''السلام علیکم! چھوٹی باجی۔''

''آ گئی تم مل گئی فرصت، حد ہوتی ہے کام چوری کی، اوہ یہ کیا ہوا تمہیں؟'' ضویا نے کام والی کی طرف دیکھے بغیر اس کے سلام کے جواب کے بجائے اپنا غصہ نکالتے نکالتے جب اس کی طرف دیکھا تو ایک زور کی آواز نکلی اور پریشانی سے اس سے پوچھا۔

''کچھ نہیں وہ...... بس تھوڑی چوٹی لگ گئی تھی۔ بڑی باجی کہاں ہیں وہ......''

''ان کو چھوڑو تم پہلے یہ بتاؤ یہ سب کیا ہے؟'' ضویا نے اس کی بات کاٹتے ہوئے اس کے چہرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے دوبارہ اپنی طرف متوجہ کیا۔

''ارے باجی...... تھوڑے زخم ہیں، اب تو بہت بہتر ہو گئے ہیں، دو دن گھر رہی تھی کام پر نہیں گئی تو اب بہتر ہوں۔''

''تم لوگ سیدھی بات کیوں نہیں کرتے ہو گھما کیوں دیتے ہو دوسرے کو زخم تو مجھے بھی دکھائی دے رہے ہیں لگے کیسے؟''

''لگنے کیسے تھے پھر شوہر کی ماریں کھا کر آ رہی ہو گی ہمیشہ کی طرح۔'' پھوپو نے سیڑھیاں اترتے ہوئے ان کی بات سنتے ہوئے پاس آ کر لقمہ دیا۔

''باجی...... آپ...... وہ ایسی بات نہیں، وہ بڑا اچھا ہے جی وہ......''

''وہ جتنا اچھا ہے ناں تمہارا نقشہ بتا رہا ہے کہ کتنا اچھا ہے۔ باورچی خانہ سمیٹ کر اوپر آ جاؤ، ہفتے بھر کے کپڑے جمع ہو چکے ہیں۔'' پھوپو نے کشن کور اور ٹیبل کور اتار کر ہاتھ میں پکڑی دھلائی والی ٹوکری میں ڈال کر اوپر کی طرف جاتے ہوئے ماسی سے کہا۔

''بس باجی آتی ہوں چھوٹی باجی کا کمرہ صاف کرلوں۔''

''حد ہے وہ تمہیں مارتا ہے اور پھر بھی تم اس کے ساتھ رہتی ہو، تمہیں چاہیے فوراً گھر چھوڑ کر چلی جاؤ۔ لگ پتا جائے گا اسے، دو دن میں عقل ٹھکانے آ جائے گی۔'' ضویا کا غصہ عروج پر تھا۔

''نہیں باجی یہ کیا بات کی آپ نے کیوں چھوڑ دوں اسے اور پھر اسے چھوڑ کر جاؤں گی کہاں؟'' ماسی نے بستر کی چادر درست کرتے ہوئے سادگی سے پوچھا۔

''بس یہی سوچ ہے جو ہلنے نہیں دیتی۔ لعنت ہو ایسی زندگی پر، ایسی باتیں کر کے ہی تو ہم عورتوں نے مردوں کا دماغ خراب کردیا ہے۔ کہاں جائے گے بھلا دنیا چھوٹی ہے کیا۔ مردوں کی کمی ہے کیا دنیا میں۔'' وہ بڑبڑاتی ہوئی کچن میں چلی گئی مگر اس کے بڑبڑانے کی آوازیں کمرے تک آ رہی تھیں۔

ہفتے بعد اگلی پیشی تھی اور وہ اس پر بھی نہیں آیا تھا۔ قانون کی رو سے اب اگر اگلی پیشی پر بھی وہ نہیں آیا تو طلاق ہو جائے گی اور اسے ایک نوٹس دے دیا جائے گا۔ وکیل کی زبانی یہ سن کر ضویا کو اطمینان ہوا کہ چلو یہ بھی اچھا ہے۔

تیسری پیشی پر جاتے ہوئے اس نے باپ کی پیشانی پر پریشانی، افسردگی اور نہ جانے کیا کیا دیکھا۔ اس نے ایک لمحے کو سوچا کہ وہ یہ سب کیوں کر رہی ہے، کیوں اپنے ساتھ دوسروں کو بھی مشکل میں ڈال رہی

ہے۔ اس کا دل چاہا وہ باپ سے کہے کہ میں پیچھے ہٹتی ہوں مگر فوراً ہی انا نے اسے اپنے گھیرے میں لے لیا۔ وہ گھر سے عدالت کے سفر میں ایک کشمکش میں رہی' اگر وہ آج بھی نہیں آیا تو کیا طلاق...... طلاق...... اس کے دل کو ایک جھٹکا لگا تھا۔ وہ طلاق یافتہ ہوجائے گی اگر آ گیا تو وکیل کیا کیا سوال کر سکتے ہیں اور وہ کیا جواب دے گی۔ وہ سوچتی رہی تھی اور الجھتی رہی تھی۔ نہ وہ شرابی ہے نا دوسری عورتوں کے ساتھ میل ملاپ ہے' نہ خرچ پانی کی کوئی تنگی ہونے دی' نہ کہیں آنے جانے پر پابندی لگائی' نا مار پیٹ' وکیل کے ہر متوقع سوال کا جواب اس کے پاس نفی میں تھا۔ پھر اس نے کس ٹھوس وجہ کو سامنے رکھتے ہوئے طلاق کا مقدمہ درج کیا تھا اور کس بنیاد پر طلاق چاہتی ہے؟ وہ مکمل طور پر ذہنی الجھن میں مبتلا تھی اور اسی الجھن کے ساتھ وہ عدالت پہنچ گئی۔ اس کے باپ نے اسے عدالت سے کچھ فاصلے پر اتر کر اندر جانے کو کہا کہ آج ٹریفک کا بہت رش تھا کہیں پارکنگ نہیں تھی وہ گاڑی پارک کر کے آ رہے ہیں۔ وہ گاڑی سے اتر کر عدالت کی سمت روانہ ہوئی۔ سڑک کے کنارے کھڑے اوباش قسم کے افراد اس کی طرف ایسے متوجہ ہوئے جیسے کوئی شکاری' اسے ان کے پاس سے گزرتے ہوئے ان کے گندے مکالموں کی آواز بخوبی سنائی دی' جو اس کے بارے میں بولے گئے تھے۔ اسے یاد آیا کہ ایسے کئی موقع آئے تھے جب وہ سلمان کے ساتھ ایسے رستوں اور لوگوں کے درمیان سے گزری تھی مگر سلمان کے ساتھ ہونے سے اس میں ایک اعتماد تھا اور کسی کی چاہتے ہوئے بھی ہمت نہیں ہوئی تھی کہ کوئی جملہ کستا۔ اسے اپنے اوپر ترس آیا۔ وہ عدالت کے احاطے میں پہنچ چکی تھی جہاں پچھلی دو پیشیوں پر اسے گندی بنچوں پر بیٹھ کر انتظار کرنا پڑا تھا۔ وہ راہ داری کی سیڑھیاں چڑھ رہی تھی جب اس نے عدالت کے دروازے سے کچھ فاصلے پر اسے کھڑے دیکھا۔ وہ سیڑھیاں چڑھ کر راہ داری کے ایک ستون کے ساتھ کھڑی ہوگئی۔ سلمان کے قدم اس کی طرف بڑھنا چاہ رہے تھے جب اس نے بہت بے اعتنائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنا رخ اس سے پھیر لیا۔ اسے اپنے قریب اوباش مردوں کی چہ مگوئیاں سنائی دیں۔ اس نے پیچھے مڑ کر اپنے ابو کو دیکھا ان کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ ایک مرد اس کے بہت قریب ہوا تھا' آج کچھ رش بھی زیادہ تھا جس کا فائدہ وہ اٹھانا چاہ رہا تھا۔ وہ اس کے اتنے قریب آ رہا تھا جیسے اسے دبوچ ہی لے گا۔

''یہ لو تمہارا جوس لے آیا ہوں ادھر آ کر بیٹھ کر چھاؤں میں پی لو' ابو بھی آتے ہی ہوں گے۔'' اسے اپنی پشت سے آواز آئی اور اس کے ساتھ ہی اسے اپنے اردگرد کشادگی نظر آئی جو مرد اسے اکیلا دیکھ کر بہانے بہانے سے اس کے قریب آ کر کھڑے ہو رہے تھے وہ سب غائب ہو چکے تھے۔ اس نے سلمان کی طرف دیکھا اسے اس موقع پر وہ کوئی فرشتہ لگا' اس نے خاموشی سے جوس کا ڈبہ تھاما اور اس کے اشارے والی سمت چل دی' اگر اکیلے پن کی مجبوری اور تنہائی کا ڈر نہ ہوتا تو شاید وہ بے رخی کا مظاہرہ کرتی۔ وہ ابھی سایہ دار درخت کی چھاؤں میں بنی بنچ پر بیٹھی ہی تھی کہ اس کے ابو پسینے میں نہائے آ گئے۔ سلمان شاید کچھ کہنا چاہتا تھا مگر ابو کو دیکھ کر پیچھے ہٹ گیا۔ سلمان نے ہمیشہ کی طرح ابو سے بڑھ کر خوش اخلاقی سے مصافحہ کیا۔

''تم بہت خوش قسمت ہو' تمہیں اپنے ساس سسر اور سسرالی رشتوں کی قدر اور حد درجہ احترام کرنے والا شوہر ملا' ورنہ ہمارے معاشرے میں ایسے کم ہی لوگ ہیں جو بیوی کے والد اور والدہ کو اتنا ہی عزت اور احترام دیں جتنا اپنے والدین کو دیتے ہیں۔'' اس کے کانوں میں اپنی سہیلی کی آواز گونجی تھی۔ سلمان کا اس کے والد کو دیا جانے والا عزت اور احترام والا رویہ اسے خود بھی بہت بھاتا تھا۔ وہ دل ہی دل میں شکر بھی ادا کرتی تھی۔ سب کچھ ہی اچھا تھا پھر پتا نہیں کیوں اس کے دل میں مہر لگ گئی تھی۔ کمرہ عدالت

میں ان کو بلایا جارہا تھا۔ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے۔ ضویا سے نہ جانے کیوں سلمان سے نظریں ملائی نہیں جارہی تھیں۔ دونوں طرف کے وکیل مختلف بیان بازیاں کرتے رہے سوال و جواب ہوئے، جن میں سے بہت سے متوقع سوالات ہوئے جن کے جواب ضویا نے نفی میں دیئے۔

"دراصل مسئلہ میرے کلائنٹ میں ہے ہی نہیں میرے کلائنٹ ایک سلجھے ہوئے، نیک، خوش اخلاق اور پڑھے، لکھے انسان ہیں جس کی تصدیق میری مخالف کلائنٹ نے بھی کی ہے لیکن اصل مسئلہ ان محترمہ میں ہیں، جو ایک ہلکے کردار کی مالک اور ایک بدچل......"

"ہرگز نہیں...... ہرگز نہیں......" سلمان وکیل کی بات کاٹ کر چیخا۔

"میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔" جج کی اجازت کے بعد سلمان نے اس کی طرف دیکھا۔

"میں اپنے اللہ اور رسول کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میری بیوی ایک باکردار باحیاء اور شریف لڑکی ہے، مجھے اس پر مکمل اعتماد ہے، پچھلی دو پیشیوں میں نہ آنے کی جو وجہ اس کی عزت اور اس کے گھر والوں کا احترام تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ ہمارے خاندان کا کوئی فرد خصوصاً میری بیوی سرِعام گھر کی بات اور گھر کی عزت کو یوں بے مول کرے۔ میں اس کی بہت عزت کرتا ہوں اور اس سے محبت کرتا ہوں اور اسے رکھنا چاہتا ہوں لیکن یہ نہیں رہنا چاہتی تو ٹھیک ہے میں اس کی اس طرح بے عزتی برداشت نہیں کرسکتا۔ میں اس ہفتے طلاق کے کاغذات اپنے وکیل کو دے دوں گا۔ جو جلد اسے مل جائیں گے۔" جملے کے اختتام پر سلمان کی آواز روہانسی ہوکر کانپی تھی۔ ضویا کسی بت کی طرح آنسو بہاتی اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے چند لمحوں پہلے درخت کی چھاؤں میں سلمان کے ساتھ بیٹھنے کی ٹھنڈک محسوس ہوئی، اسے اس لمحے کے تحفظ کا ادراک ہوا۔ عدالت کی کرسیاں خالی ہونے لگیں جج وکیل اپنی فائلیں سنبھالتے ہوئے کمرے سے باہر جارہے تھے مگر جیسے وہ وہیں جم گئی تھی۔ اس کی نظروں نے سلمان کو ڈھونڈا مگر وہ بھی جاچکا تھا۔

"باجی گھر کا سائیں جیسا بھی ہو وہ ہے تو بہار ہے، وہ ہے تو تپتی چھاؤں بھی ٹھنڈی لگتی ہے۔" ماسی اپنے زخموں پر پھوپو کے دیا مرہم لگارہی تھی جو آج پھر مار کھا کر آئی تھی۔

"چاہے وہ تمہیں اس چھاؤں میں بیٹھ کر تپتے ہوئے پتھر، کنکریاں ہی کیوں نہ مارے۔" ضویا نے سوجی آنکھوں اور ستے چہرے کے ساتھ گھر میں داخل ہوتے ہی ماسی سے سوال کیا۔

"باجی وہ ایسا کیوں کرے گا، وہ اگر کبھی دکھ دیتا ہے تو سکھ بھی تو وہی دیتا ہے ناں، یہی بات ہے باجی دنیا ایک دن نہیں کھلاسکتی، سر کا سائیں ہے تو سب آپ کے ساتھ وہ نہیں تو آپ کا سایہ بھی آپ کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔"

"تم دنیا کی طرف دیکھوگی ہی کیوں کہ وہ تمہیں کھلائے۔ تم اپنا خود کماتی ہو، اپنے اور بچوں کے ساتھ ساتھ اپنے شوہر کا بھی پیٹ بھرتی ہو۔ تم خود مختار ہو تم تو ایک......"

"نہ باجی ایسی باتیں ناں کریں۔" ماسی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے بولنا شروع کیا۔ ضویا کے ابو کسی کام سے اسے گھر کے دروازے پر ہی چھوڑ کر چلے گئے تھے اور ضویا آتے ہی ماسی کے ساتھ پہلے سے جاری گفتگو میں شامل ہوگئی تھی۔

"صرف دو وقت کی روٹی یا کمائی تو سب کچھ نہیں ہوتی ناں، میں اپنا کما کر اگر اپنا کھا بھی لوں گی تو یہ دنیا مجھے کھاجائے گی باجی، ہم جھونپڑی میں رہتے ہیں، بیرونی دروازہ تو کیا ڈھنگ کا پردہ بھی نہیں اس پر مگر مجال ہے باجی کہ کوئی آنکھ اٹھا کر دیکھے بھی میری طرف، شوہر تو گھر کے دروازے کی طرح ہوتا ہے محفوظ، مضبوط۔" اس نے اپنے بازو پر بندھی پٹی کو درست کرتے ہوئے کہا۔

"اور اسی مضبوطی کا وہ ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے اور اپنی طاقت اور مضبوتی کا سارا زور تم پر نکالتا ہے، ہے ناں۔" ضویا نے لڑکھڑاتی زبان سے الفاظ ادا کئے، پھوپو نے اس کے ستے چہرے کی طرف بغور دیکھا انہیں وہ بہکی بکھری ہوئی لگی مگر ساتھ ہی ان کی دانش نگاہوں نے اس کے اندر سمٹنے کی خواہش بھی پڑھ لی، وہ ماسی کو اٹھا دینا چاہتی تھیں، گھر کا سب کام بکھرا پڑا تھا مگر ضویا کی دلچسپی اور اس کی آنکھوں کو پڑھ کر چپ رہیں۔

"نہ باجی نہ آپ اس طرح کیوں سوچتی ہیں، میں تو اتنا جانتی ہوں کہ رب سوہنے نے اسے ہمارا حاکم بنایا ہے، ہم سے اس کا رتبہ بلند رکھا ہے تو پھر ہم اللہ کے اس فیصلے کو سچے دل سے کیوں نا مانیں، رب سوہنے نے اسے ہمارا نصیب ہمارے سر کا تاج بنایا ہے تو سر کا تاج سر پر سجا کر رکھیں گیں تو ہم ہی خوب صورت نظر آئیں گے ناں آپ خود دیکھیں باجی جب آپ کوئی قیمتی زیور کوئی بالی کوئی نتھ پہنتی ہیں، اسی لیے کہ آپ خوب صورت نظر آئیں، چاہے اس کے پہننے سے آپ کو تکلیف بھی ہو رہی ہو مگر آپ اکثر اسے اپنے استعمال میں رکھتی ہیں تو شوہر ہماری زیبائش ہے۔ ہمارا زیور ہے اسے ہم نے ہی چمکا کر رکھنا ہے، ہم اسے چمکا کر رکھیں گے تو ہمارے حسن میں ہی اضافہ ہوگا۔" ماسی نے پانی کا گلاس اٹھا کر منہ سے لگایا اور اسے یاد آیا کہ اس کی شادی والے دن اس کی ناک کی نتھ نے اسے بہت تنگ کیا تھا، سب اسے کہہ رہے تھے کہ اسے اتار دو مگر ضویا نے تکلیف برداشت کی کسی کی نہیں سنی کیوں کہ سب اس کی نتھ کی اور نتھ اس پر جچنے کی خوب تعریف کر رہی تھی۔

"اب باجی دیکھیں میں زیادہ پڑھی لکھی نہیں مگر اتنا جانتی ہوں کہ شوہر کا مقام اللہ نے بہت اونچا رکھا ہے دیکھیں باجی والدین بھی تو بچوں کو مارتے ہیں، غصہ آئے تو جھڑک دیتے ہیں پھر انہیں گلے بھی لگاتے ہیں، انہیں پیار بھی دیتے ہیں، ان کی رہائش، کھانے، پینے پہننے، اوڑھنے کا خیال بھی رکھتے ہیں اور انہیں تحفظ بھی دیتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب تو نہیں ناں کہ ہم ماں باپ کو چھوڑ دیں، ہم کیوں نہیں چھوڑ سکتے کیونکہ ہمیں پتا ہوتا ہے ماں باپ کا نعم البدل نہیں، جیسے ہمارے ماں باپ ہیں ویسا کوئی دوسرا ہمیں پیار نہیں دے سکتا، اسی طرح شوہر کی بات بھی ہے کہ اسے چھوڑ دیا تو کوئی دوسرا ہمیں وہ پیار وہ تحفظ اور وہ بہار نہیں دے سکتا جو وہ ہمیں دے رہا ہے۔ اب آج فریدہ کے ابا نے مارا ہے ناں کل پیار بھی کرے گا۔ معافی بھی مانگے گا۔ اللہ اللہ خیر صلہ بہاریں لوٹ آئیں گی۔" ماسی نے ٹانگ پر زور دے کر اٹھتے ہوئے کہا۔ ضویا نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے موبائل پر نمبر ملایا، وہ رو رہی تھی۔ اس نے اپنے سارے آنسو بہنے دیے۔ وہ اپنے حصے کی بہار اپنی بہار کو بلا رہی تھی۔ جو کام گھر کے سارے قابل پڑھے لکھے افراد نہ کر سکے وہ ایک معمولی ماسی نے کر دیا اور سلمان کے اس اعتماد نے جو وہ ضویا پر کرتا ہے۔ اسے اپنا آپ بہت چھوٹا لگا۔ شام کو وہ ہاتھ میں پھولوں کا گلدستہ لیے اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے سلمان کی طرف دیکھا اسے ادراک ہوا کہ واقعی سر کا سائیں ہے تو بہاریں ہیں۔ اس کی بہاریں لوٹ آئیں تھیں۔ ابو اور پھوپو نے اپنی آنکھوں میں آئے خوشی کے آنسوؤں کو ضبط کرتے اسے سلمان کے ساتھ رخصت کیا۔ دہلیز پار کرتے ہوئے اس نے اپنے آپ سے ان بہاروں کو ہمیشہ تر و تازہ رکھنے کا عزم کیا تھا۔

محبت میری آخری شرارت تھی

صائمہ قریشی

"تو مرتضیٰ صاحب کیا سوچا ہے آپ نے؟" ادیبہ نے کھانا سرو کرتے ہوئے ان سے دریافت کیا۔

"کس بارے میں؟" مرتضیٰ نے پلیٹ اٹھا کر اپنے سامنے رکھی اور سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

"تو اب کیا میں آپ کو شروع سے ساری کہانی سناؤں؟" ادیبہ نے حیرت بھرے لہجے میں استفسار کیا۔

"ادیبہ بیگم بے سروپا سوال کا کیا جواب دوں؟" مرتضیٰ تحمل سے بولے۔

"میری تو حسرت ہی رہے گی کہ کبھی کوئی بات سمجھ جاتے آپ۔" ادیبہ نے قدرے ترش لہجے میں کہا تو مرتضیٰ ہنسنے لگے۔

"بیگم صاحبہ آپ بات شروع سے شروع کیا کریں تاکہ بندہ ناچیز کوئی سرا پکڑ سکے۔ آپ درمیان سے بات شروع کر کے کہتی ہیں اب ادھر اُدھر کی خود سمجھ جاؤں ایسے کیسے ممکن ہو؟" مرتضیٰ ان کی نروٹھی صورت دیکھ کر ان کو چھیڑنے لگے۔

"بس رہنے دیں مرتضیٰ صاحب۔"

"ہاہاہا...... چلیں اب بتادیں۔" مرتضیٰ نے فرائیڈ رائس پلیٹ میں نکال کر ان کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"دانیال بھائی اور حمزہ پاکستان واپس آچکے ہیں۔" ادیبہ نے پانی کا جگ ٹیبل پر رکھا اور کرسی پر بیٹھ گئی۔

"اور ادیبہ آپ ابھی تک یہاں ہی ہیں کیا بھائی اور بھتیجے سے ملنے نہیں جانا؟" مرتضیٰ نے ان کی بات کاٹ کر پوچھا۔

"یہی تو پوچھ رہی ہوں ناں مرتضیٰ صاحب، سکندر بھائی نے تو ابھی تک کوئی اطلاع نہیں دی۔"

"اطلاع کس بات کی؟" مرتضیٰ نے متعجب نگاہوں سے دیکھا۔

"یہی کہ وہ لوگ آگئے ہیں۔" ادیبہ نے سلاد پلیٹ میں رکھتے ہوئے کہا۔

"ادیبہ بیگم اتنی چھوٹی بات کی میں آپ سے توقع نہیں کررہا تھا۔ یعنی کے سب خبر رکھی ہوئی ہے لیکن اب آپ انتظار میں ہیں کہ وہ اپنے منہ سے کہیں۔" مرتضیٰ واقعی حیران ہوئے تھے۔

"آپ نہیں سمجھ رہے۔" وہ مدھم آواز میں بولیں۔

"مطلب کہ میں یہ بات نہیں سمجھ رہا کہ بغیر اطلاع اگر آپ وہاں جائیں گی تو آپ کی عزت میں فرق آجائے گا؟" مرتضیٰ صاحب نے کھانا چھوڑ کر اچنتی نظروں سے ادیبہ کو دیکھا۔

"ایسی بات نہیں ہے مرتضیٰ صاحب لیکن......" ادیبہ نے انہیں دیکھا۔

"ادیبہ بیگم رشتوں میں پھیلی کدورتوں کو مٹانے کے لیے ذرا سا جھک جانے سے کبھی کسی کو چک نہیں پڑی اور اگر ایسا ہو بھی جائے تو اس کا علاج موجود ہوتا ہے۔" مرتضیٰ نے سنجیدگی سے کہا اور کھانا کھانے میں مصروف ہوگئے۔

ادیبہ کے مقابلے میں مرتضیٰ نے ہمیشہ رشتوں کو زیادہ اہمیت دی تھی ان میں ضد نہ تھی، چھوٹی چھوٹی باتوں کو انا کا مسئلہ بنالینا ان کی مزاج میں شامل نہ تھا۔ ادیبہ دل کی بہت صاف تھیں، سب کی بہت پروا بھی کرتی تھیں لیکن ان میں برداشت کا مادہ کم اور انا کا زیادہ تھا۔ جس وجہ سے ان کی ساری پروا اور صاف نیت کہیں دب جاتی تھی۔ مرتضیٰ کے چند جملے ہی ان کو احساس دلا تو دیتے تھے کہ وہ زیادتی کررہی ہیں لیکن پھر اسی زیادتی کو سدھارنے کے لیے انہیں وقت درکار ہوتا تھا۔

"بڑی بوا نے کہا ہے کہ سکندر بھائی دانیال بھائی کے آنے پر دعوت دیں گے اور آپ نے بھی تو یہی کہا تھا۔" ادیبہ منہ بسورتے بولیں تو مرتضیٰ نے نظر اٹھا کر انہیں دیکھا پھر دھیرے سے مسکرادیے۔

"اپنے بھائیوں سے ملنے، ان کے گھر جانے کے لیے آپ کو دعوت کی نہیں صرف اور صرف میری اجازت کی ضرورت ہوتی ہے ادیبہ بیگم۔" مرتضیٰ میں ایک بات بہت خاص تھی وہ ادیبہ کو سمجھانا بہت اچھی طرح جانتے تھے کسی

سنجیدگی یا رنجش کو اپنے حواسوں پر سوار نہ کرتے تھے چند لمحے پہلے جو باتیں انتہائی سنجیدگی سے ادیبہ بیگم سے کہی تھیں اب مسکرا کر ان کو چھیڑ رہے تھے۔

"ہاں یہ تو ہے۔" ادیبہ نے ان کی بات کی تائید کی' ایک عمر ساتھ گزارنے کے بعد آج بھی اگر ادیبہ اور مرتضیٰ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں تو اس میں زیادہ کریڈٹ مرتضیٰ کی بردبار طبیعت اور سمجھداری کو جاتا تھا۔ محبت فقط الفاظ تک محدود نہیں ہوتی محبت تو ان الفاظ کی پاسداری کا نام ہے، جو جذبات میں ادا کیے جاتے ہیں۔ اور مرتضیٰ نے اپنے الفاظ خوب نبھائے۔

"تو بس پھر چلیں نکلتے ہیں ابھی۔" مرتضیٰ نے فوراً ارادہ ظاہر کیا۔

"ہاں لیکن کیا پتہ ان کا کوئی پروگرام ہو اور پھر گل میر کے ساتھ ان کا رویہ......" ادیبہ شش و پنج میں مبتلا ہو رہی تھیں۔

"گل میر کا معاملہ وہ خود ہینڈل کرلے گا' مرد کا بچہ ہے اور اپنا حق لینا جانتا ہے۔" مرتضیٰ نے کالر جھاڑا۔

"یقیناً آپ نے اس کے ساتھ مل کر کوئی کھچڑی پکا رکھی ہے۔ بس مجھے ہی تپا کر لطف لیتے ہیں۔" ادیبہ نے تیکھی نظروں سے انہیں دیکھا۔

"ہاہاہا...... جب کھچڑی پکے گی ناں تو آپ کا حصہ بھی لازمی ہوگا۔" مرتضیٰ نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"ابھی آپ یہ سب سمیٹ کر تیار ہو جائیں پھر چلتے ہیں دھنک آباد وہاں کی رونقیں آپ کو بلا رہی ہیں۔" مرتضیٰ نے ڈائننگ ٹیبل پر رکھے برتنوں کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

"کیا مطلب؟" ان کے آخری جملے پر وہ چونکی۔

"مطلب یہ کہ جلدی کریں۔" مرتضیٰ نے مسکرا کر کہا اور ادیبہ کے اٹھنے پر وہ بھی اٹھ گئے' جبکہ برتن سمیٹتی ادیبہ مسلسل سوچ رہی تھیں کہ یقیناً مرتضیٰ کا دھنک آباد میں مسلسل رابطہ ہے اور وہ ہر ایک بات سے باخبر ہیں۔

"خیر اب جانا تو ہے پھر دیکھتے ہیں۔" ادیبہ نے خود کلامی کی اور برتن سمیٹ کر ڈش واشر آن کرکے تیار ہونے کے لیے کمرے کی جانب بڑھ گئیں۔

"تم نے کہا تھا ناں میں تمہاری زندگی سے' دھنک آباد سے چلا جاؤں۔" گل میر اس کے چہرے پر نظریں جمائے اس سے پوچھنے رہا تھا۔

"پلیز مہربانی ہوگی آپ کی۔" ماہ روش نے ہاتھ جوڑ کر نخوت سے کہا۔

"میں چلا جاؤں گا لیکن......" وہ جتنی تپی ہوئی تھی گل میر اتنے ہی تحمل سے اس کے سامنے کھڑا تھا اس نے بات ادھوری چھوڑی تو ماہ روش نے اسے دیکھا۔

"تمہیں نکاح کرنا ہوگا مجھ سے۔" گل میر نے شرط بتائی تو ماہ روش کو لگا کسی نے اس کے پر بم پھوڑ دیا ہو۔

"گل میر مرتضیٰ اپنے دماغ کی علاج کروائیں اور جہنم میں جائیں میری طرف سے۔" ماہ روش انتہائی ضبط سے اپنے آپ پر قابو پا سکی تھی' انتہائی تلخی سے بولی اور وہاں سے پلٹ گئی اور گل میر مسکرانے لگا۔

"تم صرف محبت کی کتاب کی 'ماہ گل' نہیں میری زندگی کی بھی 'ماہ گل' ہو اور اب میں تمہیں اتنی آسانی سے دور نہیں ہونے دوں گا۔ ایک بار غلطی کی ہے اب اس کو سدھاروں گا۔" گل میر نے دل میں کہا اور وہاں سے پلٹ کر اپنے کمرے کی جانب آیا تاکہ فریش ہو سکے۔

ماہ روش انتہائی غصے میں وہاں سے پلٹی تھی' اس کے تن بدن میں جیسے آگ لگی ہوئی تھی۔ وہ گل میر کی جانب سے ایسی کسی شرط کی ایک فیصد بھی توقع نہ کر رہی تھی۔

"یوں راہ روک کر ایسی بات کرنا کیا ماہ روش کی اب یہی اوقات رہ گئی ہے کہ گل میر مرتضیٰ آپ یوں سرراہ اس سے ایسی بات کریں۔" ماہ روش اپنے کمرے کر فرش پر پیر پٹخ کر ٹہل رہی تھی' ہاتھوں کو مروڑنا اس کے اضطراب کو ظاہر کر رہا تھا ایک پل کو رکتی کچھ سوچتی اور پھر اسی طرح ٹہلنے لگتی۔

"گل میر مرتضیٰ دل تو کرتا ہے ہاں کر کے آپ کی ساری زندگی کو جہنم بنا دوں لیکن میں اتنی گئی گزری نہیں گل میر مرتضیٰ کہ جذبات میں اور بدلے میں بہک کر اپنی بھی زندگی برباد کرلوں۔" ماہ روش کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ ایسا کیا

کرے کہ گل میر کے چودہ طبق روشن ہوجائیں' اس کی زندگی جہنم بن جائے۔ بدلے کی آگ میں جلتی ماہ روش بہت انتہا تک سوچ رہی تھی۔

"میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی گل میر مرتضیٰ' آج ایک بار پھر آپ نے مجھے میری ہی نظروں میں گرادیا ہے۔" ماہ روش نے دکھ کی آمیزش سے جلتی آنکھوں کو میچ کر کہا' ایک دم اسے یاد آیا کہ اس نے چائے سرو کرنی تھی اپنے آپ کو سنبھالتی' غصے پر قابو پاتے ہوئے وہ اپنے کمرے سے باہر نکل کر ڈرائنگ روم کی جانب بڑھی۔

"یار بڑی دیر لگادی۔" حمزہ نے ٹٹولتی نظروں سے گل میر کو دیکھ کر پوچھا۔

"نہیں تو۔" وہ ہنسا۔

"چلو اب بتاؤ مجھے ساری کہانی الف سے ے تک ہر ایک بات۔" گل میر حمزہ کے ساتھ والی کرسی پر براجمان ہوا تو وہ پورا اس کی طرف گھوم کر قدرے رازدارانہ انداز میں اس سے استفسار کرنے لگا ایک سائیڈ پر آمنہ بیگم' مہرالنساء بیٹھی کسی بات پر رازونیاز میں مصروف تھیں' حریم اور یسریٰ چائے کے ساتھ کھانے کے لوازمات ٹیبل پر سیٹ کررہی تھیں' ماہ روش کی ذمہ داری سب کے لیے چائے پکانے کی تھی۔

"الف سے ے تک کہانی یہی ہے

راجہ بھی لاجواب تھا صحرائے عشق کا
لیکن دیارِ حسن کی رانی غضب کی تھی

گل میر نے دائیں آنکھ کا کونہ دبا کر شریر لہجے میں کہا۔

"بہت ہی......"

"بس بس اپنی زبان مت ناپاک کرنا۔" حمزہ اسے کچھ کہنے ہی لگا تھا کہ گل میر نے اسے ٹوک دیا۔

"تو یار ذرا ہمت دکھا مسئلہ کیا ہے؟" حمزہ نے پھر پوچھا۔

"ہاں اب کچھ کرنا ہی پڑے گا تجربہ ہوگیا کہ یہ گھی سیدھی انگلی سے نہیں نکلنے والا۔" گل میر نے آخری جملے دل میں کہے تھے۔ اسی وقت ماہ روش چائے کی ٹرے لیے کمرے میں داخل ہوئی گل میر کی نظر اس پر سب سے پہلے پڑی تھی۔ ہاتھوں میں ٹرے پکڑے لحہ بھر وہ رکی' اس کے چہرے پر چھائی بیزاریت اور نفرت انگیز ناگواری پر گل میر کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔

"ماہ گل تمہارا عام سا ہونا ہی تو تمہیں بہت خاص اور منفرد بنادیتا ہے کہ بدگمانی کے باوجود میں تم سے کبھی نفرت نہ کرسکا۔" گل میر نے نظروں کو اس پر جما کر بنا آواز کے اسے مخاطب کیا۔ ماہ روش نے ایک بار بھی اسے نہ دیکھا اور حمزہ نے اس کے اس انداز کو بہت گہری نظر سے دیکھا تھا۔ اب وہ سب کے لیے کپ میں چائے نکال رہی تھی' حمزہ نے کنکھیوں سے گل میر کو دیکھا' جو نظریں ماہ روش پر جمائے مسکرائے جارہا تھا تو وہ سمجھ گیا کہ ماہ روش کی صبیح پیشانی پر ناگواری کی وجہ کیا ہے؟

"تو معاملہ سیٹ نہیں ہوا ابھی تک؟" حمزہ نے گل میر کا دھیان اس کی طرف سے ہٹانے کی سعی کی۔

"اب ہوجائے گا۔" گل میر کی باتیں اب معنی خیز تھیں۔

"اب کوئی حربہ استعمال کرنا پڑے گا کیا؟" حمزہ نے حیران نگاہیں اس پر مرکوز کیں۔

"یہ محبت ہے پیارے اس میں 'گلو بٹ' والے فارمولے نہیں کام آتے۔" گل میر نے ہنس کر کہا' تو حمزہ کا بھی قہقہہ بلند ہوا۔

"بہت ہی......"

"یار تیری زبان میں کیوں کھجلی ہورہی ہے کہہ دے جو کہنا ہے۔" حمزہ لڑکیوں کی وجہ سے اب خاموش رہا تو گل میر نے اسے اکسایا تو سر کھجاتے حمزہ نے اسے گھور کر دیکھا۔

"ہم آج گیم کھیلیں' حمزہ بھائی بھی آگئے ہیں اب تو مزہ آئے گا۔" یسریٰ کو آج پھر گیم کا خیال ستایا۔

"بھائی اس کا گیم کھیل لیتے ہیں کب سے اس کے ارمان مچل رہے ہیں۔" مریم نے ان کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کون سا گیم؟" حمزہ نے دریافت کیا۔

"یار حمزہ بچپن میں جو چھوٹی سی نیلی مچھلی تھی ناں جو نیلے سمندر میں جایا کرتی تھی آج وہ بلیو وہیل بن کر سب کو بہکا رہی ہے اور لوگ پاگل ہوئے جارہے ہیں۔" گل میر نے مزاحیہ انداز میں یسریٰ کی گیم کی ڈیفینیشن بتائی تو تینوں

لڑکیوں نے بھونچکا کر اسے دیکھا۔
"یعنی معصوم سی نیلی مچھلی بڑی ہو کر بلیو وہیل بن گئی ہے۔" حمزہ نے حیرت کا بھرپور مظاہرہ کیا۔
"بالکل ٹھیک سمجھے......" گل میر نے حمزہ کو داد دی۔
"گل بھائی، یہ بلیو وہیل بچپن والی نیلی مچھلی نہیں ہے۔" یسریٰ نے تیوریاں چڑھا کر کہا۔
"تم بلیو وہیل کی اتنی طرف داری کیوں کررہی ہو؟ کہیں ہم سب کو سوسائیڈ ٹاسک تو نہیں دینا؟" گل میر نے غیر سنجیدگی سے نمکو میں سے مونگ پھلی کا دانہ اٹھا کر منہ میں رکھا اور اسے مزید چڑایا اس کے بشاش انداز کو حمزہ نے خاص طور پر نوٹ کیا تھا۔ ماہ روش نے کپ ٹرے میں رکھ کر مریم کو اشارے سے سب کو دینے کو کہا۔
"نہیں گل بھائی میرا گیم تو بہت مزیدار ہے، ہم اتنے خطرناک گیمز نہیں کھیلتے۔" یسریٰ نے ایک چھوٹی ٹیبل گل میر اور حمزہ کے سامنے رکھ کر ان کے لیے کیک، سموسے، چیز پیسٹریز رکھیں اور اسے بتایا۔
"اچھا تو پھر کیا گیم ہے؟" اس نے چٹنی پلیٹ میں نکالی اور چیز پیسٹریز کو ڈپ کر کے منہ میں رکھا۔
"گیم یہ ہے کہ میں آپ کو دو لفظ بتاؤں گی اور کاغذ کے پیس اور ایک پین دوں گی۔ آپ نے ان دونوں الفاظ کو جملوں میں استعمال کرنا ہے، اپنا نام لکھ کر کاغذ فولڈ کر کے باکس میں ڈالنا ہے، سب کی پرچیوں کو مکس اپ کر کے ہم نے دو پرچیوں کو ایک ساتھ کھولنا ہے اور ان پر لکھے جملوں کو ملا کر پھر پڑھنا ہے دیکھتے ہیں کس کے جملے ایک مکمل جملہ بنانے میں کامیاب ہوتے ہیں۔" یسریٰ نے گیم کی تفصیل بتائی۔
"لگ تو انٹرسٹنگ رہا ہے۔" مریم نے سراہا۔ ماہ روش نے بھی اس کی تائید کی۔
"لیکن اس گیم کے لیے تو زیادہ لوگ ہوں تو مزہ آئے گا کم از کم ایک دو اور ہو۔" حمزہ نے گیم کی تعریف کی اور ماہ روش کو دیکھ کر شریر لہجے میں کہا۔
"کیوں ماہی ایک اور کھلاڑی تو ہونا چاہیے ناں؟" ماہ روش نے مسکرا کر حمزہ کو دیکھا۔
"ہاں ناں بالکل صحیح کہہ رہے ہیں۔" ماہ روش اب حمزہ کی طرف متوجہ تھی، جبکہ گل میر خاموش تھا۔
"تمہیں کیوں سانپ سونگھ گیا۔" حمزہ نے گل میر کو دیکھا جو خاموشی سے چائے کی چسکیاں لے رہا تھا۔
"چینی کم ہے۔" اس نے ایک نظر ماہی پر ڈالی اور منہ بسور کر حمزہ کو دیکھ کر کہا۔
"ہاہاہا...... ابھی تک میٹھی چائے پیتے ہو۔" حمزہ ہنسا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔
"گیم مزیدار ہے، اس کے لفظ کون بتائے گا؟ اور بڑی بوا، ممانی جان، ماموں سب کھیل سکتے ہیں جب تک کسی اور کھلاڑی کا انتظام نہیں ہوتا، ویسے یہ گیم بہت وقت مانگتا ہے اور اتنا وقت آج کل کہاں ہے کسی کے پاس۔" گل میر نے گیم کو سراہا بھی اور بیزار بھی ہوا۔
"ہاں یہ بھی صحیح ہے تو سب کو انوالو کرتے ہیں پھر بہت مزیدار گیم ہو جائے گا۔" یسریٰ کے ساتھ باقیوں نے بھی گل میر کے آئیڈیا کو پسند کیا۔
"ہاں تو وقت دیں ناں۔" یسریٰ مزید گویا ہوئی۔
"اور لفظ مریم بتائے گی۔" یسریٰ نے مریم کی طرف دیکھ کر کہا، شاید یہ ان دونوں کی کوئی ملی بھگت تھی۔
"ہاں ہاں...... کیوں نہیں۔" مریم نے فوراً ہامی بھری، ماہ روش نے حمزہ سے کچھ پوچھا، فاصلہ ہونے کی وجہ سے اسے سمجھ نہ آیا تو اگلے پل وہ کرسی سے اٹھ کر ماہ روش کے ساتھ فلور کشن رکھ کر اس پر بیٹھ گیا، جس پر گل میر نے کڑی نگاہوں سے دیکھا اور اگلے ہی لمحے نارمل ہو گیا۔
"چائے سے فارغ ہو کر پھر گیم شروع کرتے ہیں۔" یسریٰ کو دیکھ کر ماہ روش نے کہا کہ بار بار انکار کرنا اسے اب مناسب نہیں لگ رہا تھا۔ اب وہ گل میر کو مکمل نظر انداز کر کے حمزہ کی طرف متوجہ تھی اور وہ بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا۔
ماہ روش اس کے اضطراب سے باخوبی واقف بھی تھی اور لطف بھی لے رہی تھی۔ کتنی دیر تک وہ حمزہ سے باتیں کرتی رہی، گل میر تک اس کی مدھم آواز تو پہنچ رہی تھی لیکن وہ سمجھ نہ پا رہا تھا کہ اس وقت گفتگو کا موضوع کیا ہے۔ ماہ روش نے

کنکھیوں سے اسے دیکھا۔ گل میر اس وقت کسی غیر مرئی نقطے پر نظریں جمائے بیٹھا تھا' چہرے پر جہاں کچھ متزلزل سوچوں کی لکیریں تھیں وہاں ہونٹوں پر ہلکی سی مسکان بھی تھی۔ بال بڑھے ہوئے تھے' عموماً گل میر ہیئر کٹنگ کے معاملے میں بہت پکی تھا' بالوں کی سیٹنگ کے معاملے میں وہ کبھی کمپرومائز نہ کرتا تھا۔

"کبھی تو کسی اور اسٹائل کے بال کٹوالیا کریں' ہر وقت فوجی کٹ بورنگ۔" وہ اس پر کڑی نگاہ سے تنقید کرتی تھی۔

"تمہارے علاوہ سب لڑکیوں کو بہت پسند ہے یہ فوجی کٹ اسٹائل۔" گل میر اسے چھیڑتا تھا۔

"سب لڑکیاں کہیں گی کہ اٹھارویں منزل سے کود جائیں تو کیا کود جائیں گے۔" وہ تیکھی نظروں کے ساتھ غصے سے بولتی۔

"اب ایسا بھی دریا دل نہیں ہوں۔" وہ برا سا منہ بنا کر کہتا۔

"لیکن یہ ہیئر اسٹائل تو نہیں بدلنے والا۔" اس نے صاف انکار کیا تھا۔

"اب ایک لڑکی کے لیے میں اتنی ساری لڑکیوں کا دل تو نہیں توڑ سکتا ناں۔" گل میر نے منہ بسور کر کہا تھا۔

اسی پل احساس ہو رہا تھا کہ فوجی کٹ کے علاوہ بھی کوئی کٹ اس کو سوٹ کر سکتا ہے۔ بڑھی شیو اور بڑھے ہوئے بالوں میں اس پل گل میر بہت ڈیشنگ لگ رہا تھا۔ یک دم ہی گل میر نے نظریں اٹھائیں لیکن اس سے پہلے ماہ روش دوبارہ حمزہ کی طرف متوجہ ہو چکی تھی۔

"کچھ لوگ جل کر بھی ہوتے نہیں ہیں کالے۔" ماہ روش دل میں تلملائی۔

"بھلا اتنا پریشان ہو کر بھی کوئی خوب صورت ہو جاتا ہے۔" وہ جھنجلائی۔

"تم لوگوں کی گیم بہت وقت لے لے گی اس لیے ایسے کرو اس جملے کی خالی جگہیں فل کر کے بتاؤ۔ ساری خالی جگہ پر ایک ہی لفظ آتا ہے۔" مریم اور یسریٰ برتن اٹھا کر ٹرے میں رکھنے کے ساتھ ساتھ گیم کے لیے الفاظ بھی سوچ رہی تھیں اور مدھم آواز میں ڈسکشن بھی کر رہی تھیں۔

گل میر نے ایک کاغذ ان کی طرف بڑھایا اور خود اٹھ کر وہاں سے باہر نکل گیا۔

"......لوگوں کی...... دنیا میں ایک...... کی محبت نے مجھے بھی...... کردیا۔" خالی جگہوں کے ساتھ لکھے گئے جملے والا کاغذ باری باری سب کے پاس پہنچا مریم اور یسریٰ آلتی پالتی مارے بیٹھی اب باقاعدہ سوچنے میں مصروف تھیں۔ ماہ روش کی نظریں ان الفاظ پر جمی تھیں اور حمزہ کی ماہ روش پر۔

"احساس مروت سے ناآشنا لوگ۔

زہر لگتے ہیں جب محبت کی بات کرتے ہیں۔" ماہ روش نے حمزہ کی طرف دیکھا اور کاغذ کا ٹکڑا اس کی طرف بڑھا کر وہاں سے اٹھ کر باہر نکل گئی۔

"ماموں جان' سکندر ماموں۔" گل میر ڈرائنگ روم سے جلدی میں نکلا تھا کیوں کہ اسے کھڑکی سے سکندر نظر آئے تھے عجلت میں مزید تفصیل بیان کیے بنا وہاں سے باہر نکل آیا تھا اور اب ان کو پکارنے لگا سکندر کی ابھی تک گل میر سے کوئی بات نہ ہوئی تھی۔ بہت بار سرسری آمنا سامنا ہوا بھی تو دونوں ہی ایک دوسرے کی طرف ایک نظر سے زیادہ دیکھ نہ پائے۔ گل میر شرمندگی کے باعث ان سے کنی کترا کر گزرتا اور سکندر بیٹی کی محبت میں اس سے متنفر تھے۔ گل میر نے اب ان رنجشوں کو اس سرد جنگ کو ختم کرنا تھا۔ اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ یہ کام اس کے سوا کوئی دوسرا نہیں کر سکتا اس کے بڑوں نے اسے غلطی سدھارنے کا موقع دیا تھا اب تو گل میر یہ بھی سمجھ چکا تھا کہ اس نے بڑوں کے سامنے بول کر نہ صرف غلطی کی ہے بلکہ بہت سے دلوں کو بھی رنج سے دوچار کیا تھا۔ اب وہ سوچتا تو لگتا اس نے واقعی جلد بازی سے کام لیا تھا۔ معاملات کو سمجھے بغیر اپنے آپ کو انوالو کر لیا تھا۔ محبت کو چوٹ پہنچائی تھی۔ اپنوں کا بھرم توڑا تھا۔ بے اعتباری سے بڑی سزا کیا ہو سکتی ہے؟ وہ بے اعتبار ہو چکا تھا' اپنوں کے سامنے اور اپنی محبت کے سامنے وہ اپنی اہمیت اپنی ہی جلد بازی سے ختم کر چکا تھا۔ اب اس نے فیصلہ کیا تھا کہ دھنک آباد کے مکینوں کے دلوں میں اپنی پہلے والی

اہمیت دوبارہ جگائی ہے۔ ماہ روش کو زچ کرنے کے لیے اس نے اس کے سامنے نکاح والی شرط رکھ کر اس کی زندگی سے نکل جانے کا کہا تھا لیکن یہ تو وہ بھی جانتا تھا کہ نکاح کے بعد زندگی سے نکل جانے کی گنجائش کہاں رہتی ہے؟ ماہی نے جس طرح چونک کر اسے دیکھا تھا اس کی آنکھوں کے دہکتے شعلوں سے وہ بخوبی واقف ہو چکا تھا۔ اس کے چہرے کے تغیر و تبدل واضح کر چکے تھے کہ ماہ روش کو گل میر کی یہ شرط کس قدر ناگوار گزری ہے' کس قدر ہتک محسوس کی ہے اس نے۔ وہ انجان نہ تھا لیکن وہ اب کسی حتمی فیصلے پر پہنچ جانا چاہتا تھا' وہ اب زیادہ دن تک دھنک آباد میں رہ نہیں سکتا تھا۔ اسی لیے اس پل سکندر کی جھلک نظر آتے ہی اس نے ہمت دکھائی اور ان کی طرف لپکا۔ اس کی پکار پر سکندر نے ٹھٹک کر پلٹ کر اسے دیکھا۔

"ماموں جان آپ سے بات کرنی تھی۔" اب وہ سر جھکائے کھڑا ان سے مخاطب تھا۔ سکندر نے اچٹتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"ہاں بیٹا آؤ بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔" خلاف توقع سکندر کا لب ولہجہ نہایت شفقت آمیز تھا اور گل میر کو شرمندہ کرنے کے لیے کافی تھا۔

"جی بولو بیٹا کیا بات ہے؟" جن باتوں پر اس وقت انتہائی غصہ آتا ہے جب وہ وقوع پذیر ہوتی ہیں اگر اس وقت صبر اور تحمل سے اپنے غصے پر قابو پالیا جائے تو بہت سے معاملات خود بخود سلجھ بھی جاتے ہیں۔ غصے کا ابال بھی بیٹھ جاتا ہے۔ اس وقت سکندر انتہائی غصے میں تھے' مہر النساء بھی کوئی دوسری بات سننے کو تیار نہ تھی۔ آمنہ بیگم نے سب کو خاموش رہنے کا مشورہ دیا تھا' گل میر کے دل میں جس غلط فہمی نے سر اٹھایا تھا جس کی بدولت اس نے پہلی بار گھر کے بڑوں کے سامنے انکار کیا تھا۔ چند دن میں ہی اسے اپنی غلطی کا ادراک ہو گیا تھا' کچھ باتیں بظاہر بہت معمولی سی ہوتی ہیں لیکن ان کی چبھن سے دل چھلنی ہو جاتا ہے' اس کے انکار کی چبھن نے سکندر' مہر النساء اور ماہ روش کو تکلیف سے دوچار کیا تھا۔ گل میر نے بڑی غلطی یہ کی تھی کہ انکار ڈائریکٹ سکندر' مہر النساء کے سامنے کیا تھا۔ ان کے سامنے ہی وہ ماہ روش سے اپنی محبت کی نفی کر کے اس رشتے سے انکار کر چکا تھا۔ بہر حال جو بھی تھا اب ان ساری غلط فہمیوں کو سدھارنا تھا' انکار کو اقرار میں بدلنا تھا۔

"ماموں جان جو کچھ بھی ہوا وہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔" گل میر اب الفاظ ترتیب دے رہا تھا۔ پہلی بار وہ ان کے سامنے اس انتہائی سنجیدہ معاملے پر روبرو بیٹھنے کی ہمت کر پایا تھا۔

"میری نادانی' کم عقلی کی وجہ سے میں نے اپنے انمول رشتوں کو ناراض کر دیا۔ بہت دل دکھایا ہے سب کا' میں اپنی اس غلطی پر بہت شرمندہ ہوں' بہت پچھتاوا ہے مجھے ماموں جان کہ میں نے آپ کی سرپرستی سے انکار کیا تھا۔" گل میر سر جھکائے بول رہا تھا۔ اس کی ندامت اس کے الفاظ اور لہجے میں مکمل طور پر نمایاں تھی۔ سکندر پُرسوچ نظریں اس پر گاڑے خاموش تھے۔

"پلیز ماموں جان مجھے معاف کر دیں......" جب کچھ دیر تک بھی وہ کچھ نہ بولے تو گل میر نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔ اس وقت ان کی سنجیدگی اس کی ہمت کو پچکولے دینے لگی تھی۔

"میں واقعی شرمندہ ہوں ماموں جان۔" وہ ابھی تک خاموش تھے تو گل میر ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

"بچوں سے غلطیاں ہو جاتی ہیں' ہم نے تو کب کا معاف کر دیا تمہیں۔" سکندر نے ظاہر نہ کیا لیکن اس وقت وہ اندر سے بہت مطمئن اور ہلکا پھلکا محسوس کر رہے تھے۔

"سچ ماموں جان......!" بے یقینی سے دریافت کیا۔

"ہاں سچ لیکن......" یقین دلا کر وہ دانستہ چپ ہوئے۔

"لیکن؟" وہ یک دم بولا۔

"معاف کرنے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ تم اس قابل ہو گئے ہو کہ تم سے جڑے رشتے کو کوئی اور نام بھی دیا جائے۔" سکندر کی بات پر اس کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر رہا تھا۔

"معاف کرنے کے معاملے میں میں بااختیار ہوں' لیکن اس سے زیادہ کسی معاملے کا اختیار میرے پاس نہیں۔" سکندر اس کے ہوائیاں اڑتے چہرے پر نظریں

جمائے نہایت اطمینان سے گویا ہوئے ساتھ سکھ ایک طرف اور دل کا اطمینان ایک طرف سکندر کے دل ودماغ سے ایک بوجھ اتر گیا تھا لیکن پھر بھی وہ اتنی جلدی نرم پڑنے کے حق میں نہ تھے۔

"ماموں جان کیا آپ مجھے ایک موقع نہیں دیں گے میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کو کبھی شکایت کا کوئی موقع نہیں دوں گا۔" گل میر انتہائی لاچار صورت بنائے ان سے مخاطب تھا۔

"بیٹا میں اب موقع دینے کے معاملے میں کوئی اختیار نہیں رکھتا۔"

"آپ ماہ روش اور ممانی جان کو منا تو سکتے ہیں ناں؟" گل میر ان کو قائل کرنے کی کوشش کرنے لگا سکندر خاموش رہے۔

"ماموں جان......"

"دیکھو بیٹا' میری بیٹی جس اذیت سے دوچار ہوئی ہے جو شرمندگی تمہاری وجہ سے اس کے حصے میں آئی تھی کیا اس کا مداوہ اتنی آسانی سے ممکن ہوسکتا ہے؟"

"نن...... نہیں ماموں جان یقیناً نہیں' لیکن کیا مجھے ایک موقع نہیں ملنا چاہیے؟" ایک لمحے گل میر بوکھلایا اور پھر سے معافی کی درخواست کی۔

"بالکل ملنا چاہیے' لیکن میں بتا چکا ہوں کہ موقع دینے کا اختیار میرے پاس نہیں......" سکندر ایک بار پھر وہی بات دہرائی۔

"آپ میرا ساتھ تو دے سکتے ہیں ناں؟" گل میر نے امید طلب نظروں سے انہیں دیکھ کر پوچھا۔

"اس معاملے میں بھی میں بے بس ہوں۔" سکندر مسکراہٹ دبا کر بولے۔

"ماموں جان......" گل میر اب زچ ہوا۔

"میرے لیے میری بیٹی سے بڑھ کر کوئی نہیں۔" سکندر مدھم مسکراہٹ کے ساتھ بولے۔

"میرے لیے بھی اس سے بڑھ کر کوئی نہیں۔" گل میر دل ہی دل میں بولا۔

"اگر ماہ روش تمہیں معاف کرکے اس رشتے کے لیے ہاں کہہ دیتی ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔" سکندر نے اس کے مایوس چہرے کی طرف دیکھ کر کہا۔

"بہت شکریہ ماموں جان۔" یک دم ہی گل میر کا چہرہ کھل اٹھا۔

"یہ محبت تو میں واپس موڑ لوں گا۔ بس آپ کی طرف سے گرین سگنل چاہیے تھا۔" گل میر بنا آواز کے ان سے مخاطب ہوا تھا۔ وہ اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

سکندر نے اطمینان بھرا سانس خارج کیا اور مسکرادیئے۔

❁

"تم نے کیا سوچا پھر؟" اسٹور روم میں ہوتی کھٹر پٹر نے گل میر کے قدم اُدھر موڑ دیے تھے۔ ماہ روش وہاں موجود تھی۔ کتابوں کی الماری سے کتابوں کو نکال کر سائیڈ پر رکھ رہی تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ کچھ ڈھونڈ رہی ہے۔ گل میر چند پل کھڑا اس کو دیکھتا رہا' پھر آگے بڑھ کر اس سے پوچھا' ماہ روش نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا اور بنا کوئی جواب دیے اپنے کام میں مصروف رہی۔

"تم یوں مجھے نظر انداز کرکے کیا ثابت کرنا چاہتی ہو؟" گل میر اس کی جھنجلاہٹ اور اس کے نظر انداز کرنے کو نجانے کیوں انجوائے کرنے لگا۔

"یہی کہ میری نظر میں آپ کی کوئی اہمیت نہیں۔" نفرت انگیز لہجے میں نیم کے پانی میں بھیگے الفاظ اس کو مسحور کر گئے۔

"جھوٹ۔" گل میر پر اس کی قہر آلود نگاہوں کا اثر نہ ہوا تھا۔ ماہ روش نے اب کوئی جواب نہ دیا۔

"کیا ڈھونڈ رہی ہو؟" مسکراتے ہوئے دوستانہ انداز میں پوچھا۔

"میں مدد کروں کیا؟" وہ اس کی موجودگی اور آواز کو مکمل نظر انداز کرکے اپنے کام میں مصروف تھی۔

"ماہ گل۔" وہ مسلسل خاموش تھی۔ اس کی آواز پر کوئی جواب نہ دے رہی تھی اور ایسے نظر انداز ہونا کوئی کہاں برداشت کرسکتا ہے۔ گل میر نے ایک اور حربہ آزمایا۔

ماہ روش کو شک تھا کہ اس نے وہ ڈائری پڑھی ہے لیکن اب یقین ہوگیا تھا اور ڈائری کا وہاں سے غائب ہونا اس

کے شک پر یقین کی مہر ثبت کرگیا کہ گل میر وہ ڈائری وہاں سے چرا چکا ہے۔
"میری ڈائری واپس کریں۔" سپاٹ لہجے میں اس سے کہا۔
"قیمت ادا کرو اور لے لو۔" وہ بھی مان گیا کہ ڈائری اس کے پاس ہے۔ ماہ روش لب بھینچ کر رہ گئی۔
"تمہیں نہیں لگتا تم نے ایک چھوٹی سی بات کو بہت بڑا بنا کر حواسوں پر سوار کرلیا ہے؟"
"واقعی......!" ماہ روش نے استہزائیہ نظروں سے اسے دیکھا۔
"کسی کی محبت پر شک کرنا' اپنی محبت کو اس کا وہم کہنا' بھری محفل میں انکار کردینا' محبت کے فیصلے کو جلد بازی کا نام دے دینا واقعی گل میر مرتضٰی ایک چھوٹی سی بات کو بہت بڑا بنایا گیا تھا۔" وہ تلخی سے بولی۔
"معافی بھی تو مانگ رہا ہوں ناں۔" وہ شرمندہ ہوا۔
"کیا آپ کی معافی میری اذیت کا مداوہ کرسکتی ہے؟" اس نے اسی تلخی سے پوچھا۔
"معافی نہیں لیکن محبت تو اذیت کا مداوہ کرسکتی ہے ناں۔"
"میرا دل اب مجھے اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ میں آپ کی اس لفظی محبت کا دم بھروں۔" ماہ روش مسلسل اس کی محبت سے انکاری تھی۔
"میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتا تھا وہ میری محبت ہی تو تھی کہ میں......"
"واہ واہ...... بہت خوب۔" ماہ روش نے اس کی بات کاٹ کر تالی بجائی اور اسی بے مروت وسپاٹ لہجے میں بولی۔ گل میر نے اسے دیکھا۔ ضبط سے اس کی رنگت سرخ ہورہی تھی۔
"بے اعتبار کردینا اور پھر دعویٰ کرنا کہ محبت کی انتہا تھی۔ کیا یہ واقعی انصاف ہے گل میر مرتضٰی؟" وہ آگ بگولہ ہوتی اس سے استفسار کرنے لگی۔
"میں معافی مانگ رہا ہوں ناں ماہی۔" گل میر اپنی شرمندگی چھپانے کے لیے جھنجلا کر بولا۔
"لیکن میں نے آپ کو معاف نہیں کیا میری ڈائری واپس کریں۔" ماہ روش نے گویا بات ختم کی۔
"پلیز ماہ گل۔" اب کے اس نے اسے محبت کے نام سے پکارا۔
"مجھے اس نام سے مت پکاریں۔" وہ شدید ناگواری سے بولی۔
"ماموں جان نے تو مجھے معاف کردیا ہے۔" اس کی اطلاع پر ماہ روش نے چونک کر اسے دیکھا۔
"انہوں نے کس بات کے لیے معاف کیا؟ اور میری تکلیف کی معافی وہ کیسے دے سکتے ہیں؟" ماہ روش ترش لہجے میں بولی۔
"اف یار حد ہوتی ہے ضد کی بھی۔" گل میر اب صحیح معنوں میں چڑ گیا۔
"میرے ساتھ کی گئی ناانصافی کی معافی آپ کو بابا جان سے مانگنی ہی نہیں چاہیے تھی اور یہ ضد نہیں ہے۔" وہ اب بے نیازی سے بولی اور وہاں سے باہر کی جانب بڑھی۔
"ماہی اب تم بھی ناانصافی کررہی ہو۔" وہ اب نرم لہجے میں اس کو روکنے لگا۔
"معاف کردیا آپ کو' لیکن اب محبت نہیں ہوسکتی میری ڈائری مجھے واپس کردیں۔" ماہ روش مضبوط لہجے میں بولی۔
"ڈائری واپس نہیں کروں گا اور محبت بھی موڑ لوں گا۔" گل میر نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر چیلنج کے سے انداز میں کہا اور اس کو یوں ہی تلملاتے ہوئے چھوڑ کر اس سے پہلے وہاں سے نکل گیا۔ وہ وہیں کھڑی پیچ وتاب کھاتی رہی اور پھر پیر پٹختی وہاں سے نکل گئی۔

......✿......

"آپ کی بھی عجیب منطق ہے ادیبہ بیگم۔ اب یہاں تک آ گئی ہیں تو اندر جانے میں کیسی جھجک؟" مرتضٰی اور ادیبہ دھنک آباد پہنچ چکے تھے لیکن ادیبہ اب اندر جانے میں جھجک رہی تھیں۔ جس پر مرتضٰی نے خوشگوار موڈ میں ان سے استفسار کیا۔ ادیبہ نے خشمگیں نگاہوں سے انہیں دیکھا اتنے عرصے بعد سکندر کا سامنا کرنے کے لیے یقیناً ان کو

ہمت درکار تھی بے شک رنجشوں کا سلسلہ سنگین نہ تھا لیکن پھر بھی ایک نازک معاملہ تھا جس کی غلطی بھی ان کے اپنے بیٹے کے حصے میں آئی تھی۔ معاملہ کچھ حد تک رفع دفع ہونے کے باوجود رشتوں میں ایک کھچاؤ موجود تھا اور ادیبہ کی ہچکچاہٹ کی وجہ ہی سکندر کی خاموشی تھی۔

"کم از کم کسی کو اطلاع ہی دے دیتے۔ گل میر کو تو پتہ ہونا چاہیے تھا کہ ہم آرہے ہیں نہ ہی بڑی بوا کو بتانے دیا۔ اب ایسے خود ہی منہ اٹھا کر چل پڑنا عجیب تو لگے گا ہی ناں۔" ادیبہ نے دھنک آباد کا گیٹ عبور کیا اور ساتھ چلتے مرتضیٰ سے منہ بسور کر شکوہ کیا۔

"السلام علیکم مما! کیسے ہیں بابا؟" ابھی وہ راہداری سے گزر ہی رہے تھے کہ گل میر نے سامنے آ کر انہیں حیران کیا ادیبہ نے مرتضیٰ کو دیکھا انہوں نے کندھے اچکا کر لاعلمی کا اظہار کیا اب ادیبہ گل میر کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"کیسے ہو تم؟ حالت دیکھو ذرا اپنی اتنے ویک ہوگئے ہو" اس کی خیریت دریافت کرتے ہوئے ادیبہ نے فکرمندی سے کہا۔

"مما میرا ویٹ بڑھ گیا تھا اس لیے آج کل ذرا ڈائٹ پر ہوں۔" گل میر نے مرتضیٰ کو دیکھ کر شریر لہجے میں کہا۔

"تم اب پردے نہ ڈالو....." ادیبہ نے اسے ڈانٹا تو دونوں باپ بیٹا ہنس دیئے۔

"ویسے بابا کیسے زندگی گزار لی؟" گل میر نے مرتضیٰ کی طرف ذرا سا جھک کر رازدارانہ انداز میں پوچھا۔

"بس یار نہ پوچھو تم بس اپنی خیر مناؤ" مرتضیٰ نے آنکھ کا کونا دبا کر کہا تو وہ کھل کھل ہو گیا۔

"دیکھا میں نے کہا تھا آپ دونوں باپ بیٹے نے پہلے سے کوئی کھچڑی پکا رکھی ہے ورنہ ایسی بے تکلفی تو ناراضی میں نہیں ہوتی۔" وہیں کھڑے ہو کر ادیبہ نے دونوں کو گھورا تو مرتضیٰ ہلکا سا قہقہہ لگا کر ہنس دیئے۔

"کتنے دنوں بعد بیٹا ملا ہے تو کیا دیکھتے ہی مارنا شروع کر دیتا" مرتضیٰ نے حیرت سے ادیبہ کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"اونہہ ڈرامے باز۔" ادیبہ نے منہ بنا کر کہا اور اندر کی جانب بڑھ گئی۔

"کیسے حالات ہیں؟" ادیبہ کے اندر بڑھتے ہی دونوں نے بھی قدم بڑھائے مرتضیٰ نے گل میر سے دریافت کیا۔

"ماموں جان سے بات ہوئی تھی۔ وہ نارمل ہیں میں نے معافی مانگی تھی مہرالنساء ممانی سے ابھی تک کوئی بات نہیں ہوئی لیکن ان کا رویہ نرم ہے۔" ان کے ساتھ چلتے گل میر انہیں بتا رہا تھا۔

اس کا مطلب ہے ہمارا پلان کامیاب رہا ہے تم دھنک آباد آ جاؤ اس وقت اگر بات ہوتی تو یقیناً بات مزید بگڑتی وقت گزر گیا تو جذبات میں بھی ٹھہراؤ آ گیا..... سکندر بھی اس بات کو سمجھتا ہے۔" ادیبہ کا قیاس درست تھا کہ دونوں باپ بیٹے نے مل کر ہی کھچڑی پکائی تھی۔

"اور ماہ روش؟" مرتضیٰ نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"مزاج ملتے ہیں نہ پارہ نیچے آ رہا ہے۔" گل میر ہنسا۔

"لیکن میں بھی آپ کا بیٹا ہوں۔" گل میر نے کالر جھاڑا مرتضیٰ نے اس کی پیٹھ تھپتھپائی۔

"خواب وہی دکھاؤ جن کو پورا کرنے کی اپنے آپ میں سکت محسوس کرو مجھے تم پر واقعی غصہ تھا تم نے زیادتی کی ہے۔ تمہارا ساتھ اس لیے دے رہا ہوں کہ تمہیں پچھتاوا تھا۔" مرتضیٰ نے کہا۔

"محبت کو منا لینا اب ایک چیلنج ہے میرے لیے۔" مرتضیٰ کے قدم اندر بڑھے تو گل میر نے خود کلامی کی اور ان کے پیچھے وہ بھی آگے بڑھ گیا۔

......✿......

"کون سا لفظ ہو سکتا ہے؟" مریم اور یسریٰ ابھی تک بیٹھی گل میر کی دی گئی خالی جگہیں پُر کرنے کی کوشش کر رہی تھیں لیکن کوئی بھی ایسا لفظ نہ مل رہا تھا جو اس جملے میں فٹ ہوتا۔

"ماہی بتاؤ ناں تم ہی کچھ۔" مریم نے جھنجلا کر ماہ روش سے مدد مانگی جو خاموش بیٹھی تھی۔ اس کے ذہن میں مسلسل گل میر کی باتیں بازگشت کر رہی تھیں۔

"ماہی۔" وہ کچھ نہ بولی تو یسریٰ نے چیخ کر اسے آواز دی۔

"مجھے نہیں معلوم۔" وہ تیوریاں چڑھا کر بولی تو ان

دونوں نے بیک وقت قہر آلود نظروں سے اسے گھورا۔
"حمزہ بھائی؟" انہوں نے مدد طلب نظروں سے حمزہ کو دیکھا وہ بھی اسی لفظ کو سوچ رہا تھا۔
"گل بھائی بھی عجیب انسان ہیں اب بھلا ہمیں کیا پتہ وہ ایک لفظ کون سا ہے جو ساری خالی جگہوں پر آتا ہے۔" یسریٰ منہ بسور کر بولی۔
"شوق بھی تو تمہیں تھا ناں گیم کھیلنے کا اب بھگتو۔" مریم نے دانت پیس کر کہا۔
"ہاں تو میں اپنی گیم کھیلتی ناں۔" یسریٰ نے احتجاج کیا۔
"اس کو بھی اپنی ہی سمجھ کر کھیلو۔" مریم نے مذاق اڑایا۔
"کس کام میں لگا دیا عوام کو یار۔" گل میر کمرے میں داخل ہوا تو حمزہ نے اسے لتاڑا۔
"ہاہاہا...... کیوں؟" گل میر نے ہنس کر پوچھا۔
"تو صحیح سیاست دان بنے گا عوام کو بلیو وہیل قسم کے ٹاسک دے کر خود سیر سپاٹے پر نکل جانا۔" حمزہ نے اس کی چالاکی پر کڑا طنز کیا۔
"ہاہاہا......

کی محبت تو سیاست کا چلن چھوڑ دیا
ہم اگر عشق نہ کرتے تو حکومت کرتے"

گل میر نے کن انکھیوں سے پیچ و تاب کھاتی ماہ روش کو دیکھا اور پھر حمزہ کو دیکھ کر آنکھ کا کونہ دبایا۔
"ماہ روش یار تم بھی تو سوچو کچھ۔" مریم نے سنجیدگی کا لبادہ اوڑھے لاتعلق بنی بیٹھی ماہ روش سے کہا۔ ماہ روش نے ان دونوں کو پریشان دیکھا تو اٹھ کر ان کے پاس آ بیٹھی اور یسریٰ کے ہاتھ سے وہ کاغذ کا ٹکڑا لے لیا۔ یک دم ہی اس کی نظروں کے سامنے ایک صفحہ پھڑ پھڑانے لگا اس نے قہر آلود نگاہوں سے گل میر کو دیکھا جو اب اس پر نظریں گاڑے دھیمی مسکراہٹ چہرے پر سجائے بیٹھا تھا۔ اس نے مریم کے ہاتھ سے پین لیا اور خالی جگہیں پُر کرنے لگی۔
"پاگل لوگوں کی پاگل دنیا میں اک پاگل کی پاگل محبت نے مجھے بھی پاگل کردیا......" اس نے خالی جگہوں پر ایک ہی لفظ لکھا اور پیپر ان کی طرف بڑھایا۔
"پاگل واؤ یاہو۔" یسریٰ نے جملہ پڑھا اور خوشی سے نعرہ لگایا تو گل میر بھی ہنس دیا۔
"کمال ہے یار......" حمزہ نے اسے داد دی تو اس کے کالر جھاڑ کر شیخی بگھارنے پر ماہ روش دانت کچکچا کر رہ گئی۔
"لڑکیوں تم لوگوں کو کچھ ہوش ہے کہ نہیں؟" مہر النساء نے اندر قدم رکھا اور ان تینوں کو دیکھ کر کہنے لگیں۔
"کیوں کیا ہوا؟" مریم نے مہر النساء کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔
"تمہاری پھوپو آئی ہیں کیا گل میر نے نہیں بتایا؟" مہر النساء نے گل میر کی طرف دیکھ کر کہا۔
"اوسوری ممانی جان میں آیا تو باتوں میں لگا لیا سب نے اور مجھے یاد ہی نہیں رہا۔" گل میر نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔ ماہ روش کا ادیبہ کی آمد کے متعلق سن کر منہ کا زاویہ مزید بگڑا تھا۔ مریم اور یسریٰ تو فوراً اٹھ کر باہر کی جانب بڑھ گئی تھیں۔
حمزہ نے بھی ان کی آمد پر باہر کی طرف قدم بڑھایا تھا جبکہ گل میر نے ابھی تک کوئی حرکت نہ کی تھی۔ موبائل نکال کر وہ محض اپنے آپ کو لاتعلق ظاہر کررہا تھا۔ مہر النساء ماہ روش کے پاس کھڑی اس کو کچھ کہہ رہی تھیں گل میر تک ان کی آوازیں تو نہ پہنچ رہی تھیں لیکن ماہ روش کے تیور واضح کررہے تھے کہ وہ اس وقت اسے ادیبہ اور مرتضیٰ سے خوش اخلاقی سے پیش آنے کا ہی کہہ رہی تھیں۔ مہر النساء باہر کی جانب بڑھی تو گل میر بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر باہر کی طرف بڑھا مہر النساء اس سے پہلے باہر نکل گئیں۔ دروازے تک پہنچ کر گل میر نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ دونوں ہاتھوں کو گود میں رکھے ہتھیلیوں کو دیکھ رہی تھی۔
"تو تم نے کیا سوچا؟" گل میر نے وہیں کھڑے ہو کر اس سے پوچھا۔
"جو میں نے سوچا ہے وہ میں بتا چکی ہوں۔ بار بار پوچھنے سے یا الٹے سیدھے ہتھکنڈے آزما کر آپ میرا فیصلہ نہیں بدل سکتے۔" ماہ روش تو جیسے تپی بیٹھی تھی۔ ترش لہجے میں بولی تو گل میر نے سرد آہ بھری۔
"ایک بار معاف کرکے دیکھو ساری تلخیاں دور

ہوجائیں گی۔ محبت میں ایک غلطی کی تو گنجائش ہوتی ہے ناں۔" گل میر نے نرم لہجے میں کہا۔ ماہ روش نے بنا کوئی مزید جواب دیے خاموشی اختیار کرلی تھی۔

"آپ نے میرے الفاظ کیوں چرائے؟" وہ چند پل رکا لیکن جب وہ کچھ نہ بولی تو وہ پلٹا ایک قدم ہی اٹھایا تھا کہ اس کی آواز نے اس کے قدم موڑ دیے۔

"کون سے الفاظ؟" وہ حیران ہوا۔

"وہی الفاظ جن کو آپ نے گیم بنا کر پیش کیا۔" وہ تنک مزاجی سے بولی تو وہ ہنس دیا۔

"تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ وہ الفاظ تمہارے ہیں؟" گل میر دونوں بازو سینے پر باندھے اب دلچسپی سے اس کو دیکھنے لگا۔

"پاگل لوگوں کی پاگل دنیا میں اک پاگل کی پاگل محبت۔ یہ سارے الفاظ ڈائری میں لکھے ہیں میری ڈائری مجھے واپس کریں۔" اس پل وہ ایک چھوٹی سی ضدی بچی لگ رہی تھی جو اپنی گڑیا واپس لینے کے لیے منہ بسور کر بول رہی ہو۔

"تو تم مان گئی کہ تم ماہ گل ہو؟" گل میر نے مدھم آواز میں اس سے پوچھا' لہجے میں ایک فسوں خیز شوخی تھی۔ اور آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔

"دھوکا دیا ہے آپ نے مجھے اب کبھی آپ سے محبت نہیں ہوگی۔" اتنا کہہ کر وہ بھاگتی ہوئی وہاں سے باہر نکل گئی تھی اور گل میر ہکا بکا رہ گیا تھا۔ گل میر اب مسکرانے لگا تھا کیونکہ یک لخت ہی اس پر اس کا کمزور لہجہ عیاں ہوگیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ مان جائے گی وہ اب سرشار تھا۔

❁

"سکندر بھائی معاف کردیں یقین مانیں یہ انکار محض ایک غلط فہمی کی بنا پر ہوا تھا ہم دل و جان سے ماہ روش کو بہو بنانا چاہتے ہیں۔" ادیبہ' سکندر کے سامنے براجمان تھی اور گزشتہ تمام تلخیوں کی معافی مانگ رہی تھی۔ اس وقت سب ہی وہاں موجود تھے آمنہ بیگم نے مسکرا کر دیکھا۔

"کوئی بات نہیں بیٹا' بعض اوقات رشتوں میں غلط فہمیاں آجاتی ہیں' معافی مانگ لینا اور معاف کردینے میں ہی بڑائی ہے۔" اس سے پہلے کہ سکندر یا مہر النساء میں سے کوئی کچھ کہتا آمنہ بیگم نے ساری بات ہی سمیٹ لی۔ سکندر نے ان کی بات کی لاج رکھی اور ادیبہ کی بات پر یقین کرلیا۔

"تو اب؟" مرتضیٰ نے گل میر کی جانب دیکھا' مریم اور یسریٰ کے بھی کان ان کی طرف ہی لگے ہوئے تھے۔

"اگر تم دونوں فیملیز کو کوئی اعتراض نہ ہو تو یہ سلسلہ وہی سے شروع کریں جہاں سے ٹوٹا تھا۔" آمنہ بیگم نے سب کو باری باری دیکھ کر پوچھا۔

"ہمیں تو کوئی اعتراض نہیں ہے بڑی بوا ہم تو یہاں آئے ہی اسی مقصد سے ہیں کہ دانیال سے بھی ملاقات ہوگی حمزہ کی منگنی کی مٹھائی بھی کھالیں گے۔" مرتضیٰ نے بشاش لہجے میں کہا تو مہر النساء نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"سکندر تم بتاؤ تمہاری کیا مرضی ہے؟" آمنہ نے اب سکندر کی طرف دیکھا جو اب مہر النساء کی طرف دیکھ رہا تھا۔ باہر کھڑی ماہ روش اپنی زندگی کے فیصلے پر مٹھیاں بھینچے سب سن رہی تھی۔

"بڑی بوا مجھے تو کوئی اعتراض نہیں لیکن......" سکندر نے مدھم آواز میں مہر النساء کی طرف دیکھ کر کہا' جبکہ ان کی بات نے باہر کھڑی ماہ روش کو شاکڈ کردیا۔

"لیکن...... لیکن کیا...... مہر النساء تم بتاؤ تمہیں کوئی اعتراض ہے؟" آمنہ بیگم نے سکندر کی بات سن کر مہر النساء سے پوچھا۔ ماہ روش کو یقین تھا کہ مہر النساء ماہ روش کی مرضی کو اہمیت دیں گے۔

"بڑی بوا......" وہ لمحہ بھر کو رکیں۔

"اعتراض تو نہیں ہے کہ بہت پہلے ہم سب کی بھی یہی خواہش تھی لیکن......"

"ارے جب اعتراض نہیں خواہش بھی یہی تھی تو لیکن کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ناں۔" آمنہ بیگم نے مسکرا کر اطمینان سے کہا' گل میر کے دل میں ہزار واٹ کے بلب روشن ہونے لگے تھے۔ مریم اور یسریٰ نے بھی یاہو کا نعرہ لگایا تھا۔ حمزہ بھی مسکرالیا جبکہ ماہ روش پیر پٹختی وہاں سے پلٹ گئی تھی۔

"مبارک ہو بھئی سب کو بہت مبارک ہو۔" آمنہ بیگم

نے باآواز بلند کہا۔ سکندر اور مہرالنساء نے ایک دوسرے سے نظریں چرائی تھیں۔

"اب کیا لینے آئی ہیں یہاں؟" مہرالنساء سب کو ہنستا مسکراتا چھوڑ کر ماہ روش کے پاس آئیں، کمرے میں قدم رکھتے ہی ماہ روش کی نظران پر پڑی تو انتہائی تلخی سے پوچھا۔

"دیکھو ماہی مصلحت سے بھی کام لینا پڑتا ہے۔" مہرالنساء نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہاں لیکن مصلحت میں کبھی زندگی داؤ پر نہیں لگائی جاتی۔"

"اللہ نہ کرے کہ کبھی تمہاری زندگی داؤ پر لگے ادیبہ اور مرتضیٰ بھائی نے بہت مان، محبت سے بات کی ہے، معافی مانگ کر ہی دوبارہ رشتہ جوڑنے کی بات کی انہوں نے۔" مہرالنساء اس کو ڈانٹتے ہوئے حقیقت بتانے لگی تھیں، ماہ روش مسلسل منہ بسورے بیٹھی تھی۔

"انہوں نے کیسے انکار کردیا تھا اب کیسے اعتبار آ گیا میرا؟" ماہ روش پھر گلے کرنے لگی۔

"جب غلط فہمی دور ہوجاتی ہے تو اعتبار آ جاتا ہے۔" مہرالنساء نے اس کے بکھرے بالوں کو سلجھا کر ملائمت اور ممتا بھرے لہجے میں کہا۔

"اور میرا اعتبار...... مما کیا وہ ضروری نہیں؟" اس نے بھیگی پلکوں کو جھپک کر پوچھا۔

"کسی بات نہیں ہے ماہ روش، گل میر نے خود تمہارے بابا سے بات کی ہے، معافی مانگی اور کئی بار اس نے کوشش کی ہے تمہارے سامنے کتنے عرصے سے دھنک آباد میں رہ رہا ہے، کیا اس نے تم سے معافی نہیں مانگی؟" مہرالنساء اس کو قائل کرنے کی کوشش کرنے لگیں۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"بیٹا جب کسی کو اپنی غلطی کا احساس ہوجائے اور وہ معافی بھی مانگ لے تو ہمیں بھی اپنا ظرف بڑا کرنا چاہیے ناں؟" مہرالنساء اس کے بال سہلاتے ہوئے بہت پیار و لاڈ سے اسے سمجھا رہی تھیں۔

"مما اگر دوبارہ کبھی ایسے بے اعتبار کیا تو؟" اس نے ان کی گود میں سر رکھ کر نیم دراز ہوتے ہوئے پوچھا۔

"بیٹا آنے والے وقت کی گواہی تو کوئی نہیں دے سکتا نہ ہی کوئی وثوق سے کہہ سکتا ہے کہ مستقبل میں ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ آج کے بل بوتے پر ہی ہمیں مستقبل پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے۔" مہرالنساء مدھم مسکان کے ساتھ اس کو دیکھ کر اس کے منفی خیالات کو دور کرنے کی سعی کررہی تھیں۔

"تم جاؤ مہرالنساء مجھے ماہی سے بات کرنی ہے۔" آمنہ بیگم کی آمد پر مہرالنساء چونکیں۔ ماہ روش نے سر اٹھا کر دیکھا اور پھر نظریں جھکالیں۔

"نام جوڑ رکھے ہیں، لیکن محبت سے انکار؟" مہرالنساء کے جاتے ہی آمنہ بیگم اس کے پاس آ کر بیٹھیں اس کی طرف دیکھ کر کہا تو وہ چونکی۔

"جہاں محبت میں کسی غلط فہمی کی گنجائش نہیں ہوتی وہاں دوغلے پن کی بھی نہیں ہوتی اور ماہ روش سکندر تم دوغلے پن کا مظاہرہ کررہی ہو۔" آمنہ بیگم نے خشمگین نظروں سے اسے دیکھا۔

"بڑی بوا......!" وہ حیران ہوئی۔

"تم جانتی ہو وہ کتنا پریشان ہے، کتنا نادم ہے اور تم......"

"آپ سب کو ان کا نادم ہونا، پریشان ہونا تو نظر آرہا ہے اور جو تکلیف اور بے اعتباری میرے حصے میں آئی وہ کیوں نہیں نظر آرہی؟" ماہ روش نے بھرائی آواز میں پوچھا۔

"تمہاری ضد اس تکلیف پر حاوی ہوچکی ہے جو بے اعتباری کے باعث تمہیں ملی تھی۔" آمنہ بیگم مضبوط لہجے میں بولیں۔

"بڑی بوا یہ زیادتی ہے۔"

"اور جو تم کررہی ہو وہ کیا ہے؟" آمنہ بیگم کا دوبدو جواب اس کو خاموش کرگیا۔

"وہ بہت محبت کرتا ہے تم سے ماہ گل۔" آمنہ نے اسے ان کے بہت پرسنل نام سے پکارا تو وہ دنگ رہ گئی۔

"یہ نام آپ کو کس نے بتایا؟"

"تم نے۔"

"میں نے......!"

"غصے میں جب ہوش کھودو تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ تم نے مریم اور یسریٰ کے سامنے گل میر سے تلخ کلامی کے دوران

بینام لیا تھا۔" آمنہ بیگم نے کہا تو اسے بھی یاد آنے لگا۔
"دیکھو غلط فہمی ہو جاتی ہے۔ تم یہ سوچ رہی تھی گل میر نے بتایا ہوگا۔" آمنہ نے کہا تو وہ خجل ہو کر رہ گئی۔
"آپ یہاں صرف گل میر کی وکیل بن کر آئی ہیں کیا؟" ماہ روش کی دلی حالت نہایت عجیب دوراہے پر تھی۔ ساری دلیلیں گل میر کے حق میں ثابت ہو رہی تھیں۔
"نہیں میں وکیل بن کر نہیں آئی ہوں بیٹا تم بھی مجھے اتنی ہی عزیز ہو جتنا وہ ہے اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تم دونوں ہی ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے ہو۔ گل میر کی ندامت اس کا نادانستہ غلط فہمی کا پچھتاوا یہ ثابت بھی کر چکا ہے کہ اس کے دل میں تم بہت اعلیٰ مقام پر ہو تمہیں نہیں لگتا بیٹا کہ تمہاری ضد اب بے جا طوالت کا شکار ہو کر محبت کا گلہ گھونٹ رہی ہے؟" آمنہ نے گہری نظر سے اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر پوچھا اب وہ مسلسل خاموش تھی۔
"گل میر تمہاری رضا مندی کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرے گا تم اچھی طرح سوچ لو۔ اگر تمہارا دل ابھی بھی گل میر کے خلاف گواہی دے رہا ہے تو باخدا میں تمہارے ساتھ ہوں تم پر کوئی زبردستی نہیں ہے۔" آمنہ بیگم اس کے پاس سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔ لیکن مسلسل خاموشی نے ڈیرے جمائے رکھے آمنہ بیگم کمرے سے نکل گئی اور ماہ روش تنہا بیٹھی رہ گئی۔

❁ .... ❁ .... ❁

"کیا واقعی ایک چھوٹی سی بات کو میں بڑھا چڑھا کر محسوس کر رہی ہوں؟" اس کی نظر آئینے میں جھانکتے اپنے عکس پر پڑی۔ اگلے پل وہ اٹھ کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی ہوئی اور اپنے آپ سے سوال کرنے لگی۔
"تکلیف کا احساس تو اسے ہی ہوتا ہے۔ جس پر بیت رہی ہوتی ہے باقیوں کے لیے تو تماشا ہی ہوتا ہے ناں۔" اسٹول پر بیٹھی دونوں کہنیاں ٹیبل پر ٹکائے ہاتھوں سے سر تھامے ہوئے تھی۔
گل میر کے یوں برملا انکار پر محبت کو اس کا وہم کہہ دینا اگر وہ اکیلے میں اس سے کہتا تو وہ سنبھال لیتی اپنے دل کو اور اپنی محبت کو بھی سمجھا لیتی لیکن جب یہ بات سب کے سامنے کی گئی تو ماہ روش کے دل میں ایک گرہ سی پڑ گئی یہ نہیں تھا کہ وہ بہت کمزور تھی ہاں محبت کے معاملے میں بہت خود غرض تھی اور بہت دوٹوک بھی۔ گل میر کی پرسنالٹی اس کی باتیں خیال رکھنا ہر ایک معاملے میں اس کا مکمل ہونا ماہ روش کے لیے فخر کا باعث تھا۔ ماہ روش خود بھی نہ جانتی تھی کہ اس میں برداشت کی اس قدر کمی ہے کہ وہ کوئی بات برداشت ہی نہ کر پائے گی حالانکہ اس معاملے میں پہلے اور اس کے علاوہ ماہ روش نے کبھی ضد نہ کی تھی اگر کی بھی تھی تو اس کی مدت اتنی طویل نہ تھی۔
"کیا مجھے واقعی گل میر سے محبت تھی؟ یا یہ محض ایک وقتی تلاطم تھا فقط دل کی ایک شرارت تھی؟" ماہ روش الجھ رہی تھی۔
"محبت کی ایک غلطی تو معاف کر دی جاتی ہے ناں پھر میں ماہ روش سکندر کیوں ایسی پتھر دل ہوگئی؟ کیوں میں گل میر کا محبت سے مکر جانا بھول نہیں پا رہی؟" ماہ روش نے دائیں ہاتھ کی تین انگلیوں سے اپنی پیشانی کو رگڑا۔ آج ایک بار پھر وہی منظر تھا ماہ روش مسلسل خاموش تھی۔
"میں گل میر کو معاف کیوں نہیں کر پا رہی ہوں؟ میں تو محبت کی ایسی انتہاؤں پر تھی کہ اپنے آپ کو اس میں ڈھال لیا تھا۔ ماہ گل بن گئی تھی۔ گل میر کی ماہ گل محبت کی دنیا پر میری حکمرانی تھی پھر یہ سب کیا ہے؟ ماہ روش کیوں ہے؟" وہ اپنے آپ سے اپنے ہی دل سے الجھ رہی تھی۔
"اب مجھے کیا کرنا ہے میں نہیں جانتی۔" وہ غیر مرئی نقطے پر نگاہیں جمائے بیٹھی تھی۔
ٹھک ٹھک دروازے کی دستک نے ماہ روش کی محویت توڑی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو دروازے کے بیچوں بیچ گل میر کھڑا اندر آنے کی اجازت طلب کر رہا تھا۔ بنا کوئی جواب دیے وہ رخ موڑ گئی۔
"تم سے بات کرنی ہے ماہی۔" گل میر سنجیدگی سے کہتا آگے بڑھا ماہ روش اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ اس کے چہرے کی سنجیدگی اور رنجیدہ تاثرات سے وہ نظریں چرانے لگی تھی۔
"سکندر ماموں اور ممانی جان سے اجازت لے کر تم

سے بات کرنے آیا ہوں۔" گل میر نے بات شروع کرنے کے لیے تمہید باندھی اور وضاحت دی۔

"کچھ غلطیاں اتنی بڑی نہیں ہوتی جتنی طویل ان کی سزا ہوتی ہے غلطی کتنی سنگین ہے اس کا اندازہ غلطی کرنے والے کو شاید نہیں ہوتا لیکن جس کے ساتھ زیادتی ہوتی ہے وہ بخوبی واقف ہوتا ہے۔" گل میر مدھم آواز میں بولا۔

"مجھے بھی اندازہ نہیں تھا کہ میرا محبت سے انکار اتنی سنگین غلطی ہے کہ اس کی معافی ہی نہیں۔" گل میر اس کی طرف دیکھ نہیں رہا تھا ماہ روش بھی نظریں جھکائے کھڑی تھی۔

"ہمارے درمیان کوئی عہد و پیماں نہ بندھے تھے لیکن محبت کی ایک ڈور تھی تم کب میرے لیے خاص ہو گئی میں نہیں جانتا' تمہارے انداز سے میں کبھی کچھ اخذ نہ کر سکا ایک پل لگتا تھا تمہیں بھی میرا ساتھ چاہیے اور پھر اپنی ہی سوچ کی نفی کر دیتا تھا' مجھے ایسا لگتا تھا کہ میں جانتا تھا سب کچھ' تمہاری محبت' پر وا سب کچھ تمہاری آنکھوں میں پڑھ سکتا تھا لیکن شاید محبت بہت وہمی ہوتی ہے' جہاں محبت سچائی اور دیانت داری کا حساب مانگتی ہے وہاں اقرار بھی مانگتی ہے' ہماری محبت میں سچائی بھی تھی' دیانت داری بھی' نہ تھا تو اقرار...... میں نے محبت کے اس پہلو کو وقت نہیں دیا تمہیں اقرار کا موقع نہیں دیا اور محبت کو بے اعتباری کی بھینٹ چڑھا دیا۔" گل میر نے اب اس کی طرف دیکھا' تاحال وہ نگاہیں جھکائے ہوئے اور خاموش کھڑی تھی۔

"بے شک ماموں جان نے میری غلطی کو معاف کر دیا لیکن میرے لیے تمہارا اطمینان ضروری ہے' آج میں یہ بھی نہیں جانتا کہ تمہارے دل میں وہ محبت ابھی تک زندہ ہے یا نہیں میں مانتا ہوں میں نے غلط کیا...... تم مجھ سے شیئر کرو' بات کرو مجھ سے۔" گل میر کے لیے تکلیف دہ بات یہی تھی کہ ماہ روش جس نے اس کی محبت میں ڈائریاں لکھی تھیں آج اس سے ایک لفظ بھی نہ کہہ رہی تھی۔

"فقط غصہ اور نفرت کیا محبت کی شدت ہے؟" گل میر نے سوال کیا تو ماہ روش نے یک دم سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ آنکھوں میں الجھن تھی اور شاید ایک اجنبیت بھی۔

"تم ایسی تو نہ تھی اتنی خاموش اور اجنبی۔" گل میر کو یک دم شکست کا احساس ہونے لگا تھا۔ اس نے لب بھینچ کر اب اپنے آپ کو مزید کچھ کہنے سے باز رکھا۔ اب وہ اس کے بولنے کے منتظر تھا۔

"میں نہیں جانتی کہ یہ سب کیوں ہے؟" ماہ روش نے بالآخر اتنے عرصے میں پہلی بار گل میر سے مدھم لہجے میں بات شروع کی تھی۔

"میں خود سمجھ نہیں پا رہی' میں یہ بھی نہیں جان پا رہی کہ مجھے اب آپ کا ساتھ چاہیے کہ نہیں' میرا دل مجھے کوئی جواب نہیں دے رہا' نہ آپ کی موجودگی سے خوش ہو رہا ہے نہ آپ کی غیر حاضری پر بے چین ہوتا ہے اور میں نہیں جانتی کہ ایسے کیوں ہے؟ یہ الجھن کیوں ہے' میں واقعی بے خبر ہوں نجانے کیوں وہ لمحہ' آپ کے الفاظ میرے دل میں گھپ کر رہ گئے ہیں۔ میں اس کانٹے کو دل سے نکال نہیں پا رہی۔" ماہ روش انگلیاں مروڑتی اس کے سامنے کھڑی بول رہی تھی۔ اور یہ گل میر ہی جانتا تھا کہ کس ضبط سے وہ اس کی یہ باتیں سن رہا تھا۔ محبت کا اقرار کبھی نہ ہوا تھا لیکن آج جو اقرار ہو رہے تھے گل میر کی دل کی دنیا میں بھونچال لانے کے لیے کافی تھا۔ وہ کہہ رہی تھی کہ اس کے لیے گل میر کا ہونا نہ ہونا کوئی معنی ہی نہیں رکھتا اور وہ تو یہ سمجھ رہا تھا کہ وہ آج بھی اس سے ویسی ہی محبت کرتی ہے' لیکن نفرت کا خول چڑھا رکھا ہے وہ ہونقوں کی طرح اسے دیکھ رہا تھا۔ امید کر رہا تھا کہ ابھی وہ زور سے ہنس کر کہہ دے گی۔

"ڈرا دیا ناں......" لیکن ایسا ہونا اب ممکن نہ رہا تھا اس نے نظر اٹھا کر گل میر کے دھواں دھواں چہرے کی طرف دیکھا۔

"مجھ میں بہت برداشت ہے' لیکن آپ کا انکار نہیں برداشت کر سکی اور نہیں ہی بھول سکی' بڑی بوا کہتی ہیں یہ بہت چھوٹی سی بات ہے زندگی میں تو بہت کچھ ایسا ہوتا ہے جو برداشت کرنا پڑتا ہے' مجھے معلوم ہے' شاید میں نے اس انکار کو انا کا مسئلہ بنا رکھا ہے زندگی میں سب کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے ہر چھوٹی بڑی باتوں کو میں بھی سب برداشت کر لیتی لیکن وہ انسان جو آپ کے لیے سب سے قیمتی ہو

اس کا محبت سے مکر جانا کیسے برداشت کروں؟" وہ تذبذب کا شکار ہو رہی تھی اور گل میر کے آس پاس جیسے دھماکے ہو رہے تھے۔ "میں جانتی ہوں بابا' ماما' بڑی بوا' پھوپھو انکل سب ایک فیصلہ کر چکے ہیں' لیکن مجھے وقت چاہیے میرا دل سمجھ جائے گا' میں سنبھل جاؤں گی آپ کے حوالے سے اپنے خوابوں کو زندہ کرنے کے لیے مجھے کچھ وقت چاہیے......" اس کا لہجہ التجائیہ تھا۔ وہ اس سے کچھ مانگ رہی تھی اور گل میر کی زبان گنگ تھی۔ "آپ مجھے وقت دیں گے؟" اس نے گل میر کو امید بھری نظروں سے دیکھا۔

گل میر نے اسے دیکھا اور بنا ایک لفظ ادا کیے رخ موڑ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس کے کمرے سے نکل گیا اور وہ اسی طرح جلد وساکت دھڑکنوں کے ہمراہ وہیں نیچے بیٹھتی چلی گئی۔

......✿......

اسی شام ادیبہ مرتضیٰ اور گل میر دھنک آباد سے چلے گئے تھے اور ماہ روش اپنے کمرے تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ ہر طرف ایک خاموشی تھی' یا شاید یہ صرف اور صرف ماہ روش کا وہم تھا۔ آج تیسرا دن تھا بڑی بوا نے ماہ روش سے کوئی بات نہ کی تھی۔ مریم اور یسریٰ بھی اپنے پورشن میں مصروف تھیں۔ حمزہ نے بھی ماہ روش سے سرسری سی بات کے علاوہ کوئی بات نہ کی تھی سکندر اور مہرالنساء بھی ایک خاموشی میں مقید تھے لیکن ماہ روش کو باقاعدہ وقت دے رہے تھے وہ دھنک آباد کی فضاء میں ایک اجنبیت محسوس کرنے لگی۔ حمزہ کا ارادہ تھا کہ پاکستان آتے ہی وہ عالیہ کے گھر والوں سے رابطہ کرے گا اور رشتے کی بات چلائے گا' اس بارے میں حمزہ نے ہمیشہ ماہ روش سے ہی ڈسکس کیا تھا اور یہی ڈسکشن ہی تو اس کی اپنی زندگی میں ایک طوفان لے آئی تھی۔ حمزہ کے آتے ہی وہ مصروف ہو گیا تھا کچھ گھریلو مصروفیات اور پھر سکندر نے جو بزنس کا پلان بنا رکھا تھا اس پر بھی حمزہ اور دانیال اس کے ساتھ مل کر کام کر رہے تھے تو ماہ روش کو وقت ہی نہ مل سکا کہ وہ حمزہ سے اس کے متعلق کوئی بات کر سکے عالیہ سے اس کی صرف فون پر ایک دو بار بات ہوئی تھی' وہ اب اس سے ملنا بھی چاہتی تھی' لیکن حمزہ نے تو ماہ روش سے اس حوالے سے کوئی بات نہ کی تھی' تو اب وہ سوچ رہی تھی کہ شاید حمزہ اس انتظار میں ہو کہ ماہ روش خود اس سے بات کرے لیکن آج کل تو حمزہ کہیں نظر آئے تب بات ہو ناں۔

شام کے سائے گہرے ہونے لگے تھے' ماہ روش کا دل نجانے کیوں آج کل ایک الجھن کا شکار ہو رہا تھا۔ وہ مریم اور یسریٰ کے پاس جانے کے لیے اوپر والے پورشن کی جانب بڑھی ست روی سے سیڑھیاں چڑھتی ماہ روش ایک گہری سوچ میں بھی گم تھی۔

"آؤ ماہی رک کیوں گئیں؟" وہ دروازے میں کھڑی اندر کے منظر کو حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ مریم' یسریٰ اور حمزہ تینوں بیٹھے طرح طرح کے کپڑوں کا ڈھیر لگائے خوش گپیوں میں مصروف تھے ایک پل کو وہ جھجک کر رک گئی۔ مریم نے اس کی طرف دیکھا اور اس کو بلا لیا تو چہرے پر مدھم مسکراہٹ سجائے وہ آگے بڑھی اور سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھ کر ان کپڑوں کے متعلق پوچھنے لگی۔

"ارے تمہیں نہیں پتہ کیا؟" یسریٰ نے حیرانی کا مظاہرہ کیا۔

"کیا نہیں پتہ؟" اس نے پوچھا۔

"کل ہم حمزہ بھائی کی بات پکی کرنے جا رہے ہیں۔" یسریٰ نے کہا تو ماہ روش نے یک لخت حمزہ کی طرف دیکھا جو دلکش مسکراہٹ چہرے پر سجائے بیٹھا تھا۔

"کل بات طے کرنے جا رہے ہیں...... اسب فائنل ہو گیا کیا؟" ماہ روش کو اس اطلاع پر شدید صدمہ ہوا تھا۔ بمشکل وہ حمزہ سے پوچھ رہی تھی۔

"ہاں سب فائنل ہو گیا۔" اس کے بجائے مریم نے جواب دیا۔

"آپ سب کو مبارک ہو۔" وہ بولی۔

"خیر مبارک تمہیں بھی مبارک ہو یہ تمہارا سوٹ ہے کل شام ہم نے جانا ہے۔" اب یسریٰ ایک بہت خوب صورت کڑھائی والا سوٹ اس کی طرف بڑھا کر بولی لیکن ماہ روش اب کچھ نہ کہہ پائی۔

"کہاں جا رہی ہو ماہی؟ بیٹھو ناں ابھی چائے پیتے

ہیں۔" اس نے اٹھ کر قدم بڑھائے ہی تھے کہ حمزہ نے بولا۔ اس نے ڈبڈبائی نگاہوں سے اسے دیکھا اور بنا ایک لفظ کہے وہاں سے نکل گئی۔

"برا لگا ماہ روش کو۔" اس کے جاتے ہی مریم نے حمزہ سے کہا۔

"لگنا بھی چاہیے۔" حمزہ نے بے نیازی سے کہا۔

"حمزہ بھائی۔" یسریٰ چلائی تو حمزہ نے سرسری نگاہ اس پر ڈالا کر کندھے اچکائے۔

"گل بھائی بہت بددل ہو کر گئے ہیں، کسی سے بھی رابطہ نہیں کیا پھر۔" مریم کو دیکھ کر یسریٰ نے منہ بسور کر کہا۔

"پہلے تو مجھے کسی بات کا صحیح علم نہیں تھا لیکن میں اب ماہی کے ساتھ ہوں۔" مریم نے اعلان کیا تو یسریٰ نے قہر آلود نظروں سے اسے دیکھا۔

"ہاں پ" مریم پر اس کی تیکھی نگاہوں کا اثر نہ ہوا۔

"میں بھی ماہی کے ساتھ ہی تھی لیکن یار اتنی ضد؟ کیا یہ ناانصافی نہیں؟ اور پھر گل بھائی معافیاں بھی تو مانگ رہے ہیں ناں میرے خیال میں اب ماہی غلطی کر رہی ہے کیوں حمزہ بھائی آپ کیا کہتے ہیں؟" یسریٰ نے حمزہ کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"اگر گل میر کو اپنی غلطی کا احساس نہ ہوتا تو ماہی کا یہ رویہ بالکل جائز تھا لیکن پھر بات وہی آجاتی ہے کہ ہر کسی کا اپنا لیول ہوتا ہے بات کو برداشت کرنے کا۔" حمزہ نے دونوں کی طرف داری کی اور اس سے پہلے کہ دونوں اس کی اس دہری پالیسی پہ کوئی اعتراض کرتیں وہ اٹھ کر باہر نکل گیا۔

"یار یہ بھائی اب زیادتی کر کے گئے ہیں، ایک طرف تو ماہی کی طرف داری اور پھر میر بھائی کا بھی ساتھ دے کر یہ جا وہ جا۔" مریم نے یسریٰ کی طرف دیکھ کر منہ بگاڑ کر احتجاج کیا۔ اس نے اثبات میں سر ہلا کر اس کی بات کی تائید کی۔

"ویسے تمہیں کیا لگتا ہے کیا واقعی گل بھائی اور ماہی کی شادی ہو جائے گی؟" یسریٰ نے مریم کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"مجھے نہیں لگتا یہ معاملہ اب اتنی جلدی سلجھنے والا ہے تم نے دیکھا تھا ناں پھوپو کتنے غصے میں گئی تھیں۔" مریم نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"لیکن تم نے یہ بھی تو دیکھا تھا ناں کہ گل بھائی نے ماہی کی ہی طرف داری کی تھی۔" یسریٰ نے کہا۔

"ہاں لیکن تم نے شاید ان کے سپاٹ انداز کو نہیں دیکھا۔" مریم دوبارہ گویا ہوئی۔

"پتہ نہیں اب یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا۔" یسریٰ نے سرد آہ بھر کر کہا۔

"جس کروٹ بھی بیٹھے ہماری تیاری زبردست ہونی چاہیے۔" مریم نے ہنس کر کہا۔

"ہاں وہ تو ہوگی، فی الحال یہ کپڑے سمیٹو۔" یسریٰ نے بکھرے کپڑوں کی طرف اشارہ کیا اور پھر تم سمیٹو میں کیوں دونوں میں تکرار ہونے لگی اور ہوتی ہی چلی گئی۔

* * *

"دیکھیں مرتضیٰ صاحب اولاد کے معاملے میں ہر ماں ایک روایتی عورت ہی بن جاتی ہے جاہل اور لڑاکا۔" ادیبہ نے مرتضیٰ کی طرف دیکھ کر انتہائی ترش لب و لہجے میں کہا تو مرتضیٰ ہنسنے لگے۔

"ویسے آپ نے تو میرے معاملے میں بھی ہمیشہ ایک روایتی عورت کا ہی کردار ادا کیا ہے۔" مرتضیٰ کی شوخیاں شروع تھیں۔ "اب اس سے آگے میں کیا کہوں۔"

"مرتضیٰ صاحب مہربانی فرمائیں اور اب نہ بولیں۔" ادیبہ نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا، انداز کی جھنجلاہٹ سے مرتضیٰ کے ساتھ ساتھ گل میر بھی محظوظ ہوا تھا۔

"ویسے ایک بات تو سب کو ماننی ہی پڑے گی۔" مرتضیٰ نے گل میر کی طرف دیکھا جو ماں باپ کی نوک جھونک پر مسکرا رہا تھا۔

"کون سی بات بابا؟" ادیبہ مسلسل تیکھے تیوروں سے انہیں گھور رہی تھیں۔ جبکہ گل میر نے بشاش لہجے میں پوچھا۔

"بیٹا دھنک آباد والے ناں بڑے ہی خوش قسمت ہیں، ان کو دونوں داماد بہت اچھے ملے ہیں۔" مرتضیٰ نے کالر جھاڑ کر اترا کر کہا۔

"دونوں داماد؟" گل میر اور ادیبہ ایک ساتھ بولے۔

''دوسرا کون سا؟'' گل میر نے حیرانی سے سوال کیا۔
''اور پہلا کون سا؟'' ادیبہ ان کی شوخی نہ سمجھی تھی۔
''کمال ہوگیا۔'' مرتضٰی ان کے سوالوں پر منہ بسور کر رہ گئے۔
''مما بابا ہیں پہلے داماد۔'' گل میر نے ادیبہ کی طرف دیکھ کر کہا۔
''بابا اپنی تعریف کر رہے ہیں ناں۔'' گل میر ہنس کر گویا ہوا۔
''اچھا......'' ادیبہ نے شرما کر انہیں دیکھا' ان کا اچھا نہایت معنی خیز اور بے یقینی لیے ہوئے تھا۔
''اور دوسرا میرا ہی لختِ جگر......'' مرتضٰی نے ادیبہ کے اچھا کو نظر انداز کر کے گل میر کی طرف دیکھ کر شریر مسکراہٹ چہرے پر سجا کر کہا۔ تو گل میر جو ان کے ساتھ مسکرا رہا تھا یک لخت لب بھینچ کر رہ گیا۔
''رہنے دیں مرتضٰی صاحب ایسی ناقدری لڑکی میرے بیٹے کو خوش نہیں رہنے دے گی۔'' ان کی بات پر ادیبہ نخوت سے بولی۔
''بیٹا یہ کچن سیاست' ساس بہو میں چلتی رہتی ہے' تم دھیان نہ دینا۔'' مرتضٰی نے گل میر کی طرف دیکھ کر ہلکے سے کہا تو ادیبہ تک بخوبی ان کی آواز پہنچی۔
''بہو کی کیا ضرورت ہے باپ جو ہے بیٹے کو ماں کے خلاف بھڑکانے والا۔'' ادیبہ ماہ روش کا سارا غصہ ان دونوں پر نکال رہی تھی۔
''دیکھیں مرتضٰی صاحب اتنی اکڑ بھی اچھی نہیں ہوتی میرے بیٹے نے کون سے ایسے دھوکے دیے جو میڈم کے مزاج ہی نہیں مل رہے؟ نہ تو اس کی کوئی ایسی جائیداد ہے جو اس نے اپنے نام لکھوالی ارے ایسی چھوٹی باتوں پر اس قدر بگڑ جانا کوئی عقل مندی والا کام نہیں ہے۔'' ادیبہ تو اب خالصتاً مشرقی روایتی عورت کا کردار ادا کرنے کے درپے تھیں۔
''ادیبہ بیگم آپ کو نہیں لگتا آپ اب کچھ زیادہ بول رہی ہیں۔'' مرتضٰی نے ان کی باتوں پر گل میر کے تاثرات (جو کہ انتہائی سنجیدہ ہونے کے ساتھ ساتھ اب رنجیدگی میں ڈھل رہے تھے) کو ملاحظہ کیا اور ادیبہ سے مخاطب ہوئے۔
''نہیں میں بالکل زیادہ نہیں بول رہی سونے ورگا میرا پتر لکھ دا کردتا اور آپ کہہ رہے ہیں میں زیادہ بول رہی ہوں۔'' ادیبہ کسی طرح قائل نہ ہوئیں۔
''اگر آپ بات کر ہی رہی ہیں تو یہ بھی مان لیں کہ غلطی آپ کے اس سونے ورگے پتر کی ہی ہے۔ پہلے تو خواب دکھائے اور جب وقت آیا تو موصوف مکر گئے یہ سب تو اب ہونا ہی تھا۔'' مرتضٰی نے ایک بار پھر سارا الزام گل میر کے کھاتے میں لکھ کر ہاتھ جھاڑے۔
''میکے والے میرے ہیں لیکن آپ تو ان کی سائیڈ ایسے لیتے ہیں جیسے سگے آپ کے ہی ہوں۔'' مرتضٰی اور ادیبہ کی بحث پھر شروع ہو چکی تھی جو گل میر کو شرمسار کرنے کے لیے کافی سے زیادہ تھی۔ اس نے پہلو بدلا۔
''پلیز...... آپ دونوں لڑنا بند کریں۔'' وہ تیوریاں چڑھا کر ان دونوں سے مخاطب ہوا۔
''آپ تو ہمیشہ اسی کو الزام دیں گے۔'' ادیبہ نے منہ پھیر کر کہا۔
''ادیبہ بیگم میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ میری نظر میں یہ انتہائی غلط فعل ہے جذبوں سے کھیلنا' دل توڑ دینا بھی گناہ ہے' بے شک میں نے اپنے بیٹے کا ساتھ دیا ہے لیکن جو غلط ہے وہ صحیح نہیں کہلا سکتا اگر ماہ روش اب انکار کر رہی ہے تو وہ حق بجانب ہے لیکن ہم پھر بھی کوشش میں مصروف ہیں کہ وہ مان جائے اور آپ کو بھی چاہیے کہ اس سلسلے میں اپنے بیٹے کا ساتھ دیں۔''
''پلیز بابا بند کریں اس ٹاپک کو۔ مما آپ بتائیں کیا چاہتی ہیں اب آپ؟'' گل میر اب زچ ہوگیا تھا مرتضٰی کو چپ کرا کر ادیبہ سے پوچھا۔
''ماہ روش کو خود احساس ہونا چاہیے کہ وہ ضرورت سے زیادہ ایٹی ٹیوڈ دکھا رہی ہے۔ تم نے جتنی معافی مانگنی تھی مانگ لی اب اس کی باری ہے۔''
''حد ہوگئی ادیبہ ایسی شرط؟'' گل میر کے کچھ بھی بولنے

سے پہلے مرتضٰی تیزی سے بولے۔
"ٹھیک ہے میں کوئی رابطہ نہیں کروں گا دھنک آباد کی طرف تب تک رخ نہیں کروں گا جب تک ماہ روش خود نہ بلائے اب ہمارے گھر میں کوئی بحث نہیں ہونی چاہیے۔" گل میر نے مضبوط لہجے میں کہا اور وہاں سے نکل گیا۔
"ادیبہ بیگم....." گل میر کی بات پر اس کے جاتے ہی وہ ادیبہ کو دیکھنے لگے۔
"میں اپنے بیٹے کی دشمن نہیں ہوں لیکن یہ گوارہ نہیں کہ میرا بیٹا بار بار اس کے سامنے ہاتھ جوڑے معافی مانگے اسے احساس ہونا چاہیے کہ گل میر بھی روٹھ سکتا ہے۔" ادیبہ نے مسکرا کر کہا اور وہ بھی کمرے سے باہر نکل گئیں جبکہ مرتضٰی وہیں بیٹھے سوچوں میں الجھتے رہے۔

"بڑی بوا آپ مجھ سے ناراض ہیں کیا؟" وہ آمنہ بیگم کے کمرے میں آئی۔ انہوں نے مسکرا کر اس کا خیر مقدم کیا چند ادھر اُدھر کی باتوں کے بعد انہوں نے اس سے پوچھا۔
"کس بات پہ؟" آمنہ بیگم نے اس کا ہاتھ سہلا کر کہا۔
"میں نے گل میر کو منع جو کر دیا۔" وہ گلوگیر لہجے میں بولی۔
"نہیں بیٹا میں کیوں ناراض ہوں گی اور میں نے تو تمہیں کہا تھا کہ اگر تم نہیں مطمئن تو میں تمہارے ساتھ ہوں۔" آمنہ بیگم نے بغور اس کی طرف دیکھا' اس کے چہرے پر ایک ایسا تاثر تھا جو ظاہر کر رہا تھا کہ ماہ روش اب تھکنے لگی ہے۔ ضد اور انا کا پرچم زیادہ دیر تک لہرا نہیں سکتا۔
"ٹھیک ہے بڑی بوا میں جاتی ہوں۔" اس کے دل کی بے چینی اس کے انداز سے جھلکنے لگی تھی۔
"بیٹھو۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی تو آمنہ بیگم نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے بٹھایا۔
"بتاؤ کیا بات ہے؟" آمنہ بیگم نے اس کی طرف عمیق نگاہوں سے دیکھا۔
"کچھ نہیں بڑی بوا۔" وہ آنکھوں کی نمی کو پلکیں جھپکا کر ان سے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرنے لگی۔

"کسی نے کچھ کہا ہے کیا؟" نجانے کیوں اس کی اس بیزاریت سے آمنہ بیگم کو ایک اطمینان ہو رہا تھا۔
"نہیں بڑی بوا کسی نے کچھ نہیں کہا۔" وہ مدھم آواز میں بولی۔
"ویسے تو تمہیں کوئی کچھ بھی نہیں کہہ سکتا گل میر نے یہاں سے جاتے ہوئے سب کو سختی سے منع کیا تھا لیکن پھر بھی اگر کوئی بات ہے تو تم مجھ سے کہہ سکتی ہو۔"
"کیا.....! گل میر نے؟" آمنہ بیگم نے جان بوجھ کر اس تک یہ بات پہنچائی تھی جس سے وہ بے خبر تھی۔
"بیٹا گل میر نے سب کو منع کیا تھا کہ اب تم سے کوئی بات نہیں کرے گا اگر تم راضی ہوتی ہو تو ٹھیک ورنہ دھنک آباد اور مرتضٰی مینشن میں اب اس ایشو پر کوئی بحث نہیں ہوگی نہ ہی کوئی تلخی سامنے آئے گی۔" آمنہ بیگم نے بغور اس کی طرف دیکھ کر اسے ساری بات بتائی جو گل میر نے اس سے آخری ملاقات کے بعد سب سے کہی تھی ماہ روش یک لخت سکتے میں آ گئی۔
"ماہی بیٹا....." وہ گم صم بیٹھی رہی ایک لفظ تک نہ کہا تو آمنہ بیگم نے اس کا کندھا ہلایا۔
"بیٹا تم سے کوئی بھی خفا نہیں' تم سے خفا ہو کر ہم گل میر کی ناراضی نہیں مول لینا چاہتے اس لیے بے فکر ہو جاؤ۔" آمنہ بیگم نے کہا تو ماہ روش نے اثبات میں سر ہلایا اور اگلے پل وہاں سے اٹھ کر تیز تیز قدم اٹھاتی وہاں سے چلی گئی۔
ماہ روش' آمنہ بیگم کے پاس حمزہ کی شکایت لگانے کی غرض سے گئی تھی۔ حمزہ نے اس سے کہا تھا کہ عالیہ کے معاملے میں سارے اختیارات ماہ روش کے پاس ہیں' اسی نے پہلے اپنے گھر سب سے بات کرنی ہے اور پھر عالیہ سے دوستی کر کے ماہ روش کے ذریعے ہی اس کے گھر رشتہ بھیجنا تھا کیونکہ عالیہ کے گھر والے فیملی سے باہر شادی کے حق میں نہیں ہیں لیکن اس کو بنا بتائے حمزہ نے سب طے کر لیا ماہ روش کو بہت دکھ ہو رہا تھا' تو وہ آمنہ بیگم کے پاس گئی' ساری بات کرنے کے لیے اس نے تمہید باندھی تھی تو آگے سے ان کے انکشافات نے ماہ روش کو مزید اپ سیٹ کر دیا۔

''کیوں میرے ساتھ سب غلط ہورہا ہے؟'' وہ آنسو جو وہ آمنہ بیگم سے چھپا کران کے کمرے سے نکلی تھی اب روانی سے بہہ رہے تھے۔
''کیا ہوا میری پیاری سی گڑیا ماہی کیوں رو رہی ہے؟'' پچھلے دس منٹ سے حمزہ اس کو آنسو بہاتے دیکھ رہا تھا۔ جب اس کی آنکھوں کا پانی کسی طرح خشک ہونے میں نہ آیا تو وہ دھیرے سے اس کے پاس آ کھڑا ہوا۔ اس نے تیزی سے اپنے رخساروں کو ہاتھ کی پشت سے رگڑ کر رخ موڑا۔
''ناراض ہو؟'' حمزہ نے اسے دیکھ کر پوچھا۔
''نہیں۔'' وہ مختصراً بولی۔
''پھر رو کیوں رہی ہو؟'' وہ ابھی تک رخ موڑے کھڑی تھی۔
''نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔'' وہ قدرے ناگوار لہجے میں بولی۔
''اچھا پھر کیسی بات ہے؟'' وہ اسے زچ کرنے کے در پے ہوا۔
''کسی طرح کی کوئی بات نہیں ہے۔'' ماہ روش نے دوپٹے کے کونے سے آنکھوں کو صاف کیا۔
''مبارک ہو آپ کو اچھا ہوا عالیہ کے گھر والے مان گئے۔'' وہ اب مسکرا کر اسے مبارک دیتے ہوئے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔
''اچھا مان گئے ہیں؟'' حمزہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔
''مان گئے تو بات پکی کرنے جارہے ہیں ناں۔'' ماہ روش نے نگاہیں اس پر مرکوز کیں۔
''تم شاید بھول رہی ہو ماہ روش سکندر کہ تم نے سب کرنا تھا ایسی بے وفا قسم کی دوست ہو کہ پوچھا تک نہیں۔'' حمزہ نے منہ بسور کر گلہ کیا تو اس نے متغیر انداز سے اسے دیکھا۔
''کیا مطلب......! وہ سب تیاری؟'' وہ بے حد حیرت سے ان ڈھیر لگے کپڑوں کی بابت پوچھنے لگی۔
''وہ تو امی نے شاید مریم اور یسریٰ کے لیے لے کر رکھے ہوئے ہیں اب پیک کر کے دوسرے سوٹ کیس میں رکھ رہی تھیں اور تم آ گئی تو......''
''کیا واقعی؟'' یک دم ہی وہ جیسے ہلکی پھلکی ہوئی۔
''ہاں تو اور کیا کیا میں وعدہ کر کے مکرتا نہیں...... میں حمزہ ہوں گل میر نہیں۔'' حمزہ نے مسکراہٹ دبا کر شرارت سے کہا تو اس کی ہنسی کو بریک لگ گئی۔
''ایک بات کہوں ماہی۔'' حمزہ نے اس کی طرف دیکھ کر قدرے سنجیدگی سے کہا۔ ماہ روش نے اس کی طرف دیکھا اور اثبات میں سر ہلایا۔
''محبت ایسی شرارت نہیں ہوتی جس کی سزا دی جائے۔ محبت تو بہت باوقار شرارت ہوتی ہے جو دلوں کو جوڑ دیتی ہے محبت سے مکرنا آسان نہیں ہوتا میں گل میر کی وکالت نہیں کررہا تمہارے احساسات بھی میں سمجھ سکتا ہوں لیکن اس پوائنٹ پر اگر دیکھو تو تم غلطی پر ہو اور محبت سے گل میر نہیں تم مکر رہی ہو گل میر واقعی مکرنا چاہتا تو وہ تم سے معافی نہ مانگتا تمہارے ساتھ کے لیے کوشش نہ کرتا تم جانتی ہو کہ تم ہم سب کے لیے کتنی خاص ہو لیکن تم یہ بھی جانتی ہو کہ گل میر بھی ہمارے دلوں میں بستا ہے ہم سب ایک دوسرے کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں ماہی ہم اگر چاہیں تب بھی ہم ان محبتوں سے انکار نہیں کر سکتے۔'' حمزہ بہت رسان سے اسے سمجھا رہا تھا۔ اسے اس کی اہمیت کے ساتھ ساتھ ان سب کے درمیان کی محبت کو بھی دہرا رہا تھا اور ماہ روش خاموشی سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔
''پرسنلی تم میرے لیے بہت خاص ہو ماہی' مریم اور یسریٰ سے زیادہ اہم گل میر کے ساتھ بھی میری ایک انڈر اسٹینڈنگ ہے' میں تم دونوں کو اداس اور محبت سے بدظن ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔'' حمزہ نے مسکرا کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا اس کی اس اپنائیت پر ماہ روش کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔
''آئی ایم سوری۔'' کھکھیائی آواز میں ماہ روش بولی سالوں بعد اس نے یہ لفظ منہ سے نکالے تھے۔
''مجھ سے معذرت کی تو کوئی ضرورت ہی نہیں لیکن میرے خیال میں تمہیں اب ذرا اپنے دماغ کا بھی استعمال کر لینا چاہیے' سارے فیصلے دل کے اچھے نہیں ہوتے تم تو

جانتی ہو کہ دل کا دماغ نہیں، ویسے تمہارے تو دماغ کا بھی دماغ نہیں...... " حمزہ نے ہنستے ہوئے اسے چھیڑا اس کی آخری بات پر ماہ روش نے خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا۔

" اب ایسی بھی بات نہیں ہے۔" وہ نروٹھے انداز میں بولی۔

" ایسی بات نہیں ہے ناں تو اب ضد چھوڑ دو گل میر بہت معافیاں مانگ چکا ہے اب وہ کچھ نہیں بولے گا سارے معاملات تم نے خود سلجھانے ہیں۔" حمزہ نے اس کی مسلسل خاموشی پر مضبوط انداز میں کہا تو ماہ روش نے مدد طلب نظروں سے اسے دیکھا۔

" ہاں میں پہلے بھی تمہارے ساتھ تھا اور اب بھی ہوں۔"

" ٹھیک ہے پھر جو آپ سب چاہتے ہیں مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" محبت کی خوشگوار ہوا نے یک دم اس کو چھوا تھا شرمگیں لہجے میں ماہ روش نے حمزہ سے کہا تو وہ قہقہہ لگا کر ہنسا اور اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگا کر اس کے ساتھ کی حامی بھری۔

" اور ہاں کل تم ذرا اپنی بھابی سے تو رابطہ کرو۔" حمزہ شریر لہجے میں بولا تو وہ بھی ہنسی بہت عرصے کے بعد اس کی ہنسی میں رنگ چھلکتے نظر آئے تھے۔ وہ اب تھکنے لگی تھی اور حمزہ نے واقعی ٹھیک کہا محبت سے مکرنا آسان نہیں ہوتا۔ بہت محنت کرنی پڑتی ہے اس انکار پر قائم رہنے کے لیے دل کی گہرائی سے وہ نام کھرچ دینا جو سماعت سے ٹکرائے تو دھڑکنوں میں روانی آجاتی ہے، بہت کٹھن ہوتا ہے ماہ روش اب ایک موقع کی تلاش میں تھی اسی لیے تو اتنی بے چین تھی موقع ملتے ہی اس نے اپنی ضد چھوڑ دی انا کے پرچم کو اتار پھینکا اس سے پہلے کہ بہت دیر ہو جاتی اس سے پہلے کہ ان کے درمیان فاصلے مزید بڑھ جاتے ماہ روش نے ہتھیار ڈال دیئے اور محبت کی وادی میں اپنے قدم رکھ دیئے تھے اب وہ گل میر کے لوٹ آنے کا انتظار کرنے لگی تھی۔ آنکھیں ایک بار پھر خواب بننے لگی تھیں۔

......✿......

دھنک آباد کے ہر مکیں تک ماہ روش کی رضامندی کی خبر پہنچ چکی تھی۔ ہر ایک شخص کے چہرے پر مسکراہٹ تھی اور لبوں پر شکر کا کلمہ تب ماہ روش کو شدت سے احساس ہونے لگا کہ اس کی وجہ سے سب کی خوشیاں ادھوری تھیں۔ اس کی خود ساختہ نفرت اس کی اپنی آسودگی کو دیمک لگا رہی تھی لیکن اس سے پہلے کہ نقصان زیادہ ہوتا وہ سنبھل جانے کی کوشش کرنے لگی۔ گل میر اس کے لیے ہمیشہ سے خاص تھا۔ کبھی دل سے اس کے لیے نفرت محسوس نہیں کی لیکن جذبوں پر بے حسی کا ایسا جمود طاری تھا کہ چاہنے کے باوجود ماہ روش اس سے نرمی نہ برت پا رہی تھی۔

مرتضیٰ مینشن میں ماہ روش کی طرف سے ملی اس اطلاع پر خوشی کا اظہار کیا گیا تھا ادیبہ اور مرتضیٰ نے فرداً فرداً مبارک باد دی کہ رشتہ تو طے تھا ہی۔ مریم اور یسریٰ بھی اب تیاری میں مشغول ہو رہی تھیں مہر النساء اور آمنہ بیگم بھی تیاری کرنے لگی تھیں کیونکہ ادیبہ نے کہا تھا کہ وہ ایک ماہ میں شادی کرنا چاہتی ہیں۔ حمزہ کی بات بھی طے پا گئی تھی عالیہ نے جتنا ڈرا رکھا تھا اس کے مقابلے میں اس کی فیملی بہت آرام سے ملی بہت عزت دی گئی اور چند ملاقاتوں اور تسلی بخش چھان بین کے بعد ایک رسم ادا کی گئی اور عالیہ حمزہ سے منسوب ہو گئی۔

اس سارے عرصے میں، ہلے گلے میں اگر کوئی نظر نہ آیا تو وہ گل میر تھا ماہ روش متلاشی نگاہوں سے اسے ڈھونڈتی رہی لیکن اس دشمن جاں نے نہ نظر آنا تھا نہ آیا ماہ روش اپنی تیاری کرنے لگی لیکن دل میں ایک وہم سا تھا وسوسے کنڈلی مارے بیٹھے تھے ستم یہ تھا کہ وہ کسی سے بھی گل میر کے بارے میں پوچھ نہ پا رہی تھی۔ بس اس نے ساری فیملی کے سامنے اقرار کر کے دل میں عہد کر لیا تھا کہ گل میر کے ساتھ تعلقات کو اب کسی ضد اور جھوٹی انا کے ہاتھوں خوار نہیں ہونے دے گی۔ ایک دو بار اس نے گل میر سے بات کرنے کی کوشش کی لیکن پھر ایک جھجک اس کو روک دیتی کتنے ہی میسج لکھ کر ڈرافٹ میں سیو کر چکی تھی لیکن اس کی طرف بھیج نہ پا رہی تھی بس اب انتظار کرنا تھا۔

" اب تو ناانصافی کر رہا ہے۔" حمزہ نے گل میر کی

مسلسل غیر حاضری اور لاتعلقی پر اسے ڈپٹا۔

"کون سی ناانصافی؟" حمزہ کی غصیلی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تو وہ مسکراہٹ دبا کر انجان بنا کر پوچھنے لگا۔

"تم تو جیسے کچھ جانتے ہی نہیں ناں۔"

"میں واقعی نہیں جانتا۔" گل میر اس سے سننا چاہ رہا تھا۔

"ماہ روش سے بات کیوں نہیں کی؟" حمزہ نے بنا کسی تمہید کے اس سے پوچھا۔

"اس نے کیا کہا؟" گل میر بے نیازی سے پوچھ رہا تھا لیکن وہ جانتا تھا کہ اس سوال میں کس قدر تجسس ہے۔

"اس کی شکل پر صاف لکھا نظر آتا ہے۔" حمزہ کے جواب نے اسے مطمئن کردیا۔

"اب ساری زندگی اسی سے باتیں کرنی ہوں گی چند دن تو آرام سے گزارنے دو۔" گل میر ہنس کر بولا۔

"بہت ہی......" حمزہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"تمہاری خاموشی بتا رہی ہے کہ "بہت ہی" کے بعد والا لفظ نہایت قابل اعتراض ہونا تھا۔" گل میر شریر لہجے میں بولا۔

"ہاں لیکن تمہیں سوٹ کرتا ہے وہ۔" حمزہ دانت پیس کر بولا تو گل میر کا قہقہہ بلند ہوا۔

"اچھا تو کیا پروگرام ہے؟" حمزہ نے اس سے پوچھا۔

"پروگرام وہی جو طے پایا تھا ان شاء اللہ یکم دسمبر کو بارات لے کر دھنک آباد پہنچ جاؤں گا۔" گل میر نے کہا تو حمزہ اس کے لہجے کے اطمینان پر مطمئن ہوا۔

"اچھا ٹھیک ہے ابھی بہت کام باقی ہیں ان شاء اللہ پھر بات ہوگی بلکہ ملاقات ہوگی۔" حمزہ نے کہا۔

"ہاں ادھر بھی بہت کام ادھورے ہیں تو پھر ملاقات کرتے ہیں۔" گل میر نے کہا اور پھر رسمی کلمات کے بعد فون بند کردیا۔

"ماہ روش میڈم احساس ہوا ناں کسی کا اگنور کرنا کتنی تکلیف دیتا ہے۔" گل میر نے خود کلامی کی اس کے چہرے پر ایک دلفریب مسکراہٹ صاف ظاہر تھی وہ ایک بار پھر اسے زچ کرنے و تنگ کرنے لگا تھا اور لطف بھی لے رہا تھا' گہری مسکراہٹ کے ساتھ اس نے ایک پلان ترتیب دیا اور اٹھ کر باقی ماندہ کام کرنے لگا۔

***

مہندی کی رات آئی مہندی کی رات
دیکھے کوئی پیاری دلہن کے ہاتھ!

وہ دن آ گیا تھا سپنوں کی تکمیل کا محبت کی منزل کا لیکن یہ دل ابھی تک بے چین تھا بار بار سمجھانے کے باوجود بہت سے وسوسے مستقل ڈیرہ جمائے بیٹھے تھے۔ مریم اور یسریٰ فل آواز میں میوزک پر ڈانس کی تیاری میں مشغول تھیں۔ دھنک آباد میں پہلی شادی تھی اور خوب رونقوں اور روشنیوں کے ساتھ شروع ہوئی تھی۔ بے شک یہ شادی لڑکی کی تھی لیکن گل میر کے حوالے سے بھی دھنک آباد کو سجایا گیا تھا۔

مرتضیٰ مینشن کی رونقیں بھی عروج پر تھیں۔ گل میر سفید شلوار قمیص کے ساتھ ڈارک ریڈ پٹکا گلے میں ڈالے تیل مہندی کی رسم کے لیے پھولوں سے سجی کرسی پر بیٹھ چکا تھا۔ دھنک آباد سے مریم' یسریٰ اور حمزہ لوگوں نے بھی اس کو مہندی لگانے آنا تھا تو اب ان کے استقبال کے لیے بھی تیاری ہو رہی تھی۔

ماہ روش کی رسم ادا کی جا چکی تھی اب اس کے ہاتھوں پر مہندی لگائی جا رہی تھی۔ بیوٹیشن کی محنت اور مہارت اس کے ہاتھوں پر نفاست سے جدید انداز سے لگی مہندی میں نمایاں جھلک رہی تھی۔ دھنک آباد میں ان لوگوں کی واپسی ہو چکی تھی اور اب صبح بارات کے استقبال کی پلاننگ جاری تھی ماہ روش کے چہرے پر تھکن واضح تھی۔ شادی کی شاپنگ' مہمانوں کی آمد اور رت جگے ان سب کے علاوہ ایک خوف' ایک انجانا ڈر گل میر کی بے اعتنائی کا دکھ ماہ روش بہت تھکاوٹ محسوس کرنے لگی تھی۔

"ماہی تم کچھ دیر کے لیے آرام کرلو کل بھی سارا دن یوں ہی بیٹھنا پڑے گا تو یہ نہ ہو طبیعت خراب ہو جائے۔" مریم نے اس کی بوجھل آنکھوں کو دیکھ کر کہا زیادہ لوگ آرام کرنے لگے تھے صرف یہی کمرہ تھا جہاں کی لائٹ ابھی تک روشن

تھی کہ لڑکیوں کی تیاریاں تو کبھی ختم نہیں ہوتیں' آخری وقت تک کوئی نہ کوئی نکلتا ہی رہتا ہے۔ ماہ روش نے وہیں بیٹھے بیٹھے تکیے کو اپنے پیچھے رکھا اور نیم دراز ہوکر آنکھیں موند لیں۔ دھڑکنیں ایک مدھر لے پر رقص کرنے کی بجائے ساکت وجامد تھیں' چہرے پر مسکراہٹ نہیں پیشانی پر سلوٹیں تھیں۔

"پلیز آپ ریلیکس رہیں۔" بیوٹیشن نے اس کا میک اپ کرتے تیسری بار اسے ٹوکا۔

"ایک دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ جھکی پلکیں دلہن کو واقعی اپسرا بنا دیتی ہیں اور آپ مسلسل کسی سوچ میں گم ہیں۔" ماہ روش نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا تو آئی شیڈز کی کٹ اٹھائے کلر میچ کرتی بیوٹیشن مزید گویا ہوئی یک دم اس کی آنکھوں میں ایک نمی جھلکنے لگی۔

"ارے...... ارے پلیز رونا نہیں میری ساری محنت ضائع ہوجائے گی۔" بیوٹیشن نے نرم لہجے میں کہا لیکن ماہ روش خاموش رہی۔

"ہر لڑکی کے لیے یہ وقت بہت مشکل ہوتا ہے' سب کچھ پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھنا اور اپنے آپ کو ایک نئے ماحول میں ڈھال لینا' بہت جان لیوا عمل ہوتا ہے لیکن یہ قانون قدرت اور اللہ تعالیٰ نے لڑکی کو بظاہر کمزور لیکن بہت مضبوط بنایا ہے آپ بھی پریشان نہ ہوں' ایک اچھی امید اور پیاری سی مسکراہٹ کے ساتھ اپنی نئی زندگی میں قدم رکھوان شاءاللہ سب اچھا ہوگا۔" بیوٹیشن اپنا کام روک کے اس سے کہہ رہی تھی دھیمے سے ماہ روش مسکرائی اور ٹشو پیپر سے آنکھوں کے کونوں کو صاف کرنے لگی۔

"میں نے سنا ہے آپ کا دلہا بہت پیارا ہے اور بہت ہینڈسم بھی۔" وہ اس کے ہاتھ سے ٹشو پیپر لے کر خود اس کی آنکھیں سیٹ کرنے لگی اور شریر مسکراہٹ سے ماہ روش کا موڈ فریش کرنے لگی۔

"ہاں ہیں تو ہینڈسم لیکن تھوڑے سڑیل بھی ہیں۔" ماہ روش نے دھیرے سے ہنس کر کہا۔

"وہ کیا کہتے ہیں کہ اللہ جب حسن دیتا ہے تو نزاکت آہی جاتی ہے۔" بیوٹیشن اس کو جانتی نہ تھی لیکن بہت دوستانہ رویہ تھا اس کا جس وجہ سے ماہ روش جو واقعی بہت گھبرا رہی تھی اب کچھ بہتر محسوس کررہی تھی۔

"کتنی دیر ہے؟ مرتضیٰ انکل کی کال آگئی ہے وہ بس کسی بھی پل پہنچ جائیں گے۔" مریم کمرے میں آتے ہی بولی۔

"او مائی گاڈ ماہی یہ تم ہو؟" اس سے پہلے کہ اسے کوئی جواب ملتا اس کی نظر ماہ روش پر پڑی' اب وہ مکمل تیار تھی' بس دوپٹے کو پن اپ کیا جارہا تھا۔ ماہ روش نے جھکی پلکیں اٹھائیں' ڈیپ ریڈ لپ اسٹک لگے ہونٹوں کی مدھم مسکراہٹ کے ساتھ مریم کو دیکھا۔

"اللہ نظر بد سے بچائے' ماشاءاللہ' ماشاءاللہ' اللہ میر بھائی کے حال پر رحم کرے' آمین۔" مریم نے با آواز بلند کہا تو جہاں بیوٹیشن کا قہقہہ بلند ہوا وہاں ماہ روش کی مسکراہٹ بھی گہری ہوگئی۔

......❁......

نکاح نامے پر سائن ہوچکے تھے اس نے اپنی ساری زندگی' ساری محبتیں' سارے حقوق اس کے نام کردیے تھے لیکن دل میں بے چینیاں اب بھی باقی تھیں۔ اس کے پہلو میں خوشبوؤں میں بسی بیٹھی اپسرا اس کی محبت بھی تھی اور جنون بھی' جذبوں نے جب ہلچل مچانا شروع کی' دھڑکنوں نے جب مدھر سر چھیڑے تو وہی تو تھی جو اس ساز کا سبب بنی گل میر نے کن انکھیوں سے سر جھکائے' نظریں جھکائے بیٹھی ماہ روش کو دیکھا کتنے دنوں کے بعد وہ اسے دیکھ رہا تھا ایک بہت ہی خوب صورت احساس نے اسے مسحور کیا تھا اس نے دیکھا بے انتہا دلکشی کے باوجود اس روپ میں ایک کمی تھی وہ جان گیا کہ ماہ روش وسوسوں میں گھری ہے' اب وہ بہت استحقاق سے اسے دیکھنے لگا۔

"گل بھائی یہ بے ایمانی نہیں چلے گی۔ پہلے ہمارا نیگ نکالیں پھر جی بھر کر دیکھیے گا۔" یسریٰ کی شوخ چنچل آواز پر گل میر نے ٹپٹا کر نظریں اس پر سے ہٹائیں جبکہ ماہ روش مزید سمٹ کر رہ گئی تھی۔

"بس جی بھر گیا اور نیگ کس بات کا؟" گل میر

نے مدھم آواز میں پہلا جملہ ادا کیا اور بشاش لہجے میں یسریٰ سے کہا۔
"میر بھائی زیادہ ہوشیاری دکھانے کی کوشش نہ کریں ابھی رخصتی کا مرحلہ باقی ہے۔" گل میر کی چالاکی پر اب مریم بھی وہاں آچکی تھی۔
"کیا.....! یعنی کہ رخصتی بھی آج ہی ہے؟" گل میر نے آنکھیں پھیلا کر حیرانی کی بھرپور ایکٹنگ کی۔
"گل بھائی....." وہ دونوں ایک ساتھ چلائیں۔
"کیا اتنی پیاری دلہن کو چھوڑ کر جائیں گے؟" مریم نے اسے تیکھی نگاہوں سے دیکھا۔
"پیاری دلہن؟" گل میر نے یک لخت ماہ روش کی طرف دیکھا جو اس کی باتوں پر لب کاٹ رہی تھی۔
"دلہن پیاری ہے کہ نہیں یہ تو جب منہ دھوئے گی تب پتہ چلے گا ناں۔" گل میر نے مسکراہٹ دبا کر شرارت سے کہا۔
"بہت ہی بدذوق انسان ہیں آپ گل بھائی۔" یسریٰ نے برا سا منہ بنا کر کہا۔
"اور انتہائی کنجوس بھی۔" مریم نے بھی دل کی بھڑاس نکالی تو گل میر ہنسنے لگا۔ ان کی نوک جھوک جاری رہی اور ماہ روش کڑھتی رہی گل میر کا مقصد ہی تو اس کو تپانا تھا اس نے جو اسے اتنا تڑپایا تو کیا اب وہ اس کی ایک ہاں پر اتنی آسانی سے مان جاتا۔
"نہ ماہ گل جاناں کچھ تڑپ تو اب آپ کے حصے میں بھی آنی چاہیے ناں۔" گل میر نے ماہ روش کو دیکھ کر خود کلامی کی اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی دل میں محبت لیکن ماہ روش نہ تو مسکراہٹ دیکھ سکتی تھی نہ محبت اور اسی طرح رخصت ہو کر مرتضیٰ مینشن آ گئی۔
مرتضیٰ مینشن میں اس کا استقبال شاہانہ انداز میں کیا گیا تھا جو اس کو اطمینان دلا گیا کہ کوئی اس سے ناراض نہیں ہے۔ ادیبہ اس سے بہت پیار کرتی تھیں ہاں اس کی ضد کی وجہ سے اس سے ناراض ضرور تھیں لیکن وہ ناراضی تو ماہ روش کے مان جانے کے ساتھ ہی ختم ہو گئی تھی۔ اور مرتضیٰ وہ تو پہلے ہی ماہ روش کے ساتھ تھے۔
"بیٹا اب یہ گھر تمہارا بھی ہے تمہاری پھوپو نے بہت محنت اور محبت سے اس گھر کو بنایا ہے ہم سب ساتھ ہیں تم ہماری بہو نہیں بیٹی ہو مجھے امید ہے کہ ہماری محبتیں کبھی کم نہیں ہوں گی۔" مرتضیٰ اس کا استقبال کرتے ہوئے بولے۔
"آپ نے ہمیشہ ناانصافی کی ہے بابا۔" گل میر منہ بسور کر بولا۔
"تم تو ان محبتوں کی بنیاد ہو بیٹا بھلا تم الگ ہو سکتے ہو؟" مرتضیٰ نے گل میر کو گلے لگایا۔
"ماہ روش کا بہت خیال رکھنا۔" مرتضیٰ نے گل میر سے کہا۔
"اسے بھی تو کہیں میرا خیال رکھنے کو۔" گل میر نے ماہ روش کے شرمگیں روپ کو دیکھ کر کہا۔
"ماہ روش بہت ذمہ دار ہے اس کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔" مرتضیٰ نے ایک بار پھر ماہ روش کا ساتھ دیا۔
"لگتا ہے بابا کی یادداشت کمزور ہوگئی ہے بھول چکے ہیں کہ کتنی خواری بھگت چکا ہوں۔" گل میر کی بڑبڑاہٹ نے ماہ روش کی مسکراہٹ کو بریک لگائے۔
جب سے گل میر اس کے ساتھ تھا مسلسل کچھ نہ کچھ ایسا کہہ رہا تھا جو ماہ روش کو چونکانے پر مجبور کر دیتا تھا پہلے گل میر کی خاموشی پر اس کی آج کی بڑبڑاہٹ ماہ روش کو جتلا رہی تھی کہ وہ اس سے ناراض ہے۔
"اب کیا کروں؟" ماہ روش کو کمرے میں پہنچا دیا گیا تھا اور وہ اکیلی بیٹھی مسلسل گل میر کی ناراضی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔
ماہ روش کی تو گل میر سے کوئی بات ہوئی ہی نہ تھی حمزہ کے سامنے ساری ناراضی کو ختم کرنے کا کہہ کر وہ مطمئن ہوگئی تھی اور جب دھنک آباد اور مرتضیٰ مینشن میں شادی کی تیاریاں شروع ہوئیں تو وہ یہ بات بھول ہی گئی کہ گل میر بھی اب اس سے خفا ہو سکتا ہے ہاں گل میر کا اس سے کچھ نہ کہنا اس کو کھٹک ضرور رہا تھا۔ گل میر اس سے بدظن ہے یہ

وسوسے اسے ہولا رہے تھے۔ اب کیا کروں؟ کیسے مناؤں؟ الجھن کا شکار ہو رہی تھی۔

"مجھے تو منانا بھی نہیں آتا۔" وہ انگلیوں کو مروڑتے ہوئے گل میر کے آنے کا انتظار کرنے لگی۔

رات دھیرے دھیرے بیت رہی تھی۔ باہر بھی خاموشی تھی جس کا مطلب تھا کہ سب ہی اب تھک کر سونے کے لیے جاچکے تھے۔ گھڑی کی ٹک ٹک مسلسل جاری تھی۔ اب وہ بھی تھکنے لگی تھی۔

"کمال کی سست لڑکیاں ہو تم دونوں بھی رات کو کہا تھا کہ صبح جلدی اٹھنا لیکن مجال ہے جو کوئی بات سنجیدگی سے سن کر مان بھی لو۔" آمنہ بیگم نے مریم اور یسریٰ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"بڑی بوا آپ بھی ہر وقت موقع کی تلاش میں ہی رہتی ہیں۔" مریم نے منہ بنایا۔

"کتنے دن کی تھکی ہوئی تھیں ہم رات کو سارا کمرہ سمیٹا اور سوتے سوتے بھی اتنی دیر ہوگئی ایسے میں اتنی صبح کیسے جاگ جاتیں۔" یسریٰ نے دیر سے جاگنے کی وجہ بتائی۔

"اچھا اب جلدی سے سب پیک کرو ماہ روش انتظار کر رہی ہوگی۔" مریم یسریٰ اور بڑی بوا نے اس کا ناشتہ لے کر جانا تھا۔ ساری چیزیں تیار تھیں کچھ چیزیں راستے سے لینی تھیں لیکن مریم اور یسریٰ کی تیاری ختم ہونے میں نہ آرہی تھیں جس پر آمنہ بیگم ان کو ڈانٹنے لگی تھیں۔ کچھ وہ جلد از جلد ماہ روش کے پاس بھی پہنچنا چاہتی تھیں جانتی تھیں کہ دوسرے دن لڑکی کو میکے والوں کا کتنی شدت سے انتظار ہوتا ہے۔

"چلیں بڑی بوا ہم تیار ہیں۔" دس منٹ تک ہی وہ دونوں ساری چیزیں باسکٹ میں رکھ چکی تھیں۔

"اچھا جاؤ سکندر سے کہو کہ گاڑی نکالے اب ابھی راستے میں بھی رکنا ہے تو دیر ہوجائے گی۔" آمنہ نے کہا اور وہ تینوں سکندر کے ہمراہ مرتضیٰ مینشن روانہ ہوگئیں۔

صوفہ پر براجمان نک سک سے تیار وہ سرشاری سے گنگنا رہا تھا مدھم گنگناہٹ اس کی کچی پکی بے چین نیند میں خلل پیدا کر کے اسے بیدار کرچکی تھی یک لخت اس نے آنکھیں کھولیں رات کا منظر بدل چکا تھا کمرے میں سورج کی روشنی نے یک دم اسے چونکنے پر مجبور کردیا اس کی چوڑیوں کی جھنکار نے اس کو محتاط کیا اگلے پل وہ موبائل کان سے لگائے مدھم آواز میں باتیں کرنے لگا لیکن اس کی حرکات وسکنات پر مکمل نظر رکھے ہوئے تھا۔

ماہ روش کو شدید سبکی کا احساس ہوا نجانے وہ کب کمرے میں آیا تھا اگر آیا تھا تو اسے جگایا کیوں نہیں؟ یہ مقام ماہ روش کو ذلت سے دوچار کرنے کے لیے کافی تھا۔ وہ جو یہ سوچتے ہوئے آنکھوں کو بند کرنے لگی تھی کہ اب جب ان کے درمیان ایک شرعی رشتہ ہے تو وہ بنا کسی جھجک کے اس کو منالے گی اس کے روبرو ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ لے گی اس کے ساتھ جو بھی تلخی برتی ہے اپنے سارے منفی رویوں کی معافی مانگ کر اس کے ساتھ محبت کی ابتدا بہت دھوم دھام سے کرے گی لیکن گل میر کے رویے نے اسے بہت ہرٹ کیا تھا حقیقتاً وہ بہت ذلت محسوس کر رہی تھی۔ اس قدر تیاری کو اس نے پل بھر میں بے مول کردیا تھا اور اب یوں نظر انداز کرنا ماہ روش سے برداشت کرنا مشکل ہونے لگا۔

"کیا ایسی بھی کوئی محبت کرتا ہے؟" بھاری لہنگا بمشکل سنبھالتی وہ بیڈ سے اتر رہی تھی اپنا سارا زیور اتار کر ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا بلا ارادہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی گل میر نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا ایک مکمل حسن اس کی دسترس میں تھا۔ پورے استحقاق کے ساتھ وہ نظر چرا گیا تھا۔

"تو کوئی کیسی محبت کرتا ہے؟" وہ لہنگے کو دونوں ہاتھوں سے اوپر اٹھا کر وہاں سے پلٹنے لگی تھی کہ اس کی آواز سماعت سے ٹکرائی وہ رک گئی گل میر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا پُرشوق نظروں سے اسے دیکھا۔

"پتہ نہیں......" ماہ روش کے دل میں ایک بار پھر بدگمانی آنے لگی تھی۔ اتنا کہہ کر وہ دوبارہ آگے بڑھی۔

"کہہ کیوں نہیں دیتی کہ تمہیں میری ضرورت ہے۔" اس سے پہلے کہ وہ گر جاتی گل میر نے تیزی سے اس کو تھاما

خوشبو سے مہکا وجود اس کی بانہوں میں تھا اس کے کام میں گل میر نے سرگوشی کی ایسی قربت بھلا کب تصور کی تھی ایک بار میں گھبرائی دھڑکنوں میں ایک شور برپا ہوا اس سے پہلے کہ وہ سارے اختیار کھو دیتی اس کا کچھ دیر پہلے والا نظر انداز کرنا ملن کی گھڑیوں میں اس کو تنہا چھوڑ دینا یاد آ گیا تھا ایک لخت اس نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

''جب آپ کو میری ضرورت نہیں تو مجھے بھی نہیں میں خود جاسکتی ہوں۔'' ماہ روش نے اپنے پرانے کڑے انداز میں کہا تو گل میر اس کے روپ اور ان تیوروں سے محفوظ ہوا۔ بمشکل خود کو کنٹرول کیا مچلتے جذبات پر بندھ باندھا اور مسکراہٹ دبا کر اس کو دیکھنے لگا۔

ماہ روش کے غصے اور جھنجلاہٹ کو گل میر انجوائے کر رہا تھا۔ وہ تھکی ہوئی تھی آنکھوں میں محبت بھی تھی چہرے پر بھی پریشانی تھی اور اس کے سامنے کھڑی کہہ رہی تھی اسے ضرورت نہیں اس کی اس کا دل چاہا قہقہہ لگا کر ہنسے۔

''اوکے جاؤ......'' وہ کندھے اچکا کر بولا تو ماہ روش لحہ بھر کو سکتے میں آ گئی۔

بنا کچھ کہے قدم بڑھائے لیکن یہ کیا وہ تو پھر لڑکھڑائی کیوں کہ گل میر نے لہنگے کے اوپر پاؤں رکھ لیا تھا یک لخت آگے بڑھا اور ایک بار پھر لیکن اب کی بار وہ اس کی شرارت کو سمجھ گئی تھی ناگوار نظروں سے اسے دیکھا۔

''پڑ گئی ناں میری ضرورت۔'' گل میر نے کہا تو ماہ روش نے سر جھکا دیا۔

''آئی ایم سوری گل میر۔'' اس سے کہا تو گل میر نے انتہائی حیرانی سے اسے دیکھا۔

''ہاں مجھے ضرورت ہے یہ محبت آپ کے بنا ادھوری ہے۔'' وہ اب باقاعدہ آنسو بہانے لگی۔ گل میر نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے یہ تو پلان نہ تھا اس کا۔

''تو اب مکمل ہو گئی ناں؟'' گل میر نے اس کے دونوں ہاتھوں کو سینے پر رکھا اور جھک کر اسے دیکھا۔

''آپ ناراض ہیں مجھ سے؟'' وہ منہ بسور کر اس سے پوچھنے لگی ورنہ اس کے لمس نے دل کو بے قابو کر دیا تھا۔

''نہیں تو۔'' اس کے دلکش روپ کو نظروں کے حصار میں لیے گل میر مسکرا کر بولا۔

''تم کو اب تیکھے تیوروں کے ساتھ دیکھنے کی عادت ہوگئی ہے اس لیے۔'' گل میر نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم دلہن بنی اتنی اچھی لگ سکتی ہو۔''

''مجھ سے بات کیوں نہیں کی؟ میں اتنی پریشان رہی۔'' ماہ روش اب مطمئن ہو چکی تھی۔

''بات ہی تو کر رہا ہوں۔'' گل میر شریر لہجے میں بولا۔

''یہ بات نہیں۔'' وہ تیوریاں چڑھا کر بولی۔

''پھر کون سی بات۔'' اس کا لہجہ معنی خیز ہوا۔

''گل میر......'' وہ دانت پیس کر بولی تو وہ قہقہہ لگا کر ہنسا اس کی ہنسی میں ایک آسودگی تھی زندگی تھی اس دلکشی کو ماہ روش یک ٹک دیکھتی رہی۔

''یہاں بیٹھو۔'' گل میر نے اسے صوفہ پر بٹھایا اور خود نیچے بیٹھ گیا اس کے ایسے بیٹھنے پر ماہ روش ٹپٹائی۔

''اوں ہوں میں ٹھیک ہوں یہاں۔'' ماہ روش نے کہنا چاہا لیکن گل میر نے اسے روک دیا۔

''تمہاری منہ دکھائی۔'' گل میر نے صوفہ کے ساتھ رکھے ٹیبل کی دراز سے ایک پیکٹ نکال کر اس کی گود میں رکھا۔

''کھولو اسے۔'' وہ حیرانی سے دیکھ رہی تھی گل میر بولا۔

''یہ تو......!'' اگلے پل وہ چلائی تو گل میر ہنسنے لگا۔

''تمہاری ڈائریاں۔'' گل میر نے کہا تو ماہ روش منہ بسور کر رہ گئی۔

''اتنی ان رومانٹک منہ دکھائی۔'' وہ بڑبڑائی۔

''کیسا لگا گفٹ۔'' گل میر نے اس کے چہرے پر نظریں جما کر پوچھا۔

''بہت اچھا ہے، بہت پیارا بہت یونیک اور انتہائی ان رومانٹک۔'' ماہ روش نے تپ کر کہا۔

''اب کوئی پوچھے گا تو کیا بتاؤں گی کہ مجھے منہ دکھائی میں ڈائریاں ملی ہیں۔'' وہ اپنی ہی ڈائری کو گھور کر دیکھ کر اس سے پوچھنے لگی۔

"ہاں تو کہہ دینا ناں اس میں کیا ہے۔" گل میر نے اس کے چڑنے کا بھی لطف لیا اور ڈائری کھول کر اس کے سامنے رکھی۔

"محبت میری آخری شرارت نہیں تھی جہاں جہاں ماہ روش نے محبت میری آخری شرارت تھی لکھا تھا وہاں وہاں گل میر نے شرارت اور تھی کے درمیان چھوٹا سا ایرو بنا کر لکھا تھا اور اب ہنسنے کی باری ماہ روش کی تھی۔

"محبت کی شرارتیں تو میں کرتا رہوں گا۔" اس کی ذو معنی بات پر اس کی ہنسی کو یک دم بریک لگے تھے۔ گل میر نے اس کا ہاتھ تھاما تو محبت کی پہلی شرارت نے ماہ روش کو سمٹنے پر مجبور کردیا اگلے پل اس نے ایک بہت خوب صورت کنگن نکال کر اس کو پہنایا اور محبت سے اسے دیکھا ماہ روش کے ہونٹوں پر اب ایک بہت ہی دلکش مسکراہٹ تھی۔

"اور میری منہ دکھائی؟" گل میر نے فرمائش کی تو ماہ روش نے اچٹتی نظروں سے اسے دیکھا اور پھر ہنسنے لگی۔

"دلہے کو منہ دکھائی نہیں ملتی۔" ماہ روش لب دبا کر بولی۔

"کیوں؟" احتجاج بلند کیا۔

"کیونکہ دلہا کو دلہن ملتی ہے۔" ماہ روش شریر لہجے میں بولی۔

"لیکن دلہن کو بھی تو دلہا ملتا ہے ناں۔ یہ ناانصافی ہے۔" گل میر چلایا۔

"یہ روایات اب بدلنی چاہیے۔" گل میر نے اس کی ہنسی کو گھور کر دیکھا۔

"ہاں واقعی میں آپ کے ساتھ ہوں دلہوں کو بھی منہ دکھائی دی جائے ہمارا نعرہ ہوگا۔" ماہ روش اپنی پرانی جون میں واپس آ گئی تھی۔

"ہاں تو اور کیا۔" گل میر نے منہ بسورا۔

"مظلوم قوم سب سے آگے والے بینر پر یہ لکھیں گے..... " ماہ روش اب اس کا مذاق اڑانے لگی تھی۔

"بہت بری ہو تم بھی۔" گل میر نروٹھے لہجے میں بولا۔

"بری، بھلی جیسی بھی ہوں اب تو آپ کی ہوں بس۔" ماہ روش نے اقرار کیا۔

"یہ آوازیں کیسی آرہی ہیں؟" گل میر نے باہر سے آتی آوازوں پر کہا۔

"مریم یسریٰ۔" ماہ روش یک دم خوشی سے چلائی۔

"تم ابھی باہر نہیں جاسکتیں۔" گل میر نے اس کو پکڑ کر کہا۔

"میں تمہارا مجازی خدا ہوں اور تمہیں میرا حکم ماننا پڑے گا۔" ماہ روش نے اسے دیکھا۔

"آپ بھی نہیں جاسکتے پھر۔" ماہ روش نے کہا۔

"نہیں جاؤں گا۔" گل میر یک دم مان گیا۔

ان کی باتیں ہوتی رہیں کافی دیر گزری تو اب ناشتہ بھی نہ کرنا تھا دروازے پر ہوتی دستک کی آواز بھی بڑھتی جارہی تھی تو وہ دونوں بھی باہر کی جانب بڑھے شاندار استقبال پر دونوں ہی سرشار ہوئے تھے۔ ان دونوں کو ایک ساتھ خوش دیکھ کر سب ہی لوگ بہت خوش ہوئے تھے ان کے اپنے تھے جو محبتوں کو برقرار رکھنے میں ہمیشہ کوششوں میں مصروف رہتے ہیں۔

ایک پاکیزہ محبت جس میں احترام ہوتا ہے عزت ہوتی ہے بہت سے مان ہوتے ہیں وہ کبھی رائیگاں نہیں جاتی، محبت شرارت نہیں ہوتی، کوئی غلطی نہیں ہوتی، جس کی سزا دی جائے۔

گل میر اور ماہ روش کی محبت بہت پاکیزہ تھی۔

ماہ روش نے ان سب کے درمیان بیٹھے گل میر کو دیکھا جو کسی بات پر مسکرا رہا تھا۔ اسی لمحے اس نے بھی ماہ روش کو دیکھا اس نے مسکرا کر شرارت سے آنکھ کا کونا دبایا تو وہ نظر جھکا گئی محبت کی یہ ہلکی پھلکی شرارتیں بھی تو محبت کے حسن کو نکھارتی ہیں سب خوش تھے اور وہ دونوں تو ایک دوسرے کو پا کر جیسے ہواؤں میں اڑنے لگے تھے۔

ختم شد

کربِ زندگی

زینب ملک ندیم

دیرینہ دروازہ میرے ماضی کا جسے میں نے اپنی شوریدگی اور بے مہری کے قفل سے مقید کر دیا تھا۔ آج وہ دروازہ کھلا تو آج بھی اس ظلمت کدہ میں میرا وجود ساکت و جامد کھڑا تھا۔ آج پورے پندرہ سال بعد......

آہ پورے پندرہ سال بعد بھی آج میں اس مقام پر ایستادہ ہوں جہاں سے نہ میں واپس لوٹ سکتی ہوں اور نہ ہی آگے بڑھ سکتی ہوں۔ میرا خیال تھا کہ زندگی کی رعنائی اور رونق صرف لوگوں کے دم سے ہے مگر آج یہ جانا کہ ڈسے ہوئے لوگ تریاق نہیں بنتے، چوٹ کھایا ہوا شخص کسی کو کچھ نہیں دے سکتا، پورے پندرہ سال بعد میں نے یونیورسٹی میں قدم رکھا تو یادوں کا میلہ میرے اردگرد تھا، میری ذات ان یادوں کے حصار میں دھنس گئی تھی۔ اردگرد مختلف شکلوں کے لڑکے لڑکیاں اپنی مستی اور آمادگی میں مست، اردگرد کا ماحول مکمل طور پر بدل چکا تھا۔ ہر گزرنے والا انسان میرے لیے نامانوس تھا۔ پندرہ سال کم نہیں ہوتے، ایک طویل مدت جن کے دن گننے بیٹھوں تو دنوں کی گنتی کم پڑ جائے...... ان پندرہ سالوں میں نہ کبھی کوئی لمحہ ٹھہرا اور نہ ہی املی کی زندگی...... آج بھی ان دنوں کو سوچوں تو ماضی کی ڈور نرمی سے کھینچی چلی جاتی ہے۔ وہ پہلا دن جب ماں نے مجھے نصیحت کی تھی۔

''تعلیم انسان کے لیے اس کی روح کے لیے وہی حیثیت رکھتی ہے جو سنگ مرمر کے ٹکڑے کے لیے فن سنگ تراش کی۔'' بے حد دبیز الفاظ لیکن انسان کی زندگی کے لیے نشان لیے ہوئے۔

''خشک میوہ جات......؟'' میرے کان کی قریب کسی نے مترنم آواز میں سرگوشی کی۔

''لاؤ......'' آج بھی میں نے بلکہ ہمیشہ کی طرح اس کے سامنے اپنی ہتھیلی کو کھول دی۔

اردگرد سے بے نیاز ناجانے کتنے لوگوں کی نظریں میری اس نادانی پر میری جانب اٹھیں۔ میں نے اپنے سر پر ہلکی سی چپت لگائی مگر اس کی آواز میرے کانوں میں پہنچنے سے پہلے تحلیل کیسے ہوسکتی تھی۔ اس کا شائستہ لہجہ، معصوم صورت، گلاب کی پنکھڑی کی مانند ہونٹ۔

''یہ میں تمہیں نہیں دوں گی۔'' مجھے میرے عقب سے آواز آئی۔ اس برگد کے پیڑ کے نیچے میں اور معصوم صورت محمل بیٹھی تھیں۔ اگرد گرد سارے منظر بدل گئے تھے۔ میرے قدم اس جانب اٹھنے لگے۔ پندرہ سال پرانا عرصہ دوبارہ لوٹ آیا تھا۔

''دیکھو...... پہلے یہ بتاؤ تم خشک میوہ جات کہاں سے لائی ہو۔'' میں نے ابرو اچکا کر کہا۔

''دیکھو کھانا ہے تو کھاؤ ورنہ تمہیں میرے رقیبوں کا عالم تو معلوم ہے ناں کہ وہ یہ سب تمہارے لیے ہی لاتے ہیں۔ اس لیے میں اس بھولے معصوم شکل لڑکے کے کہنے سے پہلے ہی اس کے بیگ سے چرا لائی۔'' میرے ہونٹ اس معصوم صورت لڑکی کی بات پر ہلکے سے وا ہوئے۔ وہ منظر اب تحلیل ہو چکا تھا، میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ دل نے شدت سے چاہا پرانا وقت دوبارہ لوٹ آئے اور میں تمام منظر کو خود میں سمو لیتی اور سب ٹھیک اور خوشحال ہو جاتا، مگر زندگی ہے جس میں کسی نہ کسی کا کاش اور کسی نہ کسی کا اگر رہ ہی جاتا ہے۔ کاریڈور میں لڑکے اور لڑکیاں کتابیں اور موبائل فون لیے کھڑے تھے، یہیں کاریڈور میں کھڑے ہو کر ہم سردیوں کی دوپہر میں دھند کے اس پار سورج کی ایک جھلک دیکھنے کو بے تاب رہتے تھے۔ وہ بے حد سحر زدہ منظر ہوتا تھا۔

خوب صورتی ہر سو چھا جاتی تھی اور سردیوں کی دھوپ تو وجود کو تازہ دم کر دیتی ہے۔ قریب ہی بینچ پر مجھے اپنا ماضی پھر سے نظر آیا۔ فضہ کی اشک بار آنکھیں...... مجھے ازبر ہے اسے چشمہ لگا تھا اس کا سب نے بے حد مذاق اڑایا تھا۔

''قسم سے فضہ اگر میں عینک والا جن کے مصنف اور پروڈیوسر کو جانتا ناں تو میں تم جیسی چشمش، حزیں اور گرہستن کی اس عینک والے جن کے کردار کے لیے ضرور سفارش کرتا۔'' ارتضیٰ فضہ کا مذاق اڑاتے ہوئے تمسخرانہ مسکرایا...... وہ چپ چاپ ہونٹ چباتی رہی، مگر اس کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا، اس مذاق پر وہ اس جگہ

تو چپ کا قفل لگائے براجمان رہی مگر میرے پاس آتے ہی بے تحاشہ روئی۔

''امی میں ایک دن لینز ضرور خریدوں گی۔'' وہ ایک متوسط اور سفید پوش گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔

''تو لے لو......'' میں نے طنزیہ کہا مجھے پتہ تھا وہ ایسا نہیں کرے گی۔

''ہونہہ خریدلوں' پر جب بہن کا بھائی پر بوجھ بڑھتا ہے ناں تو صرف بہن کو سننی پڑتی ہیں۔ میں نے کہا لینز خرید دو تو بھائی لٹھ مار کر میدان میں اتر آئیں گے کہ میں نے کس کو دکھانے ہیں جو لینز خریدوں' عینک ہی ٹھیک ہے۔ لیکن دیکھنا امی ایک دن میں لینز ضرور خریدوں گی۔''

''مجھے ضرور اپنی خوب صورت سی شکل دکھانا پلیز۔'' میں نے اسے چھیڑا مگر اس کے لہجے کی پختگی نے مجھے احساس دلایا کہ ایک روز اپنی اس خواہش کے ہاتھوں بغاوت پر اتر آئے گی اور زندگی میں ایک بار اپنی خواہش ضرور پوری کرے گی' باپ کے گھر نہ سہی مگر پیا گھر ضرور۔ میں نے دیکھا کہ اس کی پلکوں کی باڑ توڑ کر دو آنسو اس کے گال سے پھسل کر اس کی کتاب پر گرے۔ جس پر دریا کی تصویر بنی تھی۔ اس کے آنسو اور آنکھیں بھی اس سمندر کی مانند دبیز تھے۔ وہ منظر تحلیل ہو چکا تھا اور میں اپنے حال میں واپس لوٹ آئی تھی۔ میرا رقیب' میرا دوست دائم زندگی کی پہلی منزل جس کو دیکھتے ہی زندگی تجلی کی جانب گامزن ہوئی۔ اس خوب صورت دن کی یادیں لبوں پر مسکراہٹ سجائے میں مڑی ہوں۔ کلاس روم کے سامنے برآمدے اور سڑک کے اس پار درختوں کا جھنڈ تھا' میں برآمدے کی سیڑھیوں پر رک گئی' مجھے یاد ہے مجمل میری دوست اس کا بھائی دائم میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے والا میری صورت کی جانب دیکھتے ہی میرے جذبات اور احساسات بتانے والا میں اس کو دیکھ کر بیچ سمندر میں غرق ہوجاتی تھی۔

پھر وقت' حالات' لمحہ' سیکنڈ' گھنٹے اور ہر شے میں تبدیلی آئی' یونیورسٹی کے کسی فنکشن میں کسی ڈائریکٹر نے مجھے کسی کردار پر پرفارم کرتے دیکھا تو ماڈلنگ اور اداکاری کی آفر کردی' اس کی پیشکش پر مجھے دلی نشاط محسوس ہوئی' میں نے فوراً حامی بھری اور مما کو بتائے بغیر کانٹریکٹ سائن کردیا۔

مجھے یقین تھا کہ مما مجھے اس فیلڈ میں جانے سے منع نہیں کریں گی کیونکہ میں بچپن سے ہی آزاد ماحول میں پلی بڑھی تھی لیکن پھر......

''تمہیں پتہ ہے تم نے کانٹوں بھرا راستہ چن لیا ہے جہاں صرف کٹھنائیاں ہی ہیں۔ تم نے چمکتی چیز کو سونا سمجھ لیا ہے۔'' مما کے الفاظ نے میرے کانوں میں پگلتا سیسہ ڈال دیا۔ مگر جب انسان بے راہ روی کا شکار ہوجائے اور اس انڈسٹری کی لت لگ جائے تو کچھ برا نہیں لگتا' مما سے صرف ایک ڈرامہ کرنے کا وعدہ کیا' مما نے ہاں میں جواب دیا اور نہ ہی نہ میں۔ جب انسان اپنی خواہشات پر اپنے نفس کے زور کو نہیں روکتا تو ظلمت کدہ راستے اس کی منزل بن جاتے ہیں۔ مشہور ماڈل ایمل مرزا آسمان کی بلندیوں کو چھونے لگی اور پھر جیسے ہر گنتی کے ہندسوں کے آگے صفر لگتے ہیں تو قیمت بڑھ جاتی ہے اسی طرح انسان بھی خود کو ان صفروں سے زیادہ

ترمان لیتا ہے غرور اور تکبر دونوں میں۔

پورے دو سال میں نے ماڈلنگ' اداکاری اور پڑھائی کو ساتھ ساتھ جاری رکھا۔ میں کئی بار گھر گئی مگر بند دروازہ میرا منہ چڑھاتا تھا دستک دینے پر بھی وہ دروازہ نہ کھلتا تھا میں یونیورسٹی کے ہاسٹل میں ہی رہائش پذیر ہوگئی لیکن جب شہرت کی بلندیوں کو چھوتا انسان انا کے خول میں بند ہوتا ہے تو اسے دنیا کا ہر رشتہ بے معنی لگتا ہے۔

بے حد خوب صورت سفید دودھیا روشنیاں جن سے ہال سجا تھا۔ رنگ و بو کا سیلاب امڈ آیا تھا' اس ہال میں دل والے لوگوں کا مجمع تھا' سوائے ایک کے جو انا کے خول میں مقید تھی میری ذات' آج میں بہت خوش ہوں میری پیاری دوست املی ایک بے حد پیاری اداکارہ مُمل نے میرے گال چومتے ہوئے ہنسی سے کھنکتے لہجے میں کہا۔

سفید روشنیاں تو صرف ہال کے اندر ہی تھیں باہر تو صرف اماوس کی رات تھی۔ کالی اندھیری سی۔ املی تم مجھ سے شادی کرو گی دائم نے دو سالوں میں اپنی ہمت مجتمع کر کے حال دل کہہ ہی دیا' میں ششدر رہ گئی۔ کیک کی پلیٹ میرے ہاتھوں میں لرز گئی' میں پتھر کی سل بن گئی۔ میں اس کی نظروں کے پیغام کئی دفعہ پڑھ چکی تھی اس کے ذومعنی جملے مجھے کئی بار چونکا چکے تھے۔ میں پسینے سے شرابور ہوگئی' نا جانے کیوں میں انا کے خول میں مقید تھی۔ ایک زوردار تھپڑ میں نے دائم کے گال پر رسید کیا' وہ مجھے کیسے پرپوز کرسکتا تھا میں املی مرزا جسے عالیان ریاض جیسے مشہور سپر اسٹار کا پرپوزل ملا تھا وہ اس متوسط طبقے کے دائم کو کیسے جیون ساتھی چن سکتی تھی۔

''تم خود کو کیا سمجھتے ہو' تمہاری جرأت کیسے ہوئی دائم۔ تمہاری اوقات کیا ہے پچھلے دو سالوں سے تمہیں برداشت کررہی ہوں آج تم نے میرے صبر کا پیمانہ لبریز کردیا سمجھے۔'' میں نے اپنی انگشت اس کی جانب اٹھاتے ہوئے مشتعل لہجے میں کہا۔ کچھ لوگ رگ جاں ہوتے ہیں اور پھر ایک دن رگ سے جاں تک کھینچ لیتے ہیں اور آپ اسی وقت مر جاتے ہیں اور پھر وہ تمام دوست جو میرے تھے اس کی جانب ہوگئے' ایسے الفاظ سننے کو ملے کہ میری آنکھیں نمناک ہوگئیں اور آج میرے سامنے وہ بولی جو صرف چپ رہتی تھی۔

''جانتی ہو ایمل تم ہماری املی نہیں ہوسکتی' تم سچ میں ایمل مرزا ایک بہت بڑی سپر اسٹار ہو میں نے ایک بار سوچا تھا کہ میں بھی بغاوت کروں گی جب تم اس راہ پر چل سکتی ہو تو میں کیوں نہیں مگر جانتی ہو میں غلط تھی مجھے آج اپنی غلیظ سوچ سے نفرت ہو رہی ہے۔ تجھے دولت کی چکا چوند نے اندھا کردیا ہے۔'' دیدہ گریاں وجود لیے وہ سب کہنے والی صرف اور صرف فضہ تھی۔ دبوسی' نادان سی لڑکی۔

''ہوناں تم لوگ پاگل کیا اس دو ٹکے کے انسان کے لیے مجھے یہ سب کہہ رہے ہو۔'' میں نے مشتعل ہوکر کہا۔ دائم کے ہاتھ پاؤں پھول چکے تھے اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا ہی اندھیرا چھا گیا تھا۔ اس سے پہلے کہ مجھ پر کوئی ہاتھ اٹھاتا' دائم جس کا میں نے دل توڑا تھا' کسی کو چاہنا اور چاہے جانے کی تمنا کرنا انسان کی فطرت میں شامل ہے مگر پھر بھی میں نے محبت کے مجسمے کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا اس کو اندھیر نگری میں چھوڑ آئی' وہ مجھے ہال سے باہر لے آیا اور ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔

''املی اب بس خاموش کچھ نہ کہنا مجھ میں سننے کی سکت نہیں ہے' اللہ تمہیں خوش رکھے۔'' اس کی آنکھوں میں تحیر سا عالم تھا اجڑی سنسان آنکھیں' اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے' عجیب بے یقینی تھی اس کے چہرے پر جو صاف واضح تھی کہ اسے املی سے ایسی امید نہ تھی اور پھر اس دن کے بعد سب کچھ ریت کی مانند میرے ہاتھوں سے پھسل گیا۔ میں عالیان ریاض کے ساتھ انڈیا کسی کانٹریکٹ پر کام کررہی تھی اور پھر کانچ ٹوٹ گیا۔ پتے شاخوں سے مرجھا کر گر گئے...... اداس راتیں میرا نصیب بن گئیں۔ عالیان ریاض درندہ نکلا' میں وجود پر زخم لیے پاکستان آئی تو پتہ چلا ماں کو کھو دیا اور پھر خالی ہاتھ لیے ایمل ایک مردہ بن گئی ہر شے کو کھو دیا' ماں نے مجھ پر دروازہ بند کیا تھا مگر مسلسل آواز دینے سے کبھی کوئی لوٹ آتا ہے اور دروازہ کھل جاتا ہے' مگر آہ...... میں یادوں کے بکھرے اوراق سمیٹتے سمیٹتے تھک گئی تھی' جی بوجھل ہوگیا تھا' نڈھال ہوچکی تھی' جدائی میرا نصیب بن گیا تھا' جدائی وہ خزاں رسیدہ موسم ہے جو ساری زندگی کے لیے ٹھہر جاتا ہے'

جدائی کا ناگ جب ہنستی مسکراتی زندگی کو ڈستا ہے تو احساس ہوتا ہے، ہم نے محض ایک شخص نہیں بلکہ خوشیوں کا وہ احساس بھی اس کے ساتھ کھودیا' جدائی اگر قسمت میں رقم ہو تو بہت نزدیک جا کر بھی پل بھر میں ملن کی راہ میں جدائی کا اتھاہ سمندر حائل ہوجاتا ہے اور جدائی موت کا دوسرا نام ہے مجھے بھی جدائی ملی تھی ایک پیار کرنے والے دائم سے جو زندگی کا دوسرا نام تھا...... مگر میں نشتر زبان تھی جس کے لیے کسی کی آہ بکا کوئی معنی نہ رکھتی تھی۔ پنچھی غول کی صورت میں اڑتے تھے اب بچھڑ گئے اور وہ شاید ایک جگہ ہی جمع رہتے مگر ایک پنچھی گدھ کی صورت اختیار کر گیا تھا' وہ ان تمام پنچھیوں کو ایک ایک کر کے کھا گیا' مگر وہ گدھ جس نے معصوم پنچھیوں کے جذبات سے کھیلا تھا خود کون سا قائم ودائم رہ سکا تھا اسے بھی ایک سانپ نے ڈس لیا تھا۔

اور وہ زہر اس کے پورے وجود میں پھیل گیا تھا' فرق یہ تھا اس زہر سے وہ مری نہیں تھی' مگر چلتی پھرتی لاش بن چکی تھی۔ بچپن سے ماں نے کسی شے سے انکار نہیں کیا تھا' پاپا جوانی میں ہی رخصت ہوگئے تھے۔ ہر خواہش پوری کی مما نے مگر بچے کی ہر خواہش قابل قبول نہیں ہوتی...... میں نے ہر دل کو توڑا' قدموں تلے جنت رکھنے والی ہستی کو ناراض کر دیا۔ آج سب لوگ غائب ہیں خزاں رسیدہ موسم میرا منتظر' اس نے پورے دو سال مجھ سے محبت کا اظہار نہیں کیا تھا...... وہ کہتا تھا کہ محبت اظہار نہیں مانگتی دلی جذبات محبوب کو پتہ چل ہی جاتے ہیں۔ میں نے اسے کئی بار محمل سے کہتے سنا تھا مگر جب اظہار کیا اس نے تو آہ میں نے سب برباد کر دیا دل خون کے آنسو رو رہا تھا مگر گیا وقت' گزرے لمحے' ماضی کی یادیں سب قصہ پارینہ بن جاتی ہیں مگر کبھی واپس نہیں لوٹتی' میں ان سب سے کبھی ملنا نہیں چاہتی...... کیونکہ ایمل مرزا قصہ پارینہ نہیں ہوئی ماضی کی تلخ یادیں اسے کانٹوں پر چلاتی ہیں' میں دوبارہ ان کے زخموں پر مرہم نہیں چھڑکنا چاہتی ماضی جتنا ان سے دور ہے اتنی ہی ان کی نفرت مجھ سے کھوتی جائے گی۔

اس نے ایک بار دائم کی فیس بک آئی ڈی چیک کی تھی' ایک شعر اس نے پوسٹ کیا تھا جس نے ایمل کے دل کو کرچی کرچی کر دیا تھا۔

اظہار محبت تو کھلے عام کرنا چاہتا ہوں
مگر لفظ انکار سے ہراساں ہوں......!

بہت روئی تھی میں نے اس کے ڈر کو سچ ہی تو کر دکھایا تھا' وہ شادی کر چکا تھا۔ اس نے اپنی بیٹی کی تصویر پوسٹ کی تھی اور اس پر الفاظ درج تھے آج میں بہت خوش ہوں اللہ نے مجھے بیٹی عطا کی ہے اس کا نام ہے ایمل وہ آج بھی ایمل نام سے بے حد محبت کرتا تھا' ہم زندگی میں غرور کرتے بہت سے گناہ کر جاتے ہیں غرور تو ٹوٹ جاتا ہے' ساتھ ساتھ ہمارا وجود بھی کرچی کرچی ہوجاتا ہے۔ کیونکہ ہمیں ہمارے کیے کی سزا ملتی ہے۔

آج بھی لوگ مجھ سے آٹوگراف مانگتے ہیں ایمل مرزا سے' مگر وہ سب انجان تھے املی مرزا سے ملی پھر املی سے ایمل مرزا بلکہ زخمی ایمل مرزا کے سفر سے...... اور آج ایمل مرزا کو دنیا کی سب سے بڑی سزا ملی تھی تنہائی...... اور آج بھی میں دائم کو تنہائی میں پکارتی ہوں اور کہتی ہوں دائم تم نے مجھے بددعا تو نہیں دی مگر تمہارے دل کے ٹوٹنے کی آواز آسمان تک گئی ہے۔ تمہاری تنہا راتیں' روتی آنکھیں تمہارے درد' کرب' تکلیف کی سزا مل گئی ہے مجھے اور سب سے بڑی سزا ایک انسان کے لیے تنہائی ہوتی ہے جو ہماری ذات کو کھوکھلا اور پاگل بنا دیتی ہے اور زندگی کی ہر رونق' رعنائی' اماوس کی رات میں بدل جاتی ہے' ایمل کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا تبھی تو اس کے دل میں دل کی جگہ پتھر تھا۔

نائلہ طارق

گزشتہ قسط کا خلاصہ

عرش کا علاج مکمل ہونے کے بعد شہرام اسے اپنے گھر لے آتا ہے۔ عرش کچھ عرصے تک اپنے ماضی کو بھلائے رہتا ہے لیکن جب ماضی کے دروا ہوتے ہیں تب وہ زنائشہ کی تلاش میں پرانی جگہوں پر بھٹکتا ہے ہاسٹل میں رہتے دراج کو پانچ سال کا عرصہ بیت چکا ہوتا ہے اور اس عرصے میں بہت کچھ بدل گیا ہوتا ہے۔ شیراز اپنی پڑھائی مکمل کرنے کے بعد ابھی تک ملک سے باہر ہوتا ہے صبغہ اب زرکاش کی شادی کرنا چاہتی تھی لیکن ہر بار وہ ٹالتا جارہا تھا۔ زرکاش اپنی ماں صبغہ کے ساتھ عمرے کی سعادت حاصل کرکے دراج سے ملنے آتا ہے۔ زنائشہ نے زرکاش کا آفس جوائن کرلیا ہوتا ہے۔ وہ عرش کی تلاش میں مایوس ہوکر دراج کے ساتھ ہاسٹل میں رہائش پذیر ہوتی ہے تب ہی آفس سے واپسی پر وہ ایک گاڑی کو ہاسٹل کے گیٹ کے پاس کھڑی دیکھتی چونکتی ہے یہ گاڑی وہ کچھ عرصے سے یہاں روز دیکھ رہی ہوتی ہے۔

دراج کو عرش نے اپنے فلیٹ پر بلایا ہوتا ہے وہ تیار ہوکر اس کے فلیٹ پر آتی ہے تو امام کو پہلے وہاں موجود دیکھ کر ٹھٹک جاتی ہے۔ دوسری طرف رجاب نے اپنا ٹرسٹ ہسپتال قائم کرلیا ہوتا ہے، جبکہ رزق نے بھی راسب کا آفس جوائن کرلیا ہوتا ہے۔

اب آگے پڑھیے

☆......☆......☆

''باباجی...... اگر یہاں کسی بات کے لیے آپ کو پریشان کیا جارہا ہے یا آپ کے ساتھ کوئی اچھی طرح پیش نہیں آرہا تو ضرور کمپلین آفس میں جائیے اکبر باباجی کو یہاں کرسی پر بٹھادو۔'' نرم لہجے میں باباجی کو مخاطب کرنے کے بعد اس نے اکبر کو ہدایت دی۔

''اب ایسا کرو باباجی کے لیے چار، پانچ قسم کے تازہ پھل منگواؤ اور ٹھیک طرح سے دھوکر کاٹ کرلاؤ۔'' پیسے اکبر کے حوالے کرتی وہ تاکید کررہی تھی جبکہ اکبر سر ہلاتا وہاں سے چلا گیا۔

پہلے سے موجود ایک پیشنٹ کو چیک کرنے کے بعد وہ دوبارہ باباجی کی طرف متوجہ ہوئی جن کی شکایتیں جاری تھیں۔

''باباجی، میں اچھی طرح چیک کرچکی ہوں، اب آپ میری بات غور سے سنیں، بتیسی کا ہر سائز الگ الگ ہوتا ہے لہٰذا آپ کے مصنوعی دانت کسی دوسرے بندے کے کسی کام کے نہیں نہ ہی کسی اور کے دانت آپ استعمال کرسکتے ہیں، دراصل آپ پہلی بار مصنوعی دانت استعمال کررہے ہیں اسی لیے آپ کو دشواری ہورہی ہے، کچھ دن لگیں گے آپ کو عادی ہونے میں، آپ میرے سامنے پھل کھائیے گا، اس دوران کوئی مسئلہ ہوتا ہے تو میں دیکھ لوں گی، بےفکر رہیے۔''

پھر کوئی ایک گھنٹہ تو مزید لگا تھا باباجی کو مطمئن کرنے میں، اپنے پشنٹ کو چیک کرتے ہوئے وہ بڑی مستقل مزاجی سے

باباجی کی دنیا جہان کی باتیں بھی سنتی محظوظ ہوتی رہی تھی۔ آخری میں رہ جانے والے کچھ پیشنٹس کو نمٹاتے ہوئے وہ مسلسل آنے والی کالز کو اگنور کررہی تھی۔

''ڈاکٹر صاحبہ! وہ بلارہے ہیں آپ کو گارڈ بتارہا ہے اس پر غصہ ہورہے ہیں۔'' ایک بار پھر اکبر کی آمد ہوئی۔

''کہہ دو بس دومنٹ میں آرہی ہوں۔'' وہ مصروف انداز میں بولی۔

''آپ یہ فون پر کہہ دیں ان کو۔'' اکبر نے مشورہ دیا۔

''کیوں؟ میری جگہ اگر گارڈ دو چار کھری کھری سن لے گا تو کوئی حرج ہے؟'' اس کے خشمناک لہجے پر اکبر مسکراتے ہوئے سر ہلاتا باہر نکل گیا۔ دس منٹ بعد وہ واقعی بیگ سنبھالے بہت عجلت میں ہاسپٹل کے گیٹ سے برآمد ہوئی تھی' فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے اس نے غلطی سے بھی ایک نگاہ اسے نہیں دیکھا تھا جو بڑی سنجیدگی سے اسے ہی گھور رہا تھا۔

''زرق...... مجھے گھورتے رہنے سے تمہارا برباد ہوجانے والا وقت واپس نہیں آجائے گا' اس سے پہلے کہ مزید تمہارا قیمتی وقت ضائع ہو' گاڑی اسٹارٹ کرو پھر سارا رستہ مجھے گھورتے رہنا۔'' اس کے کھر کنے کا خاطر خواہ اثر ہوا مگر وہ جانتی تھی کہ باتیں تو ضرور سننی ہوں گی۔

''تم جانتی ہو' مجھے بورڈ میٹنگ ارینج کروانی تھی پر یہ کام منیجر کو سونپ کر میں ایک گھنٹے پہلے تمہارے ایک فون پر یہاں موجود ہوں۔''

''تم ہمیشہ ہی میرے ایک فون پر یہاں آتے ہو' اب کیا ہر بار اس مہربانی کے لیے تمہارا شکریہ ادا کرنا ہوگا؟'' وہ بیزاری سے بولی۔

''کم از کم اپنی غلطی تو مان سکتی ہو کہ تم کبھی وقت کی پابندی نہیں کرتیں' تمہاری وجہ سے بھائی کی باتیں سن کر اب مجھے ان کا سامنا بھی کرنا ہوگا' آئندہ اپنے مریضوں سے فارغ ہوکر ہی مجھے کال کرنا ورنہ میں مریضوں کے درمیان سے تمہیں اٹھالے جاؤں گا۔''

''کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ دنیا کے اگر سارے بھائی میرے بھائیوں جیسے ہوں تو کسی کو چنگیز خان اور ہلاکو خان جیسی شخصیات کے بارے میں جاننے کے لیے تاریخ کے اوراق چھاننے کی ضرورت ہی نہیں ہوگی۔'' وہ کافی سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

''تمہیں اپنی اس سوچ سے بھائی کو ضرور آگاہ کرنا چاہیے۔'' مشورہ بھی بہت سنجیدگی سے دیا تھا۔

''اب میرا اس قدر بھی دماغ خراب نہیں ہوا۔'' رجاب نے خشمگین نظروں سے اسے دیکھا۔ ''اب ذرا اسپیڈ بڑھاؤ ورنہ آغا جان کو ڈرائیور کے ساتھ گھر جانا پڑا تو تمہارے ساتھ ساتھ میری بھی خیر نہ ہوگی۔''

''فکر مت کرو' تمہارے حصے کی ناراضی مجھ پر اتر چکی ہے ہر بار کی طرح۔''

''پھر تو ساری بات ہی ختم جو ہونا تھا وہ ہوچکا' تم یہ بتاؤ فلائیٹ کب کی ہے تمہاری؟'' مسکراہٹ چھپائے وہ موضوع بدل گئی۔

''کل شام کی۔''

''واپسی کب ہوگی؟''

''بس تین دن لگیں گے' دعا کرنا کامیاب رہوں' کمپنی کو ایک بڑا آرڈر ملنے کی توقع ہے۔''

''بالکل فکر مت کرو ٹینڈر ہماری کمپنی کا ہی پاس ہوگا' اپنی محنت اور صلاحیت کے بل بوتے پر تم نے وہ مقام حاصل

کیا ہے جسے حاصل کرنے میں آدھی زندگی گزر جاتی ہے' آغا جان کو یونہی تم پر بھروسہ اور اعتماد نہیں' ان کو اچھی طرح اندازہ ہے تمہاری قابلیت کا' جو انسان اپنے نفس کو لگام دینا جانتا ہو وہ پھر دنیا کا ہر معرکہ سر کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔''

''یہ تم کہہ سکتی ہو ورنہ میں اپنی حقیقت جانتا ہوں' میں پستیوں میں گرا ایک گناہ گار انسان تھا اور پستیوں سے نکل کر بھی......'' اس کے سرد لہجے پر رجاب نے گہری سانس لے کر اسے دیکھا۔

''اس معاملے میں کچھ بھی اس وقت تک نہیں کہہ سکتی جب تک تم سے کوئی بھی سوال نہ کرنے کا جو وعدہ میں نے کیا ہے اس وعدے کی مدت پوری نہ ہو جائے۔'' رجاب کے کہنے پر وہ خاموش رہا جبکہ وہ اس کے سپاٹ چہرے سے نگاہ ہٹاتی باہر متوجہ ہوگئی تھی۔

''ہم گھر کی طرف نہیں جا رہے؟'' کچھ دیر بعد بدلتے راستوں نے رجاب کو چونکایا' جواباً زرق نے اسے بس ایک نگاہ دیکھا اور اس کے بعد کچھ کہنے سننے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہ جاتی تھی۔

ہاسٹل سے کچھ فاصلے پر سڑک کے دوسری جانب گاڑی رکی تھی' ایک لفافہ زرق نے خاموشی سے رجاب کے حوالے کیا' جسے لے کر وہ دوپٹے کے نقاب میں چہرہ چھپاتی گاڑی سے اتر گئی تھی۔ بہت سے سوال آج پھر اس کے ذہن میں کلبلاتے تجسس کو بڑھا رہے تھے' اگر اس نے زرق سے کوئی بھی سوال نہ کرنے کا وعدہ نہ کیا ہوتا تو کم از کم وہ اس لفافے اور ہاسٹل میں موجود اس شخصیت کے حوالے سے ضرور سوال اٹھاتی' یہ الجھن سب سے زیادہ اہم تھی کہ اس شخصیت سے زرق کا تعلق کیا ہے۔ جس کے نہ سامنے وہ جانا چاہتا ہے نہ اپنا نام ظاہر کرتا ہے' یوں چھپ چھپ کراتنے مشکوک انداز میں وہ کس کے لیے اس ہاسٹل تک آنے پر مجبور ہے' رجاب کے لیے یہ سب اور ایسے بہت سے سوال ایک معمہ تھے۔ کسی معمول کی طرح لفافہ ہاسٹل کے چوکیدار کے حوالے کرتی وہ واپس آ گئی تھی' زرق نے کوئی سوال کیا نہ ہی اسے کسی سوال کی اجازت تھی اسے بس وقت آنے تک اسی طرح خاموشی سے زرق کے لیے یہ کام کرتے رہنا تھا۔

☆......☆......☆

وسیع وعریض کمرے کی بند کھڑکیوں اور ان پر گرے بھاری پردوں کی وجہ سے روشنی کی کوئی لکیر بھی اندر داخل نہیں ہو سکتی تھی' جو سکوت اور سوگواری ماحول پر چھائی ہوئی تھی وہ اس وجود پر بھی طاری تھی جو بیڈ پر بکھرا ہوا تھا' لیمپ کی مدھم روشنی میں اس کی کھلی آنکھیں چھت پر ساکت تھیں۔ بعض اوقات زندگی بس ایک بوجھ بن کر رہ جاتی ہے' ایک ایسا بوجھ جسے کاندھوں سے اتار کر پھینکا بھی نہیں جا سکتا۔ قیمتی چیزیں بھی گم ہو جائیں تو صبر آ جاتا ہے مگر جس سے روح کا' سانسوں کا تعلق ہو وہی گم ہو جائے تو پھر زندگی میں باقی کیا رہ جاتا ہے۔ کچھ بھی تو نہیں' اس کی آنکھوں کے کنارے سے ایک تواتر سے گرم سیال پھسل رہا تھا۔

''عرش...... میں تم سے یہ کہنا چاہتی ہوں کہ تم رویا مت کرو' پتہ ہے اتنی اذیت' اتنی وحشت ہوتی ہے مجھے تمہاری آنکھوں سے بہتے آنسو دیکھ کر کہ دل چاہتا ہے تمہارے سارے دکھ کہیں رکھے ہوئے مل جائیں اور میں ان کو سمندر کی گہرائیوں میں چھپا آؤں' مگر میں بے بسی سے تمہیں روتا دیکھتی رہتی ہوں' پھر یہ بھی سوچتی ہوں کہ تم میرے سامنے اپنا دل ہلکا نہیں کرو گے تو اور کون ہے یہاں میرے سوا' مجھے ہمت سے کام لینا ہوگا تب ہی تو ہم آگے بڑھ سکیں گے ہمارے درمیان اب ایک مضبوط رشتہ ہے' ہم نے ہی تو ایک دوسرے کو سنبھالنا ہے۔'' کانوں میں گونجتی ایک آواز اس کے آنسوؤں کی رفتار کو بڑھا رہی تھی۔ ''تمہیں جب جب ماما کی بہت زیادہ شدت سے یاد آئے تو اللہ کو پکارا کرو' ماما کے لیے دعا کیا کرو' ان کو تمہارے آنسوؤں کی نہیں تمہاری دعاؤں کی ضرورت ہے' تمہاری دعائیں ان کے آخرت تک کے سفر کو آسان کریں گی' پھولوں سے بھر دیں گی' ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ تم مجھ سے ان کے بارے میں بات کیا کرو' جو

کچھ تم ان سے نہیں کہہ سکے تھے وہ سب باتیں مجھ سے کیا کرو، تمہارے آنسو تو ان کو سوائے تکلیف کے اور کچھ نہیں دے سکیں گے۔'' بازوؤں میں چہرہ چھپاتے ہوئے اس نے دوبارہ اس آواز کو سننے کی کوشش کی تھی مگر ایک ہولناک سناٹے کے سوا اردگرد کچھ نہیں تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اس رات آخری بار زناشہ کا چہرہ دیکھنے کے بعد اس نے کتنا عرصہ گزر جانے کے بعد آنکھیں کھولی تھیں، اسے نہیں یاد تھا کہ کتنا وقت گزر جانے کے بعد وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل ہوا تھا' بس اسے یہ پتہ تھا کہ اس نے سب کچھ کھو دیا ہے' یہاں تک کہ اپنی یادداشت کو' خود اپنے آپ کو بھی گم کر دیا تھا' یہ تو کوئی اور ہی دنیا تھی جہاں اس نے آنکھیں کھولی تھیں' یہاں کچھ بھی تو نہیں تھا اس کے لیے' کوئی شناسا' مانوس چہرہ تک نہیں' اپنی جڑ' اپنی بنیاد' شجرہ شناخت کا کوئی سراغ' کوئی نشان تک اس کے پاس نہیں تھا' وہ کون تھا' کیا تھا' کہاں سے آیا تھا؟ اسے کچھ معلوم نہ تھا' اگر اس وقت اس کے قریب شہرام نہ ہوتے تو وہ دیواروں سے سر ٹکرا ٹکرا کر خود کو ختم کر چکا ہوتا یا پھر جنونی کیفیت میں سڑکوں پر بھاگتا کسی گاڑی سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتا' اگر شہرام سائے کی طرح اس کے ساتھ نہ لگے ہوتے حالانکہ وہ نہیں جانتا تھا کہ شہرام سے اس کا کیا تعلق ہے' وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ کون شخص ہے جو اس کے ناکارہ' لاغر وجود کو ہاتھوں میں اٹھائے' کبھی کسی معالج کے پاس بھاگتے تو کبھی کسی معالج کے پاس' اس کے لیے تو خود اپنا وجود' اپنا ہی چہرہ اجنبی اور ناآشنا تھا۔ اس نئی دنیا میں شہرام نے اسے ہتھیلی کا چھالہ بنائے رکھا تھا اس کی دنیا صرف شہرام اور ان کے گھر تک محدود ہو کر رہ گئی تھی' گمشدہ یادداشت اور منتشر حواسوں کے ساتھ اپنی اس اجنبی زندگی میں ایڈجسٹ ہونا بہت مشکل اور کٹھن تھا' شہرام اور ان کے گھر کے گنے چنے دیگر نفوس کے درمیان جیسے اس نے دوسرا جنم لیا تھا' نئے سرے سے اس کی پرورش ہوئی تھی' شہرام نے اسے سکھایا کہ اللہ کو کیسے پکارنا چاہیے' شہ رگ سے بھی زیادہ قریب اللہ ہے' اللہ کو اپنے بندے کا رونا' گڑگڑانا' پکارنا پسند ہے حالانکہ اللہ سب جانتا ہے' تو پھر مانگو اس سے' گڑگڑاؤ' پکارو اسے سجدوں میں' اس نے بھی سیکھا' سمجھا اور اس پر عمل بھی کیا' یہ سب اس کی بے چینی اور وحشت کو کم کرتا تھا' شہرام کی حوصلہ افزا باتیں' نصیحتیں اسے ناامیدی اور مایوسیوں کی تاریکی سے نکالتی تھیں' پھر وہ وقت بھی قریب آنے لگا جب دھند ختم ہونے لگی' بادل چھٹ گئے تھے' مگر جانے کیوں اچانک کوئی آسمانی بجلی آ گری تھی' اپنے نام ونسب اور خالی ذہن کے ساتھ وہ جس اذیت میں رہا تھا' چھٹتے بادلوں اور یادداشت کی کھلتی پرتوں نے اسے ایک قیامت کے درمیان لا کھڑا کیا تھا' جس وقت وہ دیوانہ وار گھر سے نکلا' دنیا حیرت سے اسے اور اس کے پیچھے سڑک پر دوڑتے شہرام کو تک رہی تھی' بس ایک وہی تھا جسے کوئی ہوش نہیں تھا کیونکہ اسے یاد آ گیا تھا' کوئی ہے جو اس کا انتظار کر رہا ہوگا' دو آنکھیں اس کی راہ تک رہی ہوں گی' اس کے وجود کا ہی ایک حصہ جو اس کے ساتھ ہی سانس لے رہا تھا' اسے یاد آ گیا تھا' مگر جہاں اس کے قدم رکے وہ تو کوئی اور ہی جگہ تھی' عالم دیوانگی میں پھٹی آنکھوں سے اس نے کئی بار سفید پول کو دیکھا' گھنے درخت اور باؤنڈری کو بھی' اس جانب تو سب کچھ وہی تھا لیکن سڑک کے دوسری جانب دور دور تک ملبے کا ڈھیر پھیلا تھا' کسی عمارت کا نام ونشان تک نہ تھا' ملبہ اٹھانے والوں سے شہرام نے پوچھ گچھ کی تو معلوم ہوا کہ حالیہ طوفانی بارشوں میں دو عمارتیں گر گئی تھیں' کافی جانی اور مالی نقصان ہوا جس کے بعد ان تمام عمارتوں کو مخدوش قرار دے کر حکومت نے مسمار کروا دیا' اس کے لیے عمارتوں کا گرنا ہی ایک اندوہناک خبر تھی' کسی صدمے کو وہ سہنے کی حالت میں نہ تھا' ایک اور قیامت کا سامنا کرتے ہوئے اسے بس اپنی دھاڑیں سنائی دے رہی تھیں' اس کا کمزور لاغر وجود ملبے کے ڈھیر میں ہی پھر سے بکھر گیا تھا' اس کا بس چلتا تو وہیں پول کے پاس اپنے دن' رات بسر کرتا مگر شہرام اسے یوں چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھے' اس میں طاقت نہیں تھی مزاحمت کی' وہ پھوٹ پھوٹ کر روتا ان سے التجائیں کرتا رہ جاتا مگر شہرام زبردستی اسے اپنے ساتھ گھر لے آئے اس وعدے کے ساتھ کہ کل وہ اسے دوبارہ یہاں لے

آئیں گے اور اس کے ساتھ مل کر اس گم گشتہ ہستی کی تلاش کریں گے کہ جس کے بغیر وہ اب اس دنیا میں رہنا ہی نہیں چاہتا تھا۔

''عرش...... ہم کم از کم یہ تو پتہ کر چکے ہیں کہ وہ زندہ ہے اور تمہارے لیے یہ بھی بہت ہونا چاہیے وہ یہاں ہونے والے حادثے سے بہت پہلے ہی چلی گئی تھی اپنی ماں کے انتقال کے بعد وہ تنہا یہاں رک بھی کیسے سکتی تھی یقیناً وہ اپنے کسی رشتے دار کے پاس چلی گئی ہے اس شہر میں یا کسی دوسرے شہر میں مگر وہ ہے اسی دنیا میں تمہارے لیے یہ حقیقت کسی خوشی اور اطمینان کا باعث نہیں؟'' اس دن بھی پھر شہرام نے اسے سمجھایا جب اس نے پول کے پاس گم صم بیٹھے صبح سے شام کردی تھی۔ وہ شہرام کو نہیں سمجھا سکتا تھا کہ اس جگہ جو تسکین اس کی تڑپتی روح کو ملتی ہے وہ کہیں اور نہیں مل سکتی۔ وہ شہرام پر چیخنا چاہتا تھا کہ آخر یہ شخص اسے اس کے حال پر کیوں نہیں چھوڑ دیتا' وہ ان کو بتانا چاہتا تھا کہ ان کو یہ حق نہیں کہ وہ اسے اپنی مرضی کے مطابق چلنے پر مجبور کریں' مگر وہ ایسا نہیں کر سکا تھا کیونکہ ہر بار اسے یاد آ جاتا تھا کہ یہ وہی شخص ہے جس نے بے شمار راتیں اس کی تیمارداری اور دل جوئی میں تیاگ دی۔ اسے نہیں بھولتا تھا یہ سچ کہ جب وہ چل نہیں سکتا تھا تو یہ شخص اس کے پیر بن گیا تھا' جب وہ اپنے ہاتھ سے کچھ کھانے کے بھی قابل نہ تھا تو یہی شخص اس کے ہاتھ بن گیا تھا' یہ شخص اس کے لیے شفقت اور مہربانیوں کا ایک سمندر تھا' یہ شخص بنا کسی غرض کے ہمہ وقت اس کا سہارا بنے رہنے کے لیے تیار رہتا تھا' ایسے انسان کی تذلیل وہ کر بھی کیسے سکتا تھا' وہ اپنی ذات سے ان کو کبھی کوئی تکلیف نہیں دے سکتا تھا' اس کے پاس کوئی راستہ نہیں تھا شہرام کی تقلید میں چلنے کے سوا۔

''ہم مل کر اسے ڈھونڈیں گے' زمین آسمان ایک کردیں گے مگر ہمت نہیں ہاریں گے' تم نے جہاں اس حد تک خود کو سنبھالا ہے تھوڑا اور خود کو مضبوط کرلو' تم جانتے ہو تم نے اس سے کتنے وعدے کیے تھے' ان وعدوں کو پورا کرنے کے لیے تمہیں ہمت کرنی ہوگی تاکہ جب وہ تم سے ملے تو تمہاری کامیابیوں پر اسے فخر ہو۔ مجھے یقین ہے تم ضرور اسے ڈھونڈ لو گے' جس سے محبت ہوتی ہے اس سے اس لیے بھی دور ہونا پڑتا ہے تاکہ انسان اس کی اور زیادہ قدر کرے' دل میں اس کی محبت اور اہمیت اور زیادہ بڑھ جائے' تمہیں بس اس بات پر یقین قائم کرلینا چاہیے۔'' بے شمار مرتبہ شہرام کو یہ سب دوہرانا پڑتا تھا جبکہ وہ بس خالی خالی نظروں سے انہیں دیکھتا رہتا مگر شہرام جانتے تھے کہ ان کی کوشش رائیگاں نہیں جا رہی' وہ اس کی نفسیات سے اچھی طرح واقف ہو چکے تھے' اس لیے پُرامید تھے کہ بوند بوند گرتا پانی بھی مضبوط پتھر پر اثر کر جاتا ہے۔

☆......☆......☆

زرکاش کے ہمراہ وہ اپارٹمنٹ میں داخل ہی ہوئی تھی کہ بروقت امان کی آمد نے اس کا سارا جوش و خروش ماند کردیا تھا اور وہ چور سی الگ بن گئی تھی' مناسب یہی تھا کہ وہ ان دونوں دوستوں کے درمیان سے ہی نکل جائے' لہٰذا چائے کا اہتمام ان دونوں کے لیے کرنے کے بعد وہ ٹی وی کے سامنے آ بیٹھی تھی۔ اسے ایک گھنٹہ تو گزر ہی گیا تھا چینل چینج کرتے کرتے' امان بھی بہت فرصت سے آیا تھا' بڑھتی بوریت کے ساتھ اس پر جھنجلاہٹ طاری ہونے لگی تھی' مزید کچھ وقت گزرا تو اسے حیرت بھی ہوئی کہ ڈرائنگ روم میں ایسی بھی کیا گفتگو ہو رہی ہے جو ختم ہو کر ہی نہیں دے رہی' بڑھتے تجسس کو وہ روک نہیں سکی تھی لہٰذا دبے قدموں ڈرائنگ روم کے نیم وا دروازے کے نزدیک جا پہنچی۔

''تم آج بھی میری وہی ایک بات ماننے کے لیے تیار نہیں جو کم از کم دو سال پہلے ہی تمہیں مان لینی چاہیے تھی' کافی وقت مل گیا تھا دراج کو اپنی اسٹڈیز اور میچور ہونے کے لیے' اپنے فیصلے لینے کے لیے' اپنے مقاصد کے حصول اور ان کو سمجھنے کے لیے تو ساری زندگی ہے' وہ ہمیشہ سے بہت سمجھدار اور ذہنی طور پر میچور لڑکی ہے' دو سال پہلے اگر تم فیصلہ

لے لیتے تو وہ اب تک نہ صرف تمہیں اور تمہاری زندگی کو سنبھال چکی ہوتی بلکہ اب تک تو وہ تمہارے گھر والوں سے اپنے تمام تعلقات بہتر کر کے خود کو منوا چکی ہوتی' مگر تمہیں نہ جانے ابھی اور کون سے صحیح وقت کا انتظار ہے۔'' سانس روکے وہ اندر سے ابھرتی امان کی آواز کو سن رہی تھی۔

''زرکاش...... اب بہت ہو چکا' اپنے علاوہ تمہیں ہمیشہ سب کی ہی فکر رہی ہے' اپنی خوشیوں اور خواہشوں کو ایک طرف ہٹا کر تم نے ہر بار خود سے تعلق رکھنے والوں کی خوشیوں اور خواہشوں کو پورا کرنے میں اپنی زندگی کے بے شمار برس لگا دیئے مگر اب تو کوئی بڑی ذمہ داری نہیں رہی تم پر' تمہارے بہن بھائی سب خوش ہیں' اپنی اپنی زندگی میں اب' کم از کم اب تو اپنی طرف دیکھ سکتے ہو تم۔''

''اپنی طرف ہی تو دیکھ رہا ہوں اسی لیے تو اپنے لیے کچھ بھی سوچنے سے ہچکچاتا ہوں' سچ کہوں تو ڈرتا ہوں۔'' زرکاش کی گمبھیر سنجیدہ آواز نے دراج کو چونکایا۔

''امان...... تم سب جانتے ہو مگر تمہیں میرے چہرے پر لگی سیاہی اور میرے دامن پر لگے داغ اس لیے نظر نہیں آسکتے کیونکہ تم مجھ سے انسیت اور محبت رکھتے ہو' تم صرف میرے کردار کے اس ایک رخ کو دیکھتے ہو جو بہت صاف شفاف ہے مگر میں اپنے کردار کے اس سیاہ رخ کو بھول نہیں سکتا جو ایک حقیقت ہے' جس سے نہ تم نگاہ چرا سکتے ہو نہ ہی دراج' ایک نارمل انسان کی طرح میں بھی چاہتا ہوں کہ میرا گھر' میری زندگی آباد ہو' میری اپنی ایک فیملی ہو مگر میں جب جب اس خواہش کی تکمیل کے لیے دراج کی طرف دیکھتا ہوں تو کوئی چابک سی لگتی ہے اور مجھے اپنا وہی مسخ شدہ کردار یاد آجاتا ہے' میں یہ قبول کرنے پر مجبور ہو جاتا ہوں' دراج نے ایسا کوئی گناہ نہیں کیا کہ جس کے بدلے اسے مجھ جیسے گناہ گار' سیاہ کار انسان کے ساتھ زندگی گزارنی پڑے' اب وقت بہت بدل چکا ہے' وہ اپنی عمر سے کہیں زیادہ سمجھدار اور معاملہ فہم ہو چکی ہے' آج نہیں تو کل وہ کہیں نہ کہیں یہ ضرور سوچے گی کہ کیا اس کے لیے اس دنیا میں ایک استعمال شدہ انسان ہی رہ گیا تھا؟ میں جانتا ہوں کہ تم میری ان باتوں سے اختلاف کرو گے مگر میں اس وقت سے نگاہ نہیں چرا سکتا' دراج میرے لیے صرف ایک لڑکی نہیں ہے جو میری محبت میں مبتلا ہے یا میں اس کی' سب سے پہلے میرا اس سے ایک خونی رشتہ ہے جو قطعاً مجھے اجازت نہیں دیتا کہ اپنی خواہشوں کے لیے میں کسی خود غرضی کا مظاہرہ کروں نہیں' وہ کسی بھی طرح اس سب کی حق دار نہیں ہے۔'' زرکاش مضطرب لہجے میں بول کر خاموش ہوا۔

''زرکاش...... مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اللہ پر تمہارا یقین کمزور بھی ہو سکتا ہے۔'' گہری خاموشی میں امان کی تاسف بھری آواز ابھری۔

''اللہ تو بندے کے پہاڑ جتنے گناہ بھی اس کے ندامت بھرے آنسو کی بدولت معاف فرماتا ہے اور تم تو اللہ کے گھر کا طواف کر کے آئے ہو' مقدس زمین کو چوم کر آئے ہو' میں جانتا ہوں کہ تم اپنے گناہ کے لیے کتنے نادم اور شرمسار رہے ہو' کفارہ ادا کرتے رہے ہو' تو پھر اللہ کے اس مقدس گھر جا کر تم نے کس' کس طرح نہ اپنے گناہوں کی معافی مانگی ہوگی' کوئی لمحہ وہاں ایسا نہ ہوگا کہ جس میں تمہاری آنکھیں خشک ہوئی ہوں گی اور تم اب اللہ کی رحمت سے مایوس ہونے والی باتیں کر رہے ہو' کیا تم چاہتے ہو کہ ساری دنیا مل کر تمہیں سنگسار کر ڈالے پھر تمہیں یقین آئے گا کہ اللہ نے تمہیں معاف کر دیا؟'' امان سخت تاسف کے ساتھ بولا۔ ''گناہوں سے کوئی انسان پاک نہیں ہے زرکاش' میری طرف دیکھو برسوں سے تڑپ رہا ہوں' اس خواہش کو دل میں چھپائے ہوئے ہوں' سجدوں میں گڑگڑاتا ہوں کہ ایک بار تو بلاوا آجائے' پیسہ ہے' پاسپورٹ تیار ہے' ویزے کا بھی کوئی مسئلہ نہیں مگر ہر بار کوئی نہ کوئی رکاوٹ کوئی نہ کوئی مجبوری راستہ روک لیتی ہے اور میرا صبر بڑھتا جاتا ہے' میری نظر میں تم مجھ سے زیادہ بہتر اور قابل رشک ہو کیونکہ تمہاری ندامت'

تمہاری التجاؤں پر نظر کرم ہوئی' مجھے شدید دکھ ہے کہ ایسی سعادت مل جانے کے باوجود اب بھی تم یہ سوچ رکھتے ہو۔"
امان اور بھی کچھ کہہ رہا تھا مگر دراج ڈرائنگ روم سے دور ہٹتی پُرسوچ انداز میں کچن کی جانب چلی گئی تھی۔ ٹیبل کے گرد بیٹھے خالی گلاس کو تکتے ہوئے پتہ نہیں اور کتنے لمحے گزر گئے تھے' اپنی سوچوں میں اسے اندازہ نہیں ہوا تھا' اکثر اوقات جب سوچیں حاوی ہوتیں تو ماضی اور حال کا موازنہ کرتے ہوئے اسے بہت عجیب لگتا تھا' پہلے اسے زرکاش کے سوا اس سے سب کچھ چاہیے تھا مگر اب زرکاش' اس کی پہلی ترجیح تھا۔ باقی سب پس پشت جاچکا تھا' اب اس کے لیے سب کچھ زرکاش کے بعد آتا تھا' ماضی میں وہ تنگ دستی کی ماری' غربت کی سفاکیوں سے نڈھال ایک ترسی ہوئی' محرومیوں کا شکار باغی اور نوعمر لڑکی ہی تو تھی اسے اپنے لیے جو ٹھیک لگا وہی راستہ وہ اپناتی رہی تھی مگر پھر وقت کے ساتھ ساتھ بدلتے حالات اسے راہ راست پر لے آئے' زرکاش کی وجہ سے اس نے واقعی اپنی خواہش کے مطابق روپے پیسے کی ریل پیل دیکھی اور دیکھ رہی تھی' آسائشوں کی قیمتی چیزوں کی اس کے پاس کوئی کمی نہ رہی تھی اور جس چیز کی کمی نہ رہے اس کی پھر اہمیت بھی بہت زیادہ باقی نہیں رہ جاتی۔ فراوانی طبیعت میں اعتدال بھی لے آتی ہے' وہ بھی سمجھ چکی تھی کہ بے غرض' بے لوث تعلق' سچے جذبے اور خلوص نیت مادی چیزوں سے بڑھ کر انسان کی زندگی میں وزن رکھتے ہیں۔ قدموں کی آہٹ پر وہ چونک کر کچن میں داخل ہوتے زرکاش کی طرف متوجہ ہوئی۔

"مجھے پتہ ہے تمہارا موڈ خراب ہوگا' مگر قصور میرا نہیں' تم امان کو ہی برا بھلا کہو تو زیادہ بہتر ہوگا۔" زرکاش کے کہنے پر سنجیدہ سی مسکراہٹ دراج کے لبوں پر بکھری تھی۔

"آپ یہاں بیٹھیں میرے جانے کا وقت ہوگیا ہے کچھ باتیں ہی کرلیتے ہیں۔" اس کے کہنے پر زرکاش سر ہلاتا قریب ہی کرسی پر براجمان ہوگیا۔

"اب کرو بات' ایسے کیوں دیکھ رہی ہو۔" اس کے خاموشی سے دیکھتے رہنے پر وہ حیرت سے بولا۔

"دیکھ رہی ہوں کہ اللہ اپنے جن بندوں سے خوش اور راضی ہوتا ہے ان کے چہرے بھی آپ کے چہرے کی طرح ہوتے ہوں گے کہ جن کو دیکھ کر ہی آنکھوں میں ٹھنڈک اور روشنی اتر آتی ہے۔" اس کے رشک بھرے لہجے نے زرکاش کو مزید حیران کردیا۔

"میں آپ سے معذرت کرنا چاہتی تھی کیونکہ میں نے آپ کی اور امان بھائی کی کچھ باتیں سنی ہیں۔"

"تو کوئی بات نہیں' یہ تمہارا گھر ہے' یہاں تمہیں کوئی پابندی نہیں نہ میں پابند کرنے کا حق رکھتا ہوں۔" زرکاش کے فوراً ہی کہنے پر وہ ایک پل کے لیے خاموش ہوئی۔

"آپ کو برا نہیں لگا جب امان بھائی نے اللہ پر آپ کے یقین کے کمزور ہونے کی بات کی تھی؟"

"نہیں' کیونکہ اس کے اندازے میں کوئی سچائی نہیں تھی' ہر گزرتا دن اللہ پر میرے یقین اور ایمان کو مضبوط کرتا ہے سو برا لگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"پھر آپ اپنے کسی گناہ' کسی غلطی پر نادم ہونے کے بعد بھی اتنے تذبذب کیوں ہیں؟"

"تذبذب تو انسانوں کے لیے دل میں پیدا ہوتا ہے دراج' اللہ تو معاف کردیتا ہے' پر انسان نہیں' لوگ ہزاروں اچھے عمل بھول جاتے ہیں مگر ایک برا عمل نہیں' ایک اللہ کی ذات ہی ہے کہ جس کی بارگاہ میں بندے کا ایک اچھا عمل مقبول ہوکر سارے گناہوں کو دھو دیتا ہے۔ یہ فطری بات ہے کہ میں محتاط رہوں' آگے بڑھنے سے پہلے اپنے پچھلے اعمال کو بھی یاد رکھوں کیونکہ مجھے رہنا تو ابھی اسی دنیا کے انسانوں کے درمیان ہی ہے ناں۔"

"آپ کی نظر میں کیا میں بھی دنیا کے باقی لوگوں کی طرح ہوں' جو آپ میری طرف سے بھی محتاط اور تذبذب کا

شکار ہیں؟'' اس کے سنجیدگی سے کیے گئے سوال پر زرکاش نے گہری سانس بھر کر اسے دیکھا۔
''ایسا کیسے ممکن ہے کہ تم میرے لیے دنیا کے باقی لوگوں میں شامل ہو مگر تم انسان تو ہو سب سے بڑھ کر ایک عورت تو مجھے یہ یاد رکھنا چاہیے' ہر حقیقت کے باوجود میں یہ کبھی نہیں چاہوں گا کہ میرا جو مقام تمہارے دل میں ہے وہ مجھ سے میرے برے عمل کی وجہ سے چھن جائے......''
''آپ کا یہ مقام نہ کوئی چھین سکتا ہے نہ کوئی عمل آپ کو وہاں سے ہٹا سکتا ہے۔'' وہ درمیان میں بول اٹھی۔
''زرکاش...... آپ اس دور میں نہ میچور تھے نہ تن تنہا دشواریوں کا سامنا کرنے کا اسٹیمنا رکھتے تھے' آپ کو اس عمر میں اپنے ماں باپ' اپنے گھر سے' بہت دور ہونا پڑا تھا جب ان سب کی آپ کو ضرورت تھی۔ آپ جہاں تنہا زندگی گزارنے پر مجبور تھے وہاں کوئی لگام ڈالنے والا' کوئی روک ٹوک کرنے والا آپ کے ساتھ نہیں تھا' آپ بھٹک گئے اس سچ کی لکیر ساری زندگی پیٹتے رہنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا' نہ کوئی اور اس سچ کو آپ کے ماضی سے نکال سکتا ہے مگر آپ کو بعد میں جو کرنا چاہیے تھا ہر اچھے انسان کی طرح وہ آپ نے کیا' آپ سے اللہ کی لگائی گئی حد توڑنے کی خطا ہوئی' گناہ سرزد ہوا' اس کا آپ کو احساس ہے' ندامت و پچھتاوا ہے' یہ آپ کا اور اللہ کا معاملہ ہے' آپ میرے یا کسی اور انسان کے گناہ گار نہیں تو پھر مجھے یا کسی کو بھی کیا حق پہنچتا ہے آپ پر انگلی اٹھانے کا' انسان اپنے ہی اعمال کا احتساب کرنے بیٹھ جائے تو کسی دوسرے کے اعمال جانچنے کی فرصت کبھی نہ ملے' آپ جانتے ہیں کہ اللہ کو کیسے راضی کرنا چاہیے' کیسے اللہ کی خوشنودی حاصل کرنی چاہیے' کیسے گناہوں کی معافی مانگتے رہنا چاہیے' تو پھر انسانوں کی طرف سے کیوں خدشات ہیں آپ کو؟ اللہ جس کا پردہ رکھتا ہے اسے بے پردہ کرنے کی طاقت اور جرأت کسی انسان میں نہیں' آپ کہتے نہیں مگر میں جانتی ہوں کہ میرا یہاں اس طرح موجود ہونا بھی غلط ہے لیکن اللہ نیتوں کا حال جانتا ہے اور مجھے یقین ہے کہ آپ اور میں مل کر اس غلط کو درست کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔'' اس کی آخری بات پر زرکاش نے بغور اس کے تاثرات کا جائزہ لیا تھا۔
''مجھے بہت طمانیت محسوس ہو رہی ہے تمہاری باتیں سن کر' کچھ الفاظ' کچھ اعتراف انسان سننا چاہتا ہے کسی بہت اپنے سے' میں خوش ہوں کہ تم نے میری اس خواہش کو محسوس کیا اور اسے پورا بھی کیا۔'' زرکاش کے تشکر آمیز لہجے پر وہ بس مسکرا دی تھی۔

☆......☆......☆
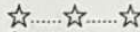
لگا تار محنت کے بعد چمک اٹھنے والے کچن پر طائرانہ نگاہ ڈال کر سحر کچن سے نکلیں تو ڈائننگ ہال کی بے ترتیبی نے کچن سیٹ ہو جانے کا اطمینان غارت کر دیا' لاؤنج میں ٹیرس کی طرف کھلتیں کھڑکیوں سے انہیں بچوں کی آوازیں آئیں تو وہ ٹیرس کی طرف آ گئیں' مزاج تو ان کا پہلے ہی بگڑا ہوا تھا' بالکل سامنے والے ٹیرس پر کتاب منہ کے سامنے پھیلائے بیٹھی لڑکی پر کھولتی نگاہ ڈال کر وہ بچوں کی طرف متوجہ ہوئیں۔
''حسن' حسین' جلدی اندر آؤ دونوں۔'' ان کے سخت لہجے پر بچے ان کی طرف دوڑے آئے' ایک جھٹکے سے گیٹ بند کر کے وہ شہرام کی طرف بڑھی تھیں جو اِدھر اُدھر ٹہلتے فون میں مصروف بیزار نظر آ رہے تھے۔
''ابھی تک پردے بھی نہیں لگے کھڑکیوں پر' بے ہودہ لوگوں کی نظریں گھر کے اندر تک کے نظارے کر رہی ہیں۔'' کھولتے ہوئے سحر نے پھر اسے دیکھا' جو سرعت سے کتاب دوبارہ چہرے کے سامنے پھیلا گئی تھی۔
''پتہ نہیں کس طرح یہ پھیلا سامان درست ہوگا' شقرام جانے کہاں رہ گیا اور عرش کا تو پتہ کریں کچھ' دو دن سے غائب ہے۔ الیکٹریشن کو اس نے ہی لانا تھا۔''

''ان دنوں نواب زادوں کے ہی نمبر ٹرائی کررہا ہوں' عرش کے سارے نمبر آف ہیں شقر ام کال ریسیو نہیں کررہا' تم نے بھی سارے کام ایک ساتھ کرنے ہیں' کہا بھی تھا ذرا صبر کرجاؤ' یہاں جو کام کروانے ہیں وہ مکمل ہوجائیں تو پھر شفٹنگ کے بعد مسئلہ نہیں ہوگا مگر تمہیں جانے کس بات کی جلدی تھی' اب بھگتو سب۔'' شہرام جواباً ان پر برس پڑے۔

''میری جلدی کی وجہ سے ہی ہم گھر شفٹ کرسکے ورنہ آپ تو ارادہ ہی کرتے کرتے مزید دو تین سال لگا دیتے۔ آپ گیرج کے نمبر پر کال کریں' عرش کی وجہ سے اتنے کام رکے ہیں۔''

''وہ گیرج بھی نہیں پہنچا' ایک تو یہ لڑکا میری سمجھ سے باہر ہے۔'' ناگواری سے بولتے شہرام رک کر فون پہ آتی کال کی طرف متوجہ ہوئے۔

''یہ عرش کہاں گم ہے؟ نمبر آف کرر کھے ہیں اس نے' گیرج میں بھی کسی کو کچھ خبر نہیں' تمہاری بات ہوئی تھی اس سے؟''

''نہیں' میری بات نہیں ہوئی مگر آپ کو پتہ ہے' وہ کہیں دستیاب نہیں ہے تو ظاہر ہے اپنے گھر میں بند ہوگا' ایسے میں وہ حضرت دنیا سے کٹے ہوئے ہوتے ہیں۔'' شقر ام نے جواب دیا۔

''اس کے ان دوروں سے میں بہت تنگ ہوں' گھر کے جھمیلوں سے فرصت ملے تو کہیں اور دیکھوں۔'' شہرام کے بگڑے لہجے پر سحر بس انہیں دیکھ کر رہ گئیں۔

''اب آپ ہی اسے گھر سے باہر لاسکتے ہیں' میرا جانا فضول ہے' گیٹ ہی نہیں کھولے گا۔'' شقر ام بولا۔

''لگا تا ہوں جا کر ہوش ٹھکانے اس کے اور تم کہاں ہو؟ کالز ریسیو کیوں نہیں کررہے تھے؟''

''میں لفٹ میں ہوں ابھی۔''

''لفٹ میں کیا تم امریکہ سے یہاں آرہے ہو؟''

''بھائی لفٹ رکی ہوئی ہے۔ دس منٹ ہوچکے ہیں' یہاں سگنلز پرابلم کی وجہ سے خود ہی کالز ڈسکنیکٹ ہورہی تھیں۔''

''لفٹ رکی ہوئی ہے۔ اب یہ کیا نئی مصیبت ہے۔'' جھلائے انداز میں شہرام نے سحر کو بھی جیسے اطلاع دی۔

''ابھی کیسے بات کررہے ہو لفٹ کے اندر سے؟''

''لفٹ کے چار کونے ہیں' ایک طرف سگنلز مل ہی گئے۔''

''ایمرجنسی بٹن ہے وہاں بات کرو سیکیورٹی سے' بتاؤ لفٹ رکی ہوئی ہے۔''

''بتادیا ایمرجنسی میں' وہ کہہ رہے ہیں' پانچ' دس منٹ اور گزارلو لفٹ خود بخود اسٹارٹ ہوجائے گی۔''

''ان لوگوں کا دماغ خراب ہے کیا؟ بند لفٹ میں دم گھٹ گیا تو کون ذمہ دار ہوگا؟ کوئی ہے اور لفٹ میں یا تم اکیلے ہو؟'' شہرام کچھ پریشان ہوئے۔

''سمجھ لیں میں اکیلا ہی ہوں۔''

''میں کیوں ایسا سمجھوں؟ سیدھی طرح بتاؤ لفٹ میں اور کتنے لوگ ہیں؟''

''بھائی اندھیرا بہت ہے' کچھ دکھائی نہیں دے رہا۔''

''ابھی دکھاؤں تمہیں اندھیرے میں تارے؟'' شہرام بگڑے۔

''شاید ایک خاتون ہیں بس۔'' اسے بتانا ہی پڑا۔

''شاید نہیں' یقیناً وہ لڑکی ہے' جب ہی تم اطمینان سے بند لفٹ میں موجود ہو۔'' شہرام نے بری طرح گھر کا۔

''بھائی' آواز نہیں آرہی آپ کی۔''
''مگر میں آرہا ہوں' شرافت سے جہاں کھڑے ہو وہیں کھڑے رہنا۔'' شہرام کی تاکید اس نے سنی ہی نہیں تھی۔

☆......☆......☆

''مجھے یہاں تک آواز آرہی تھی' آپ کو فون پر سنائی نہیں دے رہا تھا وہ کیا کہہ رہے ہیں۔'' لفٹ کی نیم تاریکی میں ابھرتی آواز پر وہ بس اسے دیکھ کر رہ گیا جو لفٹ کی دیوار سے شانہ ٹکائے اطمینان سے کھڑی تھی' شقرام نے دوبارہ آگے بڑھ کر سرخ رنگ کا ایمرجنسی بٹن دبایا۔
''کوئی فائدہ نہیں اس بٹن کو دباتے رہنے کا' میری طرح صبر کریں' ابھی اسٹارٹ ہوجائے گی لفٹ۔'' اسے تسلی دے کر وہ فون پر آتی کال کی طرف متوجہ ہوئی۔
''گیٹ سے واپس آرہا ہوں تمہارا انتظار کرتے کرتے' تمہیں پتہ ہے پھر بھی اسٹیئرز کے بجائے لفٹ سے نیچے آنے کی کیا ضرورت تھی؟''
''اب ہوگئی کاہلی میں غلطی' کیا کروں۔'' وہ بیزاری سے بولی۔
''کتنے لوگ ہیں لفٹ میں؟''
''ابھی لفٹ کھلے گی تو آپ خود دیکھ لیجیے گا۔'' خشمگیں لہجے میں بولتی وہ لائن ڈسکنیکٹ کرگئی تھی۔ لفٹ کے باہر ٹہلتے زرکاش نے ایک سرسری نگاہ قریب آتے شہرام پر ڈالی۔
''لفٹ رکی ہوئی ہے؟'' شہرام کے سوال پر اثبات میں سر ہلا کر وہ رسٹ واچ میں وقت دیکھنے لگا۔
''کیا یہاں اکثر لفٹ اسی طرح رک جاتی ہے؟'' چند لمحوں بعد شہرام کے سوال پر وہ پھر ان کی طرف متوجہ ہوا۔
''اکثر نہیں مگر کبھی کبھی ایسا ہوجاتا ہے' آپ یہاں کسی سے ملنے آئے ہیں؟'' زرکاش نے یونہی پوچھ لیا۔
''نہیں' میرا گھر ہے تھرڈ فلور پر' دو دن پہلے ہی یہاں شفٹنگ کی ہے' لفٹ میں بھائی ہے میرا' اس نے فون پر بتایا لفٹ رکی ہوئی ہے' مجھے پتہ نہیں تھا کہ یہاں لفٹ میں یہ خرابی بھی ہے' آپ کی رہائش بھی یہیں ہے؟'' آخر میں شہرام نے سوال کیا۔
''جی' میرا اپارٹمنٹ فورتھ فلور پر ہے' میری بھی کزن ہیں لفٹ میں' اسی لیے یہاں موجود ہوں۔'' زرکاش نے جواب دیا' اگلے پانچ منٹ میں لفٹ کھلنے تک زرکاش اور شہرام کے درمیان رسمی سی تعارفی گفتگو ہوتی رہی تھی۔
''تم ٹھیک ہو؟'' شقرام کا چہرہ نظر آتے ہی شہرام نے بے اختیار جس تشویش سے پوچھا تھا' دراج بے ساختہ امڈتی مسکراہٹ کے ساتھ زرکاش کی طرف متوجہ ہوئی تھی جو مسکراتی نظروں سے شہرام کی طرف متوجہ تھا۔ شقرام کیا جواب دیتا اثبات میں سر ہلاتا شدید خجل ہوا۔
''کبھی کبھی بھائی شرمندہ کردیتے ہیں سب کے ہی سامنے' وہ لڑکی اور اس کا کزن دونوں مسکرا رہے تھے میری شکل دیکھ کر ایسا لگ رہا تھا میں لفٹ سے نہیں میدان جنگ سے نکل کر آرہا ہوں۔'' کچن میں موجود سحر کو وہ شدید ناراضگی سے بتا رہا تھا۔
''تم ان کو چھوڑو یہ بتاؤ وہ لڑکی کیسی تھی؟ باتیں ہوئیں اس سے یا ایسے ہی ہاتھ جھاڑتے چلے آئے؟'' پانی کا گلاس اسے دیتے ہوئے سحر نے مسکراہٹ چھپائے پوچھا۔
''حد ہوتی ہے' میں کیا بات کررہا ہوں اور آپ کہاں سے کہاں نکل گئیں۔'' بیزاری سے بولتا وہ گلاس کی طرف متوجہ ہوا۔

''اچھا، بات سنو آج کی تاریخ میں پردے لگوانے میں میری مدد کردو خبردار جو تم نے منع کیا اتنی بے پردگی ہو رہی ہے۔'' اسے لٹی میں سر ہلاتے ہوئے دیکھ کر سحر تقریباً چیخیں۔
''بھابی اس گھر میں دیواروں سے زیادہ کھڑکیاں ہیں یہ کام تو آپ اپنے شوہر نامدار سے ہی کروایئے گا۔'' صاف انکار کرتا وہ کچن سے نکل گیا۔
''رکو تو سہی، عرش کی طرف جاؤ پہلے، شہرام کہیں اسے بے لاگ نہ سنانے لگ جائیں پہلے ہی وہ ڈسٹرب ہوگا۔'' سحر کی پکار پر وہ رکا۔
''آپ جانتی ہیں کہ ایسے میں اسے صرف بھائی کی باتیں ہی سمجھ میں آتی ہیں، میری نصیحت اس پر اثر ہی نہیں کرتی، جب تک ماضی سے دامن نہیں چھڑائے گا آگے کیسے بڑھے گا بھائی اس پر غصہ نہ کریں تو کیا کریں؟ ہر طرح سے تو سمجھاتے ہیں اسے۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔
''تمہاری نصیحت کیا اثر کرے گی اس پر تم اپنے ماضی سے دامن چھڑا سکے ہو جو اسے یہ سمجھاتے ہو؟ تم جانتے ہو یہ اس کے اختیار میں نہیں۔'' سحر بغور اس کے بدلتے تاثرات دیکھتیں بولی تھیں جبکہ وہ خاموشی سے واپس پلٹتا آگے بڑھ گیا تھا۔ گہری سانس بھرتے ہوئے ایک بار پھر ان کی نگاہ طویل لاؤنج کی ایک سرے سے دوسرے سرے تک جاتیں خوب صورت قد آدم سائز کی گلاس ونڈو کا جائزہ لے رہی تھیں، شہرام کی بات ان کو ٹھیک ہی لگی تھی کہ یہاں دیواروں سے زیادہ کھڑکیاں ہیں، سچ تو یہ تھا کہ اس اپارٹمنٹ کا روشن اور ہوادار ہونا ہی اس کا پلس پوائنٹ تھا، خوب صورتی اپنی جگہ تھی، یہ اپارٹمنٹ دراصل دو سال پہلے ہی ان کی بڑی خالہ سے خریدا تھا، پہلے وہ قریب ہی ایک دوسرے اپارٹمنٹ میں مقیم تھیں، بڑی خالہ کے دونوں بیٹے ملک سے باہر سیٹل تھے، حال ہی میں بڑی خالہ آخری بیٹی کی شادی کے فرض سے سبکدوش ہوئیں تو ان کے بیٹوں نے ماں باپ کو اپنے پاس بلالیا، جانے سے پہلے بڑی خالہ کو یہ اپارٹمنٹ فروخت کرنا تھا، سحر تو پہلے ہی یہاں ایسے ہی اپارٹمنٹ کو خریدنے کا تہیہ کرچکی تھیں، بڑی خالہ کے ارادے پتہ چلے تو پھر انہوں نے یہ اپارٹمنٹ خرید کر ہی دم لیا کیونکہ ان کو پتہ تھا کہ بدلتے وقت کے تقاضے شہرام بھی سمجھتے ہیں لیکن آبائی گھر کو چھوڑنا ان کے لیے آسان نہ تھا۔

☆......☆......☆

لفافہ ہاتھ میں تھامے بیٹھی وہ دراج کو ہی دیکھ رہی تھی جو پُرسوچ تاثرات کے ساتھ اس کے سامنے بیٹھی تھی۔
''چوکیدار بابا سے کوئی سوال کرنا بیکار ہے، اکھڑ آدمی ہیں، جھڑک کر رکھ دیں گے، شکایت الگ پہنچا دیں گے، تم جانتی ہو یہاں رولز کتنے سخت ہیں، وارڈن سے بھی زیادہ سوال نہیں کیے جاسکتے، کون پھر سوالوں کے جواب دیتا پھرے گا، تم الگ مشکوک قرار دے دی جاؤ گی۔'' دراج کے تشویش زدہ لہجے پر اس کا چہرہ مزید اتر گیا تھا۔
''یہ لفافہ تمہارے ابو کے نام سے اس گھر کے ایڈریس سے تمہارے لیے آتا ہے جہاں تم پلٹ کر دوبارہ کبھی نہیں گئیں، جانے کی کوئی وجہ تھی بھی نہیں، وہاں تو اب شاپنگ پلازہ بن گئے ہیں، پورا سال گزر گیا اور ہم ابھی تک یہ لفافہ بھیجنے والے کا کوئی سراغ نہیں لگا سکے۔'' متفکر انداز میں بولتی دراج ایک پل کو رکی۔
''تمہیں وہ مشکوک گاڑی اب بھی نظر آرہی ہے؟'' دراج کے سوال پر اس نے اثبات میں سر ہلایا۔
''میں نے تم سے کہا بھی تھا کہ تھوڑی ہمت کرکے اس گاڑی کے قریب جاؤ، کسی طرح اس کا نمبر نوٹ کرلو تو یہ معمہ حل ہوسکتا ہے۔'' دراج کے کہنے پر وہ بس سر جھکائے خاموش رہی۔
''زنائشہ...... تمہیں ایک بار اس فرم میں جانا چاہیے جس کے مالک کی طرف سے تمہاری امی کے علاج کے

لیے رقم دی جاتی تھی' ہوسکتا ہے انہوں نے تمہارے بارے میں معلوم کرلیا ہو اور وہ اس طرح بھی تمہاری مدد ہمدردی کی بنیاد پر......''

''ایسا ممکن نہیں ہے دراج' براہ راست میں نے کبھی اس فرم کے مالک کو دیکھا بھی نہیں' بڑے لوگوں کے پاس اتنا وقت نہیں کہ ملازموں کے حالات کی خبر رکھیں اور ان کو ضرورت ہی کیا ہے اس طرح چھپ کر مجھے روپے بھیجنے کی' جبکہ فرم کا مالک مجھے جانتا بھی نہیں۔'' وہ کمزور لہجے میں بولی۔ ''ہر بار کی طرح اب تم میرے کسی رشتے دار کا پوچھوگی اور میں تمہیں وہی جواب دوں گی کہ میرے تمام رشتے میرے ماں باپ کے ساتھ ہی مرچکے تھے۔'' لرزتے لہجے میں کرب سے بولتی وہ سر ہاتھوں میں تھام گئی تھی جبکہ دراج ترحم آمیز نظروں سے اسے دیکھتی چاہتے ہوئے بھی کچھ بول نہیں سکی تھی۔

''ہر بار تم سب کا ذکر کرتی ہو مگر اپنے بھائی کو بھول جاتی ہو۔'' سر اٹھا کر زنائشہ نے بھیگی سرخ آنکھوں سے اسے دیکھا۔

''اس لیے کہ تم جانتی ہو کہ یہ معجزہ میرے ساتھ نہیں ہوسکتا۔ گندے نالوں اور کوڑے کے ڈھیر میں دنیا سے بے خبر پڑا انسان اپنے لیے بھی دو پیسے نہیں کما سکتا' یہ سچ میں بھی جانتی ہوں مگر تم میری تسلی کے لیے بھی زرق پر شک تک نہیں کرتی ہو بھولے سے بھی میں ان روپوں کو استعمال نہیں کرسکتی مگر میں ان کو پھینک بھی نہیں سکتی کیونکہ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ یہ کالا دھن نہیں' اس لفافے میں سے مجھے کسی کی دن رات کی محنت' مشقت کی خوشبو آتی ہے' خون' پسینہ ایک کرکے کمائے گئے روپے انسان صرف اس کے ہاتھ پر رکھتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے جسے وہ اپنے ہی وجود کا حصہ سمجھتا ہے اور میری زندگی میں زرق کے علاوہ کوئی ایسا رشتہ نہیں بچا جسے میں نے زندہ دیکھا ہو۔ مگر تم میری جھوٹی تسلی کے لیے بھی اس کا نام نہیں لیتی۔'' اس کے سرخ چہرے اور بھڑکتے لہجے پر دراج اس کے خاموش ہونے تک بہت پُرسکون بیٹھی اسے سنتی رہی تھی کیونکہ دراج چاہتی تھی کہ اس کا دل ہلکا ہوجائے۔

''زنائشہ...... جھوٹی تسلی اور دھوکے کے سوا گزرے وقت میں تمہیں اور کچھ نہیں ملا' کوئی جھوٹی تسلی دے کر میں تمہیں کسی نئے دھوکے میں مبتلا ہوتا نہیں دیکھ سکتی۔ ہمیں صرف حقیقت تک پہنچنا ہے کسی بھی تسلی' کسی بھی خوش فہمی کے بغیر اگر تم زرق کا نام نہیں سننا چاہتی تو پھر تم ایک نام اور یاد رکھو' اس کا نام اپنی زبان پر لا کر میں مزید تمہیں اذیت نہیں دینا چاہتی مگر مجھے یہ کہنا پڑے گا کہ ہوسکتا ہے اسے احساس ہوا ہو کہ تم اس کی بیوی تھیں اور اس کا کوئی بھی فائدہ اٹھائے بغیر تمہیں چھوڑ دینا' اس کی غلطی تھی' اب یہ طریقہ اختیار کرکے وہ پہلے تمہیں موم کرنا چاہتا ہے' روپے تمہیں دے کر سمجھانا چاہتا ہے کہ اسے تمہاری پروا ہے' اسے یاد آ گیا ہے کہ تم اس کی ذمہ داری ہو' اگر یہ سچ ہوگا تو ضرور ایک دن وہ سامنے آئے گا اور......'' دراج بات ادھوری چھوڑ کر دروازے کی سمت متوجہ ہوئی ساتھ والے روم کی لڑکی اسے باہر بلا رہی تھی۔

''میں آتی ہوں ابھی۔'' زنائشہ کا ہاتھ تھپتھپا کر وہ اپنی جگہ سے اٹھی۔ بند ہوتے دروازے سے نگاہ ہٹا کر اس نے گھٹنوں پر سر رکھ لیا۔

جو شکوک دراج نے ابھی بیان کیے وہ اس کے دل میں کبھی نہیں اٹھ سکتے تھے' نفع' نقصان کی پروا کیے بغیر جانے والے واپس پلٹنے کے تمام راستے بھی بند کرجاتے ہیں' اس حقیقت کو قبول کرنے کے لیے نجانے کتنی قیامتوں سے گزرنا پڑا تھا' اب تو یاد بھی نہیں تھا' دل ایسا پتھر بن چکا تھا جس میں کسی شک کسی ابہام کی گنجائش نہیں نکل سکتی تھی' تعلق میں کتنی ہی شدت کیوں نہ ہو مگر وہ ٹوٹ بھی سکتے ہیں' رستے بدل بھی سکتے ہیں اور ہمسفر بھی۔ اس تلخ حقیقت کو تسلیم

کرنے کے بعد کچھ باقی نہیں رہا تھا' نہ دل میں نہ یادداشت میں' جس قدر بے قیمت کر گیا تھا وہ اس کی ذات کو' نہ پیروں تلے زمین چھوڑی تھی نہ سر پر آسمان رہنے دیا تھا۔

''زنائش......'' دراج کی پکار پر بھی اس نے گھٹنوں سے سر نہیں اٹھایا۔

''پاگل لڑکی' کس کے لیے اپنے قیمتی آنسو ضائع کر رہی ہو' ان کے لیے جو بیچ منجدھار میں تمہیں چھوڑ گئے اپنی غرض' اپنی خواہشوں کے لیے' اس طرح خود کو اذیت دے کر تم کوئی نقصان پورا کر سکتی ہو تو ضرور بہاؤ آنسو۔'' دراج سخت تاسف سے بولی۔

''مجھے کسی کی پروا نہیں مگر میں اپنے بھائی کے لیے دل کو پتھر نہیں کر سکی ہوں' چاہتے ہوئے بھی نہیں' وہ تو پہلے ہی اپنے ہاتھوں اپنی زندگی برباد کر چکا تھا' مگر میں نے اس پر رحم نہیں کیا' چھوڑ آئی اسے رلنے کے لیے' ایک جھوٹے تعلق کے غرور میں' میں نے اپنے ایک واحد رہ جانے والے رشتے سے نفرت کی' کسی کی زیادتیوں کا بدلہ میں نے اپنے بھائی سے لیا' کسی کے چھوڑ جانے کا بدلہ' میں دن رات اسے برا بھلا کہتی رہتی' اسے بددعائیں دیتی مگر اسے اپنی زندگی سے بے دخل نہ کرتی' اب تو میری آنکھیں بھی اس کی تلاش میں بھٹکنے سے ڈرتی ہیں' پتہ نہیں وہ زندہ بھی ہے یا......'' بہتے آنسوؤں کے درمیان اس کی لرزتی آواز گھٹ گئی تھی۔

''ایسا مت سوچو' اچھی امید رکھو گی تو صلہ بھی اچھا ہی ملے گا' معجزات انسانوں کی زندگی میں رونما ہوتے ہیں' تمہارا بھائی بھی تو ایک انسان ہی ہے وہ ضرور تمہیں ملے گا' تمہارا صبر رائیگاں نہیں جائے گا' تم نے کسی سے کوئی بدلہ نہیں لیا سب کچھ تنہا سہا ہے' تمہیں اس وقت جو ٹھیک لگا تم نے کیا' یہ ہوسکتا ہے کہ تمہارا ازرق سے دور ہو جانا ہی اس کے اور تمہارے حق میں بہتر ہو' یہ تو وقت ہی ثابت کرے گا۔'' اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے دراج سمجھانے والے انداز میں بول رہی تھی۔

''میں جانتی ہوں کہ ان آنسوؤں میں کہیں نہ کہیں کچھ حصہ اس شخص کا بھی ہے جس نے تمہاری قدر نہیں کی تھی' جسے یقیناً تمہارا نعم البدل یا تم سے بہتر کوئی ملا اور وہ تمہارا ساتھ چھوڑ گیا مگر یہ بہت بڑی بات ہے کہ تم نے ساری حقیقت کو قبول کیا' اس شخص کے لیے اپنی زندگی نہیں تیاگ دی' وہ تمہارے آنسوؤں کے بھی قابل نہیں' تم جان چکی ہو کہ نہ وہ تمہارے لیے تھا نہ ہی تم اس کے لیے' تم بہت نا سمجھ تھیں اس وقت جب با آسانی تمہیں شیشے میں اتارا گیا تھا مگر پھر اس شخص کو اندازہ ہوا کہ تم اور تمہاری بیمار ماں اس کی آسائشوں اور عیاشیوں کے راستے میں رکاوٹ بن رہی ہیں۔ نام نہاد تعلق کے بل بوتے پر کوئی اپنے کاندھوں پر کسی کا بوجھ نہیں اٹھاتا' کم از کم اس جیسا عیار اور مکار انسان تو ہرگز بھی خود کو ان جھمیلوں میں نہیں ڈال سکتا تھا' راہ چلتے بنائے گئے رشتے کبھی پائیدار نہیں ہوتے' وہ کسی نہ کسی موڑ پر دم توڑ جاتے ہیں' تمہیں اللہ کا شکر ادا کرتے رہنا چاہیے کہ تمہیں ایک بھنور میں گھرنے سے بچا لیا' تمہیں محفوظ رکھا' مجھے پورا یقین ہے کہ تمہیں ایک ایسا شخص ضرور ملے گا جو تمہارے قابل ہوگا' جو تمہیں سر آنکھوں پر رکھے گا' اچھے وقت کا تھوڑا اور انتظار کرو' اپنے بھائی کی سلامتی کی دعا کرو اور بس خود کو مضبوط رکھو' سمجھ رہی ہو تم یا نہیں؟'' دراج کے تاکید بھرے لہجے پر اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''اور جہاں تک اس لفافے کا معاملہ ہے' ایک کوشش اور کر لیتے ہیں' ہاسٹل میں کچھ دوستیں ایسی ہیں جن پر ہم اعتماد کر سکتے ہیں' پہلے یہ پتہ کرنا اہم ہے کہ یہ لفافہ چوکیدار کو دے کر کون جاتا ہے' بس اس کا چہرہ نظر آ جائے' لیکن اگر کوئی کامیابی نہیں ہوئی تو مجبوراً تمہارے منع کرنے کے باوجود مجھے اس معاملے پر زرکاش سے بات کرنی ہوگی' یہ تم بھی ذہن نشین کر لو ابھی سے۔'' دراج کے قطعی لہجے پر وہ بس چپ ہی رہی تھی۔

☆......☆......☆
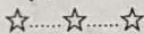
اس کفرِ عشق سے مجھے کیوں روکتے ہو تم
ایمان والو میرا ہی ایمان جائے گا
اب اس مقام پر ہیں میری بے قراریاں
سمجھانے والا ہو کے پشیمان جائے گا

اس کے بے ترتیب حلیے اور سرخ انگارہ آنکھوں نے شہرام کو حیرت زدہ نہیں کیا تھا کیونکہ اس خستہ حالی اور کیفیت میں وہ اسے پہلی بار نہیں دیکھ رہے تھے‘ بغور اسے دیکھتے وہ نشست سنبھال چکے تھے‘ دوسری جانب وہ اس طرح نظر چرائے کھڑا تھا جیسے جبراً وہاں کھڑا ہو۔

’’بیٹھ جاؤ‘ صرف یہ دیکھنے نہیں آیا تھا کہ تم زندہ ہو یا نہیں۔‘‘ ان کے کڑے لہجے پر وہ نہ چاہتے ہوئے بھی براجمان ہوگیا تھا۔

’’آئینہ دیکھا تم نے؟ دو دن میں کیا حال بنالیا ہے اپنا۔‘‘

’’آئینہ ہی تو دیکھ رہا ہوں۔‘‘ ان کی جانب دیکھے بغیر وہ سرد لہجے میں بولا۔

’’مگر مجھ میں اب اور ہمت نہیں کہ تمہیں اس حال میں دیکھتا رہوں‘ لیکن تم مجبور کرتے ہو‘ تمہیں میری پریشانی کا بھی ذرا احساس نہیں‘ یہ سب کب تک چلے گا‘ کب تک میں وہی باتیں تمہیں سمجھاتا رہوں گا جنہیں تم بھول کر اپنا یہ حشر کرلیتے ہو آخر کب تک تم یونہی دنیا سے کٹ کر الگ رہتے رہو گے اور میں تمہیں کھینچ‘ کھینچ کر واپس دنیا سے جوڑتا رہوں گا۔‘‘ شہرام کا لہجہ شدید برہم تھا۔

’’اس طرح مایوس ہو کر دنیا ترک کر کے بیٹھ جانے سے کیا حاصل ہوگا تمہیں؟ تم لاکھ چاہو مگر تمہاری زندگی کسی ایک انسان کے لیے رک نہیں سکتی‘ تمہیں کم از کم یہ احساس تو ہونا چاہیے کہ کچھ اور لوگ بھی ہیں تمہاری زندگی میں اور ان کے لیے تمہیں خود کو سنبھال کر رکھنا ہے۔ ہمیشہ تم ہم سب پر فاتحہ پڑھ کر بھول جاتے ہو ہر نصیحت‘ ایک ہستی کے غم میں تم باقی ہر رشتے کو خاک میں ملا سکتے ہو مگر میں پھر بھی ہر بار تمہیں سمیٹتا ہوں کیونکہ مجھے تمہاری پرواو فکر ہے‘ میں نے تمہیں صرف بھائی کہا نہیں سمجھا بھی ہے شقرام سے زیادہ‘ اس سے بڑھ کر ہو تم میرے لیے مگر تمہیں صرف اس کی پروا ہے‘ جس کے لیے تم میری ریاضتوں کو خاک میں ملا دیتے ہو‘ اس کے لیے تم ہم سب سے غافل ہو جاتے ہو‘ جو ابھی تمہاری زندگی میں واپس نہیں آئی۔‘‘

’’اس نے واپس آنا بھی نہیں ہے لہٰذا آپ اس کی بات مت کریں۔‘‘ اس کی بلند ہوتی آواز پر شہرام خاموش ہوتے اس کی لہورنگ آنکھوں میں دیکھتے رہ گئے۔

’’اتنا عرصہ گزر جانے کے باوجود میں اسے ڈھونڈنے میں کامیاب نہیں ہوسکا تو صرف اس لیے کہ مجھے مایوس اور نامراد ہی مرنا ہے‘ آپ مجھے اور خود کو جھوٹی تسلیاں دینا بند کردیں کیونکہ میں سمجھ گیا ہوں کہ یہ سب کوئی آزمائش‘ کوئی امتحان نہیں‘ یہ صرف اور صرف میرے ماضی کے گناہوں کی سزا ہے جسے آخری سانس تک مجھے جھیلنا ہے میری توبہ‘ میری التجائیں میرے منہ پر ماردی گئی ہیں‘ یہ آپ بھی قبول کر کے مجھے خوش فہمیوں سے باہر آنے دیں۔‘‘ وہ ان کی بات کو رد کرتے ہوئے بولا۔

’’یہ سچ نہیں ہے‘ تم جانتے ہو کہ یہ سچ نہیں ہے۔‘‘ سخت لہجے میں شہرام بولے۔

’’ورنہ آج تم اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل نہ ہوتے‘ تمہاری توبہ کو رد کردیا گیا ہوتا تو آج تم عزت سے سر اٹھا کر اس زمین کے سینے پر نہ چل رہے ہوتے‘ کبھی ایک نئی اور کامیاب زندگی نہ حاصل کرتے‘ برسوں لگ جاتے

ہیں انسان کو اپنے قدم زمین پر جمانے کے لیے معاشرے میں ایک مقام بنانے کے لیے مگر تم انتہائی سنگین حالات کے شکنجے سے نکل کر بہت مختصر عرصے میں اس مقام پر پہنچ گئے جہاں تک رسائی کی خواہش ہر مہذب انسان کرتا ہے یہ واقعی بہت کم مدت ہے ایک نئی زندگی شروع کرنے کے لیے اپنا ظاہر باطن اور مستقبل سنوارنے کے لیے اس کامیابی کو تم کوئی سزا کیسے کہہ سکتے ہو میں جانتا ہوں کہ یہ سب مرحلے تمہارے لیے آسان نہیں تھے جس اذیت کو دل میں چھپائے تم دشوار گزار راستوں سے یہاں تک پہنچے ہو اس اذیت میں ایک لمحہ بھی ایک صدی کے برابر تھا تم اچھی طرح یہ جانتے ہو کہ ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے اللہ پر مضبوط یقین رکھنے والے جدوجہد کرتے رہنے والے ضرور کامیابی سے ہمکنار ہوتے ہیں، تمہیں بھی اسی یقین اور جدوجہد کے ساتھ منزل تک پہنچنا ہے۔'' ایک پل رک کر شہرام نے اس کے تاثرات جانچے جو کہ سپاٹ ہی تھے۔

''ایسا نہیں ہے کہ تمہیں اپنی تلاش میں کوئی کامیابی نہ ملی ہو چھ ماہ پہلے ہی ہمیں یہ خبر مل چکی ہے کہ زرق اسی شہر میں ہے، ہم اس کے جاننے والوں سے مسلسل رابطے میں ہیں آگے بھی مزید کوئی اچھی خبر ملے گی۔''

''آپ اس جھوٹی خبر پر یقین کر سکتے ہیں مگر میں اس کے نشئی دوستوں پر بھروسہ نہیں کر سکتا' وہ سب چند روپوں کے لیے بڑے سے بڑا جھوٹ بھی بول سکتے ہیں ورنہ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ زرق کی حالت سدھر جائے اور وہ گاڑی میں گھومتا دکھائی دیا جائے۔''

''کیوں ممکن نہیں ہو سکتا؟ تم موت کے منہ سے نکل کر آ سکتے ہو' کہاں سے کہاں پہنچ چکے ہو جب تمہارے ساتھ یہ ممکن ہو سکتا ہے تو سب کچھ ممکن ہو سکتا ہے' اللہ صرف تمہارے لیے ہی تو مہربان نہیں۔'' شہرام اس کی بات کاٹ کر بولے۔

''شاید میرا یقین بھی ڈگمگا جاتا کہ زرق کے دوست نے مجھ سے مزید رقم حاصل کرنے کے لیے وہ اطلاع دی تھی مگر دو دن پہلے اس نے مجھے فون پر جو خبر دی اس خبر نے میرے یقین کو اور مضبوط کر دیا۔''

''کیسی خبر' اب کیا بتایا اس نے؟'' عرش بری طرح چونکتا بے چین ہوا تھا۔

''میں یہ بات تمہیں اس وقت ہی بتاتا جب میں خود زرق تک پہنچ جاتا مگر آج تمہاری وجہ سے مجبوراً مجھے زبان کھولنی پڑی۔''

''بھائی! اللہ کے لیے مجھے بتائیے اس نے کیا بتایا؟'' وہ شدید اضطراب کے عالم میں اپنی جگہ سے اٹھا۔

''ہماری ہدایت کی مطابق اس نے زرق کی گاڑی کا نمبر نوٹ کر لیا ہے' پہلی بار زرق نے اسے پہچاننے سے انکار کر دیا تھا' اس بار بھی وہ زرق کا تعاقب نہیں کر سکا مگر چھپ کر گاڑی کا نمبر نوٹ کر لیا' بہرحال وہ نمبر میں نے شقرام کے حوالے کر دیا ہے۔''

''آپ ابھی مجھے اس گاڑی کا نمبر دیں ورنہ میں شقرام کے پاس جاتا ہوں۔'' وہ کسی طور صبر کرنے پر تیار دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

''شقرام میری اجازت کے بغیر تمہیں کچھ نہیں بتائے گا نہ ہی زرق کا دوست' تم پہلے اپنا حلیہ درست کر کے آؤ' ابھی میرے ساتھ تم گھر چلو گے پھر وہاں میں......''

''مگر مجھے ابھی آپ سے جاننا ہے' میں ایک منٹ بھی......''

''عرش...... جو کہا ہے وہ کرو ورنہ میں ابھی اٹھ کر چلا جاؤں گا۔'' شہرام کے سخت بھڑکتے لہجے اور غصیلی نظروں پر وہ لب بھینچے سرعت سے ان کے سامنے سے ہٹتا کمرے کی سمت بڑھ گیا تھا۔

☆......☆......☆

وسیع رقبے پر پھیلے سرسبز لان کی تمام لائٹس آن تھیں۔ خوشگوار ہوا کے مدھم جھونکے ایک تواتر سے چل رہے تھے، پھولوں سے بھری کیاریوں اور دیواروں پر چھائی گھنی بیلوں میں سجے بے شمار پھولوں کی ملی جلی بھینی بھینی خوشبوؤں سے فضا مہک رہی تھی، گہری سانسوں کے درمیان ان خوشبوؤں کو اپنے اندر اتارتی وہ دھیرے دھیرے لان میں موجود راسب کی سمت جارہی تھی جو اس وقت ویڈیو کال میں مصروف دکھائی دے رہے تھے، ان کے قریب ہی چیئر پر بیٹھتے ہوئے اس کا اندازہ درست ثابت ہوا، وہ زرق سے ہی محو گفتگو تھے۔

''مجھے یقین تھا کہ تم میرے یا اپنے کسی بھی دوسرے باس کے بغیر بھی سب کچھ بہت کامیابی سے ہینڈل کرلو گے اور ایسا ہی ہوا، تم نے بے وجہ ہی پریشر لے رکھا تھا، میں تو جانتا تھا کہ تم کسی کے ماتحت نہ رہ کر بھی اپنی قابلیت کا مظاہرہ زیادہ اچھی طرح کرسکتے ہو، اب اس چیز کو دماغ پر سوار نہ کرلینا کہ اتنے بڑے آرڈر کے ساتھ آرہے ہو، ہماری کمپنی وقت پر آرڈر مکمل کرکے دے سکے گی یا نہیں۔''

''بھائی...... آپ جانتے ہیں کہ کام زیادہ ہونے کا پریشر میں نہیں لیتا، ہماری کمپنی نے ہمیشہ بڑے سے بڑا آرڈر بھی وقت سے پہلے مکمل کرکے دیا ہے، یہ ریکارڈ آئندہ بھی نہیں ٹوٹ سکتا، یہ آرڈر بھی ڈے نائٹ شفٹ میں وقت سے پہلے مکمل ہوگا، ان شاءاللہ۔'' زرق پُراعتماد لہجے میں بولا تھا۔

''ہاں، میں یہ جانتا ہوں، تم مطمئن ہو اس لیے میں تو بس تمہاری کامیابی پر خوش ہوں اور بے فکر بھی لہٰذا ڈٹ کر کھانا کھایا ہے، اب سوچ رہا ہوں واک کرلوں تو اچھا رہے گا۔''

''بھائی...... مجھے پتہ ہے کہ آپ کسی کا دل نہیں توڑ سکتے یقیناً آج کھانا رجاب نے پکایا ہے، اب ہضم کرنے کے لیے واک تو ضروری ہے۔'' زرق کے بہت سنجیدگی سے کہنے پر راسب نے مسکراتے ہوئے رجاب کو دیکھا جو ابرو چڑھائے فون ان سے لے چکی تھی۔

''اور تم یقیناً یہ کہنا چاہتے ہو کہ میں اتنا عمدہ کھانا پکاتی ہوں کہ آغا جان رغبت سے کھاتے ہوئے ضرورت سے زیادہ کھانے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔''

''میں بالکل بھی یہ نہیں کہنا چاہتا۔''

''بکومت۔'' رجاب کے فوراً ہی ہتھے سے اکھڑنے پر راسب دھیرے سے ہنستے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

''کھانے کی اور کھانا پکانے والے کی ہمیشہ عزت کرنی چاہیے۔'' زرق کی مصنوعی سنجیدگی پر اس نے خشمگیں لہجے میں جتایا۔

''اور جو بے چارے کھانا کھانے والے ہیں ان کا کوئی پرسان حال نہیں۔''

''ان سب کا اللہ مالک ہے تم سب کی فکر کے پردے میں اپنے دل کے پھپھولے مت پھوڑو۔ دواؤں کی لسٹ اتنی بھی طویل نہیں کہ ہفتہ لگ جائے ضروری دوائیں ہیں، میرے کچھ پیشنٹس کو ان کی بہت ضرورت ہے، ویسے بھی آغا جان تمہیں اب دو دن سے پہلے واپس نہیں آنے دیں گے تاکہ کسی طور تو تم کام سے کچھ وقت دور رہو۔''

''کام کی وجہ سے تین دن یہاں میں نے جیسے تیسے گزار لیے، مزید تمہیں لسٹ کے مطابق سب دوائیں مل جائیں گی پر مجھے تو آنے دو۔'' زرق کے التجائی لہجے پر فوراً نفی میں سر ہلاتی وہ اسے زچ کررہی تھی۔

''دوائیں تم ہی لے کر آؤ گے، اپنے ساتھیوں کے ساتھ ذرا گھومو پھرو، ہوٹل کے روم میں قید نہ رہو تو چٹکیوں میں وقت گزر جائے گا۔'' اس کے مشورے پر زرق بس فون کی اسکرین کو دیکھتا رہ گیا۔

پشت پر ہاتھ باندھے چہل قدمی کرتے راسب گہری سوچوں میں ڈوبے ہوئے تھے ایک طائرانہ نگاہ انہوں نے سامنے اپنے گھر کی خوب صورت عمارت پر ڈالی۔ ایک طویل سفر تھا خون کو پانی کردینے والا انتھک محنت کے بعد وہ اس قابل ہوئے تھے کہ خود سے تعلق رکھنے والوں کو ایک اچھی زندگی مہیا کرسکیں' اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سفر میں گھر کے سب ہی افراد نے تمام مصیبتوں کا بہت صبر کے ساتھ سامنا کیا تھا۔ کاروبار کے لیے اپنا گھر فروخت کرکے ان سب کو ایک چھوٹے سے گھر میں تقریباً دو سال گزارنے پڑے تھے' ساری جمع پونجی انہوں نے کاروبار میں لگادی تھی' وہ جانتے تھے کہ انہوں نے رسک نہیں لیا ہے کیونکہ انہیں اللہ کے بعد اپنے زور بازو پر بہت بھروسہ تھا اور ندا کے دونوں بھائیوں پر بہت اعتماد تھا' وہ دونوں تجربہ کار تھے۔ اپنے باپ کی لگائی گئی گارمنٹس فیکٹری کو چلا رہے تھے' خود راسب ایک ملازمت پیشہ شخص تھے' کاروبار کا کوئی تجربہ نہیں تھا جب ہی کچھ ہی عرصے میں کاروبار نقصان کی طرف بڑھنے لگا مگر ان کے پاس عزم' حوصلہ اور مخلص ساتھی تھے' گارمنٹس کمپنی کی بنیاد رکھنے اور مضبوط کرنے میں انہوں نے حقیقتاً خود کو بھی بھلا دیا تھا' گھر بچے اور رجاب سب کو ندا نے سنبھالے رکھا تھا' قدرت کی طرف سے زرق کی صورت میں ایک اور ذمہ داری کا اضافہ ہوا تھا' زرق کے معاملے میں رجاب کی یہی کوشش رہی تھی کہ جہاں تک ممکن ہو' راسب کو ڈسٹرب نہ کیا جائے' علاج کے دوران ہی زرق کی اسٹڈیز کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا تھا' اپنی اسٹڈیز کے ساتھ ساتھ رجاب نے زرق کے علاج اور اس کی پڑھائی پر نظر رکھنے کی ذمہ داری خود اپنے سر لے لی تھی' اس کا مقصد صرف زرق کا علاج نہیں بلکہ ہر حال میں اسے ایک کامیاب زندگی اور صحیح راستے کی طرف لے جانا تھا' یہ مقصد اور مصروفیت خود رجاب کی شخصیت کی نئے سرے سے تعمیر میں بہت مددگار ثابت ہوئی تھی' صرف راسب نے ہی نہیں ندا نے بھی اس چیز کو محسوس کیا تھا۔ راسب جب اپنا یہ گھر خریدنے کے قابل ہوئے تو سب کے ساتھ زرق کو بھی وہ اپنے اسی گھر میں لے آئے تھے' جانے یہ ان کا وہم تھا یا کچھ اور مگر یہ سچ تھا کہ جب زرق اپنی رضامندی کے ساتھ واپس لوٹ کر آیا تب سے ہی راسب کا کاروبار پھلنے پھولنے لگا تھا۔ حالانکہ ان کا نام کاروباری دنیا میں بالکل نیا تھا' اس وقت ورکرز کی تعداد بہت زیادہ نہیں تھی' مشنریز بجٹ کے حساب سے محدود تھیں مگر پھر بھی ایک کے بعد ایک آرڈر ملتے رہے تھے' بڑھتے کام کے ساتھ ورکرز کو بڑھانا ضروری تھا' مشینریز کی خرید کے ساتھ مزید ڈپارٹمنٹ کی تعمیر بھی شروع ہوگئی' نہ صرف رقبے کے لحاظ سے بلکہ کام کے لحاظ سے بھی ان کی کمپنی بڑھتی اور پھیلتی رہی' ندا کے بھائیوں نے اپنی فیکٹری منیجر کے کاندھوں پر ڈال کر خود کو اس مشترکہ کمپنی کے لیے وقف کردیا تھا کیونکہ انہیں اندازہ تھا کہ اس کمپنی کی ساکھ مستقبل میں کہاں پہنچنے والی ہے الغرض' زرق کے آنے کے بعد ان کی زندگی میں کامیابیوں کا راستہ کھل گیا تھا' اپنی مصروفیات کے باوجود وہ اس سب کو محسوس کررہے تھے' ایک دن وہ اس کا اظہار ندا کے سامنے کرہی بیٹھے' ندا نے بھی ان کی تائید کی تھی۔ زرق نے جب اس گھر میں ان سب کے درمیان رہنا شروع کیا تو یہ وہ وقت تھا جب زرق کا علاج مکمل ہوگیا تھا اور اس پر بہت دھیان دینے اور نظر رکھنے کی ضرورت تھی کہ ایسا کوئی موقع' کوئی راستہ نہ چھوڑا جائے کہ جو اسے واپس تاریکیوں میں کھینچ کرلے جائے سو ایک اس وجہ سے بھی راسب اسے کمپنی میں اپنے ساتھ اور نظر کے سامنے رکھتے تھے' صحت مند ہونے کے بعد زرق کے لیے کام سیکھنا اور پڑھائی' پہلی ترجیح رہی' اسے ایک نارمل زندگی کی طرف لانا اس لیے بھی سہل ہوتا گیا کیونکہ وہ خود بھی مہذب معاشرے کا ایک مہذب فرد بننا چاہتا تھا' راسب کی طرح ایک ذمہ دار اور محنت کش انسان بننا چاہتا تھا' اپنی کم گوئی اور فرماں بردار فطرت کے باعث اس نے بہت کم عرصے میں راسب کے گھر میں ایک اہم فرد کی حیثیت حاصل کرلی تھی اور سب کے دل میں بھی' کمپنی میں کام سیکھنے کے بعد جب اس نے باقاعدہ کام شروع کیا تو پھر وہ رکا نہیں' راسب چاہتے تھے کہ وہ اپنے بل بوتے اور محنت سے کمپنی میں اپنے قدم جمائے اس کی

محنت اور لگن کو دیکھتے ہوئے راسب نہیں چاہتے تھے کہ کہیں سے بھی یہ آواز اٹھے کہ ان سے تعلق کی وجہ سے زرق کے ساتھ کمپنی میں امتیازی سلوک روا رکھا جاتا ہے اس لیے زرق نے پیکنگ کے کام سے لے کر فائنل چیکنگ تک کا ہر کام سب ورکرز کے درمیان رہ کر کیا' ڈے نائٹ' اوور ٹائم لگا کر وہ کام کرتا رہا' ہر ڈپارٹ کا انچارج اس سے خوش تھا' راسب نے بھی بہت خاموشی سے اس پر نظر رکھی ہوئی تھی' ایک ورکر سے وہ پہلے سپروائزر' انچارج' ہیڈ انچارج کے عہدوں تک پہنچا پھر منیجر کی معاونت کی مگر اس کے باوجود جب بھی کسی ڈپارٹمنٹ میں جلد کام مکمل کروانا ہوتا تو وہ خود وہاں جا کر سب میں شامل ہو کر عام ورکر کی طرح ہی کام کرتا تھا۔ زرق کی قابلیت میں نکھار اور اعتماد میں اضافہ اس وقت ہوا جب کمپنی کے سب ورکرز میں سے اہلیت اور قابلیت کی بناء پر کچھ ورکرز کو منتخب کر کے چھ ماہ کے لیے ملک سے باہر گارمنٹس کے حوالے سے کچھ جدید اور اہم کورسز مکمل کرنے کے لیے بھیجا گیا' ان منتخب ورکرز میں زرق شامل تھا' ایسے کورسز اور ٹریننگز ورکرز اور کمپنی دونوں کے لیے فائدہ مند ثابت ہوتی ہیں' راسب کا کاروبار اب بڑے پیمانے پر پھیل چکا تھا' باہر کی کمپنیز ان سے رابطے میں تھیں' باہر سے آنے والے آرڈرز اور وفود کے دوروں نے ان کی کمپنی کی ساکھ کو اور بھی مضبوط کر دیا تھا۔ گارمنٹس کے کاروبار میں ان کی کمپنی اب ایک نمایاں نام حاصل کر چکی تھی اور زرق اب ان کا رائٹ ہینڈ تھا۔ رجاب کی پکار پر وہ رک کر اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

''ناراض ہو گئے ہیں حضرت۔'' مسکراتے ہوئے اطلاع دے کر اس نے فون راسب کے حوالے کیا۔

''ایک تم ہی ہو جس سے وہ ناراض ہو جاتا ہے' کبھی کبھی ورنہ تو اس نے ساری دنیا کو اپنی ذات سے خوش رکھنے کی قسم کھا رکھی ہے۔'' راسب بولے۔

''اور اس نے مجھ سے اختلاف کرنے کی قسم کھا رکھی ہے' کہہ رہا ہے مجھ سے پوچھے بغیر ڈاکٹر سے اپائنٹمنٹ کیوں رکھا' انسٹرکٹر سے بات کیوں کی' ہوں اب سے سے پوچھ کر بات کی جائے' خیر چھوڑیں راضی بھی ہو جائے گا۔ آپ کافی لیں گے ابھی یا کچھ دیر بعد؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں کافی کی گنجائش نہیں۔'' راسب مسکراتے ہوئے بولے۔ پھر اسے متوجہ دیکھ کر کہنے لگے۔

''رجاب' یہ زرق کی غلط فہمی ہو گی کہ میں انجان ہوں ورنہ یہ تمہیں بھی پتہ ہے کہ اس نے اپنے کچھ معاملات ہم سے بھی چھپا کر رکھے ہوئے ہیں' مجھے کبھی کبھی افسوس ہوتا ہے کہ اسے کم از کم تم سے تو کچھ نہیں چھپانا چاہیے۔ مجھ سے زیادہ تو وہ تمہارا فرماں بردار ہے۔''

''آغا جان...... مناسب وقت آنے پر وہ کچھ مخفی نہیں رکھے گا' کوئی نہ کوئی وجہ تو ہے جو ابھی وہ خاموش ہے' ہمیں اس چیز کو سمجھتے ہوئے کوئی شکایت اس کے لیے دل میں نہیں رکھنی چاہیے۔'' رجاب کے کہنے پر انہوں نے پُر سوچ انداز میں سر ہلایا تھا۔

☆......☆......☆

آنکھیں کھول کر اس نے تکیے کے قریب رکھی رسٹ واچ میں وقت دیکھا' ساڑھے بارہ بج رہے تھے' نیند روٹھی ہوئی تھی' گردن موڑ کر اس نے دراج کو دیکھا جو اپنے بیڈ پر بیٹھی فون پر گفتگو میں مصروف تھی۔ بیزاری سے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے اس نے چاہا تھا کہ دراج کو اشارے سے کال سے جلد فارغ ہونے کا کہے مگر ایسا کرنا اسے اچھا بھی نہیں لگا' کبھی کبھی تو اس ٹائم دراج فون پر زرکاش سے بات کرتی نظر آتی تھی البتہ اکثر وہ آن لائن زرکاش کے ساتھ اسنوکر ضرور کھیلتی تھی جسے زنائشہ صرف اس لیے دلچسپی سے دیکھتی تھی کہ زرکاش سے مات کھا کر دراج کے تاثرات اور جلے کٹے جملے زیادہ مزہ دیتے تھے مگر اس وقت گفتگو کافی سنجیدہ نوعیت کی ہو رہی تھی لہٰذا زنائشہ بیڈ کے سرہانے کی طرف بند

کھڑکی کھول گئی تھی۔ ہاسٹل کے اس عقبی حصے میں سنسان سڑک چاند کی تیز روشنی میں نمایاں تھی سڑک کے دوسری جانب ایک سرکاری اسپتال کی عمارت تھی' کھڑکی کے کنارے پر بازوؤں سے چہرہ ٹکائے وہ خاموش نظروں سے سڑک پر جانے کیا کھوجنے لگی تھی' یہ سڑک اس کے لیے کبھی اجنبی نہیں تھی نہ ہی اس پر طاری سکوت انجانا تھا' یہ سڑک بھی ماضی کی تاریکیوں سے گزرتی اس کے حال میں داخل ہو کر اب نظروں کے سامنے موجود تھی اور اس پر اکثر ہنسا کرتی تھی' ٹھیک ہی تو ہے وہ اس سڑک سے جان چھڑا کر دور بھاگ ہی نہیں سکی تھی' کسی سانپ کی طرح یہ سڑک اس کے تعاقب میں رہی' کچھ چونک کر اس نے دراج کی سمت دیکھا جو فون کان سے لگائے اپنا لیپ ٹاپ اس کی جانب بڑھا رہی تھی یقیناً وہ اس کی بے خوابی اور بوریت سے انجان نہیں تھی' مگر زنائشہ نفی میں گردن ہلاتی دوبارہ باہر متوجہ ہوگئی' دراج کو حیرت نہیں تھی کیونکہ اسے معلوم تھا کہ وہ ان چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتی۔

''شام سے گم حواس میرے اب جا کر قابو میں آئے ہیں' اچانک جانے کیا ہوا' اب تک سمجھ نہیں آیا' امی تو بہت خوش تھیں شنزرا اور بچوں کی آمد پر وہ ہم سب کے درمیان ہی موجود تھیں' باتیں کر رہی تھیں کہ یک دم ان کی طبیعت بگڑی' بلڈ پریشر چیک کیا شزا نے' اس دوران ہی ان کی حالت اتنی غیر ہو چکی تھی کہ پھر میں نہیں رکا' احمد چاہتا تھا کہ میں ڈرائیو نہ کروں مگر میں تو بس یہ سوچ رہا تھا کہ میرے علاوہ کوئی امی کو چند لمحوں میں ہاسپٹل تک نہیں لے جاسکتا اگر دیر ہوگئی تو کچھ ہو جائے گا' دماغ بالکل ماؤف تھا میرا۔''

''آپ کو احمد بھائی کی بات مان لینی چاہیے تھی' یا پھر خود کو کسی بھی طرح کمپوز کرنا چاہیے تھا' تائی امی کی بگڑی حالت نے آپ کو یقیناً حواس باختہ کر دیا ہوگا لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ کبھی کبھی آپ کی ڈرائیونگ خطرناک ہو جاتی ہے۔''

''بس اس وقت صورت حال ہی کچھ ایسی تھی کہ کنٹرول کرنا دشوار ہو گیا تھا۔''

''اب تو بہتر ہے تائی امی کی طبیعت لہٰذا آپ تھوڑا آرام کریں' صبح آپ کو ہاسپٹل جانا ہوگا۔''

''ہاں' شزا امی کے پاس ہے مگر میں بھی ہاسپٹل میں رکنا چاہتا تھا لیکن اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا' شزا سے کون جیت سکتا ہے سو اس لیے گھر آنا پڑا۔''

'ڈاکٹر شاید کل تائی کو ڈسچارج کر دیں گے بلڈ پریشر تو اب کنٹرول میں ہے۔'' دراج نے تائید چاہی تھی۔

''ٹیسٹ کی رپورٹ شام تک ملے گی تو اس کے بعد ڈاکٹر ہوسکتا ہے گھر جانے کی اجازت دے دیں۔'' بولتے ہوئے وہ ایک پل کو چپ ہوا تھا۔

''دراج..... میں جانتا ہوں کہ کچھ مشکل ہوگا لیکن کیا تم میرے چاہنے پر امی کی عیادت کے لیے ہاسپٹل آسکتی ہو؟'' وہ بالآخر اس سے پوچھ بیٹھا۔

''آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں پہلے ہی بجیا کے ساتھ صبح ہاسپٹل جانے کا ارادہ کر چکی ہوں۔''

''واقعی؟'' زرکاش اپنی حیرانگی نہیں چھپا سکا تھا۔ ''یہ تو بہت اچھی بات ہے' مجھے تم سے ایسے ہی کسی مثبت جواب کی امید تھی کیونکہ میں جانتا ہوں تمہارا دل کتنا خوب صورت ہے۔''

''جی ہاں پر آپ کے دل سے زیادہ نہیں۔'' وہ مسکراتے لہجے میں بولی۔

چاند کی روشنی سے منور آسمان سے نگاہ ہٹاتی زنائشہ اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی جو تکیے کے سہارے نیم دراز کسی سوچ میں گم تھی۔

''دراج..... تم واقعی کل ہاسپٹل جانا چاہتی ہو یا زرکاش بھائی کی خاطر خود پر جبر کر کے جاؤ گی؟''

''نہیں میں اپنے لیے بھی ظالم نہیں بن سکتی کہ خود پر جبر کروں' صرف زرکاش کی وجہ سے ہی نہیں' مجھ میں اتنی انسانیت تو ہے' ایسے موقع پر تو دشمن بھی سب کچھ بھلا دیتے ہیں اور پھر مجھے ان سے اپنا رشتہ یاد ہے' ہمارے گھر میں بڑی ایک وہی تو ہیں۔'' پُرسوچ نظروں سے وہ دیوار کو تکتی زنائشہ سے مخاطب تھی۔

''اب کیا سوچ رہی ہو تم؟'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بلآخر زنائشہ نے ہی اسے مخاطب کیا۔

''سوچ رہی ہوں زرکاش کا بیٹا کیسا ہوگا مجھے اسے دیکھنا ہے۔'' دراج کے بہت سنجیدہ لہجے پر زنائشہ نے دنگ ہو کر اسے دیکھا مگر اگلے ہی پل وہ کھلکھلا کر ہنستی چلی گئی۔ جبکہ دراج مسکراتی نظروں سے بس اسے دیکھ رہی تھی۔

☆......☆......☆

دوپہر ڈھل رہی تھی جب رائمہ ہاسٹل پہنچی تھی' سچ تو یہ تھا کہ اسے اپنے ساتھ ہاسپٹل لے جاتے ہوئے رائمہ خود بہت کنفیوژ اور فکر مند تھی کہ جانے صبغہ اور ان کی بیٹیوں کا کیا ردعمل ہوتا دراج کو دیکھ کر حالانکہ اسے حیرت کے ساتھ خوشی بھی ہوئی تھی جب دراج نے خود صبغہ کی عیادت کے لیے جانے کی بات کی مگر یہ بات صبغہ اور ان کی بیٹیوں کو ناگوار گزرے گی اس کا یقین بھی تھا لیکن وہ بھی چاہتی تھی کہ دراج اپنا یہ فرض ضرور پورا کرے' سارا راستہ وہ دراج کو سمجھاتی رہی تھی کہ ہر قسم کی صورت حال کے لیے تیار رہے' اسے کسی کی بھی کڑوی بات کا جواب نہیں دینا' بس خاموشی سے سننا ہے' صبغہ ابھی اگر منہ پھیر لیں تو کوئی شکایت نہ اپنی زبان پر نہ لائے اور نہ ہی اپنے کسی عمل سے اظہار کرے۔ رائمہ کی تمام ہدایتیں وہ خاموشی سے سنتی رہی تھی' جانتی تھی کہ نفرت کا سامنا کرنے کے لیے وہ مکمل تیار ہے اسے جو کرنا چاہیے تھا وہ بس وہی کر رہی تھی۔ ہاسپٹل کے کاریڈور میں شزا کے شوہر احمد کے ہمراہ آتے زرکاش نے دور سے ہی اسے دیکھ لیا تھا جو ایک طرف کھڑی نظر آ رہی تھی' دراج بھی ان دونوں کو دیکھ چکی تھی لہٰذا خود کو نارمل رکھنے کی بھرپور کوشش کرتے ہوئے ان دونوں کو سلام کیا تھا۔

''تم کس کے ساتھ آئی ہو اور یہاں کیوں کھڑی ہو؟'' زرکاش کے سوالوں پر اس نے تذبذب کے ساتھ ایک نظر احمد کو دیکھا۔

''بجیا کے ساتھ آئی ہوں' وہ اندر روم میں ہیں تائی امی کے پاس' میں یہاں ان کا ہی انتظار کر رہی ہوں' بس اب جائیں گے۔''

''تم امی کے پاس نہیں گئیں؟'' زرکاش نے بغور اس کے تاثرات کو دیکھا۔

''نہیں میں یہیں ٹھیک ہوں۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی دراج کا لہجہ تلخ ہو گیا تھا۔

''تم امی سے ملنے آئی ہو تو ان سے مل کر ہی جاؤ گی' چلو میرے ساتھ۔'' زرکاش کے تحکم آمیز لہجے پر وہ کچھ کہنے ہی لگی تھی کہ بروقت رائمہ وہاں آ گئی۔

''تم اسے امی کے پاس کیوں نہیں لے گئیں؟'' زرکاش اب رائمہ سے پوچھ رہا تھا۔

''میں ضرور اسے ان کے پاس لے جاتی اگر اسے جانے دیا جاتا' شزا نے اسے روم میں آنے سے منع کر دیا کہ کہیں اس کی وجہ سے خدانخواستہ تائی امی کی طبیعت خراب نہ ہو جائے۔''

''یہ کیا حرکت کی شزا نے۔'' احمد نے حیران ہو کر زرکاش کے بے حد سنجیدہ ہوتے تاثرات کو دیکھا۔

''دراج...... آپ آئیں میرے ساتھ' میں شزا کی طرف سے معذرت کرتا ہوں آپ سے۔'' احمد شرمندہ ہوتا دراج سے بولا۔

''کوئی بات نہیں' شزا نے تائی امی کی فکر میں یہ احتیاط کی ہوگی' بلاوجہ وہ ڈسٹرب ہو جائیں گی تو یہ ہمارے لیے

شرمندگی کی بات ہوگی۔" رائمہ درگزر کرنے والے انداز میں بولی۔
"میں تم دونوں کو ڈراپ کرآتا ہوں۔" زرکاش بولا۔
"نہیں باہر رکشہ موجود ہے ہم اس میں ہی جائیں گے آپ تائی امی کے پاس جائیں پوچھ رہی تھیں آپ کا۔" رائمہ سلیقے سے اسے روک کر اللہ حافظ کہتی پھر رکی نہیں تھی دراج کا ہاتھ پکڑے تیز قدموں سے آگے بڑھ گئی تھی۔ دوسری جانب روم سے باہر آتی شزا نے بگڑے تیوروں کے ساتھ دور جاتی دراج کو زہریلی نظروں سے دیکھا اور پھر زرکاش کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔
"اس کی ہمت دیکھیں ذرا کیسے دندناتی ہوئی یہاں آ پہنچی جن کو بددعائیں دیتی رہی ہے آج ان کی ہمدرد بن کر عیادت کے ڈرامے کرنے آ گئی۔"
"شزا...... تم نے جو کرنا تھا وہ کرچکی ہو لہٰذا اب خاموش رہو۔" زرکاش نے سخت ناگواری سے اسے ٹوکا۔
"تمہیں حق نہیں تھا اس طرح کسی کو بے عزت کرنے کا۔ کچھ دیر کی بات تھی ملنے دیتیں اسے پھوپی جان سے۔" احمر نے بھی اپنی ناراضگی کا اظہار کیا۔
"میں نے جو کیا ٹھیک کیا وہ اسی لائق ہے ہمارے ٹکڑوں پر پلنے والے ہم پر ہی غراتے رہے ہیں کسی کو تو اسے اس کی اوقات یاد دلانی پڑے گی۔ امی کو پتہ تھا کہ وہ بھی آئی ہوئی ہے اس کے کرتوت ہی ایسے رہے ہیں کہ امی نے بھی مروتاً اسے اندر بلانے کا نہیں کہا۔" تیز لہجے میں شزا اور بھی جانے کیا بول رہی تھی مگر زرکاش بمشکل ضبط کرتا وہاں رکا نہیں روم کی طرف بڑھ گیا تھا۔

☆......☆......☆

گیٹ کھول کر ایک طرف ہٹتیں سحر نے بغور اس کے ستے ہوئے چہرے کو دیکھا تھا۔
"عرش...... کوئی ایک کال تو ریسیو کرلیتے کیوں اپنے دشمن بنے ہوئے ہو صبح ایک سوتین بخار میں جو گئے تو اب واپس آرہے ہو۔" سحر کے مدھم آواز میں گھر کنے پر وہ چپ چاپ نظر جھکائے شہرام کے کمرے کی طرف جارہا تھا کہ شہرام کی آواز نے اس کے قدم روک لیے۔
"پہلے کھانا کھالو پھر کمرے میں جانا۔"
"مجھے ابھی بھوک نہیں۔" وہ کمزور آواز میں بولا۔
"ہاں اب تو تمہیں اس وقت تک بھوک نہیں لگے گی جب تک اس فلیٹ کا لاک نہیں کھلے گا۔" ضبط کے باوجود شہرام کا لہجہ بگڑا۔
"ابھی تو وہ گھر آیا ہے اسے سکون سے بیٹھنے تو دیں اس کے آتے ہی شروع مت ہوجائیں اب۔" سحر ٹوکے بغیر نہ رہ سکیں۔
"تم شروع کب ہونے دیتی ہو مجھے ہزار بار کہا ہے کہ تم درمیان میں مت بولا کرو۔" شہرام بھڑک ہی تو اٹھے تھے۔ "گاڑی کا نمبر مل گیا اس شخص کا ایڈریس مل گیا ہم اس کے گھر تک بھی پہنچ گئے ابھی وہ نہیں ہے اس شہر میں تو کیا کریں اب؟ اس احمق انسان کی طرح اس کے فلیٹ کے آگے ڈیرہ ڈال کر بیٹھ جائیں حد ہوتی ہے کسی بات کی میں دو دن میں بے شمار چکر لگا چکا ہوں اردگرد کے رہنے والوں سے معلومات کرلی ہیں جس کا فلیٹ ہے اس نے واپس تو آنا ہے اور وہ آئے گا مگر کچھ تحمل کا مظاہرہ تو کرو۔"
"میں بات کرتی ہوں اس سے آپ پریشان مت ہوں یہ اب وہاں نہیں جائے گا میں سمجھادوں گی اسے۔" سحر

دھیمے لہجے میں بولیں عرش نے بس ایک نگاہ اٹھا کر شہرام کو دیکھا پھر پلٹ کر کمرے کی سمت چلا گیا۔
''سحر...... اسے سمجھاؤ جا کر' پہلے ہی حال سے بے حال تھا اب دو دن سے بھوک' پیاس سے لاتعلق بخار میں پھنکتا اس فلیٹ کے سامنے سے ہٹنے کو تیار نہیں۔ مجھے تو خدشہ ہے کہ یہ لاک توڑ کر اس فلیٹ میں داخل نہ ہو جائے۔''
''نہیں' مجھے یقین ہے کہ وہ ایسی کوئی غیر اخلاقی حرکت نہیں کرے گا۔'' سحر فوراً بولیں۔
''جس دیوانگی میں یہ مبتلا گھوم رہا ہے اس میں کچھ بعید نہیں کہ یہ کیا کر جائے۔ غلطی میری ہے' اپنے دل کو تھوڑا مضبوط کر لیتا اور اس شخص تک پہلے خود پہنچتا پھر اسے خبر کرتا مگر اس کی حالت نے مجھے مجبور کر دیا تھا اور اب بھگت رہا ہوں۔'' شہرام برہمی سے بولتے وہاں سے اٹھ گئے۔
''اب کچھ نہیں بولو گے تم مگر یوں منہ چھپائے رکھنے سے بھی کچھ حاصل نہیں ہوگا' تمہاری فکر میں بے حال ہونے والے موجود ہیں' اس لیے تمہیں قدر نہیں۔'' سحر شدید ناگواری سے اس سے مخاطب تھیں جو جوتوں سمیت بیڈ پر اوندھے منہ بے حس و حرکت لیٹا ہوا تھا۔
''شہرام بس یہ چاہتے ہیں کہ تم اس طرح خود کو اذیت میں نہ ڈالو' کوشش کرنے سے کون روک رہا ہے مگر کوئی حد تو رکھو' حد سے باہر جا کر تم وقت سے پہلے کچھ حاصل نہیں کر سکتے' جو وقت مقرر ہے وہ ہے' اب کھانا کھا کر سونا ورنہ پھر صبح تمہارے ساتھ ساتھ سب لپیٹ میں آ جائیں گے۔'' اسے تاکید کرتیں سحر ٹیرس کی طرف کھلنے والے دروازے کی سمت گئیں جہاں شقرام لائٹس نصب کرنے میں کافی دیر سے مصروف تھا' پہلی نگاہ سحر کی سامنے والے ٹیرس پر ہی گئی تھی جہاں ہمہ وقت موجود مخلوق دل خراب کرنے کے لیے کافی تھی' کوفت کے ساتھ نگاہوں کا زاویہ بدلتیں وہ سوئچ بورڈ میں کام کرتے شقرام کی طرف بڑھ گئیں۔
''تمام لائٹس لگ چکی ہیں' آپ کے گھر کا یہ ایک آخری آرائشی کام بھی تقریباً مکمل ہو گیا۔'' ان کے کچھ کہنے سے پہلے ہی شقرام نے تسلی دی۔
''میرے بھائی...... تم کتنے اچھے ہو' تم نہ ہوتے تو یہاں کوئی کام مکمل نہ ہوتا اس عرش نے تو دغا دے دی تھی مجھے بات سنو' اب میں تو سونے جا رہی ہوں مگر تم نے کسی بھی طرح عرش کو کھانا کھانے کے لیے راضی کرنا ہے اور ٹیبلیٹس بھی دینی ہیں ورنہ صبح پھر شہرام کا پارہ آسمان پر ہوگا۔''
''آپ بے فکر ہو کر جائیں' میں یہ سب کر لوں گا۔'' شقرام مصروف انداز میں بولا۔
''سنو...... اس لڑکی نے تم سے بات کرنے کی کوشش تو نہیں کی؟'' سحر کے مشکوک لہجے پر شقرام پہلے چونکا اور پھر سامنے والے ٹیرس کی طرف نگاہ ڈال کر ٹھنڈی سانس بھری۔
''افسوس صد افسوس' بالکل نہیں۔''
''ضرور افسوس کرو مگر مجھے تم اس سے کلام کرتے نظر آئے تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔''
''بھابی...... صلہ رحمی کے بھی کچھ تقاضے ہوتے ہیں' آخر وہ ہماری کزن لگتی ہے رشتے میں' دور کی ہی سہی۔'' مسکراہٹ چھپائے وہ ان کو سلگا گیا۔
''جہنم میں جائے ایسی رشتے داری' میرے بھائی کو جانے کتنے لوگوں کے سامنے ذلیل کیا تھا اس بد بخت لڑکی نے' میں تو قیامت تک اس کی شکل نہ دیکھوں۔''
''لیکن دیکھنی تو پڑتی ہے' آپ کو صبح شام اس کی شکل' آپ کو اس گھر میں آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔'' شقرام مسکراتے لہجے میں بولا۔

"اب اس کی وجہ سے کیا اتنا شاندار گھر ہاتھوں سے نکل جانے دیتی۔ مجھے کیا پڑی ہے جو صبح شام اس کی شکل دیکھوں اور یہ تمہارے دل میں رشتہ داری کا جو روگ جاگ رہا ہے ناں اسے ابدی نیند سلا دو میرے بھائی سے تمہارا جو قریبی رشتہ ہے اس پر کسی ایرے غیرے کو فوقیت دینے کی ضرورت نہیں۔"

"معاف کیجیے گا بھابی...... آپ کے بھائی نے کام ہی کچھ ایسا عزت افزائی والا کیا تھا۔" شفرام نے یاد دلایا۔

"تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے وہ تمہاری صحبت میں زیادہ رہا ہے پھر ایسے ہی کام کر سکتا تھا ناک کٹوانے والے۔" سحر کے کھاجانے والے انداز پر وہ خجالت سے مسکرا کر رہ گیا۔

سوئچ بورڈ کا کام مکمل کرنے کے بعد اس نے احتیاطاً ٹیرس کی تمام لائٹس چیک کرنے کے لیے آن کی تھیں اونچے شیڈز میں نسب لائٹس سے پورا ٹیرس ایک سرے سے دوسرے سرے تک جگمگا اٹھا تھا۔ فرش پر بکھرا سامان سمیٹتے ہوئے شفرام کی نگاہ اس پر گئی تھی جو کتاب چہرے کے سامنے سے ہٹائے اس کے ٹیرس کی لائٹس کا جائزہ لے رہی تھی۔

"کمپنی دینے کا بہت شکریہ ورنہ تنہا یہاں کام کرتے کرتے میں بیزار ہو جاتا۔" شفرام کے شرارتی لہجے پر وہ ناگواری سے اسے گھور کر پھر کتاب کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"کیا فائدہ اتنی کتابیں پڑھنے کا دل کو تو وہی بھایا ہے جو تمیز و تہذیب سے ہی نابلد ہے۔" شفرام کے مزید کہنے پر وہ سلگتی نگاہ اس پر ڈالتی پہلو بدل کر رہ گئی۔

"اچھا تو منہ پھیر کر نفرت کا اظہار کر رہی ہو میں بھی اپنے ٹیرس کی تمام لائٹس آف کر کے جاؤں گا ہماری لائٹس فری کی نہیں اپنے ٹیرس کی آن کرو۔" اسے مزید جلاتا وہ واقعی ٹیرس کی تمام لائٹس آف کر گیا تھا۔

"عرش...... شرافت سے اٹھ جاؤ میں جانتا ہوں تم جاگ رہے ہو۔" شفرام نے اس کے شانے کو تھپتھپایا۔ چند لمحوں کے توقف کے بعد وہ تکیہ ایک طرف ہٹاتا اٹھ بیٹھا۔

"کیا کر رہے ہو تم؟ اب جبکہ تمہاری تلاش ختم ہونے والی ہے تو یوں ہمت ہار رہے ہو آخر کیا سوچ رہے ہو تم یا کوئی خوف خدشہ ہے؟" تاسف سے اس کے سرخ چہرے کو شفرام نے دیکھا۔

"کم از کم تمہیں مجھ سے کوئی سوال نہیں کرنا چاہیے ایک ایک سیکنڈ بھاری ہے میرے لیے عذاب بن رہا ہے مزید صبر اور انتظار۔" اس کے مدھم گمبھیر لہجے میں بے بسی تھی۔

"مگر پھر بھی تمہیں یہ دونوں کام ابھی کرنے ہیں کوئی نہ کوئی وجہ تو ہے جو راستے کھل رہے ہیں ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھے ابھی تو صبر کا دامن اور مضبوطی سے تھامے رکھنے کی ضرورت ہے بس یہ یاد رکھو۔" شفرام کے سنجیدہ لہجے پر وہ بس خاموش رہا۔

"اب تم جا کر چینج کرو میں کھانا گرم کرتا ہوں اٹھو جلدی مجھے بھی بھوک لگی ہے۔" شفرام کمرے سے نکل گیا۔

کچھ دیر بعد آرام دہ شلوار سوٹ میں ملبوس وہ کمرے سے باہر آیا تھا کہ مین گیٹ پر ابھرتی دستک کی آواز نے اس کے قدم روک لیے تھے۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

میرے اقبال

عائشہ تنویر

"شاہین...... شاہین بیٹا" امی کی غیر متوقع پیار بھری آواز نے خطرے کا سائرن بجایا' وہ کبھی یوں بلاتیں تو نہ تھیں۔اس کا ماتھا ٹھنکا تو وہ فوراً ہاتھ میں پکڑا رسالہ مسہری پر پھینک کر باہر نکلی۔امی سامنے تخت پر بیٹھی تھیں۔

"جی امی' خیریت...... طبیعت ٹھیک ہے؟" امی کے ماتھے پر ہاتھ رکھنے کے لیے وہ اندھا دھند آگے آئی اور تخت کے سامنے پڑی چپل میں الجھ کر منہ کے بل تخت پر گری' چہرہ بچانے کے لیے اس نے بے اختیار ہاتھ آگے کیے اور مہندی گھولتی امی کا پیالہ اچھل کر اِدھر اُدھر گلکاریاں کرتا دور جا گرا۔

"تیرا بیڑا پار ہو شاہین' کبھی تو کوئی ڈھنگ کا کام کرلیا کر۔" غصے میں امی نے مہندی سے لتھڑا چمچ ہی اس کی کمر پر دے مارا۔ چوٹ تو اتنی نہ آئی جتنی مہندی اس کے کپڑوں کا حشر کرگئی۔

اب صورت حال یوں تھی کہ ایک طرف اوندھا پڑا مہندی کا پیالہ اور دوسری طرف دیوار' فرش' شاہین اور امی پر ہر جگہ مہندی ہی مہندی کے ساتھ بلند آواز سے خود کو باتیں سناتیں امی جی تھیں۔

"اچھا بھلا سکون تھا' آرام سے بیٹھی تھی۔ جانے کیسے سٹھیا گئی جو تمہیں آواز دے ڈالی۔ لوٹھا کی لوٹھا ہوگئی ہے سہج کر چلنا نہ آیا۔ نہ تمہاری نماز نکل رہی تھی' جو بھاگ کر یہاں سجدے میں گرگئی؟" غصے سے بولتیں اب وہ اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔ ایک تو چوٹ' گندگی' مار اور اب ڈانٹ بھی سن کر لامحالہ وہ بھی تنگ گئی۔

"پہلے ہی ایسے بلاتیں' تو میں کیوں بھاگ کر آتی' دس آوازوں تک وہیں بیٹھی جی' جی کرتی رہتی۔ بلایا اتنے پیار سے کہ میرا دل ہول اٹھا۔" اس کی قینچی سی زبان اور غیر متوقع جواب نے امی کو اپنا سر پیٹنے پر مجبور کردیا۔

"یہ جو کترنی سی زبان ہے تمہاری' اسی نے ساری عقل نگل لی ہے۔ میں نے سوچا تمہارے گھونسلے کو رنگ کردوں' کچھ دیکھنے قابل صورت ہو۔" امی کی جوابی بمباری ایسی تھی کہ کوئی باہر سے سنتا تو ماں' بیٹی کے بجائے ساس' بہو یا سوتن ہی سمجھتا۔

اپنے گھنگریالے بالوں کی اس بے عزتی پر وہ پاؤں پٹختی واک آؤٹ کرنا چاہتی تھی لیکن اس سے پہلے امی نے ارادہ بھانپ کر وارننگ دے دی۔

"صاف کرو یہ سب بلیچ سے' کہیں بھی مہندی کا رنگ نظر آیا تو پتہ ہے تمہیں میرا......" منہ بناتی وہ صفائی کرنے لگی۔ دھیان سارا کمرے میں رکھے رسالے پر تھا۔

"ہائے ہیروئن نے جان کر پانی کا پائپ ہیرو کی طرف کردیا تھا اور وہ بھیگا بلا بنا وہیں کھڑا اسے ہنستے دیکھتا رہا اور محبت کی کہانی شروع ہوگئی اور یہاں غلطی سے مہندی گرگئی' پاؤں الگ مڑا' امی کی ڈانٹ' مار' صفائی کا غم الگ۔ اوپر سے ہیرو بھی ندارد۔ کیا ہوتا جو اس مہندی بھرے منظر میں ایک ہیرو کی انٹری ہوجاتی۔ وہ مہندی کی خوشبو سے اس تک کھنچا چلا آتا اور پھر اس کے مہندی بھرے کپڑوں اور ہاتھوں کو دیکھ کر اس کے عشق میں گرفتار ہوجاتا۔"

"ہیروئن کا نام کتنا پیارا تھا کجل' سن کر ہی انسان شاعری پر اتر آئے۔ میرا نام سن کر تو سب کو وہ ہی یاد آتا ہے۔

نہیں تیرا نشیمن قصر سلطانی کے گنبد پر
تو شاہین ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں پر

قصر تو قسمت میں نہیں لیکن سکون سے جینے بھی نہ دینا۔" رگڑ رگڑ کر صفائی کرتے وہ حسب عادت سوچوں کی دنیا میں گم تھی۔ خیالی پلاؤ پکانا ہی اس کی عیاشی تھی ورنہ کھانے میں تو اکثر دال ہی ملتی تھی۔

اس کے بالوں کی فکر امی کو رشتے کی وجہ سے ہوئی تھی۔ ابھی اس کا بمشکل انٹر ہوا تھا لیکن امی' ابو کو اس کی شادی کی شدید فکر تھی۔ ایک تو اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ

بی اے جیسا کوہ گراں اٹھانا ہماری لاڈلی کے لیے ممکن نہیں۔ دوسری وجہ بٹ صاحب کے گھر کھائے گوبھی کے پراٹھے تھے۔ جس دن ابو جی پراٹھوں کی دعوت اڑا کر آتے شدید تکلیف سے بے حال ہوتے۔ درد گو کہ گیس کا ہوتا لیکن بیماری کی لمبی رات نے انہیں وہ دل کا بنا کر دکھایا اور ہزار بار اللہ نہ کرے کا ورد کرتے وہ یہ ہی سوچتے رہے کہ اگر مجھے کچھ ہو گیا تو میری اکلوتی بیوقوف بچی کا کیا بنے گا۔ عزیز رشتہ دار کوئی نہیں' بیوی پرانے وقتوں کی اللہ میاں کی گائے۔ جو گھر میں شور تو ڈال لیتی لیکن باہر کی دنیا سے بے خبر تھی۔

اب آس پڑوس' جاننے والوں سب کو رشتے کے بارے میں کہہ دیا تھا۔ رشتے آ بھی رہے تھے لیکن اتنی کم عمر اور پیاری لڑکی کا رشتہ خود اپنے والدین کی ضد کے باعث اٹکا ہوا تھا۔ ابو جی کی ضد یاد کرتے شاہین نے سر جھٹکا۔

☆☆☆......☆☆☆

''شاہین جلدی اٹھ کر صفائی کرلے پھر نہا دھو لینا' سامنے والی خالہ اپنے بھائی' بھابی کے ساتھ آئیں گی آج۔'' صبح کے دس بجے وہ ابھی بستر میں ہی تھی کہ امی نے بری طرح جھنجھوڑتے پورے دن کا نقشہ کھینچ دیا۔ سنہرے خوابوں سے حقیقت کی دنیا میں آتی وہ جھلائی۔

''ایک تو میں اپنے نام سے بہت تنگ ہوں۔ جب تک میرا نام نہیں بدلتیں آپ' میرا رشتہ نہیں ہونا کہیں۔'' اس کی بند آنکھوں کے ساتھ بے دریغ بولنے پر امی کا منہ حیرت سے کھلا' پھر حسب عادت ان کا ہاتھ اس کا کندھا سینک گیا۔

''اپنے ابو کو بولنا' وہ علامہ اقبال کی محبت میں جان دے رہے ہیں' صاحبزادی کو نام پسند نہیں آ رہا۔ اقبال ہی نام رکھ دیتے تیرا تو اچھا رہتا۔ اب نام سے رشتے کا کیا تعلق بھلا' خود اپنے منہ سے شادی کی بات کرتی اچھی لگتی ہیں لڑکیاں۔'' امی کو اتنا غصہ تھا کہ سمجھ نہیں آ رہا تھا کس بات پر ڈانٹیں۔

علامہ اقبال ان کے شوہر کا عشق تھے۔ وہ خود نیم خواندہ سہی لیکن شوہر کو مجازی خدا ماننے والی بیوی تھیں۔ شوہر کی محبت میں وہ خود بھی اقبال کے گن گاتیں تھیں لیکن ابھی جو قصیدہ سرائی انہوں نے اس کی شان میں کی اس سے گھبرا کر شاہین اٹھ بیٹھی تھی۔ اپنا پرانے زمانے کا بھاری بھرکم نام اسے ہمیشہ سے ناپسند تھا۔ اقبال کا شاہین تو نہیں لیکن اس نام کو سنتے ہی مسرت شاہین ضرور تصور میں آتی اور اس کی ساری اسمارٹنس کا کباڑا کر جاتی۔ نام سن کر ہی سب گھبرا جاتے' آنٹی ٹائپ بھاری بھرکم لڑکی ذہن میں آتی۔ وہ چاہتی تھی کہ نام بدل کر کوئی نیا' خوب صورت سا نام رکھ لے' جسے سنتے ہی تصور میں حسین سی دوشیزہ آ جائے' لیکن اسے کبھی اس کی اجازت نہیں ملتی۔ اب امی کی بات سنی تو اپنی ناشکری کی معافی کان پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے مانگی۔ واقعی ابو جی اس کا نام اقبال بیگم رکھ دیتے تو وہ کیا کر لیتی۔

وہ اٹھ کر صفائی میں لگ گئی جبکہ امی جی مہمانوں کی

خاطر تواضع کا اہتمام کرنے لگیں۔ اپنے نام اور اس کے اثرات پر غور کرتی وہ مصروف عمل تھی؛ جب ابو جی گھر کے اندر داخل ہوئے۔

''بیٹا علامہ صاحب آئے تھے مجھ سے ملنے؟'' ان کی بات پر وہ چونکی۔

''علامہ صاحب کیسے آسکتے ہیں ابو جی! ان کا تو انتقال ہوگیا ناں۔''

''کب؟'' ابو اس سے زیادہ چونکے بلکہ اچھل پڑے۔ ابھی کچھ دیر پہلے تو ان کی فون پر بات ہوئی تھی اب یہ نئی خبر۔

''تیس اپریل انیس سو اڑتیس کو انتقال ہوا تھا ناں ابو جی ان کا۔'' اس نے پتہ نہیں پوچھا تھا کہ بتایا لیکن ابو جی کی اٹکی ہوئی سانس باہر نکلی۔

''اور بھی علامہ ہیں اس دنیا میں بیٹا......'' وہ کہتے آگے بڑھ گئے جبکہ وہ منہ بنا کر رہ گئی۔

یہ ابو جی ہی تھے جو بچپن سے لوریوں میں بلبل اور جگنو یا لب پہ آتی ہے دعا سناتے' دن رات علامہ اقبال کے قصیدے پڑھتے' انہوں نے گویا اقبال کو اس کی چڑ بنا دیا تھا' وہ کوئی بہت پڑھے لکھے اعلیٰ تعلیم یافتہ انسان نہ تھے۔ لیکن ان کے والدین ہجرت کے وقت قربانیاں دے کر آئے تھے۔ انہیں تحریک پاکستان کے رہنماؤں سے والہانہ محبت ورثے میں ملی تھی۔ اقبال نے ہی خط لکھ کر قائد کو بلایا' ان کی سیاسی بصیرت اور ہجرت کے وقت کے جانی و مالی نقصان' دوستوں کے آنکھ بدلنے کے قصے انہوں نے اپنے والدین سے سنے اور انہیں اپنی اگلی نسل میں منتقل کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ اس کوشش میں وہ بری طرح ناکام رہے تھے۔

دراصل تو اس کے ابو صرف اس کا نام ہی شاہین رکھ سکے تھے۔ اسے اقبال کا شاہین بنا نہیں سکے تھے۔ اقبال کی فکر نئی نسل کے لیے اجنبی تھی۔ شاہین نے اس نئے زمانے سے بہت کچھ سیکھا تھا۔ جس میں ناامیدی سرفہرست تھی۔ معلومات کی کمی اور پروپیگنڈا کی زیادتی کا شکار وہ بظاہر ہر چیز کی منطق تلاشنے کے دوڑ میں رہتی تھی۔ اقبال پر تو اسے یوں بھی غصہ تھا کہ ان کی محبت میں یہ نام اسے دیا گیا تھا۔ تب ہی جب آٹھویں کلاس میں جب ٹیچر نے انہیں علامہ اقبال پر تقریر لکھنے کو کہا تو اس کا مضمون کچھ یوں تھا۔

علامہ اقبال......

علامہ اقبال ہمارے قومی شاعر ہیں۔ وجہ اس کی ہمیں تو محض یہی نظر آتی ہے کہ تحریک پاکستان کے سرکردہ افراد کے دوست تھے۔ یعنی جس سفارش کے کلچر کو ہم آج رو رہے ہیں وہ تو ابتداء سے جان کو چمٹا ہوا ہے۔ خود اقبال کی قوم کے لیے کوئی خاص خدمات ہمارے علم میں تو نہیں کبھی باہر پڑھنے چلے گئے یا سیاحت کو اسپین جا نکلے وہ جو پی ایچ ڈی اور مقالے وغیرہ لکھے سو وہ بھی اپنی ذات کا ہی سوچا قوم کے لیے تو بس خیالی پلاؤ پکا گئے۔ تحریک پاکستان کی ساری تاریخ کھنگال کر بھی سوائے قائداعظم کو خط لکھنے اور الٰہ آباد کی مشہور عام تقریر کے ہم نے ان کے حوالے سے اور کام نہ دیکھا۔ ان خطوط اور تقریر کا بھی کیا بھروسہ کسی اور سے لکھوا لیتے ہوں۔ ہم تو خود اتنی اچھی تقریر لکھ لیں بس موقع نہیں ملتا۔ جتنی کتب میں ان کی تصاویر دیکھیں بیشتر میں سوچ بچار کرتے پائے گئے خود ہلنے کے روادار نہیں اور قوم کو شاہین بننے کے سبق دیتے رہے کہ محض لہو گرم رکھنے کو ہی اِدھر اُدھر جھپٹتے رہو۔ ہوتے اگر وہ آج تو ہم ان سے ضرور پوچھتے کہ آپ کے دور میں تو موبائل کمپیوٹر اور سوشل میڈیا کی وباء بھی نہیں تھی تو یہ حال تھا۔ ہمارے لیے الگ پیمانے اپنے لیے الگ۔ قول و فعل کے اسی تضاد کے باعث قوم نے ان کی باتوں پر عمل نہ کیا۔ اچھا ہوا کہ پاکستان بننے سے بہت پہلے خود ہی مر گئے ورنہ ان کے لیے بھی پہلے خراب ایمبولینس بھیجنی پڑتی پھر انکوائری کمیشن بنانے کا خرچا الگ ہوتا۔

اس مضمون کو پڑھ کر ٹیچر کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

''آپ کتنی اچھی تقاریر لکھ سکتی ہیں' مجھے اندازہ ہوگیا

ہے۔" انہوں نے چبا چبا کر کہا تھا۔ اس کے بعد جو ہوا وہ بیان کے قابل نہ تھا۔ اتنے دردناک سانحات کے بعد اسے اقبال سے محبت کیونکر ہوتی' وہ تو اکثر ابو جی سے بات کرتے علامہ اقبال کو "آپ کے اقبال" ہی کہا کرتی۔

اب اس کے رشتے کے موقع پر یہ مسئلہ پھر سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ ابو جی چاہتے تھے کہ ان کا داماد بھی شاعر مشرق سے محبت کرتا ہو۔ آج کل تو بڑے بڑے تعلیم یافتہ لوگ اقبال کو نہیں جانتے تو لوئر مڈل کلاس کے کم پڑھے لکھے لڑکوں سے ایسی امید رکھنا بیکار تھی۔ اس ہی وجہ سے ابھی تک اس کا رشتہ طے نہیں ہو پایا تھا۔ اب تو وہ کافی دلبرداشتہ ہو کر اپنی شرط سے پیچھے ہٹنے کا سوچ رہے تھے۔

سامنے والی خالہ ان کے مسئلے سے واقف تھیں۔ آج وہ اپنے بھتیجے کا رشتہ لے کر آئیں تو امی' ابو کا دل باغ باغ ہو گیا۔ لڑکا سرکاری اسکول میں اردو پڑھاتا تھا۔ شریف اور اکلوتا تھا۔ ان سب باتوں سے قطع نظر خوشی کی بات یہ تھی کہ اس کا نام اقبال تھا۔

"شکر اللہ کا' ہماری شاہین کو اقبال ملا۔ ان شاء اللہ خوش رہے گی۔" ابو جی خوشی سے بول رہے تھے۔ امی جی شوہر کی خوشی میں خوش تھیں اور شاہین اس فکر میں تھی کہ اب ایک بار شکوہ' جواب شکوہ یاد کر ہی لے تاکہ اقبال اور شاہین کا مقابلہ تو ٹکر کا ہو اور وہ ناز سے انہیں "میرے اقبال" کہہ سکے۔ جب کہ ہم اس منظر کو دیکھتے سوچ رہے تھے۔

"کاش نام کے اقبال کے بجائے اس ملک کو بھی ایک بار پھر کوئی اصلی اقبال اور اس کے شاہین مل جائیں تو منزل دور نہیں۔"

ڈھل گیا ہجر کا دن

نادیہ احمد

(پچھلی قسط کا خلاصہ)

زبیر انصاری نور فاطمہ کو باعزت طریقے سے اپنا کر اپنے گھر میں اس کا جائز مقام دیتا ہے یہی نہیں شادی کے بعد بھی وہ اپنی تعلیم جاری رکھتے ہوئے میڈیسن کا انتخاب کرتی ہے۔ سفینہ کی موت اور ٹیپو کی گمشدگی کا غم اپنی جگہ پر ڈاکٹر نور فاطمہ پہ قسمت مہربان رہتی ہے جس کا سارا کریڈٹ زبیر انصاری کو جاتا ہے۔ گھر میں زبیر انصاری کی بہن نگہت آپا کا بیٹا عمیر لندن سے آتا ہے۔ سب کی طرح وہ علینہ سے بھی گھلنے ملنے کی کوشش کرتا ہے جو سمیر کو برا محسوس ہوتا ہے۔ انصاری ہاؤس میں سمیر کی بطور ڈی سی پرموشن کی خوشی میں ہونے والا ڈنر اس وقت انتہائی مضحکہ خیز صورت اختیار کر جاتا ہے جب کشمالہ، علینہ کو ملازمہ سمجھ کر اس کی بے عزتی کرتی ہے۔ سمیر جواباً کشمالہ کی طبیعت صاف کرتا ہے اور پھر وہ علینہ سے معذرت کرنے آتا ہے تو وہاں پہلے سے عمیر کی موجودگی اسے سیخ پا کر دیتی ہے۔ مونس جیل سے لوٹ کر خاور کو علینہ کے کردار اور سمیر کے حوالے سے بدظن کرتا ہے جس پہ خاور ہرگز یقین نہیں کرتا لیکن مونس اس یقین سے بہتان لگاتا ہے کہ خاور کو ہلکا سا شک ہوتا ہے۔ ادھر علینہ، فریحہ اور عمیر کے ساتھ ڈنر پہ نہ جانے کی بجائے گھر پہ رکتی ہے جہاں سمیر سے اس کی ہلکی سی نوک جھونک ہوتی ہے۔ ڈنر پہ عمیر، فریحہ کو اپنی آمد کا مقصد بتا کر حیران کر دیتا ہے۔ وہ اچانک گھبرا جاتی ہے اور عمیر کے کریدنے پہ اسے سچائی بتانے کا ارادہ کرتی ہے لیکن پھر فارس کی بدگمانی سے نالاں خاموش ہو جاتی ہے۔ دوسری طرف گھر میں علینہ اور سمیر کا جھگڑا ہو رہا ہوتا ہے۔ علینہ جو سمیر سے بدگمان اندر جا رہی ہوتی اس کا ہاتھ کھینچ کر سمیر اسے روکتا ہے پر وہ اپنا بیلنس برقرار نہیں رکھ پاتی اور گرنے سے بچنے کو سمیر کا سہارا لیتی ہے، اسی وقت خاور وہاں آ جاتا ہے اور مونس کی باتوں کو سچ جان کر علینہ کی بے تحاشہ بے عزتی کر دیتا ہے۔ سمیر بجائے انکار کرنے کے خاور کی بات پہ سیخ پا ہو کر تمام الزام باخوشی قبول کر لیتا ہے جس سے علینہ کے اوسان خطا ہو جاتے ہیں پر سمیر اسے ٹوک دیتا ہے۔ دوسری طرف سمیر اپنے انداز سے خاور کو اپنی اولاد پہ بھروسہ کرنے کی تلقین کرتا خاصا روڈ ہو جاتا ہے۔ علینہ تلملا جاتی ہے، خاور خاصہ شرمندہ ہوتا ہے پر علینہ اسے باتیں سنا کر روتی دھوتی اندر چلی جاتی ہے۔ سمیر اس سے معذرت کرتا ہے۔ وہ دونوں اپنی باتوں میں مگن ہوتے ہیں جب مسٹر اور مسز انصاری وہاں پہنچ کر ان کی گفتگو سن لیتے ہیں۔ بیگم انصاری سمیر سے خفا ہوتی ہیں کہ اسے علینہ کے والد سے اس انداز میں بات نہیں کرنی چاہیے تھی نیز اسے یہ بھی فکر ہے کہیں خاور دوہا علینہ کی نانی کو کال کر کے شکایت نہ کر دے۔ وہ صفائی دینے اور معذرت کرنے اس کے گھر پہنچتی ہیں۔ زبیر انصاری کو روک کر سمیر ان کے ساتھ خاور کے گھر جاتا ہے جو اس وقت خاصہ پریشان اور شرمندہ ہوتا ہے۔ نور فاطمہ معذرت کرتے اس کی دلجوئی کرتی ہیں اسی وقت ملازم شہباز کی اکھڑتی سانسوں کے خوف سے اطلاع دینے لاؤنج میں پہنچتا ہے۔ خاور گھبرا کر اندر جانے لگتا ہے جب نور فاطمہ کے استفسار پہ وہ انہیں بتاتا ہے کہ اس کے والد شدید بیمار ہیں۔ نور فاطمہ اپنے تئیں اخلاقیات نبھاتے اس کے والد کی مزاج پرسی کرنا چاہتی ہیں اور بطور ڈاکٹر وہ اس کی مدد کرنے کی خواہاں ہوتی ہیں۔ وہ انہیں ساتھ لے آتا ہے۔ بسترِ مرگ پہ آخری سانسیں لیتے شہباز کی نبض ٹوٹتے، جھریوں بھرے ضعیف چہرے کو نور فاطمہ پہچان لیتی ہیں۔ ایک پل میں سب کچھ کھل کر سامنے آ جاتا ہے۔ وہ خاور کو اپنی شناخت بتاتی ہیں جس پہ وہ شاک رہ جاتا ہے۔ سمیر حیرت اور پریشانی سے یہ سب دیکھ رہا ہوتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

❁☆☆☆❁☆☆☆❁

درد اتنا تھا کہ اس رات دلِ وحشی نے
ہر رگِ جاں سے الجھنا چاہا

ہر بنِ مو سے ٹپکنا چاہا
اور کہیں دور ترے صحن میں گویا
پتا پتا مرے افسردہ لہو میں دھل کر
حسنِ مہتاب سے آزردہ نظر آنے لگا
میرے ویرانۂ تن میں گویا
سارے دکھتے ہوئے رشتوں کی طنابیں کھل کر
سلسلہ وار پتا دینے لگیں
رخصتِ قافلۂ شوق کی تیاری کا
اور جب یاد کی بجھتی ہوئی شمعوں میں نظر آیا کہیں
ایک پل آخری لمحہ تری دلداری کا
درد اتنا تھا کہ اس سے گزرنا چاہا
ہم نے چاہا بھی مگر دل نے ٹھہرنا چاہا

"آپ نے کبھی کچھ نہیں بتایا۔" کاریڈور کے سکوت میں سمیر کی سرگوشی سنائی دی۔

"کیا بتاتی، بتانے کا حوصلہ ہی کہاں تھا؟" نور فاطمہ اس کی طرف دیکھے بنا شکستہ لہجے میں گویا ہوئیں۔

"اس سب میں آپ کا تو کوئی قصور نہیں تھا۔" اس نے ان کا ہاتھ تھاما جو اس وقت سرد تھا۔ وہ شدید ٹینشن میں تھیں۔ درد زیادہ بڑا تھا یا شاک وہ اندازہ نہیں لگا پا رہا تھا۔ لگتا بھی کیسے، کسی کہانی کی طرح ماضی کے درد بھرے قصے کو سننا اور اس غم و اذیت سے گزرنا دو الگ تجربے ہیں۔ پہلا دوسرے کے شدتِ غم کا تخمینہ کیوں کر لگا سکتا ہے نا ہی اس تاسف اور احساسِ جرم سے گزر سکتا ہے، جس کا سامنا پچھلی کئی دہائیوں سے نور فاطمہ سوتے جاگتے کرتی رہی تھیں۔

"قصور تو بس قسمت کا ہے، جس کے آگے انسان کھلونا ہے۔ جب چاہتی ہے بے بس کر دیتی ہے، جسے چاہتی ہے اپنی مرضی کے راستوں پہ ڈال دیتی ہے۔ ہم اچھے وقتوں کو ہاتھ کی لکیروں میں ڈھونڈتے رہ جاتے ہیں، خوابوں میں تراشتے خود پتھر ہو جاتے ہیں یہ جب چاہتی ہے مٹی بنا دیتی ہے۔" انہوں نے دھیمے لہجے میں کہتے نگاہ اٹھا کر خاور کی سمت دیکھا جو ان سے کچھ فاصلے پہ لاتعلق و پریشان کھڑا تھا۔

شہباز کی حالت بگڑتے ہی وہ لوگ اسے سمیر کی گاڑی میں زینب وقار اسپتال لے آئے تھے۔ نور فاطمہ تو خود میں اتنی ہمت ہرگز نہیں محسوس کر رہی تھیں کہ وہ کوئی بھی فیصلہ کر سکتیں، خاور الگ شاک میں تھا۔ یہ تو سمیر ہی فی الفور وقت ضائع کیے بغیر انہیں یہاں لے آیا تھا۔ نور فاطمہ اور سمیر کو دیکھ کر اسپتال کی انتظامیہ کسی روبوٹ کی طرح حرکت میں آئی تھی۔ ایمرجنسی میں اس وقت دو تین ڈاکٹر بیک وقت شہباز کو اٹینڈ کر رہے تھے سوائے نور فاطمہ کے جو بے بس و نڈھال چپ چاپ کاریڈور میں رکھے صوفہ پہ بیٹھی تھیں۔ سمیر کچھ دیر ایمرجنسی کے باہر ٹہلتا رہا۔ وہ عجیب اضطرابی کیفیت کا شکار تھا۔ کئی گتھیاں سلجھی تھیں جو اتنے دن سے ذہن کو ماں کے رویے کی وجہ سے الجھا رہی تھیں تو ایک ناقابلِ یقین اور حیرت انگیز حقیقت کا انکشاف بھی ہوا تھا۔ نور فاطمہ شاید اتنا زیادہ ڈسٹرب نہ ہوتیں اگر وہ خاور کی ان سے بے رخی اور خفگی کو محسوس نہ کرتیں۔ جب سے اس پہ حقیقت ظاہر ہوئی تھی اس نے ایک بار بھی بہن کو گلے لگایا تھا نہ تسلی دی تھی۔ اس کے چہرے پہ نور فاطمہ کی طرح خوشی کی جھلک نمودار نہیں ہوئی تھی۔ اس کی سرد مہری اتنی واضح تھی کہ سمیر بھی محسوس کیے بنا نہیں رہ پایا تھا۔ نور فاطمہ نے شفقت سے تسلی دیتے اسے چھونا چاہا تو اس نے بے چینی سے ان کا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔ اس وقت سے وہ اور بھی پریشان نظر آ رہی تھیں۔ بے چین اور شرمندہ۔ سمیر کو ماں کی خاموشی اداس کر رہی تھی۔ وہ ان کا ہاتھ تھامے بیٹھا رہا اور پھر انہوں نے خود ہی آہستہ آہستہ مختصر الفاظ میں اپنی آپ بیتی اسے سنانا شروع کر دی تھی۔

"پارس بھی تو انسان کی قسمت سے ہی بنتا ہے نا ممی، جیسے آپ......" ان کا ہاتھ تھپتھپاتے وہ دھیما سا مسکرایا پر نور فاطمہ کی آنکھوں کی اداسی اتنی گہری تھی کہ ان کے لبوں پہ بیٹے کے اس خراجِ تحسین کے باوجود مسکراہٹ نہ ابھری۔

"تم اس دکھ کو نہیں سمجھ سکتے سمیر، میں شاید سمجھا نہ سکوں۔ بیان ہی نہ کر پاؤں اس کرب کو جس سے گزرے ماہ و سال میں لڑتے لڑتے میرا وجود ریزہ ریزہ ہو گیا ہے۔"

ان کے لہجے میں زمانوں کی تھکن تھی۔
"میری ماں کا خون مجھے ان ہاتھوں کی لکیروں میں دکھائی دیتا ہے۔ کسی کے لیے یہ ہاتھ دستِ شفا ہے' غربت کے مارے' بیماری سے لڑتے سسکتے مریض عقیدت سے انہیں چومنا چاہتے ہیں لیکن مجھے ان سے گھن آتی ہے کیونکہ یہاں میری ماں کا قتل لکھا ہے۔" اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے وہ بے چینی سے بولیں۔ سمیر کو ان کی کیفیت تکلیف دے رہی تھی۔ وہ خود کو اس سب کا ذمہ دار گردان کر برسوں سے اس احساسِ جرم میں زندگی گزار رہی تھیں جو ان سے سرزد ہوا ہی نہیں تھا۔ بظاہر کتنی پُرسکون اور مضبوط دکھائی دینے والی ان کی پُراعتماد ماں نے اپنے اندر کیا دکھ چھپا رکھا تھا یہ سوچ کر اسے تکلیف ہوئی تھی۔
"میں وہ سب نہیں چاہتی تھی پھر بھی مجھے مجبوراً امی کی بات ماننی پڑی۔ نہ مانتی تو آج وہ زندہ ہوتیں۔" برسوں سے یہی کانٹا تو دل میں چبھ رہا تھا۔ کاش وقت کا پہیہ الٹا چل سکتا تو وہ ان لمحوں میں لوٹ جاتیں۔ اس وقت کو ایک بار پھر اسی مقام پہ لے جاتیں جب سفینہ نے اپنی قسم دے کر ان کی زبان پہ تالا ڈال کر مزاحمت سے روک دیا تھا۔ ایک بار' بس ایک بار وہ اس وقت میں واپس جا کر ماں کے سامنے اپنا احتجاج بلند کرسکتیں کہ چاہے کچھ ہوجائے نور فاطمہ ان کی بات نہیں مانے گی' وہ اس شہر سے ماں اور بھائی کے بغیر پیر باہر نہ نکالے گی پھر چاہے اس کا جواری باپ اسے بیچ چورا ہے سولی پہ چڑھا دے کیونکہ اس طرح سفینہ کی جان بخش دی جاتی۔
"ان کی زندگی بس اتنی ہی تھی' جلد یا بدیر سب کو ہی جانا ہے نانی کو اللہ نے بس اتنی ہی مہلت دی تھی۔ پھر یہ بھی تو سوچیں وہ اس وقت اگر ایک درست فیصلہ نہ کرتیں تو آپ کی زندگی برباد ہوجاتی۔" سمیر ان کا تاسف سمجھ رہا تھا۔ رضائے الٰہی اور قسمت کے آگے کس کی چلی ہے۔ جو ہوچکا اسے یونہی ہونا تھا اور یہ تو وہ خود بھی اچھی طرح جانتی تھیں۔ اولاد کو دین و دنیا اور اچھائی برائی کی سیکھ دینے والی' انہیں قابلیت کی اونچی سیڑھی پہ کھڑا کرنے والی' بااعتماد اور زمانہ ساز بنانے والی کوئی ماں بھلا زندگی و موت کے بنیادی فلسفے سے کس طرح انجان ہوسکتی ہے۔ وہ انہیں اس گلٹ سے نکالنا چاہتا تھا۔
"ایسی زندگی بچانے کا کیا فائدہ ہوا جس کے بعد سب کچھ اجڑ گیا۔ میرا چھوٹا بھائی مجھ سے بچھڑ گیا۔ جانے کہاں کہاں کی خاک چھانی اس معصوم نے۔ کتنا سخت وقت دیکھا ہے میرے نیچو نے کہ آنکھوں کا کرب آج بھی قائم ہے۔" انہوں نے نگاہ اٹھا کر خاور کے خفا چہرے کی سمت دیکھا۔ وہ اب بھی لاتعلق اور انجان' اپنی بے چینی پہ قابو پاتا ان سے کچھ فاصلے پہ کھڑا تھا۔
"آپ اندر کیوں نہیں جاتیں؟ آپ ایک ڈاکٹر ہیں انہیں آپ کی ضرورت......" سمیر نے ان کا دھیان ہٹانے کی کوشش کی۔ اندر شہباز زندگی و موت کے بیچ جھول رہا تھا۔ کچھ بھی تھا وہ ان کا باپ تھا جسے وہ اس کے آخری وقت میں معاف بھی کرچکی تھیں۔ ہوسکتا ہے اس طرح انہیں کچھ سکون مل جاتا۔ نور فاطمہ نے بے اختیار نفی میں سر ہلاتے سمیر کو بیچ میں ہی ٹوک دیا تھا۔
"نہیں۔ میں اندر نہیں جاسکتی۔ اگر انہیں میرے ہاتھوں کچھ ہوگیا تو میں......" انہوں نے خوف سے سمیر کی طرف دیکھا۔
"ممی وہ سالوں سے ایک ناقابلِ علاج مرض میں مبتلا ہیں۔ ان کی ہر اگلی سانس ان کی اذیت کو طویل کرتی ہے اور اب تو جو سچویشن ہے ان کا بچنا ایک معجزہ ہے پھر آپ اسے اپنے سر کیسے لے سکتی ہیں۔" وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہا تھا۔ جس وقت وہ شہباز کو اسپتال لایا اس کی آنکھیں پلٹ چکی تھیں۔ سانس آرہی تھی یہ بھی غنیمت تھا۔
"تم نہیں سمجھ سکتے سمیر' تم نہیں سمجھ پاؤ گے میرا احساسِ جرم کیونکہ تم نے میری زندگی نہیں جی اور اللہ نہ کرے کبھی میری اولاد کو میرے جیسی زندگی گزارنی پڑے۔" تاسف سے کہتے انہوں نے سر صوفہ کی پشت پہ ٹکا دیا۔
"میں تو آپ کو انتہائی بہادر اور سلجھا ہوا سمجھتا تھا۔" وہ مایوسی سے بولا۔

"ہر انسان کی شخصیت کے کمزور پہلو ہوتے ہیں۔ ہاتھوں میں ہتھیار لہراتے جری و بہادر بھی زندگی کے کسی گوشے میں بزدل ہوتے ہیں۔"

"انسان کا اپنا عکس اس کی سب سے بڑی کمزوری ہوتا ہے۔" آنکھیں موندے وہ خود کلامی کے سے انداز میں بولیں۔

"آپ نے احساسِ جرم کا آئینہ اپنے سامنے سجا رکھا ہے اسی لیے اپنے عکس سے خوف زدہ ہیں ورنہ سچ تو یہ ہے آپ کا کوئی قصور نہیں۔ اگر آپ خاور ماموں کے رویے سے دل برداشتہ ہیں تو انہیں کچھ وقت دیں۔ وہ ابھی بہت پریشان ہیں اور شاید شاک میں بھی۔ کچھ عرصہ لگے گا نارمل ہو جائیں گے تو خود آپ کے پاس آئیں گے۔" وہ جانتا تھا اس وقت ان کے دل پہ خاور کی خاموشی اور اکھڑا رویہ بوجھ کی طرح دھرا ہے۔ برسوں بعد ملنے والے بھائی، بہن ایک دوسرے سے نگاہیں چرائے لاتعلق و شرمندہ کھڑے تھے۔ ایک کے چہرے پہ شکایت تھی تو دوسرے کے معذرت۔

"میرا خیال ہے میں ڈیڈی کو کال کر کے یہاں بلالوں۔ آپ کو بس وہی ہینڈل کر سکتے ہیں۔" اس نے کچھ سوچتے ہوئے اپنا سیل فون نکالا۔ اس تمام سچویشن میں اسے اتنی مہلت ہی کہاں ملی تھی کہ وہ گھر پہ زبیر انصاری اور فریحہ کو کچھ بتاتا۔ لیکن ظاہر ہے وہ لوگ بھی تو ان کے منتظر ہوں گے اور ان حالات میں یہی مناسب تھا کہ وہ دونوں جلد یہاں پہنچ جائیں۔ زیرِ لب کہتا وہ اب اپنی کانٹیکٹ لسٹ میں سے زبیر انصاری کا نمبر نکال رہا تھا۔ نور فاطمہ صوفے پہ سر ٹکائے آنکھیں موندے خاموش رہیں جیسے سن کر بھی ان سنا کر دیا ہو۔ اسی وقت ایمرجنسی روم کا دروازہ کھلا اور ڈاکٹر کی آمد ہوئی۔ سمیر کال کرتا رک کر اٹھ کھڑا ہوا۔ دوسری طرف خاور بھی بے اختیار ڈاکٹر کی طرف بڑھا۔ نور فاطمہ نے سمیر کا صوفہ سے اٹھنا محسوس کرتے آنکھیں کھولیں۔ ڈاکٹر سمیر اور خاور کی طرف دیکھ کر نگاہیں چراتا سیدھا نور فاطمہ کے پاس آ گیا۔ اپنی ساری ہمت جمع کرتیں وہ صوفے سے اٹھیں تھیں۔ ان کے ایک طرف سمیر دوسری طرف خاور کھڑے تھے۔

"ڈاکٹر صاحبہ وہ آپ کے پیشنٹ...... آئی ایم سوری ہم انہیں نہیں بچا سکے۔" ڈاکٹر کا لہجہ تاسف میں ڈوبا ہوا تھا۔ سمیر نے لب بھینچے ماں کی طرف دیکھا جو بے تاثر چہرے اور اڑی ہوئی رنگت کے ساتھ ایک ٹک بس ڈاکٹر سجاد کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ پاس کھڑے خاور نے اپنا ماتھا تھام لیا۔

"آپ تو جانتی ہیں میم ان کی کنڈیشن اٹ واز انکیور ایبل (یہ ناقابلِ علاج تھا)۔" ڈاکٹر مزید بولا۔ اس کے لہجے میں ہلکی سی شرمندگی تھی۔ کسی مریض کو لے کر خود نور فاطمہ کا اسپتال پہنچنا اور ان دونوں کی وہاں مستقل موجودگی عملے پہ بناء کہے بھی واضح تھی کہ مریض سے ان کا تعلق اہم ہے۔ شاید اسی وجہ سے ڈاکٹر سجاد بھی ڈسٹرب تھے۔ نور فاطمہ نے خود کو کمپوز کرتے محض سر ہلا کر انہیں او کے کہا۔ ایک کمزور، بزدل اور احساسِ جرم کا شکار فاطمہ سے خود کو ڈاکٹر نور فاطمہ میں ڈھالتے انہیں بس چند لمحے لگے تھے۔ وہ اب بہت پروفیشنل انداز میں ڈاکٹر سجاد سے گفتگو کر رہی تھیں۔ ان سے ٹریٹمنٹ اور موت کی وجوہات پہ گفتگو کرتے ان کا انداز انتہائی پیشہ ورانہ تھا۔ ڈاکٹر اور ہیڈ اسٹاف کو ڈیڈ باڈی سے متعلق ہدایات دے کر وہ خود اسی صوفہ پہ بیٹھ گئی تھیں۔ سمیر نے پاس کھڑے خاور کے شانے پہ ہاتھ رکھتے گویا تسلی دی تھی۔ خاور نے سر اٹھایا اس کی آنکھوں کی سرخی اس بات کی غماز تھی کہ آنسوؤں کو ضبط کرنے کی سر توڑ کوشش کی جا رہی ہے۔ ایک نگاہ اس نے سمیر کے سنجیدہ چہرے کی طرف دیکھا اور پھر نظر اپنے شانے پہ ٹکے اس کے ہاتھ تک پہنچی۔ ایک جھٹکے سے اس نے سمیر کا ہاتھ اپنے کندھے سے ہٹایا۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ اجنبیت اور چہرے پہ بامعنی سنجیدگی تھی۔ سمیر لب کاٹتا پیچھے ہو گیا۔ نور فاطمہ نے خاور کا اکھڑا ہوا رویہ محسوس کر لیا تھا۔

آج شہباز نے مرنے سے پہلے خاور کا ہاتھ نور فاطمہ کو تھما کر جیسے اس کی برسوں کی تلاش کو ختم کر دیا تھا۔ اس کے

زخموں پہ پھایا رکھ دیا تھا۔ شہباز کی دردناک موت کے ساتھ زندگی کا ایک اور باب دم توڑ گیا تھا پر زندگی ابھی باقی تھی۔ تلاش ختم ہوئی تھی سفر نہیں۔ خاور کے دل میں چبھی بدگمانی کی پھانس اب بھی جوں کی توں تھی اور یہ پھانس مستقل ناسور کی صورت برسوں سے اگر اس کا تن تڑپا رہی تھی تو اب تڑپنے کی باری شاید نور فاطمہ کی تھی۔

❁☆☆☆❁☆☆☆❁

ریسٹورنٹ سے لے کر گھر تک، تمام راستہ خلاف معمول وہ خاصی سنجیدہ تھی اور یہ تو بس وہی جانتی تھی کہ اس وقت دل کی حالت کیا ہے۔ تقدیر کا لکھا جان کر اس نے بھلے ہتھیار ڈال دیئے تھے پر دل کے اندر ہوتی کھد بد چین ہی کہاں لینے دیتی ہے۔ عمیر ہمیشہ کی طرح خود ہی کسی نا کسی موضوع پہ بات کرتا رہا جس پہ وہ محض مسکرا کر یا سر ہلا کر ریسپانس دیتی رہی۔ وہ اس قدر خوش اور مطمئن تھا کہ اس نے فریحہ کے اس الجھے ہوئے موڈ پہ کوئی خاص توجہ نہ دی۔ وہ عمیر کے ساتھ گھر پہنچی تو لاؤنج میں اس وقت علینہ اور ڈاکٹر زبیر براجمان تھے۔ حالانکہ علینہ کچھ دیر پہلے اچھی خاصی پریشان تھی مگر ڈاکٹر زبیر کی ہلکی پھلکی باتوں اور ان کے اپنائیت بھرے رویے نے علینہ کے موڈ پر انتہائی خوشگوار اثر ڈالا تھا اور اس وقت بھی وہ ان کے کسی برجستہ جوک پر کھلکھلا کر ہنس رہی تھی۔

"ممی کہاں ہیں ڈیڈی اور یہ بھائی بھی اب تک نہیں آئے کیا؟" فریحہ نے ان دونوں کی غیر موجودگی کو محسوس کرتے سوال کیا۔ وہ خود اب عمیر کے ساتھ محوِ گفتگو تھے اور اس سے ڈنر کا احوال دریافت کررہے تھے۔ علینہ کے چہرے پہ ایک رنگ آ کر پلٹا وہ پہلے والی مسکراہٹ جھماکے سے غائب ہوئی تھی۔

"وہ دونوں ساتھ ہی نکلے ہیں ابھی بس پہنچ جائیں گے۔" مختصر جواب دیتے انہوں نے ایک نگاہ علینہ کے ستے ہوئے چہرے پہ ڈالی۔ ان کے عام سے لہجے میں دیئے گئے جواب پہ علینہ کا سکون بحال ہوا تھا جبکہ فریحہ بھی کوئی ریسپانس دیئے بغیر بس سر ہلاتی اپنے کمرے کی طرف چل دی۔

وہ خود اس وقت اتنی اپ سیٹ تھی کہ کسی اور طرف دھیان گیا ہی نہیں۔ کمرے میں جاتے ہی اس نے دروازہ لاک کیا، جوتے اتار کر دور پھینکے، دوپٹہ گلے سے کھینچ کر صوفہ پہ پٹخا اور گرنے کے سے انداز میں بیڈ پہ بیٹھ گئی۔ دونوں ہاتھوں سے سر تھامے اس نے اپنی بے بسی پہ خود کو کوسا تھا۔ زیست کیسے بھنور میں جا پھنسی تھی۔ ارمانوں کی قبر پہ محل کھڑا ہونے جارہا تھا۔ کہاں سے لا پائے گی اتنی ہمت۔ من چاہے ہمسفر کی خواہش گناہ تو نہیں تھی پھر کیوں اسی کے خواب شیشے کی طرح آنکھوں میں ٹوٹ گئے۔ فارس اگر اس کا ساتھ دیتا تو وہ کہاں یہ پسپائی اختیار کرنے والوں میں سے تھی۔ دوٹوک عمیر کو کہہ دیتی کہ اس کا خیال دل سے نکال دے کیونکہ اس کے دل میں کسی اور کا بسیرا ہے۔ ٹپ ٹپ دو بوندیں آنکھوں کے بند توڑ کر ہتھیلیوں پہ موتی کی طرح گری تھیں۔ کچھ سوچ کر اس نے اپنے ہینڈ بیگ سے اپنا سیل فون نکالا اور بے اختیار فارس کا نمبر ملایا۔

"ہیلو۔" فارس کی آواز میں نیند کا خمار اور لہجے میں اجنبیت تھی۔ فریحہ کو اس بے پروا کی بے حسی پہ مزید رونا آیا۔

"فریحہ بات کررہی ہوں۔" بھیگے لہجے میں بھی اس کا طنز نمایاں تھا۔ بڑے جتاتے انداز میں تعارف کراتے اسے احساس دلایا تھا۔

"ہاں آں...... آئی نو۔" وہ واقعی گہری نیند کے حصار میں تھا اسی لیے نمبر دیکھے بغیر کال اٹینڈ کی تھی۔ سیل فون کان سے ہٹا کر ایک نگاہ اسکرین پہ ڈالتے اس نے فریحہ کے نمبر کی تصدیق کی اور پھر دوبارہ فون کان سے لگاتے وہ خود پہ قابو پاتے الجھ کر بولا۔

"چلو یہ بھی شکر ہے کہ میں اب تک یاد ہوں۔" فارس نے اس کی شکایت سے زیادہ اس کی آواز کی نمی پہ توجہ دی تھی۔

"فری کیوں رو رہی ہو یار۔" ان دونوں کی آخری بات دوٹوک جھگڑے پہ ختم ہوئی تھی جس کے بعد اگر فارس نے رابطہ نہیں کیا تھا تو فریحہ کی طرف سے بھی خاموشی تھی۔

فریحہ نے اسے صاف صاف کہہ دیا تھا وہ کچھ عرصہ اپنے شہر اور یہاں کے لوگوں کے لیے وقف کرنا چاہتی ہے۔ اپنی زندگی کو کوئی مقصد دینا چاہتی ہے۔ مقصد تو فارس بھی دل میں لیے گھوم رہا تھا پر اس کا مقصد فریحہ سے الگ تھا۔ فریحہ معاشی طور پہ مستحکم ایک بھرپور اور آسودہ زندگی گزار رہی تھی جسے بامعنی بنانے کے لیے سوشل ویلفیئر جیسی ہری ہری سوجھتی ہیں۔ اس کے برعکس فارس کی زندگی معاشی الجھنوں میں گھری، معاشرتی عدم مساوات کا شکار اور زمانے کے رویوں سے نالاں تھی۔ ایسے حالات انسان کو خود غرض بنا دیتے ہیں۔ وہ چاہ کر بھی اپنے رویے کو بدل نہیں پاتا۔ محبت کے نام پہ خود غرضی کا گناہ فارس سے بھی سرزد ہوا تھا اور اسے اس بات کا پورا ادراک تھا کیونکہ جب سے فریحہ نے اس سے رابطہ توڑا تھا وہ خود بھی ایک پل چین سے نہیں بیٹھا تھا لیکن یہ انا تھی جو اسے فریحہ سے رابطہ نہ کرنے پہ قائل کر چکی تھی لیکن اسے روتا ہوا محسوس کر کے وہ اچھا خاصا پریشان ہو گیا تھا۔

''میں رو رہی ہوں تو تمہیں اس سے کیا۔ تم تو سکون میں ہو ناں۔'' آنکھوں کو بے دردی سے رگڑتی وہ غصے بھرے شکائتی لہجے میں بولی۔ اسے رہ رہ کر فارس پہ شدید غصہ بھی آرہا تھا اور اپنی بے اختیاری پہ رونا بھی۔ کام کا سوچا تھا یہ شادی والا شوشا جو عمیر نے آکر چھوڑ دیا اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا اب اس کا کچھ غصہ تو اسے فارس پہ نکالنا ہی تھا۔

''فری میری چوبیس گھنٹے کی ڈیوٹی تھی، ابھی کچھ دیر پہلے گھر آیا ہوں اور اس وقت بالکل دماغ کام نہیں کر رہا۔ پلیز مجھے بتاؤ تو رونے کی وجہ کیا ہے۔ مجھے پتا ہے تم مجھ سے خفا ہو لاسٹ ٹائم تم سے بہت روڈ ہو کر بات کی تھی لیکن تم نے بھی تو تعلق ختم کرنے کی دھمکی دی تھی پھر اب کیوں روتے ہوئے کال کر رہی ہو۔'' وہ اب آنکھیں ملتا اٹھ بیٹھا اور شکایتی لہجے میں بولا۔

''شادی ہو رہی ہے بہت جلد، سوچا پہلا انویٹیشن تمہیں ہی دیا جائے۔ آخر میرے قریبی لوگوں میں سب سے پہلا حق تمہارا ہی تو ہے۔'' کاٹ دار لہجے میں کہتے اس نے روتے ہوئے اسے بتایا۔ فارس کا دماغ ہی گھوم گیا پر اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہہ پاتا فریحہ نے کال ڈسکنیکٹ کر دی۔ رابطہ ختم ہوتے ہی فارس نے فوراً ہی اس کا نمبر ڈائل کیا پر دوسری طرف فون بند تھا۔ ایک دو جانے کتنی بار اس نے کال ملائی پر ہر بار ناکامی نے اسے منہ چڑایا تھا۔ فریحہ کے لفظ کانوں میں سائیں سائیں کر رہے تھے۔ نیند سے بوجھل ہوتی آنکھیں پھاڑے وہ اب پوری طرح چاق و چوبند تھا۔

☆☆☆☆☆☆

خوشی کے مارے آسیہ کو تو نیند ہی نہیں آرہی تھی۔ سب سے پہلے تو جا کر ماں کو ہی یہ خبر سنائی کہ وہ بھی اس کے ساتھ پاکستان واپس جائے گی پر اب دل کر رہا تھا علینہ کو بھی یہ خوش خبری دے۔ کتنا وقت ہو گیا تھا اسے ملے، گلے لگائے۔ اتفاق سے بچوں کی بھی اسکول کی چھٹیاں تھیں اطمینان سے چند ماہ بیٹی کے ساتھ گزار کر آؤں گی۔ اس نے جھٹ پٹ پروگرام بنا لیا تھا لیکن اسے بتائے بغیر چین کیسے ملتا۔ بچوں کو سلا کر وہ تسلی سے لاؤنج میں شاکرہ کے پاس آکر بیٹھ گئی اور ان کے سامنے ہی علینہ کو کال ملائی۔ شاکرہ کو بیٹی کا بات بے بات مسکرانا اور خوشی سے بے قابو ہونا پرسکون کر رہا تھا۔ اس ایک پل میں انہوں نے دل سے عامر کو معاف کر دیا تھا۔ بیٹیاں بسانے کے لیے دلوں میں قبرستان بنانے پڑتے ہیں جہاں دوسرے کی ہر زیادتی، ستم کو دفنا دیا جاتا ہے۔ شاکرہ کا دل تو ویسے بھی کشادہ تھا۔ وہ جب خاور کو معاف کر چکی تھیں تو پھر یہ تو ان کا داماد تھا۔ آسیہ ساتھ چلے گی تو ہر پچھلی بات کا مداوا ہو جائے گا۔ ویسے بھی اب تو انہیں جلد از جلد علینہ کی شادی کرنی تھی تا کہ وہ اپنے گھر بار کی ہو۔ اپنی زندگی کا آغاز ہو گا تو پچھلے ہر نقصان کی تلافی ہو جائے گی۔ آسیہ نے علینہ کا نمبر ملاتے مسکراتے ہوئے ماں کو دیکھا جیسے کہہ رہی ہو سرپرائز دوں گی تو اچھل پڑے گی۔ علینہ جو اس وقت ڈاکٹر زبیر اور عمیر کے پاس ہی بیٹھی تھی اپنے سیل پہ ماں کا نمبر دیکھ کر ایک پل کو کچھ پریشان ہوئی۔ آسیہ اسے بہت کم کال کرتی تھی اور

ابھی تو رات بھی ہو رہی تھی۔ وہ جانتی تھی آج عامر گھر پہ ہوگا اور آسیہ اسے کبھی عامر کے سامنے کال نہیں کرتیں۔ نانی کے آنے میں بھی ابھی چند دن باقی تھے۔ ایسے میں اس طرح اچانک اس غیر متوقع کال نے علینہ کو اچھا خاصہ پریشان کردیا تھا۔ کچھ ویسے بھی وہ اس وقت خاور کی وجہ سے شدید ڈسٹرب تھی۔ اگر ڈاکٹر زبیر کی کمپنی نہ ہوتی تو وہ اللہ جانے کسی کونے میں گھس کر کتنے آنسو بہا چکی ہوتی اور خود کو کس کس بات پہ کوس رہی ہوتی۔ اس نے گھبرا کر جلدی سے فون اٹینڈ کیا۔ عمیر اور ڈاکٹر انصاری دونوں نے اسے دیکھا پر وہ نگاہوں ہی نگاہوں میں معذرت کرتی اٹھ کر کچن کی طرف چل دی۔ وہ دونوں ہی اس کی ابتدائی گفتگو سے اندازہ لگا چکے تھے فون کہاں سے آرہا ہے اس لیے دوبارہ اپنی باتوں میں محو ہوگئے۔

آسیہ نے اسے ایک ہی سانس میں اپنی آمد کی اطلاع دی تھی۔ اس کا مارے خوشی سے برا حال ہو رہا تھا۔ علینہ کو پہلے تو یقین ہی نہیں آیا کہ واقعی وہ اس سے ملنے پاکستان آرہی ہے لیکن پھر اچانک وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ آسیہ یک دم اسے روتا دیکھ کر بوکھلا ہی تو گئی تھیں۔

''کیوں رو رہی ہو میری جان، میں نے تو تمہیں اچھی خبر سنائی ہے۔ ان شاء اللہ بہت سارے دن اپنی بیٹی کے پاس گزاروں گی میں۔'' انہوں نے پچکارتے ہوئے اسے دلاسہ دیا تھا۔ جب سے وہ پاکستان آئی تھی خود کو اتنا پتھر کرلیا تھا کہ کبھی آسیہ کے سامنے چھوڑ نانی نے بھی اسے روتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ پھر آج جب غم کے بادل چھٹ گئے تھے، پابندیاں ہٹالیں گئی تھیں تو یہ مون سون برسانے کی کوئی تک سمجھ نہیں آرہی تھی۔ آسیہ کی آواز پہ پاس بیٹھی شاکرہ بھی ایک دم پریشان سی ہوگئی تھیں۔

''ماما...... وہ...... بابا......'' اس کی سسکیوں میں جملہ ادھورا رہ گیا تھا۔ آسیہ کے تو جیسے قدموں سے زمین کھسک گئی تھی۔ عجیب سے اندیشے ناگ بن کر پھن اٹھانے لگے۔

''بابا کو کیا ہوا؟'' اس نے گھبرا کر پوچھا۔ پاس بیٹھی شاکرہ نے دل تھام لیا۔ جواب میں علینہ نے روتے روتے ساری روداد الف تا ے ماں کے گوش گزار کردی تھی۔ شاید دل کی بھڑاس تھی، ماں سے ملنے کی خوشی نے کمزور کردیا تھا کہ اس نے مونس کی کالج والی بدتمیزیوں سے لے کر آج تک کی ایک ایک بات آسیہ کو بتادی۔ وہ دم سادھے سنتی رہی۔

''بابا نے ان پہ الزام لگایا۔'' روتے روتے اس نے سمیر کے حوالے سے شکایت کی۔

''وہ ہوتا کون ہے میری بیٹی کو یہ سب کہنے والا۔ کبھی اپنی ذمہ داری تو نبھا نہ سکا اور چلا آیا حق جتانے۔ تم رکو میں ابھی اس کو فون کر کے دماغ درست کرتی ہوں۔'' آسیہ کا بس نہیں چل رہا تھا وہ ابھی پاکستان پہنچ کر خاور کی عقل ٹھکانے لگادے۔ شاکرہ نے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔ جواب میں اس نے آنکھ کے اشارے سے رکنے کو کہا۔

''وہ سب تو میں بھی کہہ چکی ہوں۔'' اس نے دھیمے لہجے میں باقی کی داستان سنائی۔ آسیہ کو تسلی ہوئی تھی کہ بات ختم ہوگئی ہے۔ بہر حال اسے بہت سا پیار اور تسلی دے کر اس نے کال بند کردی۔ اب تو بس چند دن تھے اس کے یہاں پھر تو یہ مسئلہ بھی ختم ہوجائے گا۔

''کچھ مجھے بھی تو بتاؤ کیا کہہ رہی تھی وہ۔ میرا تو دل ڈوبے جارہا ہے۔ خاور تو ٹھیک ہے ناں؟'' شاکرہ نے کال بند ہوتے ہی سوال کیا۔ آسیہ سے ساری بات سننے کے بعد انہوں نے تو اپنا ماتھا ہی پیٹ ڈالا۔

''میں کہتی ہوں کوئی حد ہوتی ہے بدگمانی کی۔ وہ کل کا لونڈا منہ اٹھا کر ہماری بچی کے متعلق کچھ بھی کہہ دے گا تو یہ احمق انسان جوش میں آکر اسے مارنے کو دوڑے گا۔ ارے کوئی اپنی اولاد پہ بھی یوں شک کرتا ہے اور مجھے تو رہ رہ کر اس بچے کا خیال آرہا ہے۔ جس کی عزت اچھالنے کی کوشش کی۔ دماغ پگلا گیا خاور کا وہ کوئی عام راہ چلتا مسٹنڈا تھا جس کا گریبان نوچنے چلا آیا۔ شہر کا حاکم ہے وہ موا کیا کہتے ہیں اسے ضلع کمشنر۔''

''ڈی سی۔''

''ہاں ہاں وہی ڈی سی پی سی۔ شرافت تو ان کے دروازے کی دربان ہے۔ بتایا نہیں تھا کیسے تمہاری ہی اولاد

نے بیچارے کو چور بنا ڈالا پر مجال ہے جوان سب کے ماتھے پہ بل بھی آیا ہو۔ بہو نے خود ذمہ داری اٹھائی تھی۔ اب بھی مجھے باقاعدہ فون کر کے خیریت معلوم کرتی ہے اور ساتھ علینہ کا احوال بھی بتاتی رہتی ہے۔ لو بھلا اب یہ بال میں نے دھوپ میں سفید کر ڈالے جو جوان بچی یونہی کسی ایرے غیرے کے ہاں چھوڑ کر یہاں سکون سے آ بیٹھی ہوں۔ اس عمر میں منہ کالا کرانے کا اس سے ارزاں نسخہ نہ تھا کوئی۔" وہ بنا رکے بس بولے ہی چلی جا رہی تھیں۔ آسیہ لب بھینچے خاموش بیٹھی رہی۔ یہ فاصلہ نا ہوتا تو وہ خود پہنچ جاتی خاور کا گریبان پکڑنے۔ برسوں جس اولاد کی پیدائش سے لے کر پرورش تک کی ہر تکلیف اکیلے اٹھائی تھی اس پہ ماں ایک طرف اپنی تربیت پہ بھی بھروسہ تھا۔ وہ کردار کی ہلکی ہوتی تو اتنے سالوں میں ایک بوڑھی نانی کے لیے دس مسائل پیدا کر چکی ہوتی۔

"میں کہتی ہوں حد ہوگئی آسیہ۔ یہ خاور تو عقل بیچ بیٹھا ہے۔ زندگی میں پہلے کون سا کوئی عقل کا سودا کیا تھا اس نے جواب جوان اولاد کو ایسے بدظن کر رہا ہے۔ اتنا ہی غیرت مار رہی تھی تو جب میں نے کہا اسی وقت بیٹی کو گھر لے جاتا۔ غیروں کی چوکھٹ پہ کاہے چھوڑنے دیا بھئی اور اب چلے آئے ہیں منہ اٹھا کر حق جتانے۔" ایک پل ٹھہر کر وہ پھر شروع ہوگئیں۔ انہیں رہ رہ کر غصہ آ رہا تھا اور ساتھ ساتھ ذہن میں ماضی کے کئی واقعات بھی گھوم رہے تھے جب خاور نے بس علینہ کا خرچ دے کر اپنی ذمہ داریاں ان کے کندھوں پہ ڈالے رکھیں۔ آج بیٹی پہ حق یاد آ گیا تھا پر شاید وہ یہ بھول گیا حقوق کے ساتھ فرائض بھی ہوتے ہیں۔

"صبح کال ملا کر دینا۔ ایسی خبر گیری کروں گی اس کی کہ ہمیشہ یاد رکھے گا۔ اب تم آرام کرو اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ بہو بڑی سمجھدار ہے وہ سب سنبھال لے گی۔" آسیہ نے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔ اسے واقعی علینہ کی طرف سے اب فکر ہو رہی تھی۔ بس میں ہوتا تو اس رات کی صبح ہونے سے پہلے بیٹی کے پاس پہنچ جاتی۔

"صبح اسے بھی فون کر کے معذرت کروں گی۔ ان بیچاروں کے تو نیکی گلے پڑ گئی۔" شاکرہ نے صوفے سے اٹھتے خود کلامی کے سے انداز میں کہا۔

☆☆☆☆☆☆

ان سب کی واپسی صبح ہوئی تھی۔ سمیر نے ڈاکٹر زبیر کو فون کر کے وہاں بلا لیا تھا۔ اس وقت تک علینہ اور فریحہ اپنے کمرے میں جا چکی تھیں۔ وہ عمیر کو گھر چھوڑ کر فوراً پہنچے تھے۔ خاور کی ناراضی ہنوز قائم تھی۔ نور فاطمہ اس کے پاس رک کر اسے منانا چاہتی تھیں پر زبیر انصاری انہیں سمجھا بجھا کر گھر لے آئے تھے۔ ان کے خیال میں ابھی اسے اس شاک اور غم سے نکلنے میں وقت لگے گا۔ گھر پہنچیں تو فریحہ، عمیر اور علینہ، تینوں ان کے منتظر تھے۔ بہت تھکے تھکے انداز میں گھر میں داخل ہوتی نور فاطمہ کو دیکھ کر فریحہ اور علینہ شدید پریشان ہوگئی تھیں۔ سمیر انہیں آرام کی غرض سے سیدھا ان کے کمرے میں لے آیا جبکہ زبیر انصاری وہیں لاؤنج میں صوفہ پہ بیٹھ گئے۔ بہت سوچ کر انہوں نے مختصر الفاظ میں فریحہ اور علینہ کو بیک وقت ساری کہانی سنائی تھی۔

"اوہ میرے اللہ۔ ممی تو کہہ رہی تھیں ان کے پیرنٹس......" فریحہ کو شاک لگا۔

"اس کے علاوہ اور کیا بتاتیں؟ حالات ہی ایسے بن گئے تھے ہمارے پاس کوئی دوسری چوائس نہیں تھی۔ پھر وقت گزر چکا تھا ایسی باتیں دہرانے سے فقط رنج ہی ہوتا ہے۔" انصاری صاحب نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔ وہ خود اس وقت اچھے خاصے اپ سیٹ تھے۔ ایک تو تمام رات کی بے آرامی اس پہ نور فاطمہ کی حالت۔ جانتے تھے وہ اندر سے کتنی بزدل ہیں۔ اس وقت وہ جس کرب سے گزر رہی ہیں اس کا بخوبی اندازہ تھا انہیں۔

"ممی تو بہت اپ سیٹ ہوں گی۔" فریحہ زیر لب بڑبڑائی۔ علینہ حیران پریشان انصاری صاحب کی باتیں سن رہی تھی۔ کبھی وہ نا سمجھی سے انہیں اور کبھی فریحہ کو دیکھتی تھی جیسے یقین کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔ اس خاندان کے ساتھ پچھلے کئی ہفتوں سے رہتے ان کے خلوص اور محبت نے اسے جس اپنائیت کا احساس دلایا تھا اس کے

بعد دل نے کئی بار یہ تمنا کی تھی کہ کاش یہ اس کی فیملی ہوتی۔ خلوص کا رشتہ تو تھا ہی پر کیا تھا جو ان اچھے لوگوں سے رشتے کی کوئی دوسری ڈور بھی جڑی ہوتی جن کی زندگیاں شیشے سی چمک دار اور صاف تھیں اور اس اچانک انکشاف نے کہ نور فاطمہ اس کی سگی پھوپو ہیں اسے حیرت کے سمندر میں غرق کردیا تھا۔ فریحہ اور سمیر اب بھی زبیر انصاری سے سوال و جواب کررہے تھے۔ وہ خاموشی سے اٹھ کر نور فاطمہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

کمرے کے دروازے پہ ہلکی سی دستک کے بعد وہ اندر داخل ہوئی۔ سامنے بیڈ پہ نور فاطمہ کراؤن پہ سر ٹکائے رنجیدہ بیٹھی تھیں۔ سمیر انہیں کمرے میں چھوڑ کر دوا اور ناشتہ لینے گیا تھا۔ علینہ کو دیکھ کر انہوں نے بمشکل مسکراتے سر کے اشارے سے اسے اپنے پاس بلایا۔ وہ دھیمے قدموں سے چلتی بیڈ کے کونے پہ جا ٹکی۔

”آپ میری پھوپو ہیں کیا؟“ اس نے حیرت و بے یقینی سے پوچھا۔ نور فاطمہ نے اس کے بالوں کو سہلاتے اثبات میں سر ہلایا۔

”بابا کی سگی بہن؟“ اس بار لہجے میں ہلکی سی ایکسائٹمنٹ تھی۔

”تمہارے بابا مجھ سے آٹھ سال چھوٹے ہیں۔ ہم اسے پیار سے ٹیپو کہتے تھے۔“ وہ اب بھی اس کے ادھ کھلے بالوں میں انگلیاں چلا رہی تھیں۔ چہرے پہ غیر محسوس سی خوشی جیسے وہ ماضی کی گلیوں میں گھوم رہی ہوں۔

”شاید اسی لیے مجھے آپ کے پاس سے بڑی جانی پہچانی مہک آتی تھی۔ بالکل ماما جیسی۔“ علینہ نے بے اختیار اپنا سر ان کے کندھے پہ ٹکالیا۔ کچھ روز پہلے بھی اس نے نور انصاری سے اپنی اس کیفیت کا ذکر کیا تھا۔ اس وقت وہ سچ سے غافل تھی اور خود نور فاطمہ بھی۔ خون کی کشش تھی جو وجود سے اپنائیت بھری مہک لیے اٹھ رہی تھی۔ وہ تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی جس خاتون کو وہ اتنا آئیڈلائز کرنے لگی ہے ان سے اتنا گہرا تعلق بھی ہوگا۔ نور فاطمہ انگلیوں سے اس کے گال تھپتھپاتی اسے خاور کے متعلق بتانے لگیں۔ اس وقت ملازمہ کے ساتھ سمیر کمرے میں داخل ہوا اور علینہ کو وہاں دیکھ کر دروازے پہ ہی رک گیا تھا۔ ملازمہ نے ہاتھ میں ناشتے کی ٹرے تھام رکھی تھی۔ سمیر کے اشارے پر وہ ٹرے ٹیبل پر رکھ کر چلی گئی۔

”تمہارے نین نقش بالکل تمہاری دادی جیسے ہیں۔ میں نے تمہارے انکل سے بھی ذکر کیا تھا کہ علینہ کا چہرہ بڑا جانا پہچانا ہے۔ تمہیں دیکھ کر ہر بار مجھے امی کا خیال آتا تھا۔“ وہ دھیمے لہجے میں ہولے سے مسکراتے ہوئے علینہ کو بتا رہی تھیں۔ علینہ کے لبوں پہ بے اختیار مسکراہٹ ابھری۔ سمیر کو یہ دیکھ کر تسلی ہوئی کہ وہ اب خاصی نارمل تھیں۔ خاور کی بے رخی نے جو زخم دیا تھا علینہ کی صورت اس وقت اس کا مداوا ہورہا تھا۔

”کیا میری دادی بہت خوب صورت تھیں؟“ علینہ نے سادگی سے سوال کیا۔

”ہاں وہ بہت زیادہ خوب صورت تھیں۔“ نور انصاری اپنے ہی دھیان میں مگن اس کی بات کا جواب بھی اتنی ہی سادگی سے دینے لگیں البتہ اس سنجیدہ صورت حال میں بھی سمیر کی ہنسی نکل گئی۔ نچلا لب دانتوں میں دباتے منہ پھیر کر اس نے بمشکل اپنی ہنسی پہ قابو کیا اور پھر بناء آواز چلتا بیڈ کی سائیڈ ٹیبل تک آیا۔ ان دونوں نے ہی اس پر کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی۔

”آپ بھی بہت خوب صورت ہیں پھوپو۔“ علینہ آنکھیں موندے ان کی خوشبو کو محسوس کررہی تھی۔ اس سے اپنی ایکسائٹمنٹ بھی کنٹرول نہیں ہورہی تھی۔ شہباز کے وجود سے تو صریحاً غافل تھی اس پہ تاسف تو بس لمحے کا تھا لیکن اصل خوشی تو وہ تھی جو اسے اس تعلق کے کھلنے پہ ملی تھی اب وہ اسے کیسے چھپاتی۔

”آپ دونوں خوب صورت خواتین اگر اپنی اپنی تعریفوں سے فارغ ہوچکی ہوں تو پلیز کچھ کھالیں۔ ممی آپ کو میڈیسن لینی ہے سو پلیز یہ ناشتہ لازمی کرنا ہے اور اس کے بعد صرف سونا بھی ہے۔“ خود کو نارمل رکھتے اس نے تاکید کی۔ اس کی آواز پہ چونک کر آنکھیں کھولے

علینہ سنبھل کر بیٹھ گئی جبکہ نور انصاری نے کوئی نوٹس نہیں لیا تھا۔ وہ اب بھی اسی پوزیشن میں بیٹھی تھیں البتہ انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے اوکے کیا تھا۔

"میں آپ کو رات کو ماموں کی طرف لے چلوں گا لیکن پہلے آپ مکمل ریسٹ کریں گی اور بالکل نہیں پریشان ہوں گی۔" سمیر نے ان کے بائیں جانب بیٹھ کر ان کے سر پہ بوسہ دیا۔

"اپنی خوب صورت پھوپو کو ناشتہ کروانا تمہاری ذمہ داری ہے۔" انگلی اٹھا کر علینہ کو تاکید کی۔ وہ حیران ہو کر سمیر کی شکل دیکھنے لگی۔ نور انصاری بھی اپنی مسکراہٹ روک نہ پائیں۔ سمیر بے نیازی سے کمرے سے نکل گیا تھا۔

علینہ نے سر جھٹک کر نور انصاری کے سامنے ناشتے کی ٹرے رکھی۔ زور زبردستی انہوں نے تھوڑا سا کھایا پھر ٹرے میں رکھی ٹیبلٹ لے کر وہ لیٹ گئیں۔ علینہ ان کے پاس اس وقت تک بیٹھی رہی جب تک وہ سو نہیں گئیں۔ انہیں گہری نیند میں پا کر اس نے ہولے سے دروازہ بند کیا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

صبح ہوتے ہی شاکرہ نے خاور کو فون کیا تھا۔ چونکہ وہ تدفین میں مصروف تھا تو فون اٹینڈ نہ کر سکا۔ انہوں نے کئی بار کوشش کی جب رابطہ نا ہوا تو پریشان ہو کر علینہ کو کال ملائی۔ کل رات جس طرح اس نے آسیہ سے بات کرتے وقت رونا دھونا مچایا تھا' شاکرہ کو تو تمام رات نیند ہی نہیں آئی۔ اس پہ اہانت کا احساس الگ چرکے لگا رہا تھا کہ کیسے انصاری فیملی کا سامنا کریں گیں۔ بڑا دل کر کے ان لوگوں نے شاکرہ کی مشکل آسان کی تھی ورنہ کون آج کے زمانے میں پرائی ذمہ داری اٹھاتا ہے اس پہ یہ بھی کہ نور فاطمہ مسلسل ان سے رابطے میں تھیں۔ علینہ سے بھی ان کی بات کرواتیں اور ان کی خیریت بھی گاہے بگاہے پوچھتی رہتیں۔ خاور کے ایک الزام نے انہیں اس خاندان سے نظریں ملانے کے قابل نہ چھوڑا تھا۔ شاکرہ نے انتہائی تشویش سے اگلی بات جاننے کی خاطر علینہ سے سوال جواب شروع کر دیئے پر وہ تو اس وقت نیا کھاتہ کھولے بیٹھی تھی۔ حیرت سے بے یقینی اور پھر یقین کا سفر طے کرتے وہ اب بے تحاشہ جوش میں تھی۔ اسی ایکسائٹمنٹ میں ایک سانس میں شاکرہ نانی کو سارا قصہ کہہ سنایا جو کچھ دیر پہلے انصاری صاحب اور نور فاطمہ کی بدولت پتا چلا تھا۔

"ارے کیا اول فول بکے جا رہی ہے لڑکی؟ یہ کون سی نئی رشتہ داریاں جوڑ لی ہیں چار دن میں۔" وہ سادہ لوح خاتون سرے سے اس کی بات کو سمجھ ہی نہیں پائیں تھیں۔ ظاہری بات ہے عقل بھی انسان کی وہیں تک جاتی ہے جہاں تک نگاہ ہو۔ اب جتنا آنکھوں سے دیکھا تھا اس کے مطابق تو بس حیرانی ہی تھی۔

"بک نہیں رہی میں حقیقت بتا رہی ہوں۔ وہ بابا کی بہن ہیں جو بچپن میں بچھڑ گئی تھیں۔" علینہ نے سر پہ ہاتھ مارتے دہرایا۔

"لو بھلا کیا کُم کے میلے میں کھو گئے تھے جو بچپن کے بچھڑے آج یہاں آ کے ملے۔ میرے تو سامنے بیاہ کر آئی تھی اور تمہارے باپ کو بھی برسوں سے جانتی ہوں۔ ایک شہر میں رہتے آج اچانک بہن بھائی ہو گئے۔" شاکرہ کو اب بھی یقین نہیں آیا تھا۔ ان کی بات پہ پاس بیٹھی آسیہ نے حیرت سے آنکھوں ہی آنکھوں میں سوال کیا۔ وہ اپنی ماں کا الجھنا دیکھ رہی تھی۔ جواب میں شاکرہ نے سر ہلاتے سیل فون آسیہ کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"تم خود ہی پوچھ لو اپنی بیٹی سے' کھوئی ہوئی پھوپی دریافت کیے بیٹھی ہیں۔ حد ہو گئی کہاں وہ منحوس مارا خاور کہاں زبیر کی دولہن۔ زمین آسمان کا فرق ہے بھیا۔ میری تو کھوپڑی میں نہیں آ رہی یہ بے پر کی پچتا۔" آسیہ نے نا سمجھتے ہوئے حیرانی سے ماں کی طرف دیکھا اور پھر فون کان سے لگا لیا۔ پاس بیٹھیں شاکرہ بربڑاتی رہیں۔ آسیہ نے علینہ سے تفصیل پوچھی تو اپنی معلومات ماں سے شیئر کرنے لگی۔ آسیہ حیران پریشان اس کی بات سنتی رہی۔ دس منٹ بعد کال بند کرتے ہوئے اس کے چہرے پہ تفکر کی جھلک نمایاں تھی۔ جیسے ہی کال بند ہوئی شاکرہ کے

سوالات کی گردان شروع ہوگئی۔ وہ دھیمے لہجے میں اسے ساری بات بتانے لگی۔ یقین تو بہرحال انہیں اب بھی نہیں آرہا تھا پر یقین کرنے کے سوا کوئی چارہ بھی کہاں تھا۔ اللہ کی قدرت تھی کہ اتنے سالوں بعد ایک دردناک موڑ پہ دونوں کا آمنا سامنا ہوگیا تھا۔

❁☆☆☆❁☆☆☆❁

''آپ لوگ یہاں سے چلے جائیں۔ میرا کسی سے کوئی تعلق واسطہ نہیں......'' علینہ سمیت وہ سب ہی رات کو خاور کے گھر چلے آئے تھے۔ خاور نے نہایت روکھے لہجے میں ان سب کو وہاں سے جانے کے لیے کہا تھا۔ فریحہ اور علینہ تو شاک ہی رہ گئی تھیں۔ نور، زبیر انصاری اور سمیر البتہ اس کی ناراضی سے واقف تھے۔ دوسری طرف رخشندہ حیران پریشان ان نئی رشتے داریوں کو سمجھنے کی کوشش کررہی تھی۔ علینہ نے کن انکھیوں سے رخشندہ کو دیکھا تھا جبکہ وہ اسے سرے سے پہچان ہی نہیں پائی تھی کیونکہ اب تک اس سے کبھی سامنا نہیں ہوا تھا ورنہ کیا معلوم اسے دھکے مار کر نکال دیتی۔

''تم میری بات تو سنو۔ میرے پاس تمہارے ہر شکوے کا جواب ہے۔'' چھوٹے سے لاؤنج میں آمنے سامنے رکھے صوفوں پہ وہ سب ہی براجمان تھے۔ خاور کے ساتھ نور فاطمہ بیٹھی تھیں۔ انہوں نے رسانیت سے کہتے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ خاور نے ایک نگاہ پاس بیٹھی نور فاطمہ کے ستے ہوئے چہرے پہ ڈالی اور پھر تیزی سے اپنا ہاتھ کھینچ کر سامنے کھڑی رخشندہ پہ ڈالی۔ بڑی رکھائی سے اس نے اسے کمرے سے نکل جانے کے لیے کہا تھا۔ رخشندہ مارے شرمندگی کے سرخ چہرہ لیے اگلے ہی پل پیر پٹختی لاؤنج سے نکل گئی تھی۔ کمرے میں ایک لمحے کو سناٹا چھا گیا۔ طوفان کے بعد سا سناٹا، موت سا سناٹا اور پھر اس سناٹے کو چیرتی خاور کی دھیمی پُرشکوہ آواز ابھری۔

''میری ماں کو موت کے گھاٹ اتار کر، میرے بچپن کو گالی بنا کر، مجھ سے میری معصومیت چھین لی۔ کون سی صفائی پیش کرنے آئی ہیں آپ آج۔'' برسوں کا زہر شکوہ بن کر سامنے آیا تھا۔

''میں مجبور تھی۔'' نور نے سر جھکا لیا۔ دنیا کا سب سے مشکل کام اپنی صفائی دینا ہے۔ اپنی بے گناہی ثابت کرتے بولا جانے والا سچ بدگمانی کی تاویلوں کے سامنے بڑا کم تر محسوس ہوتا ہے۔ نور فاطمہ کی زندگی کا سیاہ ترین پہلو اس پل پاس بیٹھے اس کے بھائی کے سامنے کوئی معنی ہی نہیں رکھتا تھا کیونکہ وہ سب اس نے فیس نہیں کیا تھا اور جو کچھ اس نے سہا تھا ان زخموں کی اذیت اسے کسی دوسرے کی تکلیف کو سمجھنے ہی نہیں دیتی تھی۔

''کوئی مجبوری نہیں ہوتی' سب بہانے ہیں۔'' اس کے لہجے میں بلا کی اجنبیت تھی۔

''مجبوریاں بھی ہوتی ہیں ٹیپو! جن بیٹیوں کے باپ انہیں جوے میں ہار آئیں وہ مجبور ہی ہوجاتی ہیں۔ میرا بھائی مجھ سے چھوٹا نہ ہو کر آٹھ سال بڑا ہوتا تو میں دیکھتی میرا باپ کیسے اپنے قرض سے نجات پانے کی خاطر میرا سودا کردیتا۔'' اپنی گود میں دھرے ہاتھوں کو تکتے وہ بھیگے لہجے میں بولیں۔ یہ بے بسی کی انتہا نہیں تھی تو اور کیا تھا۔ کب چاہا تھا انہوں نے یہ سب جو ہوگیا۔ کتنا سمجھایا تھا انہوں نے سفینہ کو پر اس پر شہباز کا خوف حاوی تھا۔ وہاں موجود سب ہی کے چہرے پہ پریشانی جھلک رہی تھی۔ علینہ کو تو خاور پہ حیرت تھی جو اپنی اتنی پیاری بہن سے اس لہجے میں مخاطب تھا۔

''میں نے آپ کی والدہ کو سمجھانے کی بہت کوشش کی تھی۔ میں اتنا با اختیار تھا کہ سب کچھ ہینڈل کرلیتا لیکن وہ کچھ سننے کو تیار ہی نہیں تھیں۔ میرا انکار انہیں ہزار موت مار دیتا جبکہ میں ان سے وعدہ کرچکا تھا کہ ان کے سوال پہ انکار نہ کروں گا۔ میں واپس آیا تھا تمہیں اور آنٹی کو لے جانے پر اس وقت تک دیر ہوچکی تھی۔ شاید قسمت کو یہی منظور تھا۔ میں نے تمہیں بھی بہت تلاش کیا لیکن تمہارا کچھ پتا نہ چلا۔'' مجبوراً ڈاکٹر انصاری کو بولنا پڑا تھا۔ دھیمے لہجے میں تفصیل بتاتے انہوں نے سچائی سے پردہ اٹھایا تھا۔

''دیکھو خاور! تم نے واقعی بہت تکلیف اٹھائی ہے پر دکھ

تمہاری بہن کے حصے میں بھی کم نہیں آیا۔ ہم نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔ میں پوری عزت اور مان سے تمہاری والدہ کی خواہش پہ نکاح کر کے لایا تھا اسے۔'' انہوں نے خاور کا شانہ تھپتھپاتے سمجھایا۔ خاور اس بار خاموش رہا تھا۔ ڈاکٹر زبیر اور نور فاطمہ اب اسے مزید تفصیل بتا رہے تھے جن سے وہ ناواقف تھا۔ خاور نے بھی دھیمی اور مدغم آواز میں اپنی زندگی کے سیاہ دنوں کی روداد انہیں سنائی۔ نور انصاری سے ضبط کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ کتنی دشواری ان کے ننھے شہزادے کا مقدر بنی جسے کبھی ان کی ماں نے کانٹا بھی نہ چبھنے دیا تھا۔

یہ انکشافات علینہ کا دل دہلا گئے تھے۔ وہ جو سالوں سے باپ سے بدگمان اسے اپنی زندگی کے ہر رنج کا ذمہ دار سمجھتی تھی اس لحہ انکشاف پہ دل سے معاف کر چکی تھی۔

''میں ابا کا ہر ظلم، قسمت کا ہر ستم اور اپنی ماں کا خون فقط اس ایک خوشی کی خاطر معاف کر چکی ہوں کہ مجھے میرا بھائی مل گیا۔ کیا میرے ناکردہ گناہ پہ تم مجھے معاف نہیں کرو گے ٹیپو؟'' کچھ دیر تک دونوں بھائی، بہن اپنے اپنے حصے کے غم ایک دوسرے کو سناتے رہے اور پھر نور انصاری نے دونوں ہاتھ جوڑتے بھیگے لہجے میں خاور کی طرف دیکھا۔ خاور کی آنکھیں آنسوؤں کو ضبط کرتے سرخ ہو رہی تھیں۔ اس نے بے اختیار نور فاطمہ کے ہاتھوں کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا اور اپنی آنکھوں پر رکھ لیا۔ برسوں بعد وصل کا یہ لحہ ہر شخص کو آبدیدہ کر گیا تھا۔

وہاں سے واپسی پہ نور فاطمہ پُرسکون اور خوش تھیں۔ ایسی بھرپور خوشی زبیر انصاری نے پہلی بار ان کے چہرے پہ دیکھی تھی۔

❁☆☆☆❁☆☆☆❁

صبح سے وہ ہواؤں میں اڑ رہی تھی۔ خوشی آج چہرے سے چھلک رہی تھی اور چھپائے نہ چھپتی تھی۔ پچھلے چند روز سے تو یوں بھی اسے زندگی اچھی لگنے لگی تھی۔ کل تک جو وجود بے مایاں و بے توقیر لگتا تھا' ماں کا لمس تھا نہ باپ کی شفقت آج اسی وجود سے جڑے بہت سے خوب صورت رشتوں کی بدولت وہ خود کو بھی اس دنیا کا کارآمد حصہ محسوس کر رہی تھی۔ اس پہ کل رات آسیہ کی آمد کی اطلاع نے تو جیسے اسے ساتویں آسمان پہ بٹھا دیا تھا۔ صبح ہی اس نے اپنا بیگ پیک کر لیا تھا۔ اس ایک مہینے میں اسے اس گھر کے مکینوں سے جو انسانیت ملی تھی جاتے ہوئے کچھ افسوس بھی تھا پر یہ تسلی بھی ساتھ تھی کہ رشتوں کا خوب صورت تحفہ لیے جا رہی ہے۔ اجنبیت کی دیوار تو بہت پہلے ہی گر چکی تھی' اب تو ایک مضبوط تعلق تھا جس کی بناء پہ جب چاہے اس گھر میں لوٹ سکتی تھی۔ اس کے جانے پہ سب سے زیادہ اداس فریحہ تھی جسے اس کے ساتھ کمرہ شیئر کرنے کی عادت ہو چکی تھی۔ وہ تو آج کل یوں بھی بہت اداس تھی لیکن ان دنوں اتنا ہیجان پھیلا ہوا تھا کہ کسی کو بھی فریحہ کی ضرورت سے زیادہ خاموشی کا احساس نہ ہوا۔ نور اور فریحہ نے اسے بہت ہی قیمتی تحائف دیئے تھے۔

شاکرہ نانی' آسیہ اور بچوں کی آمد دوپہر میں تھی۔ نور انصاری نے خصوصی اپنا ڈرائیور گاڑی سمیت لاہور بھیجا تھا تاکہ ان لوگوں کو کسی قسم کی کوئی پریشانی نہ ہو۔ علینہ کی ایکسائٹمنٹ انہیں بار بار مسکرانے پہ مجبور کر رہی تھی جو ایک طرف تو بار بار وقت دیکھتی اور جانے کو پر تول رہی تھی تو دوسری طرف ''پھوپو آپ مجھ سے ملنے آیا کریں گیس ناں؟'' کی گردان بھی کر رہی تھی۔ نور فاطمہ خود اسے ڈراپ کرنے جانا چاہتی تھیں لیکن صبح ہی انصاری صاحب کی دونوں بہنوں نے اپنی آمد کی اطلاع دے دی تھی۔ کہنے کو تو وہ نور سے تعزیت کرنے آ رہی تھیں پر دراصل انہیں تہمت آپا نے عمیر اور فریحہ کے رشتے کی بات کرنے بھیجا تھا۔ وہ خود بھی سرسری سا تذکرہ انصاری صاحب کے کان میں ڈال چکی تھیں۔ عمیر نے فریحہ سے بات کرنے کے بعد ماں کو اوکے کر دیا تھا۔ یہ تو چند دن اس لیے بات دبی رہی کہ ابھی نور شاک کی کیفیت میں تھیں لیکن اب وہ لوگ باقاعدہ رشتے کی بات کرنے آ رہی تھیں۔ لہٰذا نور فاطمہ نے علینہ کو گھر واپس پہنچانے کی ذمہ داری سمیر پہ ڈالی۔ سچویشن ایسی تھی وہ انکار بھی نہیں کر سکا تھا۔

''آج تو بڑے خوشگوار موڈ میں ہو جیسے قید سے رہائی

ملی ہو۔" علینہ کا بدلا ہوا رویہ تو وہ بھی محسوس کر چکا تھا۔ کہاں تو محترمہ کے چہرے پہ خوامخواہ اداسی کا راج ہوتا تھا۔ بلاوجہ اداسی کی چادر اوڑھ کر گھومتی رہتی تھی۔ شکوے شکایات وہ الگ لیکن آج تو رنگ ڈھنگ ہی جدا تھے۔ سمیر جو قدرے سنجیدگی سے ڈرائیو کر رہا تھا اپنی حیرت کا اظہار کیے بنا رہ نہیں سکا۔ علینہ نے ماتھے پہ بل ڈالے ایک نگاہِ غضب ڈالی اور پھر سمیر کی غیر سنجیدگی اور چوٹ کو محسوس کرتے برجستہ جواب دیا۔

"دشمنوں کی نظر نہ لگے ویسے تو میں ہمیشہ خوش ہی رہتی ہوں۔" وہ اب سنجیدگی سے گردن اکڑائے ونڈ اسکرین کے پار دیکھ رہی تھی۔ سرمئی اور سفید لان کے سوٹ میں دھلے چہرے کے ساتھ وہ خاصی فریش لگ رہی تھی۔ کچھ خوشی کا رنگ کچھ معصومیت کی رونق' سمیر اس بے ساختگی کو اگنور نہیں کر پایا تھا۔

"جہاں تک مجھے یاد ہے خوشی سے تمہارا تعلق گدھے اور سنگ جیسا ہے۔ جہاں خوشی ہو تم وہاں سے یوں غائب ہوتی ہو جیسے گدھے کے سر سے سنگ۔ بہرحال مجھے تو اس وقت کا خیال آرہا تھا جب ایک ماہ پہلے تم ہمارے گھر آئی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا تمہاری نانی گن پوائنٹ پہ لائیں ہوں۔" سمیر بھی اسے فل تپانے کے موڈ میں تھا لیکن آج علینہ اتنی خوش تھی کہ سمیر کو بھی معاف کر سکتی تھی۔ اس کی پہلی بات کو یکسر نظر انداز کرتے اس نے فقط آخری جملے کا جواب دینا ضروری سمجھا تھا۔

"اس دن اور آج میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ تب میں یہاں احسان اور مہربانی کی بدولت آئی تھی۔ بے ٹھکانہ تھی اور مجھ پہ رحم کھا کر چند روز کے لیے مجھ پہ آپ کے گھر کے دروازے کھولے گئے تھے۔ آج حالات مختلف ہیں' یہ میری پھوپو کا گھر ہے اور میں اس تعلق سے جب چاہوں ان سے ملنے آسکتی ہوں۔ یہ تو بس ماما سے ملنے کی ایکسائٹمنٹ ہے۔" اس نے سادگی سے کہا۔

"تمہاری بدگمانیوں کا علاج تو شاید حکیم لقمان کے پاس بھی نہ ہوگا۔ کسی نے تم پہ احسان نہیں کیا تھا' تمہاری نانی پریشان تھیں تمہاری وجہ سے اور ان سے ہماری فیملی کے بہت اچھے تعلقات ہیں۔ یہ تو ایک طرح ان کا بڑا پن تھا کہ انہوں نے قابلِ بھروسہ جان کر تمہیں ہمارے گھر چھوڑا۔ تم سے رشتہ تو چند دن پہلے معلوم ہوا' کیا کبھی اس گھر کے کسی فرد نے تم پہ احسان جتایا؟" اتنے دنوں میں سمیر اسے اتنا تو جان ہی چکا تھا کہ اس کے دماغ میں کیا کھچڑی پکتی رہتی ہے۔ یہ بھی سچ تھا کہ ان دونوں کے درمیان غلط فہمیاں اور شکایات شروع دن سے چلی آرہی تھیں پر اتفاق سے یقین کا تعلق بھی اس کا سمیر سے ہی جڑا تھا۔ پھر وہ چاہے مونس کی حقیقت ہو یا اپنی ذاتی زندگی کا ڈپریشن' اپنے پرسنل ایشو اس نے آج تک بس اسی سے شیئر کیے تھے یہی وجہ تھی کہ سمیر اسے بہت اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اس نے نہایت غیر جانبداری سے تجزیہ کرتے اسے اچھا خاصہ شرمندہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ علینہ نے جواب دینے کی بجائے سر جھکالیا۔ ایک دم چہرے کی دمک ماند پڑی تھی۔ سمیر کو اپنی بیوقوفی پہ غصہ آیا۔ اچھی بھلی خوش تھی بیچاری خوامخواہ سنجیدہ ہوگئی۔

"ویسے ایک حساب سے تمہیں میرا شکر گزار ہونا چاہیے۔ میں تمہیں دریافت نہ کرتا تو بھلا یہ رشتہ کیسے کھلتا۔" اس نے ہنستے ہوئے علینہ کا موڈ بدلنے کی کوشش کی۔

"دریافت......!"

"جی ہاں جیسے کولمبس نے امریکہ دریافت کیا تھا؟" بات تو سچ ہی تھی ویسے' سمیر کی گاڑی سے اگر علینہ نہ ٹکراتی تو شاید آج کہانی اس موڑ تک نہ پہنچتی۔ علینہ نے ابرو اٹھائے استہزائیہ لہجے میں کہا۔

"ہاں ناں کیسی ہولناک ایجاد ثابت ہوئی' قیامت خیز تباہ کاریوں سے لے کر نیو ورلڈ ٹریڈ سینٹر تک ہر سہرا امریکہ کی دریافت کے سر ہوا۔" اس نے زیرلب مسکراہٹ دبائی۔

"آپ کو مجھے چڑانا بہت پسند ہے ناں؟" وہ غصے سے بولی۔

''مجھے ہر چڑنے والے کو چڑانا پسند ہے۔ تم بھی فریحہ کی طرح ایک سیکنڈ میں جلنے کڑھنے لگتی ہو۔'' وہ خاصے خوشگوار موڈ میں اس سفر کو انجوائے کررہا تھا۔ اس سے اب کسی جوابی حملے کی توقع لگائے اس نے گردن گھما کر پسنجر سیٹ پہ بیٹھی علینہ کو دیکھا لیکن وہاں سناٹا تھا۔ چہرے پہ تفکر تھا یا پشیمانی، سمیر کچھ الجھ سا گیا تھا۔

''کیا سوچ رہی ہو؟'' اس کی خاموشی سے پریشان ہوکر اس نے بے ساختہ سوال کیا۔

''شروع شروع میں مجھے فریحہ باجی اور آپ کی مکمل زندگی پہ رشک آتا تھا اور اپنی نامکمل اور ادھوری شخصیت پہ رونا۔ میں جب یہاں آئی تو میرا احساسِ کمتری بہت شدید ہوگیا تھا۔ مجھے لگتا تھا میں بہت بدقسمت ہوں جس کا دامن بالکل خالی ہے۔'' بہت دھیمے لہجے میں وہ اعتراف کررہی تھی۔

''اور اب؟'' اس نے بے ساختہ سوال کیا۔

''اب میں سچ جان چکی ہوں۔ پھوپو اور بابا کی زندگی کی تکالیف اور اذیت جاننے کے بعد میں نے جب ان سے اپنی زندگی کی مشکلات کا موازنہ کیا تو مجھے احساس ہوا کہ میرے حصے میں تو اس کا ایک فیصد دکھ بھی نہیں آیا۔ پھر بابا اور پھوپو ایک ہی ڈور کے دو مخالف سرے ہیں جن کی زندگی کے اتار چڑھاؤ اور مصائب کی بنیاد ایک سی تھی۔ اپنے مصائب و آلام میں نکھر کر پھوپو کی زندگی ایک مثال بن گئی اور دادا کے ظلم کی فصل کاٹتے میرے بابا خود بھی زہریلی بوٹی بنتے گئے۔ مجھے بابا سے بہت سی شکایات تھیں لیکن سچ جان کر مجھے اب ان پہ ترس آتا ہے۔'' ہر راز سے پردہ اٹھ چکا تھا تو پھر شکوے شکایات سے کیا حاصل۔ اتنی بہت سی آزمائشوں سے گزر کر خاور نے اگر اپنی خود کی زندگی تماشہ بنا لی تو اس کے قصوروار شاید وقت و حالات اور قسمت تھے۔

''اس کا سب سے زیادہ کریڈیٹ میرے ڈیڈی کو جاتا ہے۔ انہوں نے ممی کی فیملی پرابلمز کو کبھی ان کی کمزوری نہیں بننے دیا۔ زندگی کے ساتھی کا پازیٹیو ہونا بہت اہم ہوتا ہے۔'' سمیر کی بات سے علینہ سو فیصد متفق تھی۔ واقعی رشتے اعتبار اور عزت کے محتاج ہوتے ہیں۔ زبیر انصاری جیسا شاندار شوہر نور فاطمہ کو قدرت کی ودیعت تھی انعام تھا۔ ان کی بدولت ایک تباہ حال اور بے آسرا لڑکی ذرے سے آفتاب بن گئی کیونکہ ان کی تربیت بہت اچھے ہاتھوں میں ہوئی تھی۔

''بابا اپنا ماضی مٹھی میں لیے گھومتے رہے۔ دادا کو برا جاننے کے باوجود وہ خود کو ان جیسا بنانے سے روک نہیں پائے یہی وجہ ہے کہ میری ماما اور میں نے اتنا سفر کیا۔ پھوپو بہت مضبوط خاتون ہیں انہوں نے اپنے ماضی کی پرچھائیوں کو اپنی اگلی نسل میں منتقل نہیں ہونے دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ دونوں اور میں اتنے مختلف ہیں۔ حقیقت جان کر اس سے سمجھوتہ کرلیا جائے تو زندگی پُرسکون ہوجاتی ہے اور میں اب یہ فرق سمجھ چکی ہوں۔'' ایک ٹوٹے ہوئے خاندان کا حصہ ہونے کی منفی سوچ اس کی شخصیت کی ٹوٹ پھوٹ کی ضامن بنی پر آج حقیقت جان کر اسے احساس ہوا کہ اس نے تو اس تکلیف کا ایک فیصد بھی نہیں برداشت کیا جو اس کا خاندان جھیل چکا ہے۔ یہ جو غم کی ہلکی سی جھلک اسے وراثت میں ملی ہے اس کے ساتھ کتنی آسانیاں اور قدرت کی کتنی مہربانیاں جڑی ہیں۔

☆☆☆

''بس میری جان روتے نہیں۔'' وہ آسیہ کے سینے سے لگی سسکیاں بھر رہی تھی۔ اس نے پیار سے تھپکتے دلاسہ دیا پر علینہ پہ آج ان دلاسوں کا کیا اثر ہونے والا تھا یہ تو برسوں کی فرسٹریشن اور ماں سے دوری کا احساس تھا جو اس ایک پل میں غم اور خوشی کو یکجا کرتا آنسوؤں کی صورت بہہ نکلا تھا۔

''خوشی کا موقع ہے کیوں بے وقت مینہ برسا رہی ہو اور کچھ نہیں تو ماں کی طبیعت کا ہی خیال کرو۔'' شاکرہ نے ٹوکا۔ انہیں اس طرح علینہ کا رونا تکلیف دے رہا تھا۔ خود آسیہ بھی بڑے ضبط سے بیٹھی تھی اور ان دونوں کو دیکھ کر نانی کے لیے اپنے جذبات قابو رکھنا مشکل ہورہا تھا۔

''لمبے عرصے بعد مل رہی ہے ناں اسی لیے جذباتی ہوگئی ہے۔'' آسیہ نے دھیما سا مسکرا کر ماں کی طرف

دیکھتے بیٹی کی طرف داری کی تو علینہ کے لیے یہ موقع اللہ کی دین تھا۔ وہ آسیہ سے الگ ہوئی اور نانی کے ساتھ پرانا محاذ کھل گیا۔

''نانی کو تو بات بے بات مجھے ڈانٹنے کا شوق ہے۔ دن میں آٹھ دس بار باتیں نہ سنائیں تو ان کا کھانا ہضم نہیں ہوتا۔ پتا نہیں وہاں کیسے وقت کٹتا ہوگا ان کا۔'' وہ پھیل کر بولی تو نانی ہکا بکا علینہ کی شکل دیکھنے لگیں۔

''لو سن لو اپنی اولاد کی باتیں۔ یہ صلہ دیا ہے مجھے۔ اچھا بھئی میں اب سے چپ ہی بھلی۔'' وہ منہ بسور کر بچوں کی طرح روٹھ گئیں۔ آسیہ جو بیٹی کی بات پہ بمشکل ہنسی دبائے ہوئے تھی اب ماں کو روٹھتا دیکھ کر یک دم سنجیدہ ہوگئی کہیں وہ اس سے ناراض ہی نہ ہو جائیں۔

''بری بات ایسے نہیں کہتے' پیار بھی تم سے سب سے زیادہ کرتی ہیں۔'' اس نے دھیمے انداز میں علینہ کے بالوں میں انگلیاں چلاتے اسے سمجھایا۔

''تو کیا میں پیار نہیں کرتی ان سے۔ مجھے یہاں چھوڑ کر خود سیر سپاٹے کر آئی ہیں۔ یہ بھی نہیں سوچا کتنا مس کر رہی ہوں گی میں انہیں۔'' علینہ بے ساختہ نانی سے لپٹ کر شکوے کیا۔

''تو میرا بچہ میں کون سا خوشی سے گھومنے گئی تھی۔ تیری ماما کی پریشانی میں ہولائی بولائی ہی تو گئی تھی ناں۔'' نانی نے بے تحاشہ اس کا ماتھا چوما۔ ایک دم وہ دونوں ایسے ہوگئیں تھیں جیسے کبھی تکرار ہوئی ہی نا ہو۔

''مس کر رہی تھی آپ کو اسی لیے شکایت کر رہی ہے۔'' آسیہ نے بھی سکون کا سانس لیا۔

''ارے میری لاڈلی نانی صدقے جائے۔ وہاں جا کر مجھے تو خود ایک ایک پل تیرا خیال ستاتا تھا۔ اللہ کے سپرد کر کے گئی تھی تجھے مجبوری نا ہوتی تو کبھی نکالتی پیر باہر۔'' وہ تینوں برآمدے میں بچھے تخت پہ بیٹھی تھیں۔ دونوں بچے تھک کر اب سو چکے تھے۔ علینہ کبھی ماں کی گود میں سر رکھتی تو کبھی نانی سے لپٹ جاتی۔ ساتھ ساتھ برسوں کے قصے چل رہے تھے۔ وہ دونوں خاموش ہوتیں تو علینہ اپنی ایک ماہ کی روداد سنانے لگ جاتی۔ آسیہ نے نوٹ کیا وہ نا صرف بڑی ہوگئی تھی بلکہ بہت بدل بھی گئی تھی البتہ اس تبدیلی کا آسیہ کا ذہن اب تک کسی مثبت و منفی رخ میں تعین نہیں کر پایا تھا۔

☆☆☆

''بزی ہو؟'' بہت سوچ بچار کے بعد اس نے دروازے پہ ہولے سے دستک دے کر اندر جھانکا۔

''ہوں تو۔'' اپنے لیپ ٹاپ کی اسکرین پہ نگاہیں جمائے اس نے بناء اس پہ نگاہ ڈالے بڑے مصروف سے انداز میں جواب دیا تھا۔ کشمالہ اس نظر انداز کرنے پہ لب کاٹتی چند قدم آگے بڑھی اور کرسی کی بیک کو دونوں ہاتھ سے تھامے مو ہیں کھڑی ہوگئی۔

''تم بیٹھو۔ کوئی کام تھا؟'' سمیر نے کشمالہ کی نگاہیں خود پہ محسوس کرتے سر اٹھایا پر لہجے میں وہ پہلے سی گرم جوشی اب بھی ندارد تھی۔

''کام تو کوئی نہیں تھا بس یونہی۔'' کشمالہ نے اس سرد مہری کو بہر حال محسوس تو کیا ہی تھا۔ پچھلے چند روز سے وہ خاصی مصروف تھی۔ سمیر بھی اپنے مسائل اور کاموں میں الجھا ہوا تھا۔ اس پارٹی کے بعد یہ اتفاق ہی تھا کہ ان دونوں کا اکیلے میں سامنا آج ہو رہا تھا اور اسے اندازہ ہوا تھا سمیر اس سے اچھا خاصا ناراض ہے ورنہ فارمل میٹنگز میں تو وہی لیا دیا سا پروفیشنل انداز تھا۔ ایک باس اور کولیگ کا رسمی پروٹوکول جو دیگر عملے کی موجودگی میں ہمیشہ ان دونوں کے درمیان دکھائی دیتا تھا۔

''تم خفا ہو مجھ سے؟'' دل کڑا کر کے وہ کرسی پہ بیٹھ تو گئی لیکن سمیر دوبارہ لیپ ٹاپ اسکرین پہ نگاہیں مرکوز کیے اس سے لاتعلق نظر آرہا تھا۔

''کیوں نہیں ہونا چاہیے؟'' اس کا لہجہ بہت عام سا تھا پر کشمالہ کو چبھتا ہوا لگا۔

''اتنی چھوٹی سی بات پہ تم مجھ سے ناراض کیسے ہو سکتے ہو سمیر؟'' یہ وہ بات تھی جو اتنے دنوں میں سمیر کے اس رات والے رویے کے بعد خود کو تاویلیں دیتے کشمالہ نے بارہا

سوچی تھی اور ہر بار اس کے اندر سے جانبدارانہ جواب ہی سنائی دیا تھا۔

"کسی کی انسلٹ کرنا چھوٹی سی بات نہیں ہوتی کشمالہ۔ ذرا سوچو وہاں کوئی تمہاری انسلٹ کرتا تو کیا میں اسے اگنور کر دیتا؟" سمیر نے لیپ ٹاپ بند کرتے بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔

"تم اس عام سی لڑکی کا مقابلہ مجھ سے کر رہے ہو؟" اس کے لہجے میں چھپی حیرت قابلِ ترس تھی۔ خود پرستی و خود شناسی کی آخری سیڑھی پہ کھڑے ہو کر وہ دوسروں کے سطحی اور ایوریج ہونے کا سرٹیفکیٹ ہاتھ میں لیے گھوم رہی تھی۔ اس احساس نے سمیر کو اپ سیٹ کر دیا تھا۔

"کیوں تم میں کون سے ایسے سرخاب کے پر لگے ہیں جو اس میں نہیں۔ جس طرح تم انسان ہو وہ بھی ہے۔ انفیکٹ تم میری دوست ہو وہ تو میری فیملی ممبر ہے۔ میرا کوئی مہمان منہ اٹھا کر اسے باتیں سنائے یہ چھوٹی بات تو نہیں۔" گو وہ آفس میں کشمالہ سے تلخ نہیں ہونا چاہتا تھا لیکن نا چاہتے ہوئے بھی اس کے لہجے میں تلخی در آئی تھی۔

"میں تم سے یہ رویہ ایکسپیکٹ نہیں کرتی تھی سمیر۔ تم کشمالہ معین سے کسی ایکس وائے زیڈ کی خاطر اس انداز میں بات کرو گے۔ آئی ایم شاکڈ۔" اس نے ناقابلِ یقین انداز میں سر کو دائیں بائیں ہلایا۔

"لیکن میرے لیے یہ بالکل شاک نہیں ہے۔ تم سے برسوں سے واقف ہوں اس لیے نہ حیران ہوں نہ ہی کچھ غیر متوقع تھا۔" سمیر نے اب میز پہ کہنیاں ٹکائے اس بار شدید وار کیا تھا۔ کشمالہ چند لمحے ساکت ہوئی یوں کہ اپنی اگلی بات کہنا بھول گئی ہو۔ اس آرگومنٹ کے وہ تمام پوائنٹس جو کچھ دیر پہلے تک اس کے ذہن کی دیواروں سے ٹکراتے باہر آنے کو بے قرار تھے اچانک محو ہو چکے تھے۔

"آئی کانٹ بیلیو، جس شخص کی خاطر میں نے سالوں انتظار کا جوکھم اٹھایا...... جس کے آگے اپنی ہستی ختم کر ڈالی تم...... سمیر انصاری تم، تمہاری خاطر، تمہاری چاہت کی خاطر میں نے اپنی انا، اپنی گریس پہ سمجھوتا کیا۔ جتنی اس دل نے تمہاری چاہ کی اتنی تو خود اپنی بھی نہیں کی تھی۔ پھر تم میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہو؟ یہ اوقات ہے میری تمہاری نظر میں؟" وہ کیا کہنے آئی تھی اور کیا بول گئی تھی۔ سارا غرور سمیر کے اس ایک جملے نے ٹھوکر مار کر ریزہ ریزہ کر دیا تھا اسی لیے تو اب تک جو سچ زبان سے ادا نہیں کیا تھا اس وقت غصے کی حالت میں اس کے سامنے کہہ بیٹھی تھی۔

"ٹو بی ویری کلئیر کشمالہ، تم نے آج تک کبھی کسی کے لیے کچھ نہیں کیا اور چونکہ میں تمہیں بہت اچھی طرح جانتا ہوں اس لیے یہ سب کہہ رہا ہوں ورنہ مفروضات پہ بات کرنا میری عادت نہیں۔ تم میرے پیچھے اس لیے ہو کیونکہ میں تمہارے پیچھے دوڑنے والوں کی قطار میں شامل نہیں تھا۔ اکیڈمی میں ایک سے بڑھ کر ایک اعلیٰ خاندان کا قابل لڑکا تھا ان میں بہت سے نام تمہاری چاہت میں تم سے جڑنا چاہتے تھے۔ تم مجھے بھی اس قطار میں دیکھنا چاہتی تھی، میں وہاں نہیں ملا تو تمہاری سو کالڈ انا پہ ضرب لگی تھی۔" سمیر کا انداز بہت پُرسکون تھا جیسے وہ اس سے کوئی کہانی شیئر کر رہا ہو۔

"تم نے مجھے تسخیر کرنے کی ٹھانی اور میں دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں آج تم سے اقرارِ محبت کر لوں تم دنوں میں مجھ سے اکتا جاؤ گی۔" کشمالہ کے ماتھے پہ بل نمودار ہوئے۔ سمیر مسلسل بول رہا تھا۔ اسی گمبھیر لہجے میں جو کشمالہ سمیت کسی کو بھی دیوانہ بنا ڈالے پر اس بار اس کی تاثیر بڑی کڑوی تھی۔

"دیکھو کشمالہ، ہم دوست ہیں اور رہیں گے، اس تعلق کی بدولت دلوں میں بڑی وسعت ہوتی ہے لیکن تمہارا اور میرا امزاج اتنا مختلف ہے کہ ہم زیادہ عرصہ کوئی دوسرا رشتہ نبھا ہی نہیں پائیں گے۔ میرا تعلق ایک روائتی فیملی سے ہے جہاں رشتوں سے کچھ توقعات ہوتی ہیں۔ میں چاہتا ہوں میری زندگی میں وہ لڑکی آئے جو میرے گھر کی یونٹی کو برقرار رکھ سکے۔ فرض کرو شادی کے بعد میں چاہوں تم میرے پیرنٹس کے ساتھ رہو کیا تم رہو گی؟" شاید اب وقت آ گیا تھا اس چھپن چھپائی کے کھیل کا اختتام کرتے ہوئے ایک

دو ٹوک انجام سے ہمکنار کیا جائے۔ اشاروں میں کیے جانے والے سوالات اور کنایوں میں دیئے گئے جوابات سے ہٹ کر کچھ براہِ راست بات کی جائے۔ اسی لیے سمیر نے اس سے کھل کر بات کرنے کا فیصلہ کیا تھا کیونکہ اس غلط فہمی کو اب مکمل ختم ہو جانا چاہیے تھا۔

''میں کیوں رہوں گی تمہارے پیرنٹس کے ساتھ' آئی اون آ ہاؤس' تمہیں ایک شاندار گھر ملا ہوا ہے۔ ہم اپنا گھر افورڈ کر سکتے ہیں۔ ویسے بھی میں تو سالوں سے اپنے بابا کے ساتھ نہیں رہی۔'' کشمالہ نے کندھے اچکاتے بے ساختہ اس کی بات کو رد کیا تھا۔ وہ لب دباتے ہلکا سا مسکرایا کیونکہ سمیر کو اس جواب پہ ہرگز حیرت نہیں ہوئی تھی۔

''تم بہت انڈیپنڈنٹ اور خود مختار ہو' اپنے سوا کسی کو خاطر میں نہیں لاتی۔ تمہارا بیک گراؤنڈ' سوشل اسٹیٹس' یہ ملازمت...... ہم ایک دوسرے کے کمپیٹیبل نہیں ہیں۔ ہو ہی نہیں سکتے۔ چند سال بعد ہم دونوں اپنے فیصلے پہ پچھتا کر پلٹیں گے تو اس کا سب سے زیادہ دکھ میرے والدین کو ہوگا۔'' سمیر نے چند لفظوں میں اس تعلق کا خلاصہ کر دیا تھا۔

''یعنی تم صرف اس لیے مجھ سے شادی سے انکاری ہو کیونکہ میں ایک ان پڑھ گنوار' سیدھی سادھی سی لڑکی نہیں ہوں۔'' وہ تلخ ہوئی۔

''اس کا مطلب' تمہارے مطابق گھر کو جوڑنے والی' شوہر کی تابعدار اچھی بیویاں اور اچھی بہوئیں ان پڑھ گنوار ہی ہو سکتی ہیں؟'' اس نے ابرو اچکا کر سوال کیا۔

''اگر ایک پڑھی لکھی' ویل کلچرڈ اور ملازمت پیشہ عورت میری فیملی کو عزت نہیں دے سکتی تو پھر بے شک مجھے ایک جاہل گنوار سے ہی شادی کرنی چاہیے۔'' اپنی کرسی کی بیک سے ٹیک لگاتے وہ اچھا خاصا محظوظ ہوا تھا۔ کیا کشمالہ اس کی فیملی سے بخوبی واقف ہو کر بھی اس سے ایسی بات کر سکتی تھی یا پھر اپنی جذباتیت میں ہوش کھو رہی تھی۔ ہر سمجھدار شخص اپنی ہونے والی بیوی میں اپنی ماں کی جھلک دیکھنا چاہتا ہے۔ نور انصاری کی قائم کردہ مثال کے بعد ہی اس نے اپنے شریکِ حیات کا معیار سیٹ کیا تھا۔ جب اس کی اپنی ماں اور بہن اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ملازمت پیشہ خواتین ہونے کے باوجود روایات نبھانے والی عورتیں ہو سکتی تھیں تو پھر کوئی دوسری عورت ان جیسی کیوں نہیں ہو سکتی۔

''پھر تو یقیناً تم اپنی اس کزن میں انٹرسٹڈ ہو گے' جس کی فیور میں ہماری سالوں پرانی دوستی کو بھول کر تم نے میری انسلٹ کی...... تم سے ہر لحاظ سے کم تر' جہاں چاہو گے بیٹھ جائے گی' جیسے چاہو گے چپ چاپ زندگی گزار لے گی۔'' کشمالہ نے اس کی بات کو سمجھنے کے بجائے انتہائی غلط انداز میں چوٹ کی تھی۔ اپنی طرف آتے پتھر بنا سوچے سمجھے اس نے سمیر کی طرف اچھالنے چاہے۔ اب پتا نہیں بیٹھے بٹھائے اس کے دماغ نے اس ریجیکشن کا تانہ بانہ بنتے کیسے علینہ کو اس میں شامل کر لیا تھا۔

''اس دن بھی کہا تھا آج پھر کہہ رہا ہوں' ظاہری حلیہ دیکھ کر رائے قائم مت کیا کرو۔ ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی۔ ہیرا بھی ایک پتھر ہوتا ہے لیکن اس کی پرکھ صرف جوہری کر سکتا ہے۔'' سمیر نے اس کی حاسدانہ بیچ میکنگ کو صریحاً نظر انداز کرتے فقط ان جملوں پہ فوکس کیا جو ایک بار پھر اس نے علینہ کی تذلیل میں کہے تھے اور شاید یہ حد تھی اسی لیے وہ اس رات کی طرح ہی تلخ ہوا تھا۔

''اس وقت پتھر تو تمہاری عقل پہ پڑ گئے ہیں سمیر انصاری جو ایسا گھاٹے کا سودا کر رہے ہو۔'' سلگتے لہجے میں کہتی کشمالہ ایک جھٹکے سے کرسی سے اٹھی اور پیر پٹختی کمرے سے باہر نکل گئی۔ پیچھے سمیر لب بھینچے اسے کمرے سے نکلتا دیکھتا رہا۔

(ان شاءاللہ باقی آئندہ شمارے میں)

محبت کی آنکھیں

شازیہ الطاف

اس بدبخت مردنما عورت کی نگاہوں کی تاریکی سے تارا کو ہمیشہ سے ہی ڈر لگتا آیا تھا عجیب سا پراسرار کھنڈر تھیں یہ آنکھیں اور اس پر نہایت ہی عجیب وغریب قسم کی حرکتیں‘ کبھی کمر سے ٹکا تعویذ کبھی مٹھی بھر ہرے نوٹوں کو دکھاتی عورت‘ نہایت ہی مکروہ تھی تارا اس سے عمر میں آدھی سے بھی کم تھی مگر وہ بیر میں اس کی ہم عمر ہی تھی۔ وہ جوانی میں ہی بیوہ ہوگئی تھی پھر ادھیڑ عمری چالیس پچاس کی عمر میں دوسری شادی ہوئی مگر اولاد نہ ہوسکی‘ شوہر بھی کانٹے کا ملا تھا‘ دونوں بدنیتی اور چالاکی میں ایک دوسرے کا جوڑ تھے‘ اس کا نام فضیلت تھا مگر شکل پرانے قبرستان جیسی تھی وہ ہر عمر کی عورت لڑکی خواہ چھوٹی ہو یا بڑی اسے دیکھ کر جلنے لگتی تھی‘ کسی کے بچے کو دیکھ کر شکل کا مذاق اڑانے پہ ٹھٹے لگاتی وہ مردنما عورت قدرت کے انتقام کا نشانہ تھی تارا...... اور اس کا کوئی جوڑ نہ ہوکر بھی جوڑ تھا وہ تارا کی نند تھی اور اب دلہن بنی تارا کے پہلو میں چمکدار تیز بھالے کی طرح چبھ رہی تھی اس کی شروع سے عادت تھی کہ وہ دوسروں کے بچوں کے عیب نکالتی آئی تھی چغلیاں‘ چالاکیاں کرتی رہی تھی یہ اور بات تھی کہ اب لوگوں کا اس مکار بڑھیا کی بے کار باتوں سے اعتبار اٹھ گیا تھا۔ تارا اس سے خار کھاتی تھی‘ سڑی شکل سے دور بھاگتی تھی مگر اب اٹھ کے بھاگا بھی نہ گیا۔

”تیرے ماں پیو نے بھی تو سونا نہیں ڈالا تجھے تو بس سب بھول جاتا۔“ سرد آواز کے بعد وہ ایک سڑی ہوئی کہانی سنا رہی تھی جو کچھ پلے نہیں پڑ رہی تھی بس مکھیوں کی بھنبھناہٹ سی لگتی تھی ایک اتنی گرمی اور دوسرے وہ گود میں گھسی جاتی تھی‘ تارا کا سرخ لباس کھڑ کھڑاتا پراندہ بالیاں اور دہکتے گال ایک دم ڈر سے گئے تھے مگر وہ اٹھ کر کہیں نہیں جاسکتی تھی وہ سارے سنہرے خیال ہوا ہونے لگے وہ کچھ سے کچھ سوچنے لگی تھی ماسی کے بیٹے بیٹیاں چچا اپنے اہل وعیال سمیت زردے پلاؤ کی پلیٹیں لیے ادھر سے ادھر آ جا رہے تھے۔ سرخ شوربے والا گرم قورمہ اور تندور کی روٹی کھائی جارہی تھی‘ سب مصروف تھے کہیں سے پانی کی آواز‘ سالن چاول‘ چاول‘ چائے کس کے پاس وقت تھا کہ وہ تارا کی خبر لیتا نکاح ہوچکا تھا شام سے پہلے رخصتی تھی افراتفری کا عالم تھا۔ امی پتا نہیں کس کو آوازیں دیتی پھر رہی تھیں نائیوں کو یا شاید ڈولی والے ماچھیوں کو‘ کچھ پتا نہیں چل رہا تھا۔ فضیلت اپنی ہوس بھری نگاہیں اس پر ٹکائے اسے گھورے جانچے جارہی تھی اور کچھ بول بھی رہی تھی پتا نہیں کیا...... تارا کی جذبوں بھری نگاہوں میں ایک دم اداسی بھر گئی تب ہی کہیں سے ماجھی اس کی سہیلی چلی آئی اور گلے لگ کر رونے لگی۔ دونوں نے ایک ساتھ اسکول میں پڑھا تھا‘ ایک گلی میں کھیلی تھیں مل کے مہندیاں لگائیں اور اب تارا بیاہ کے دور جارہی تھی‘ پتا نہیں کب آئے‘ کب ملاقات ہو کیونکہ چھٹے مہینے میں فصل اٹھا کے منظور عرف ماجھی کی بھی شادی تھی وہ لاہور جارہی تھی اور ماجھی سرگودھا‘ ماجھی کے وجود سے اسے کچھ سکون سا ملا۔ اس کی آنکھیں بھی نم ہوگئیں‘ دل رخصتی کا سوچ کر اداس ہوگیا۔ فضیلت دونوں کے رونے کا کوئی اور ہی مطلب نکال رہی تھی اس جیسی بدبخت عورت اور سوچ بھی کیا سکتی تھی مگر تارا بے چاری بے خبر رونے میں مصروف‘ جن کی اپنی جھولیاں خالی ہوں دوسروں کی بھری جھولیاں اسے کیسے اچھی لگ سکتی ہیں بھلا وہ خالی دامن عورت جو شوہر کی بے زاری کا شکار تھی تو سسرال میں بے عزت‘ اسے خوش دیکھ کر کیسے خوش رہ سکتی تھی بھلا۔ اس کا شیطان جیسا دماغ منصوبے بنانے لگا‘ کیونکہ اس کی سہیلی ماجھی کا بھائی تنویر تارا کے سر پر ہاتھ پھیر کر رو رہا تھا‘ سخاوت علی اس کا اپنا بڑا بھائی بھی آبدیدہ تھا پھر تنویر سخاوت کو لے کر چلا گیا۔ ماجھی امی اور نصرت اور گاؤں کی دوسری عورتوں نے اسے لا کر ڈولی میں بٹھایا۔ تارا کی کاجل بھری آنکھیں اور مہندی رچے ہاتھ دونوں

دکھی تھے، آنکھیں آنسوؤں سے بھری اور ہاتھ کانپ رہے تھے، انور علی اس کے والد کی حالت بھی بہت بری تھی وہ دھی کی رخصتی پر رو پڑے تھے۔ وہ دو بہنیں تھیں اور اکیلا بھائی، فضیلت سمیت ڈراؤنی شکلوں والی اور بھی نندیں تھیں جو اپنی محرومیوں کا بدلہ دوسروں کو پریشان کر کے لیتی تھیں، شادی سے اگلی صبح خوشگوار تھی نندیں اپنے اپنے گھروں میں، وہ اور نصیر احمد اکیلے رہ گئے تھے، نصیر بہت محبت کرنے والا انسان تھا، بہت خیال رکھنے والا...... اس کی یہاں سرکاری نوکری تھی اور وہ یہاں اپنے ماں باپ کی وفات کے بعد اکیلا رہتا تھا اور ان کا دور کا رشتہ دار بھی تھا اس نے تارا کو شعبان بھائی کی شادی میں دیکھا اور پسند کرلیا جس کی تارا کو خبر بھی نہ ہوئی اور یہ بات اپنی آپا جی کے کان میں ڈال دی پھر آپا جی نے بات چلائی اور یوں یہ رشتہ ہوگیا۔ نصیر اسے پا کر بہت خوش تھا، زندگی بہت خوب صورت لگنے لگی تھی مگر پھر ایک دن آپا جی انہیں ملنے چلی آئیں۔ تارا نے کھانا پکایا گوشت، بریانی، روٹی، رائتہ کوئی کمی نہیں چھوڑی تھی آپا کی خاطر داری میں۔ برآمدے میں کھانا کھانے کے بعد نصیر کسی دوست کی کال آنے پر اٹھ گیا جبکہ تارا نے برتن سمیٹنا چاہے آپا نے ہاتھ پکڑ کر پاس بٹھالیا۔

''بیٹھ بات سن میری۔'' ان کا چہرہ عجیب دھواں دھواں ہو رہا تھا، وہ تارا کے کانوں میں سجے سونے کے جھمکے دیکھ رہی تھیں جو نصیر نے ان سے چھپ کر بنوالیے تھے حالانکہ آپا سونا ڈالنے سے صاف انکار کر آئیں تھیں۔ اپنے بھائی کی پسند انہیں ذرا پسند نہیں آئی تھی۔ سرخ وسفید خوب صورت نین نقوش سمیت یہ لڑکی ان کے بھائی کو ان سے دور لے جاسکتی تھی، کتنا سوچا تھا کہ چھوٹی نند بھائی سے بیاہ دے گی تو عمر چین سے گزر جائے گی بھائی کی خاطر داریاں بھی بڑی کیں تھیں بڑے چاؤ سے ماتھا چوما مگر خاک اثر نہیں ہوا تھا حالانکہ چھوٹی نند تو شہر جانے کو جی جان سے تیار تھی اس طرح چھوٹی نند جو نہایت چالاک تھی، اپنے بھائی کی شادی کی ہمہ وقت رٹ لگائے رکھتی تھی اور شوہر جو ہر وقت بے زار رہتا تھا دونوں بہن بھائیوں کے منہ بند ہو سکتے تھے وہ ڈال بھی لیتیں اور کبھی اپنے سر پر سوکن نہ لا بٹھانے دیتیں انہوں نے کامیابی سے دس سال گزار دیئے تھے کبھی الجھا کر لڑا کر مگر اب معاملہ کچھ اور تھا سارے خوابوں پر دھول جم چکی تھی اس لڑکی کی سہیلی کا بھائی شادی میں رو پڑا تھا تو یہ کیا نئی بات تھی ان کے جلے دل نے کیا کیا نہ سوچ رکھا تھا، دلہن بنی اس لڑکی کو اسی روز بھسم ہو جانا چاہیے تھا مگر ان کے اندر جلی آگ صرف انہیں ہی جلاسکتی تھی ان کی آنکھوں میں مایوسی ہی مایوسی بھری تھی مگر ایک پتا ابھی ہاتھ میں تھا بھائی جو چھوٹا تو تھا ہی مگر سب سے زیادہ محبت فضیلت آپا ہی سے کرتا تھا، ایک یہی اطمینان باقی تھا اور ابھی وہ اسی پتے کو کھیلنے آئی تھیں تارا ان کے سامنے بیٹھی ان کی سوچوں سے بالکل

بے خبران کی بات کا انتظار کررہی تھیں ان کے چہرے پر مسلسل رنگوں کا سیلاب رواں تھا' کبھی سیاہی کبھی سفیدی' کبھی لالی' کبھی خوشی' کبھی غم پھر حسرت ویاس بوڑھی جلد جھریوں سے اٹی سوچوں میں گھری تھی' چھوٹی چھوٹی بجھی بجھی آنکھوں میں نجانے کیا تھا کچھ سمجھ میں نہ آسکا۔

''بہت خوش ہو۔'' انہوں نے ایک دم تارا کے جھمکوں کو چھوا اور بڑبڑائیں یہ سوال تھا یا جواب تارا کے کچھ سمجھ نہ آسکا۔

''جی......'' وہ بس یہی کہہ پائی اور پھر اپنے مہندی رچے ہاتھوں میں کچھ کھوجنے لگی البتہ یہ جان چکی تھی کہ ان کے ارادے ٹھیک نہیں تھے۔

''تو پھر مجھے بھی خوش کردو۔'' اب کے انہوں نے اگلی چال چلی۔

''جی......!'' وہ انہیں دیکھ کررہ گئی۔ ''کیسے؟''

''ہاں کیسے یہ اچھا سوال کیا تم نے۔'' ان کا لہجہ اچانک ہی زہر خند ہوا تھا جسے محسوس کر کے تارا گڑبڑا کر رہ گئی تھی۔

''تمہاری چھوٹی بہن ہے ناں زرینہ......''

''جی ہے۔'' کچھ برا تھا اور بہت برا تھا' تارا کے اردگرد بہت سارے دھماکے ہونے لگے تھے اور کان سائیں سائیں کررہے تھے۔ وہ زرینہ کا رشتہ اپنے شوہر کے لیے مانگ رہی تھیں بلکہ اس نے اگر بسنا ہے تو اسے اپنے والدین اور بہن کو منانا ہوگا اس کا جی چاہا کہ وہ زور کا تھپڑ آپا کے منہ پر مارے یا ان پر تھوک دے وہ کیسی بات کررہی تھیں۔ ساٹھ سال کے شوہر کے لیے بارہ تیرہ برس کی لڑکی کا رشتہ...... اس نے آپا کو سختی اور غصے سے انکار کردیا تھا۔ جس کے جواب میں وہ صرف مسکراتی رہی تھیں اور وہ بولتی رہی تھی۔

آپا کی سازش کے مطابق اگر زرینہ ان کے ہاتھ لگ جاتی تو اس جیسی بے قدر سوکن اور کوئی ہو نہیں سکتی تھی جو بہن کے صدقے آجاتی اور دبالی جاتی صرف مطلب پورا ہوتا روٹی ملتی اولاد حاصل ہوتی اور راج دھانی شوہر سب ہاتھ میں رہتا یہ ان کا جال تھا جسے وہ بچھا چکی تھیں اور وقت اگلی چال چلنے کا تھا۔ اس نے ان کی باتوں میں سے کسی ایک کا جواب نہیں دیا بلکہ چپ چاپ بیٹھی رہی۔ جونہی نصیر نے گھر میں قدم رکھا آپا نے اپنا سامان باندھنا شروع کردیا ان کے اس طرح سامان باندھنے پر اور اچانک واپسی کے اعلان نے نصیر کو اچھا خاصا حیران کردیا تھا وہ آپا کو مسلسل روک رہا تھا پوچھ رہا تھا مگر وہ کوئی جواب نہیں دے رہی تھیں تارا کی روئی روئی آنکھیں کسی جھگڑے بدمزگی کا پتا بتاتی تھیں مگر جھگڑا آخر کیسا تھا کس نوعیت کا تھا جو یوں پہلی ہی بار نصیر وسوسوں میں گم بھی تھا اور پریشان بھی۔ اس کا تو آپا کو شہر گھمانے کا ارادہ تھا کتنے دن اپنے پاس رکھنا تھا مگر وہ جارہی تھیں یقیناً تارا نے کچھ گڑبڑ کی ہوگی ورنہ آپا جیسی بہن اس کے گھر میں یوں بدمزگی نہیں پھیلا سکتی تھیں۔ تارا سے پوچھنا ضرور تھا کہ آخر کیا بات تھی جو آپا یوں خاموش ہوکر جارہی تھیں۔

آپا جی کو ٹرین پر سوار کرا کے وہ بجھے قدموں واپس لوٹا تھا آپا نے لاکھ منت سماجت کے باوجود اسے کچھ نہیں بتایا تھا اور جس طرح جاتے وقت تارا کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا وہ بھی عجیب تھا کچھ تھا اس کے گھر آنے والی ماں جیسی بہن یوں ناراض ہوکر اٹھ گئی تھی۔ آخر کیوں؟ سوال تھا مگر جواب صرف تارا دے سکتی تھی۔ وہ گھر آکر برآمدے میں بچھی چارپائی پر کب سے لیٹا تھا تارا فریج میں نجانے کیا رکھ رہی تھی غالباً ہری چیں اور سیب تھے جو سیٹ کررہی تھی وہ اداس تھا تارا بھی چپ تھی اور آپا بھی چپ تھیں...... آپا کا فون بھی دوبارہ نہیں آیا تھا تارا کے کانوں میں جھولتے سونے کے جھمکے اور سرخ لباس جس پر چھوٹے چھوٹے پھولوں کا راج تھا اس کی سفید سنہری رنگت کو چار چاند لگا رہا تھا' وہ اس کے پاس سے گزرنے لگی تھی تو تبھی اس نے ہاتھ تھام لیا' وہ اس کے جھمکوں کو چھو کر سب بھول گیا اور آپا انہی

جھمکوں کی وجہ سے جل کر کوئلہ ہوئی تھیں کتنا فرق تھا تاں دینے اور دیکھنے والوں میں۔ آپا نے کال نہیں کی تو تنگ آ کر اس نے خود آپا کو کال کر دی تھی جواباً ذرا سے اصرار پر انہوں نے وہ بات کہی تھی جو نصیر کی رگوں میں خون کی بجائے آگ بھڑ گئی تھی وہ تیزاب سے جیسے جھلس گیا اس کا چہرہ جل کر جیسے بھیانک ہو گیا تھا۔ اس نے فون بند کیا اور اب سانسیں تنگ ہو گئی تھیں وہ بڑی مشکل سے سانس کھینچ رہا تھا۔ جو اس کی محبت تھی وہ تنویر کی محبت تھی، تنویر اس کی پہلی محبت تھا اور وہ خود اس کی زندگی میں داخل ہونے والا دوسرا مرد تھا۔ اور مرد پہلا ہو یا آخری یہ کب گوارا کر سکتا تھا بھلا...... آج تارا نے اس آگ میں جل جانا تھا یقیناً' تارا پانی کا گلاس لائی تھی جو اڑ کر دیوار پہ جا لگا تھا کھانے والی ٹرے ٹوٹی پڑی تھی' وہ اسے بالوں سے پکڑ کر جھنجوڑ رہا تھا' مار رہا تھا' تارا نہیں جانتی تھی کہ اسے زمین پر کس وجہ سے گرایا گیا ہے بعد میں جب نصیر ہذیانی انداز میں تنویر تنویر پکار رہا تھا تب وہ اٹھ کھڑی ہوئی' وہ جان چکی تھی کہ یہ سب کس کا کیا دھرا تھا' اسے بے اختیار آپا کی آنکھیں یاد آئی تھیں' جب وہ دلہن بنی بیٹھی تھی جب تنویر آیا تھا سارا منظر آنکھوں میں گھوم گیا تھا' اس نے نصیر کو ساری بات بتانے کا فیصلہ کر لیا تھا' آپا کی ڈیمانڈ سب کچھ...... مگر وہ سب سن کر وہ آگ بگولا ہو گیا' آپا اپنے لیے سوکن کی ڈیمانڈ کیسے کر سکتی تھیں بھلا...... وہ سمجھنے کے بجائے مزید بدگمان ہوا تھا' تارا نے اباجی سے بات کی تھی' بات ان تک پہنچ گئی تھی ابا کو بھی یہ بات اتنی ہی بری لگی تھی جتنی کہ خود اسے' اباجی نے کہا تھا کہ وہ نصیر کو سمجھائیں گے وہ مطمئن پھر بھی نہیں تھی۔ پتا نہیں وہ میکے بھی جا سکے گی کہ نہیں...... نصیر سے بول چال بند تھی وہ اس پر شک کرنے لگا تھا اور اس کے حوصلے ٹوٹنے لگے تھے وہ دونوں اکیلے ہو کر بھی اکیلے نہیں تھے آپا ان کے درمیان موجود تھیں' نصیر سوچوں میں گم رہتا تھا تارا اس کی ہنسی کو ترس گئی تھی۔

ہنسو آج اتنا کہ اس شور میں
صدا سسکیوں کی سنائی نہ دے

وہ بے حد پریشان تھی آخر اس نے آپا کا بگاڑا کیا تھا کہ وہ یوں دشمن بن گئی تھیں۔ نصیر کا بڑی بہن پر اندھا اعتماد اسے شدید اذیت میں مبتلا کررہا تھا۔ وہ سارا سارا دن کاموں میں خود کو الجھائے رکھتی کام ڈھونڈتی پھرتی۔ ایسے کام جو اسے اس اذیت سے نکال دیں...... اس دکھ کو بھلادیں۔ تنویر تو اس کا بھائی تھا اس کے اپنے بھائی کا دوست اس کا بھائی ماں جائیوں جیسا مگر آپا نے اس کی زندگی میں ایسا زہر گھولا کہ سارے احساس سب منظر زخم زخم ہوچکے تھے' نصیر نے اس کے میکے جانے پر بھی پابندی عائد کردی تھی کہ تنویر کا ان کے گھر آنا جانا تھا تو تارا اور تنویر کا چکر بھی ضرور رہی ہوگا وہ کہہ کہہ کر تھک گئی کہ نصیر اس کی پہلی اور آخری محبت ہے آپا جھوٹ بولتی ہیں مگر نصیر اس بات پر اڑا تھا کہ آپا جھوٹ کیسے بول سکتی ہیں؟ سچے رشتے جب جھوٹے رشتے بنتے ہیں تو کیسی تباہی مچاتے ہیں یہ تارا کو اب پتا چلا تھا۔ وہ نصیر سے محبت کرتی تھی اپنے شوہر کی تھی صرف اسی کی اس کا دل گواہی دیتا تھا دل کی گواہی سچی تھی مگر دلوں کے حال اللہ کے سوا کون جانتا ہے' اس نے اللہ کو پکارنا شروع کردیا اور وہ تو جیسے پکار کا ہی منتظر ہو...... وہ روتے روتے سوگئی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

اس روز نصیر گاؤں گیا ہوا تھا اور ابا جی سے بے طرح بھڑ کر آیا تھا انہوں نے اس گھٹیا الزام بلکہ غلط فہمی کی سختی سے تردید کی تھی اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی اور وہ ہتھے سے اکھڑ گیا تھا سیدھا واپس آپا فضیلت کے یہاں آیا تھا۔ انہوں نے اس قصے کو اور نمک مرچ لگانا شروع کیا تھا' چٹخارے دار گفتگو سے اپنے چھوٹے بھائی کا خون خوب کھولایا تھا' میکے بیٹھی تارا کا وجود مجسم انتظار بن چکا تھا' نصیر اسے خود یہاں چھوڑ گیا تھا اور یقیناً کبھی نہ آنے کے لیے...... ابا جی بے طرح فکر مند تھے آخر اس بات کو کلیئر کیسے کرتے...... کتنا نازک مسئلہ تھا' ذرا سی بات سختی ان کی تارا کا گھر برباد کرسکتی تھی' امی کا بھی دکھ سے برا حال تھا انہیں فضیلت سے اس گھٹیا پن کی امید نہیں تھی۔ زرینہ (چھوٹی بہن) فضیلت کی اس حرکت سے عجیب سے دکھ میں مبتلا تھی اس کی نظر میں بار بار فضیلت کا تنور نما شوہر گھوم جاتا۔ تارا کی نیندیں الگ حرام تھیں۔ شادی کے تیسرے مہینے گھر سے نکالی جانے والی عورت کی کیا وقعت تھی وہ خوب جانتی تھی مگر کیا ہوسکتا تھا...... رویا جاسکتا تھا بس وہ رو رو کر برا حال کرچکی تھی۔ آپا فضیلت سے ابا مل کر آئے تھے انہوں نے اپنی شرط پھر دہرائی تھی وہی زرینہ والی بات' مطلب ایک کو بسانے کی خاطر دوسری کو جیتے جی مارنا ہوگا ابا جی طیش میں اٹھ آئے تھے۔ ابا جی نے نصیر کو ساری بات بتادی تھی مگر وہ مانے تب ناں۔

آپا جی کی چہیتی نند نصیر کے سامنے لسی اور گھی لگی روٹیاں رکھ رہی تھی آج اس کا حلیہ بالکل ہیر کے جیسا تھا وہ ہیر بنی اٹھلاتی پھر رہی تھی' آپا جی کے گھر میں سکون ہی سکون تھا۔ ان کا شوہر بھی مطمئن تھا۔ تارا سے نوبت اب طلاق تک پہنچنا چاہتی تھی۔ وہ ایسا ہی کمینہ اور بے شرم تھا۔ اندر ہی اندر سب سمجھ کر بھی پاس بیٹھا انجان بنا تھا۔ نصیر بھی شنو کا پکایا کھانا کھا ہی رہا تھا' اسے شنو کا والہانہ پن اچھا نہیں لگا تھا مگر آپا کہہ رہی تھیں تو کھارہا تھا' ورنہ وہ تو تارا کے ہاتھ کے چکن قورمے اور بریانی کا دلدادہ ہوچکا تھا تمام تر غصے سمیت وہ دشمن جاں یاد آئی تھی۔ بس اچانک ہی...... اس کی موٹی آنکھیں نگاہوں میں گھوم گئیں...... دن بھی تو چھٹا تھا ناں اسے دیکھے ہوئے۔ اسے بہت غصہ تھا مگر دل اسے یاد بھی کرتا تھا۔ وہ بے یقین تھا مگر دل یقین کرنے کو آمادہ تھا۔

وہ بیٹھے بیٹھے کھوسا گیا تھا۔ سرخ لباس میں سترہ اٹھارہ برس کی تارا لشکارے مارتی چھم سے اس کے تصور میں آ گئی تھی۔ اس کی آنکھیں جب ان آنکھوں سے چار ہوئیں تھیں تو نصیر نصیر نہیں رہا تھا تارا ہوگیا تھا۔

''مرد بن مرد بے غیرت نہ بن۔'' آپا کی باتیں اسے واپس بلا کر کڑوا زہر پلانے لگیں...... وہ اسے طیش دلا رہی تھیں اور وہ غصہ کر رہا تھا۔

''کمینی نہ ہو تو......'' آپا بڑبڑائیں اور وہ ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔ شنو بھی پاس ہی بیٹھی تھی وہ محسوس کر سکتا تھا کیونکہ وہ اسے ہی دیکھے جا رہی تھی۔ کل اس کا ارادہ واپس ڈیوٹی پر جانے کا تھا' وہ صبح صبح گھر سے یونہی نکل گیا تھا بغیر ناشتہ کیے شہر کی زندگی تو تازہ ہوا کی ترسی تھی ہی مگر اس کی تلاش نجانے کیا تھی ختم ہی نہ ہو رہی تھی۔ وہ کیا ڈھونڈ رہا تھا اسے نہیں پتا تھا۔

صبح سویرے چلنے والی ہوا ہلکی اور دلفریب تھی۔ بالکل تارا کے بالوں جیسی...... نرم گداز...... نجانے کیوں خالی گھر سے وحشت سی ابھی سے ہونے لگی تھی۔ مگر بات بھی کوئی چھوٹی نہیں تھی وہ کیسے بھلا ڈالتا تارا کے جھوٹ اور تنویر کو...... ہاں تنویر کو نہیں بھلا سکتا تھا وہ کبھی نہیں جسے اس نے پہلی نظر میں چاہا تھا اسے کوئی اور چاہتا تھا اور ہچکیاں لے کر روتا رہا تھا۔ اس کا سر چکرانے لگا تھا۔

''نی تو فکر نہ کر تجھے تو میں نے شہرن بنا کر چھوڑنا ہے۔ جاتے ہی جھمکے پہن کے بیٹھ گئی تھی مردود سبق نہ سکھایا ناں تو فضیلت نام نہیں میرا......'' آپا کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

''اور وہ تنویر والا قصہ آپا۔'' شنو کی آواز آئی۔

''جھوٹ تھا نکمی چھوری جھوٹ تھا نہ بہن دے نہ میری شنو جائے وہاں اور خوش رہے تارا صاحبہ تجھے تو میں میم بناتی ہوں ناں' واپس گئی تو بات ہے ناں۔'' باہر نجانے کب سے کھڑے نصیر کے وجود کو آگ پکڑ چکی تھی۔ وہ بھسم ہونے کو تھا ایسا عقل کا اندھا تھا وہ کہ آپا کی باتوں پر آنکھیں بند کر کے یقین کرتا رہا...... خود اپنا دماغ استعمال نہیں کر سکا...... مطلب تارا اور ابا جی سچے تھے آپا نے زرینہ کا رشتہ خود مانگا تھا اور وہ جھمکوں کی وجہ سے جلی تھیں انہیں تارا پسند نہیں تھی۔ اس کے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے وہ نہ اندر جا سکا نہ باہر کھڑا رہ سکا...... کسی میں سے مکھن نکالتی شنو کھٹ کھٹ ہنس رہی تھی اور آپا بھی اسے بے وقوف بنا کر خوش ہو رہی تھیں۔

دن چڑھ آیا تھا' وہ شہتوت کے درختوں کے سائے میں چلتا جا رہا تھا' آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں تارا کی روتی آنکھیں سامنے تھیں اور چوڑیوں بھرے ہاتھ جڑے ہوئے تھے اور وہ مجرم بنا کھڑا تھا' اسے معافی مانگنا تھی مگر مانگ وہ رہی تھی۔ وہ اس کے ہاتھ تھامے رو رہا تھا' محبت کے راستے میں منزلیں آسانی سے نہیں ملا کرتیں مگر اسے ملی تھی امتحان تو بعد میں آیا تھا اور کڑا آیا تھا' چند ہی دنوں میں اس کی حالت عجیب ہو کر رہ گئی تھی۔

وہ بے تاب بے چین تھا' وہ اسے لے کر گھر سے نکلا تو تنویر اور سخاوت علی نے اسے پہلی بار ہی کی طرح رخصت کیا تھا' رو کر اداس ہو کر۔ تنویر بھی تارا کا بھائی تھا اور سخاوت علی بھی بھائی تھا' اسے اب کوئی اعتراض نہیں تھا۔ ابا جی نے دونوں کو رخصت کیا تھا۔ آپا فضیلت نے اسے فون کیا اور اس کا یا پلٹنے پر حیران تھیں کیونکہ نصیر نے انہیں کہا تھا کہ وہ بہت مصروف ہے۔ حالانکہ پہلے تو وہ کبھی اس طرح مصروف نہیں ہوا تھا۔ تارا کو بھی لے گیا تھا وہ بھی ان سے صلاح مشورہ کیے بغیر۔

نصیر پھلوں کے شاپر لیے اندر آیا تو ساتھ تنویر اور تنویر کی ماں تھے۔ وہ اپنی ماں کو شہر دکھانے لایا تھا ساتھ گڑ اور دیسی گھی کی پینیاں لائے تھے۔ تنویر نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تارا اور نصیر کی نگاہیں ملیں وہ مسکرایا تو تارا کھلکھلا اٹھی۔ محبت کی آنکھیں کھل چکی تھیں اور نفرت کی آنکھیں پھوڑی جا چکی تھیں۔

ہیپی برتھ ڈے حجاب

گل مینا خان

اس نے باڑھ کے عقب سے بغور اس کا جائزہ لیا وہ اپنے چھوٹے سے باغیچے کی صفائی کرنے میں منہمک تھی۔

''ہاؤ۔'' آہستہ سے اس کے قریب پہنچ کر اس کے کان میں چلائی' چند لمحوں تک وہ غیر متحرک انداز میں جہاں تھی وہیں بیٹھی رہی۔ حواس کچھ بحال ہوئے تو اس پر چڑھائی کی۔

''حنا کی بچی......''

''جی امی جی......'' حنا نے شرارت سے ایکٹنگ کی۔

''کمینی' عادت تیری گئی نہیں ناں ڈرا کے رکھ دیا۔''

''تم بھی کسی سے ڈر سکتی ہو حیرت ہے اور یہ کون سا قارون کا خزانہ دفن کر رہی تھی۔'' حنا نے اسے دیکھ کر پوچھا۔

''ہاں کر رہی تھی لیکن پیچھے سے ایک دیو نہیں بلکہ چڑیل نے ڈرا دیا۔''

''یہ چڑیل کسے کہا بھوتنی کہیں کی۔''

''اوہ سوری تُو تو چڑیلوں کی سردار ہے۔'' صباء نے ہنستے ہوئے اسے چھیڑا۔

''اور تُو تو......''

''اوہ پلیز فرعون مت کہنا۔'' حنا کے منہ کھولنے سے پہلے ہی اسے شرافت سے مطلع کیا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو چڑانے کے لیے ایسے ہی عزت بخشتی تھیں۔

''اچھا چل چھوڑ یہ دیکھ حجاب کا نیا شمارہ لائی تھی تجھے دکھانے کے لیے۔'' حنا نے دونوں ہاتھ آگے کر کے حجاب اس کے سامنے لہرایا۔ ''اور اس بار تو مونا شاہ قریشی کی تحریر بھی آئی ہے' بیچ میں۔'' وہ خوشی سے چہکی اور اس کے ہاتھ سے حجاب لے کر مونا شاہ قریشی کی تحریر دیکھنے لگی۔

''یار کتنا زبردست لکھتی ہے ناں اور ہاں نومبر میں پیارے حجاب کی سالگرہ بھی ہے ناں۔'' صبا نے مسکراتے ہوئے اس کی سمت دیکھا۔

''اور میں نے تو سب سے کہہ بھی دیا ہے کہ میں حجاب کی سالگرہ مناؤں گی وہ بھی اسپیشل طریقے سے اور تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں امی کے ہاں آئی ہوئی ہوں۔''

''بس یہ ہوائیں پیامبر ہیں ناں تمہاری خوشبو میرے اطراف لیے رقص کرتی رہتی ہیں اور مجھے پتا چل جاتا ہے تو آ ٹپکی ہے اس لیے میں تیرے دربار پر حاضری دینے کے لیے حاضر ہو جاتی ہوں ورنہ تمہیں تو اتنی بھی توفیق نہیں ملتی۔'' حنا نے ہنستے ہوئے ہلکا سا شکوہ کیا۔

''لیکن میں تو کوئی پرفیوم' کوئی عطر استعمال نہیں کرتی پھر کیسے میری خوشبو پہنچ جاتی ہے۔''

''ارے میری بھولی بھالی یہ محبت کی خوشبو ہے' جو دلوں میں سما جاتی ہے۔'' حنا نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر کہا صبا نے حجاب کی ماڈل کو دیکھا اور ساتھ ہی اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر کی طرف بڑھ گئی۔

''السلام علیکم! آنٹی مزاج کیسے ہیں؟'' حنا نے صبا کی امی کو دیکھ کر سلام کیا اور وہیں ٹک گئی۔

''اللہ کا شکر ہے تم سناؤ کافی عرصے بعد چکر لگایا۔''

''جی آنٹی وہ مما (ساس) کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی بس اسی لیے۔'' حنا نے جواب دیا۔ اتنے میں صبا کی چھوٹی سسٹر چائے لیے اندر داخل ہوئی۔

''کیسی ہو حنا آپی؟''

''اے وِن' تمہارا کیوں منہ لٹکا ہوا ہے۔'' حنا نے اس سے استفسار کیا۔

''اسے خارشی محبت ہوگئی ہے بس وہی کھجاتی رہتی ہے۔'' جواب صبا کی طرف سے آیا تھا اتنے میں میز چائے اور دیگر لوازمات سے سج گئی۔

''دیکھیں نا حنا آپی یہ میری محبت کو خارشی محبت سے ملا رہی ہے۔'' صغا نے شکوہ کیا۔

''تو اور کیا یہ محبت ہوتی ہے' کبھی کسی مانو کے بچے سے تو کبھی کسی پرندے سے۔'' صبا نے چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے کہا تو حنا بھی مسکرا دی۔

''اچھا یار حسیب کا سناؤ کیا کرتے ہیں آج کل۔''

''بس یار وہی آفس کی مصروفیت ہے جناب کی ورنہ شادی کے شروع میں وہ دعوتیں وہ گھومنا پھرنا آہ سب پیچھے رہ گیا۔''

''اچھا جبھی تو تم اداس دیوی بنی ہوئی ہو۔''

''جی نہیں تمہارے آنے سے پہلے انہوں نے مجھے کال کر کے کہا تھا کہ شام کو تیار رہنا ایک اچھے سے ریستوران میں کھانا کھانے چلیں گے۔''

"میں سمجھی شاید وہ تم سے بے زار ہوگئے ہیں اس لیے ہر دوسرے دن یہاں بھیج دیتے ہیں۔" اس کی طرف دیکھ کر اس نے صبا کو چھیڑا۔ صغا نے بھی اس کا بھرپور ساتھ دیا۔

"مجھے بھی یہی لگتا ہے آپی نے میرے اچھے سے پیارے سے معصوم سے نازک سے خوب صورت بہنوئی کو ڈرا کر رکھا ہوا ہے۔"

"بس کرو کچھ زیادہ ہوگیا ہے وہ میرے کہنے پر ہی مجھے یہاں لے کر آتے ہیں کیونکہ وہ مجھے خوش دیکھنا چاہتے ہیں۔" صبا نے منہ بناتے ہوئے جواب دیا اور ساتھ ہی حنا کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی جانب متوجہ کیا۔"اور ہاں انہوں نے مجھ سے کہا ہے کہ حجاب اور تمہاری سالگرہ اکٹھی منائیں گے، سچ میں مجھے سوچ کر ہی اتنی خوشی ہوتی ہے کہ کیا بتاؤں۔" حنا نے مسرت سے گلنار ہوتے اس کے چہرے کی طرف دیکھا اور دل ہی دل میں صدق دل سے اس کی دائمی خوشیوں کے لیے دعا کی۔

چائے نوشی کے دوران حجاب ڈائجسٹ پر بھی تبادلہ خیال ہوتا رہا۔ اس کا شوہر اس سے بہت پیار کرنے والا بہت خیال رکھنے والا تھا اس کی بھی تو نئی نئی شادی تھی۔ غضب کی پرسنالٹی رکھنے والا اس کا شوہر عمر علی اس سے کیوں بے زار تھا جب کہ بھابی نے کہا تھا اس کی فوٹو دیکھتے ہی اس نے اوکے کرلیا تھا۔ ولیمے کے دن اس نے کیسا سوال کیا تھا۔

"کیا سمیر تمہیں اچھا لگتا تھا۔" اس کے اقرار کرنے کے بعد وہ کیوں اس سے کھنچا کھنچا سا رہنے لگا تھا کیا وہ کسی اور کو پسند کرتا تھا۔ درد کی ایک لہر اٹھی اس نے کپ میز پر دھرا اور کھڑی ہوگئی۔

"یار کافی دیر ہوگئی ہے اب مجھے چلنا چاہیے امی (ساس) کی دوائی کا ٹائم ہوگیا ہے۔"

"اوکے جائیں، جناب۔" صبا نے شرارت سے ہاتھ سینے پر رکھ کر سر کو خم دے کر کہا تو وہ بھی مسکراتے ہوئے باہر نکل آئی۔

❁ ❁ ❁

حنا کی ساس فطرتاً بہت خوش اخلاق تھی ان کے لہجے سے اپنائیت شگفتگی کے علاوہ بزرگانہ شفقت کا احساس بھی ہوتا تھا۔ سسر صاحب بیٹی کی طرح چاہتے تھے ہادی اس کا چھوٹا دیور بھابی کہتے نہ تھکتا تھا سب ہی بہت اچھے تھے اگر کسی کو پروا نہیں تھی تو وہ شخص تھا جس کے لیے سب کچھ چھوڑ کر یہاں آئی تھی اس کی شادی بہت دھوم دھام سے ہوئی تھی۔ شادی کی پہلی رات عمر علی کے کسی رویے سے یہ ظاہر نہیں ہوا تھا کہ وہ خوش نہیں ہے یا اس پر زبردستی کی گئی ہے پھر اچانک عمر علی اتنا کیوں بدل گیا تھا۔

❁ ❁ ❁

آج اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اس لیے آفس سے جلدی واپس آ گیا تھا تاکہ کچھ دیر ریسٹ کرسکے۔ گھر آیا تو وہ اسے کہیں دکھائی نہ دی تو اس نے مما سے پوچھا۔

"مما حنا کہاں ہے؟"

"سمیر آیا تھا اس کے ابو بیمار تھے اسی لیے میں نے اسے اس کی امی کے ہاں بھیجا ہے شام تک آجائے گی۔" عمر کی فراخ پیشانی پر شکنوں کا جال ابھر آیا۔ سمیر کا نام سن کر ویسے بھی اس کا خون کھول جاتا تھا۔

"میری پرمیشن کے بغیر آپ نے اسے بھیج دیا اگر جانا ضروری تھا تو پاپا اسے لے جاتے۔" عمر نے غصے پر قابو رکھتے

ہوئے پاپا کی طرف دیکھ کر کہا۔
پاپا ایزی چیئر پر بیٹھے کسی کتاب کو عزت بخش رہے تھے' اس کی بات پر پاپا نے بک سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھا۔
''تمہیں تو پتا ہے مجھے سفر سے کتنی الجھن ہے' سمیر بھی اس کا بھائی ہی ہے۔ اس کی خالہ کا بیٹا اور کوئی غیر نہیں جو تم اتنا ہائپر ہو رہے ہو' حنا کا بھائی بیرون ملک ہے تو ان کا سرپرست سمیر ہی ہے۔'' انہوں نے وضاحت دی تو وہ جھنجلاتا ہوا اپنے کمرے میں بند ہو گیا تھا۔

❀......❀......❀

وہ سب ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے رات کا کھانا کھا رہے تھے' جب حنا کی آمد ہوئی۔
''السلام علیکم!'' حنا نے سب کو بلند آواز میں سلام کیا' مما نے اٹھ کر حنا کو گلے لگایا اس کے پاپا کی خیریت پوچھنے کے بعد سمیر کو بھی کھانے کی دعوت دی۔
''نہیں آنٹی پھر کبھی سہی مجھے بہت ضروری کام سے جانا تھا خالہ نے کہا کہ حنا کو گھر چھوڑ آؤ۔'' سمیر نے کھانے سے معذرت کی اور ہاتھ ہلاتا ہوا رخصت ہو گیا' سمیر کے جانے کے بعد اس نے عمر کی طرف دیکھا جو غصے سے تنے چہرے کے ساتھ ڈش سے چاول پلیٹ میں نکال رہا تھا۔
کھانا کھانے کے بعد حنا نے برتن سمیٹے اور پاپا کو چائے بنا کر دینے کے بعد اپنے روم میں آئی تو عمر صوفے پر بیٹھا آفس کی کوئی فائل دیکھ رہا تھا' حنا نے وضو کر کے جائے نماز بچھائی اور عشاء کی نماز پڑھنے لگی۔ نماز پڑھنے کے بعد لائٹ آف کر کے وہ بھی بیڈ کے ایک کنارے پر ٹک گئی' عمر نے اسے دیکھتے ہی کروٹ بدلی تو وہ خاموشی سے سوچوں کے بھنور میں کھو گئی۔

❀......❀......❀

''وہ مما کے لیے ملک شیک بنا رہی تھی۔'' اس لمحے فون کی گھنٹی بجی۔
''جی السلام علیکم!'' اس نے ریسیور اٹھایا۔
''کیسی ہو حنا؟'' صبا کی جوشیلی آواز سماعت سے ٹکرائی۔
''الحمدللہ تم سناؤ کیسے یاد کیا؟'' حنا نے پوچھا۔
''تمہیں تو پتا ہے میں خوشی میں سب سے پہلے تمہیں ہی یاد کرتی ہوں' سنڈے کو حسیب نے میری اور میرے پیارے حجاب کی سالگرہ منانے کا اہتمام کیا ہے۔ میں نے تو ٹائم کی مینجمنٹ بھی کر دی ہے کہ کیا کرنا ہے بس تمہیں یہ بتانے کے لیے فون کیا تھا کہ تم نے ضرور آنا ہے۔ تمہاری شمولیت بزم میں از حد ضروری ہے اور ہاں تمہاری امی اور بھابی سے بھی شرکت کرنے کے لیے کہا ہے ٹھیک اس سنڈے کو۔ میں کوئی بہانہ نہیں سنوں گی تمہارا آنا میرے لیے بہت بڑا گفٹ ہوگا۔ اُف میں تمہیں نہیں بتا سکتی میں کتنی کانشس ہو رہی ہوں' اچھا اس وقت میں جلدی میں ہوں حسیب بلا رہے ہیں پھر تفصیلی بات کروں گی۔'' صبا کی نان اسٹاپ چلتی گاڑی بند ہو چکی تھی۔ کال بند ہونے پر حنا ہاتھ میں ریسیور تھامے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔
''میں نے بھی کیا نہیں سوچا تھا شادی کے بعد حجاب کی انوکھے طریقے سے سالگرہ مناؤں گی' اپنی فرینڈز کو بھی انوائٹ کروں گی۔'' سوچوں میں الجھتی وہ کچن میں آئی جوس کا گلاس تھامے مما کی طرف گئی۔ مما کے روم میں پھوپو کو دیکھ کر حیرت ہوئی۔
''السلام علیکم! پھوپو۔'' اس نے ملک شیک کا گلاس مما کو تھما کر پھوپو کو سلام کیا۔ پھوپو نے بڑی گرم جوشی سے اس کا ہاتھ چوم کر اپنے پاس بٹھایا۔
''اور سناؤ اتنی سادہ سی کیوں رہتی ہو بن سنور کر رہا کرو۔ تمہیں تو پتا ہے میرے عمر کو ہنستی مسکراتی لڑکیاں اچھی لگتی ہیں۔''
''میں بھی حنا سے یہی کہتی ہوں۔'' مما نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ ''ماشاءاللہ بہت خدمت کرتی ہے تمہاری بہت اچھی بچی ہے اب مجھے پتا چلا تمہاری نظر انتخاب حنا پر کیوں اٹکا ورنہ وہ زینب اور حرم تو مرتی تھیں میرے عمر پر۔ وہ میرے عمر کو حاصل کرنے کے لیے کیا کیا نہیں کرنا چاہتی تھیں' شکر ہے بھابی آپ کا فیصلہ کامیاب ٹھہرا۔'' پھوپو نے بات جاری رکھی' حنا کے دل کو کچھ ہوا تو کیا عمر...... نہیں اگر وہ کسی کو پسند کرتا ہوتا تو مجھ سے کیوں شادی کرتا۔ حنا نے اپنی سوچوں کو جھٹکا اور مسکراتے ہوئے پوچھا۔ ''تو پھوپو پھر عمر نے کیوں ان سے شادی نہیں کی۔''
''بس بیٹا قسمت کی بات ہے تم پوچھ کر مجھے بھی جواب دے دینا۔'' ایک مسکراہٹ ہونٹوں پر سجاتے ہوئے وہ بولی اور ساتھ ہی مما سے استفسار کرنے لگیں۔
''یہ بھائی صاحب کہاں ہیں؟''

''اپنے ایک دوست کی طرف گئے ہیں۔'' انہوں نے حنا کی طرف دیکھ کر جواب دیا جو پریشان صورت بنائے اپنی سوچوں میں کھوئی ہوئی تھی شاید اس کی چھوٹی سی عقل میں پھوپو کی باتوں کی صداقت پوری طرح سماگئی تھی۔ مما نے اپنی نند کو دیکھا جس کا مشغلہ جاری تھا۔

''ان کے جانے کے بعد میں حنا کو سمجھالوں گی کہ ایسا کچھ نہیں ہے جیسا یہ کہہ رہی تھی یقیناً حنا سمجھ جائے گی۔'' ان کی فطرت سے حنا ناواقف ہے انہوں نے سرد آہ خارج کی اور حنا کو چائے لانے کے لیے کہا۔

دروازے کے پاس کھڑے عمر کے وجود نے جلدی سے حرکت کی وہ ایک ضروری فائل لینے کے لیے آیا تھا لیکن پھوپو کی باتوں سے اسے حیرانگی ہوئی اور وہ سننے پر مجبور ہوگیا وہ پھوپو سے پوچھنا چاہتا تھا کہ وہ ایسا کیوں کہہ رہی ہیں لیکن مصلحتاً خاموش ہوگیا کیونکہ وہ پاپا کی بہن تھیں اگر وہ ناراض ہوکر چلی جاتیں تو بابا کو دکھ ہوتا وہ جیسے آیا تھا ایسے ہی خاموشی سے چلا گیا۔

❁ ❁ ❁

وہ حجاب ڈائجسٹ کھولے نائلہ طارق کا ناول پڑھنے میں محو تھی جب وہ کمرے میں آیا۔ کن اکھیوں سے اسے دیکھا اور پھر ناول میں گم ہوگئی۔

''اوہ پلیز...... لائٹ آف کردو مجھے سونا ہے اور صبح پھوپو کیا کہہ رہی تھیں۔'' اسے اٹھتا دیکھ کر اس نے بے قراری سے پوچھا آفس میں وہ بھی الجھا الجھا سا اس بارے میں سوچ رہا تھا۔

''جو بھی کہا ہو آپ کو اس سے کیا۔'' وہ بھی بھری بیٹھی تھی؛ اسے ایسے جواب کی توقع نہیں تھی۔

''بتاؤ ناں کیا کہہ رہی تھیں پھوپو؟'' وہ پھر سے گویا ہوا۔

''کیوں بتاؤں آپ کو کیا تکلیف ہے؟'' اس نے غصے سے جواب دیا لیکن دوسرا لمحہ قیامت کا آیا تھا' عمر علی کا ہاتھ اٹھا اور زناٹے دار تھپڑ سے اس کے گال پر نشان چھوڑ گیا وہ گال پر ہاتھ رکھے پھٹی پھٹی آنکھوں سے پہلے اسے بے یقین نظروں سے دیکھتی رہی دوسرے ہی پل اس کے دونوں ہاتھوں کو کلائیوں سے تھام کر اپنے گالوں تک لائی۔

''ماریں ماریں نہ مجھے...... رک کیوں گئے۔ ایک ہی بار ماردیں آپ کی بے رخی مجھے پل پل مارتی ہے اگر میں اتنی ہی بری لگتی تھی تو کیوں کی مجھ سے شادی اگر اپنی زینب اور حرم کو اتنا ہی پسند کرتے تھے تو پھر کیوں نہیں کی ان سے شادی ہاں بتائیں ناں۔'' حنا نے زور زور سے چلاتے ہوئے کہا۔ اس نے اپنی مٹھیوں کو بھینچ کر اپنے ہاتھ اس کے گالوں سے دور کیے۔

''اگر مجھے یہ پسند ہوتیں ناں تو میں ان سے ہی شادی کرتا تمہاری طرح منافقت کرنا مجھے نہیں آتی۔''

''اچھا کون سی منافقت کی ہے میں نے؟'' جواباً اسی کے انداز میں پوچھا۔

''جب سمیر تمہیں اچھا لگتا تھا تم اسے اتنا ہی پسند کرتی تھی تو پھر تم نے کیوں نہیں کی اس سے شادی ہاں بتاؤ مجھے بھی تم۔ کیوں کہ وہ اسٹیٹس میں ہم سے کم تھا اس لیے ناں۔'' اس کی گلاب جیسی دہکتی رنگت میں زردیاں گھل گئیں اس کا نازک دلفریب سراپا بری طرح کانپ رہا تھا' کانپتے ہوئے وہ ایک بار پھر زور سے چلائی۔

''شیم آن یو مسٹر عمر...... یہ بات کرتے ہوئے تم ایک بار تو سوچ لیتے میرا اس سے رشتہ کیا ہے؟ بھائی ہے وہ میرا...... رضاعی بھائی' جب سمیر دو ماہ کا تھا تو خالہ بہت بیمار تھی تو خالہ نے سمیر کی ذمہ داری امی کو سونپ دی تھی۔ اب میں بھی سمیر کو دیکھتے ہی آپ کے چہرے کا رنگ کیوں بدل جاتا ہے۔'' وہ روتے ہوئے بیڈ کا سہارا لے کر نیچے بیٹھتی چلی گئی۔ مارے شرمندگی کے عمر کے حواس گم اور دل بند ہونے لگا' زور سے دروازہ دھکیل کے وہ کچن میں چلا آیا' جلدی جلدی گلاس میں پانی انڈیل کے غٹاغٹ پیا۔ اسے پھوپو کے وہ الفاظ یاد آگئے جو کسی خنجر کی طرح دل میں پیوست ہوگئے تھے جسے نا چاہتے ہوئے وہ فراموش نہ کرسکا۔ کیوں پھوپو نے اس کی ازدواجی زندگی میں آگ لگائی وہ تو اسے ہمیشہ اپنا بیٹا کہتی تھی تو کیا پھوپو اپنی بیٹی کی شادی مجھ سے کروانا چاہتی تھیں اس لیے انہوں نے مجھ سے کہا کہ حنا سمیر کو پسند کرتی تھی تاکہ میں بدگمان ہوکر اسے چھوڑ دوں اگر مما پاپا کو پتا تھا۔

''سمیر حنا کا رضاعی بھائی ہے تو پھوپو کو بھی تو معلوم ہوگا۔'' پھوپو ہوتے ہوئے بھی میری زندگی کے رنگ کو زنگ لگانے کی کوشش کی۔

''اُف اپنے اتنا درد دیتے ہیں۔'' اس کی آنکھوں سے پردہ ہی نہیں ہٹا تھا' دل پر پڑا بوجھ بھی سرک گیا تھا۔ ''معلوم

نہیں میں کیوں اس قدر سفاک بن گیا' کیوں حنا سے دور ہونے کی کوشش کی' کیوں حسین لمحے برباد کیے' کیوں؟" ایک اداسی ایک درد روح میں سرایت کر گیا' وہ پشیمان سا بے اختیار حنا کے پاس آیا جو روتے ہوئے اپنی محبت کا اقرار کر رہی تھی۔

"میں نے محبت کے قلم سے اپنے دل کے صاف و شفاف کاغذ پر صرف آپ کا نام لکھا ہے اگر آپ کو مجھ پر شک تھا تو ایک بار تو مجھ سے تصدیق کرتے۔" روئی مضمحل اداس و دلگیر سی حنا کے قریب وہ دوزانوں بیٹھ گیا۔

"اور اگر میں کہوں اس خاکسار کو معاف کردو تو کیا معاف کردو گی' پتا ہے' مجھے اتنی شرمندگی و ندامت ہو رہی ہے کہ مجھے تم سے نظریں ملانے کی بھی ہمت نہیں ہو رہی۔ میں گزرے وقت کو تو نہیں واپس لاسکتا لیکن یہ وعدہ ضرور کرتا ہوں کہ تمہیں اتنا خوش رکھوں گا کہ تم گزرے وقت کو بھول جاؤ گی میں اپنے سلوک کی معافی مانگتا ہوں پلیز معاف کردو پہلی اور آخری بار۔" اس کا لب ولہجہ ندامت سے بوجھل تھا افسردہ و شکستہ کان پکڑے کھڑا تھا۔ حنا کی ہنسی چھوٹ گئی اس کی مسکین سی شکل دیکھ کر اسے ہنستے دیکھ کر عمر نے اپنی بے قراری پر قابو پا کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ حنا کی دھڑکنیں تیزی سے منتشر ہونے لگیں۔

"معاف کردوں گی بشرطیکہ....." حنا نے تھوڑا وقفہ دے کر عمر کی طرف دیکھا۔

"مجھے ہر شرط منظور ہے' بتاؤ کیا شرط ہے۔" عمر نے جلدی سے پوچھا۔

"آپ مجھے آنچل وحجاب لا کر دیا کریں گے اور میرے خط بھی پوسٹ کروایا کریں گے اور.....اور یہ کہ حجاب کی سالگرہ بھی ہے وہ بھی منائیں گے تو میں نے معاف کیا آپ کو۔" وہ بے ربط سی بولتی بچوں کی طرح منہ بنائے بول رہی تھی۔

"بس اتنی سی بات۔" وہ اس کی بچکانہ باتوں پر دل کھول کے ہنسا تو اس کی موی انگلیوں میں اپنی مضبوط انگلیاں پھنسا کر اسے مزید خود سے قریب کیا میں نے سمجھا تھا خاصی کڑی شرط رکھو گیا۔

"سوچ کر بتاؤں گی اب میں حنا اشرف کی طرح حاضر جواب تھوڑی ہوں میں تو حنا عمر علی ہوں۔"

"سوچ لو کل کو اگر کسی اور نے میرے بارے....."

"کہوں گی مجھے پروا نہیں کون میرے شوہر کو چاہتا ہے۔ میں خوشیوں کے اسی جہان میں خوش ہوں کہ وہ مجھے چاہتے ہیں۔" حنا نے اپنے ہاتھوں کو اس کی گرفت سے نکالتے ہوئے جھٹ جواب دیا۔

"بھئی ویری گڈ.....تم تو بہت سیانی ہوگئی ہو اور یہ حنا اشرف کون ہے؟" عمر نے ممنون ہوتے ہوئے پوچھا۔

"یہ بھی بنت سحر کی طرح رائٹر ہیں۔" حنا نے اسے ایسے جواب دیا جیسے وہ اسے جانتا ہو۔

"اچھا تو اب یہ کون ہے؟"

"یہ بالکل حرا قریشی کی طرح لکھتی ہیں آئی سمجھ۔"

"اُف محترمہ.....اب مجھے کیا پتا حرا قریشی کون ہیں؟"

"یہ بھی نامور رائٹر بالکل صباء عیشل' فاخرہ گل' سباس گل' نگہت سیما' نازیہ کنول' سمیرا شریف طور' شبینہ گل' نزہت جبین ضیاء' فرح طاہر' اقرا صغیر' حمیرا نوشین' سعدیہ امل کاشف' عفت سحر طاہر' سمیرا حمید' نعیقہ ملک' راشدہ علی' عرشیہ ہاشمی' سمیرا غزل صدیقی' صوفیہ ملک ان سب رائٹر کی طرح ہیں۔"

"تو اتنی ساری رائٹر کو پڑھتی ہو تم۔" عمر علی نے جیسے ہار مانتے ہوئے پوچھا۔

"ارے یہ تو چند ہیں ان کے علاوہ ام ثمامہ' راشدہ رفعت' مدیحہ کنول' نورین مسکان' ثمینہ فیاض اور....." عمر کا منہ کھلتے دیکھ کر اس نے اپنی زبان کو بریک لگائی تھی۔

"اچھا جب حجاب کی سالگرہ مناؤں گی ناں تو پھر آپ کو بتاؤں گی اس بارے میں۔"

"اتنی محبت کرتی ہو ان ڈائجسٹ سے اور ہر رائٹر سے۔" عمر نے جیسے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں کیوں کہ ان ڈائجسٹ سے میں نے سیکھا زندگی کو کیسے جینا ہے اور ان رائٹر کی تحریروں کی بدولت میں نے جانا کہ ایک برے شوہر کے ساتھ کیسے گزارا کیا جائے۔" حنا نے ہاتھ چھڑاتے ہوئے واش روم کے دروازے کے پاس رک کر شرارت سے کہا اور اندر گھس گئی۔

بدگمانی کے بادل چھٹ گئے تھے مطلع صاف ہوگیا تھا عمر نے چمکتی آنکھوں سے واش روم کے بند دروازے کو دیکھا اور کھلکھلا کر ہنس دیا۔

رات کے اندھیرے کی خاموشی میں اس کا گھر رنگ برنگی روشنیوں اور اس کا من خوشیوں سے بقعہ نور بنا ہوا تھا' نارنجی رنگ کے سوٹ میں اس کا نازک سراپا سنہری روپ حجاب کی

سالگرہ کی خوشی میں پھول کی طرح کھلا ہوا تھا۔ اسے خوش ہوتا دیکھ کر مما بڑی خوشی ہو رہی تھی انہوں نے دل ہی دل میں اپنے بچوں کی خوشیوں کے لیے دعا کی۔ وہ مما کے روم میں بیٹھی ان سے گفتگو میں مصروف تھی۔

''مما میری فرینڈز کا نمبر تو میری ڈائری میں محفوظ ہے واقعی سمیرا سوانی' صوفیہ' ماریہ' بشریٰ' شاہ' طیبہ یوسف' افشان علی' کائنات' ارم ناز' رابعہ کنول' رمشہ مختیار' صبیحہ دلدار' نوشین اشرف' گل بہار' ریحانہ راشدہ' فائزہ منور' نصرت سجاد' عیقہ عبدالستار' کومل' رومانہ اور فائزہ زیب سب کے نمبر ایڈ تھے۔ آنچل فرینڈز میں طاہرہ منور' عنزہ یونس' اقرا کیاقت' کوثر خالد' ملالہ اسلم' فوزیہ ثمر بٹ' عروسہ شہوار' تحریم اکرم' نگین شہزادی' انشال چدھڑ' ماریہ کنول' ثناء رسول' شہزارہ شبیر' مدیحہ نورین' مارخ سیال' ہاجرہ کشف' فائزہ بھٹی' کرن شہزادی' سمعیہ کنول' زیبا حسن اور حسینہ ایچ ایس کے نمبر باآسانی مل گئے تھے۔'' وہ پرجوش سی خوشی خوشی مما کو بتا رہی تھی' مما نے ہی اسے مشورہ دیا تھا کہ سالگرہ اور قرآن خوانی کے لیے ایک ہی دن رکھ لو دعا بھی کروالینا اور پھر سالگرہ کا کیک بھی کھلا دینا یوں دعا بھی ہوجائے گی اور سالگرہ حجاب پر خوشی بھی ہوجائے گی۔ اس نے مما کے مشورہ کو دل سے سراہا تھا۔

''لو جی بیٹا سارا سامان آ گیا۔'' پاپا نے آ کر اطلاع دی تو وہ خوشی خوشی کچن میں آئی اور سامان دیکھنے لگی۔

''واؤ کیک پر ہیپی برتھ ڈے ٹو یو حجاب......'' بہت خوب صورت انداز میں لکھا ہوا تھا اس نے کچن میں سب سامان احتیاط سے رکھا اور جلدی سے فون پر صبا کو مطلع کیا اس کی حیرانگی کو محسوس کرتے ہوئے اس کے لب خود بخود مسکرا رہے تھے وہ اندر آئی تو عمر کے ہاتھ میں حجاب کا تازہ شمارہ دیکھ کر حیران ہوئی۔ عمر اس کی طرف آیا اور حجاب اس کی سمت بڑھا کر کہا۔

''اپنی پیاری سی بیگم کے لیے میری طرف سے پیارا سا گفٹ۔'' اور ساتھ ہی خوب صورت رنگ برنگی چوڑیاں حنا کی کلائی تھام کر اسے پہنانے لگا۔

''دیکھو تو اس ماڈل نے بھی پہنی ہوئی ہیں۔'' اس نے حجاب کے ٹائٹل کو دیکھ کر کہا' حنا انوکھی کیفیت کے حصار میں مقید تھی۔ حجاب ڈائجسٹ لے کر ٹیبل پر رکھا اور بیڈ کی دراز سے آنچل بھی نکال کر حجاب کے ساتھ جوڑ دیا۔ دونوں کو ساتھ دیکھ کر مسکراتے ہوئے اپنی ڈائری سے قیصر آپا کا نمبر ڈھونڈنے لگی نمبر ملتے ہی خوشی سے باہر ٹیلی فون کی جانب بھاگی۔

عمر آئینہ کے سامنے کھڑا اسے دیکھ رہا تھا تھوڑی دیر بعد وہ مضحمل سی آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے اندر آئی۔

''کیا ہوا منہ کیوں لٹکا ہوا ہے؟'' عمر نے حیرانگی سے پوچھا۔

''وہ سعیدہ آپا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے ناں تو قیصر آپا نے معذرت کرلی۔''

''ہوں' اچھا اب اداسی دور کرو صبح حجاب کی سالگرہ کے ساتھ قرآن خوانی بھی ہے تم سعیدہ آپا کے لیے دعائے شفا بھی کروا دینا اور رانی جو ہی آپی' شہلا آپی وغیرہ کو بھی......''

''ہاں ویری گڈ، تھینک یو سوچ' یہ خیال مجھے نہیں آیا۔ شمائلہ آپی' جویریہ آپی' طلعت' روبین' خدیجہ' حدیقہ' ہما احمد' میمونہ رومان' سمیہ عثمان' نادیہ فاطمہ رضوی اور زہرہ جبین سب آپیوں کو انگلیوں پر گنتے ہوئے وہ ایک بار پھر خوشی سے ٹیلی فون کی طرف بھاگی۔ عمر مسکراتے ہوئے اسے دیکھتا رہا' تھوڑی دیر میں خوشی سے بھرپور اس کا قہقہہ گونجنے سے کمرے میں چہار سو خوشی رقص کرنے لگی یقیناً انہوں نے ہامی بھرلی تھی۔ ٹیبل پر سجا حجاب اور اس کے پہلو میں کھڑا مسکراتا آنچل دونوں باہم سرگوشیاں کرنے لگے اور اس خوشی پر باہر چاند نے بھی کھڑکی سے جھانک کر مبارک بادی اور ساتھ ہی اپنی پُرنور چاندنی سے روم کو سجا کر گنگنایا تھا۔

ہیپی برتھ ڈے ٹو یو حجاب
رات کے حسین لمحے اور خاموش نظارے
پھول خوشبو' چاند اور ستارے
دیکھو صبح کے انتظار میں خوش ہیں سارے
بے تاب ہیں تجھ سے یہ کہنے کو میرے پیارے
ہیپی برتھ ڈے ٹو یو حجاب ہیپی برتھ ڈے ٹو یو حجاب

میرے بابا

حرا قریشی

ایس ڈبلیو اسکاٹ کے الفاظ میں۔ ''جذبہ حب الوطنی سے محروم آدمی ایسے شخص کی طرح ہے جو وہاں رہتا تو ہے پر اس شخص کی روح اتنی مردہ ہوتی ہے کہ اس نے خود سے کبھی بھی نہیں کہا کہ یہ میرا اپنا آبائی وطن ہے۔''

اماں بی چلی گئیں بحکم الٰہی آسمان پر لمبے سفر کے لیے جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا اس وقت جب میں ابھی چھوٹا سا ہی تھا' بمشکل چار برس۔ بچپن میں تو ابا جی بتایا کرتے تھے کہ ایک ایسا ملک تھا پاکستان جس کے باشندے اسلامی اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرتے تھے۔ میں نے پوچھا تھا۔

''یہ ہمیں کیسے ملا؟'' تو ان کے جھریوں زدہ چہرے پر کبھی نرمی وملائمت کے تاثرات تو کبھی آنکھوں میں جل بے کراں امنڈ امنڈ کر آنے لگتا۔ میں محو حیرت مکمل انہماک سے ان کو ایک اچھے سامع کی طرح سنتا رہتا وہ بتاتے۔

''یہ پاک وطن ایسے ہی ہماری جاگیر نہیں بنا اس کے لیے کئی ''عظیم لوگوں'' نے اپنا لہو دان کیا ہے۔'' میں ''عظیم لوگوں'' پر ٹھٹک جاتا محو حیرت سے پوچھتا۔

''یہ عظیم لوگ کون ہوتے ہیں...... اور وہ عظیم کیسے بنتے ہیں؟ میں بھی عظیم بنوں گا۔ پاکستان میں عظیموں کو تلاش کروں گا' ان سے برکت حاصل کروں گا۔'' بابا بھی خوب جانتے تھے کہ اپنے لاڈلے واصب کی فکر کے پہلوؤں کے تانے بانوں کو کیسے حل کرنا ہے' سو وہ یہ کام بخوبی بہت احسن طریقے سے بروئے کار لایا کرتے تھے۔ میرے بابا یعنی ابا جی ایکا ایکی سوالوں کی بوچھاڑ پر مسکرادیتے۔ باوقار سفید داڑھی تلے ہونٹوں پر تبسم قدرے بھلا معلوم ہوتا' فرماتے۔

''جو زیادہ سوال کرتا ہے نا وہ زیادہ سیکھتا ہے بالکل اس قوی مرد کی طرح جو زیادہ محنت کرتا زندگی بھر کے لیے آسانیوں کا سودا کرلیتا ہے۔ تمہارے اندر قائد (میرے بابا) کی سی ذہانت لگتی ہے مجھے۔'' پھر میری حالت ناسمجھی والی ہوجاتی کہ یہ پچھلے سوال تو حل نہیں ہوئے اب یہ لفظ ''قائد'' کہاں سے آگیا۔

''ابا جی اب یہ قائد......؟'' میں معصومیت سے اپنا اگلا سوال رکھ کر خاموش ہوجاتا۔ وہ میری باتیں سن کر متاثر ہوتے اور جوابات کی طرف آتے اور بڑے مسحور کن انداز میں ٹھہر ٹھہر کر سلسلہ کلام جاری رکھتے۔

''میرے بچے...... میں بات ''بابائے قوم'' سے شروع کرتا ہوں یعنی کے قائد...... قائد وہ عظیم راہبر تھے جنہوں نے ہمیں غلامی سے نجات دلائی۔ قائداعظم محمد علی جناح ایک راجپوت خاندان کے چشم و چراغ تھے آپ کا آبائی وطن پنجاب تھا۔ آپ کے والد کا نام جناح پونجا تھا' جناح پونجا چونکہ چھریرے بدن اور چھوٹے قد کے تھے سو جنا کہلاتے تھے جو بعد میں جناح پونجا کے نام سے معروف ہوئے۔ والدہ شیریں بی بی تھیں جو مٹھی بائی کے نام سے جانی پہچانی جاتی تھیں' محمد علی کی پیدائش بروز پیر 25 دسمبر 1876ء کو چھاگلہ اسٹریٹ رئے مکان میں ہوئی۔'' واصب مشکل الفاظ پر برے برے منہ بناتا' اپنی باڈی کے ٹیمپچر زیدلتا' پوچھنے کے لیے لب کھولنے لگتا تو بابا منہ پر انگلی رکھ کر چپ رہنے کا اشارہ کرتے۔ ''مری بات ختم ہونے دو' صبر کا دامن تھامے رہو' بطور ثمر تم خود مشکل الفاظ ڈھونڈنے کے قابل ہوجاؤ گے۔'' پس دوران گفتگو وہ رقت نوٹ کرنے لگا تھا۔ ''خاندانی روایات کے مطابق آپ کے ماموں قاسم موسیٰ نے آپ کا نام ''محمد علی'' رکھا۔ جناح پونجا کے گھرانے میں یہ پہلا موقع تھا کہ خالص اسلامی نام رکھنے کی ابتداء ہوئی اگرچہ جناح پونجا خود اپنے نام کو اسلامی رنگ دے چکے تھے۔ محمد علی کے بعد ان کے تین اور بھائی اور چار بہنیں پیدا ہوئی تھیں۔'' بات کے اختتام پر انہوں نے پاکٹ سائز اردو کی لغت نہ صرف سات سالہ واصب کو دے دی بلکہ اسے لغت کو استعمال کرنے کی انتہائی آسان تجویز اور حکمت عملی بھی بتائی تھی۔ اب کی دفعہ واصب نے منہ نہ بنایا بلکہ خوشی خوشی اس کام کو سیکھا تھا اور پھر کئی لفظوں کے معانی ڈھونڈ بھی نکالے' اب ایک بار پھر وہ عظیم لوگوں کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔

''جانتے ہو واصب' قائد ہی وہ شخص تھے جنہوں نے

ہمیں ایک ایسا آزاد ملک دیا جہاں ہم اپنی مرضی اور اصول وقواعد کے مطابق زندگی گزار رہے ہیں اور آزاد ملک کو حاصل کرتے ہوئے جن لوگوں نے اپنی جان و مال کی پروانہ کی اور قائد کا ساتھ دیا وہ عظیم لوگ تھے۔''
اس سے قبل کہ میں ان کی بات سننے کے بعد مزید کچھ پوچھتا وہ مزید گہرائی میں جا کر مفہوم واضح کرنے لگتے۔

''دوڑ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تُو''

''جانتے ہو واصب' قائد ہمارے قومی راہنما ہیں جنہوں نے ہمیں بصورت آزاد سرزمیں کے پاکستان دیا اور مسٹر گاندھی جو ہندوؤں کے لیڈر تھے اور رسم ورواج میں ہمارے بالکل متضاد تھے۔ میں زیادہ تفصیل میں نہیں جاؤں گا' تمہیں ایک پیاری سی بات بتاتا ہوں اپنے فادر کی (اباجی اکثر ہی قائد کو بڑے جذب سے فادر کہا کرتے تھے) ان کے لفظ حرارت کا سا کام کرتے تھے قائد مقابل کو بڑے قابل تحسین انداز میں لاجواب کردیا کرتے تھے۔'' انہوں نے کچھ دیر توقف کیا اور پھر بولے۔ ''ایک مرتبہ جب مسٹر گاندھی جی کے ساتھ وہ وائس سرائے ہند سے ملنے جارہے تھے' راستے میں لوگوں کا ہجوم اکٹھا ہوگیا اور ''قائداعظم زندہ باد'' اور ''پاکستان زندہ باد'' کے نعرے لگانے لگا' گاندھی جی نے مسٹر جناح سے پوچھا۔

''کشتی پہنچ رہی تھی سر ساحل مراد
دیتے تھے داد ہم اسے کہہ کہہ کے زندہ باد
نعروں کا شور حوصلہ بپا لیے ہوئے
وہ جانتا تھا ہم میں بہت سے ہیں کام چور
اس کی نگاہ میں تھا ہماری زباں کا زور
وہ دل میں تھا حساب ہمارے لیے ہوئے

کہ مجھے آج تک پاکستان کے مطلب کی سمجھ نہیں آئی' اسی اثناء میں ہجوم میں موجود ایک آٹھ نو سالہ بچے نے پرجوش انداز میں نعرہ لگایا ''پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الااللہ'' قائداعظم نے گاندھی جی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''مسٹر گاندھی میرے خیال میں آپ کا علم اس معصوم بچے سے زیادہ ہونا چاہیے تھا۔'' میں ان کی بات سن کر ہلکا سا مسکرادیا اور انہوں نے پھر سے سلسلہ کلام آگے بڑھادیا' بولے۔

''تمہیں معلوم ہے کہ ڈاکٹر ریاض علی شاہ جو قائد کے معالج تھے ان کا کہنا ہے کہ بیماری کے باوجود ہر روز صبح شیو بنواتے' صبح ساڑھے چھ بجے چائے پیتے' ہم نے اصرار کیا کہ اگر آپ سوئے ہوئے ہوں تو بہتر ہے کہ آپ کو اٹھایا نہ جائے کیونکہ آپ کے لیے نیند اور آرام اشد ضروری ہے تو مسکرا کر کہنے لگے ''صحت کے لیے زندگی بھر کے اصول تو ترک نہیں کیے جاسکتے۔'' جب وہ اپنی بات ختم کرلیتے تو آنکھیں موند لیتے' گویا پاکستان بننے کے دور میں واپس چلے گئے ہوں اور یہ اس بات کا اشارہ ہوتا کہ اب مزید مداخلت کی اجازت نہیں۔

بہرحال میں جیسے جیسے بڑا ہوتا گیا قائد کے ساتھ ساتھ مجھ پر بھی اپنے اباجی کی زیست کے اسرار منکشف ہوتے گئے انہوں نے اپنی زندگی میں قائد کے بہت سے اصولوں کو اوڑھنا بچھونا بنایا ہوا تھا' وہ اکثر نم لہجے میں مجھ سے مخاطب ہوتے۔

''واصب (پیار سے اکثر واصی کہتے) یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم انگریزوں کے خلاف مقدمات دائر کریں' غداروں کو قتل کریں' ہم اپنے مقاصد کو احسن طریقے سے پورا کرکے بھی ملک کو بہت کچھ دے سکتے ہیں اگر آپ ڈاکٹر ہیں تو' اگر آپ استاد ہیں تو' اگر انجینئر ہیں تو' دھوکہ دہی کو نہ اپنائیں بس ایمان داری سے اپنے فرائض نبھاتے جائیں۔ آزاد ہونے کا حق ادا کریں' نپولین کہتا تھا آزادی ایک ایسا جزیرہ ہے جس کا کوئی ساحل نہیں ہوتا' بس ہمیں اس جزیرے کی حفاظت کرنی ہے جیسے اس کا حق ہے پھر یہ ملک ازخود تنزلی سے ترقی کی جانب گامزن ہوجائے گا' وہ اہل پاکستان جس نے قریب قریب صفر سے کام شروع کیا تھا۔ قائد نے اس ملک پر سے سوسال کی غلامی کے اثرات اور پسماندگی کے داغ مٹائے تھے۔ واصی' دراصل پاکستان کا حصول مقصد نہیں وسیلہ تھا' جن کے توسط ہماری محرومیوں کا ازالہ ممکن ہونا تھا۔''

''یوں تو نحیف و نزار تھا مگر اس نے
غیر کے ہر عزم کو تباہ کیا تھا
کیسے نہ ملتی ہمیں یہ مملکت پاک

کام بھی تو اس نے بے پناہ کیا تھا

میں بڑا ہو گیا تھا حتیٰ کہ ان کے قد کے برابر آتا اگر کھڑا ہوتا لیکن اب بھی ان کے ہر ہر حکم پر تابعداری سے گردن ہلا دیتا گویا میرے تحکم تاثیر میں بھی کوئی قائد اندر ہی اندر نمو پانے لگا تھا۔ علی الصبح اٹھتے تو سب سے پہلے کلمے کی ادائیگی' نماز' تلاوت اور پھر اپنے گھر کے بیرونی احاطے میں بنے چھوٹے سے دفتر جاتے وہاں قائد کے پورٹریٹ کو اس طرح دیکھتے گویا ان کی آنکھوں میں اندر تک جا اتریں گے انہیں سلیوٹ کرتے اور پھر دوسرے امور کی تیاری۔ میرے ابا جی اپنے وقتوں کے روزنامہ اخبار ''وقت'' کے ایڈیٹر تھے جب ریٹائرڈ ہوئے تو بھی فراغت کو اپنی ڈکشنری سے نکال دیا۔ ساری زندگی قائد کے مقولے' کام' کام اور کام کی پیروی کرنا ضروری سمجھتے۔

دوپہر کے مختصر اوقات میں قیلولہ کرتے اور پھر آرٹیکلز لکھتے' ان کے لفظوں سے حب الوطنی کی چاشنی پھوٹتی تھی' میں جب سیکنڈ ائیر میں آیا (ابا جی کے کہنے پر ڈاکٹری کے شعبے کا انتخاب کیا) تو ابا نے ''میں کیا اقبال کا شاہین ہوں؟'' کے موضوع پر اتنی پرکشش مجذوب کرنے والی تقریر مجھے لکھ کر دی کہ جب میں نے کی تو حاضرین تو حاضرین' جج صاحبان کی آنکھوں میں بھی پانی اتر آیا۔ اصل میں یہ اس محبت اور عقیدت ہی کا اثر تھا جو میری رگوں میں میرے باپا نے لہو کی طرح سرایت کر دیا تھا۔

ہماری نسلوں کے آنگنوں میں اسی کی خوشبو کی رنگتیں ہیں۔

اسی کی خواہش کی حدتیں ہیں
جو وہ نہ ہوتا' تو ہم نہ ہوتے
ہماری میراث جان نہ ہوتی
سفال مزد میں رس نہ ہوتا
نشاط صبح اماں نہ ہوتی
ہمارے قائد
ہماری روحوں نے تیری شعلہ ذکاوتوں سے حیات پائی
مراد پائی' حلاوت شش جہات پائی......

اول انعام کے حق دار واصب کو سند اور ٹرافی سمیت ابا جی نے اپنے شانے کے ساتھ لگایا' داد طلب تھپکی دی۔ میرے دونوں کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر اپنے سامنے کھڑا کیا اور بولے۔

''قائد کو تم جیسے ہی نوجوانوں کی ضرورت تھی' تم ان کے اصول لے لو اور قدم بہ قدم' شانہ بشانہ ان کے ساتھ چلتے جاؤ۔'' جب بھی بہت زیادہ خوش ہوتے تو اسی تقریر کا حوالہ دیتے۔ خوشی کا عنصر نمایاں ہوتا۔

''یار واصی! تم نے تو اس دن کمال کر دیا کیسے کیسے اسلامیان برصغیر کے مربی کی زندگی کے اوراق وا کیے کہ لوگ عش عش کر اٹھے۔'' میں دل ہی دل میں مجل سا تبسم بکھرائے کھڑا رہتا ان کے پرنور چہرے کی بلائیں لیتا رہتا کہ یہ سب کارہائے نمایاں بھی تو ان کی ذات کی ہی بدولت تھا اور پھر جب میں ابا جی کی کوشش سے اپنے ''دی فادر'' (قائد) کلینک کا انعقاد (جس کا افتتاح ابا جی کے ہی محنتی ہاتھوں سے ہوا تھا) اور اپنی میڈیکل کی ہف ٹریننگ مکمل کر رہا تھا۔

تو...... ملت کا آج قائد حرار مرگیا
تو...... کاش یہ وقت نہ آتا

پر براوقت کہاں بتا کر آتا ہے' سب ہی نے اپنا وقت پورا کر کے فنا ہونا ہے' لافانی بس ایک ذات ہے' جو اپنی شمشیر بے بنام اور نوک نساں سے تلخ حقائق لکھنے والا تھا' جو میرے جسم و جاں سے دل کی طرح جڑا تھا۔ جاتے جاتے میرے اندر بھی ایک ''قائد'' چھوڑ گیا' وہ اہل دانش جو تابدار ستاروں میں مثل آفتاب تھا ''قائد'' کی طرح' وہ مجھے جامع' مکمل کر کے بھی ادھورا چھوڑ گیا۔

تا ابد جلتے رہیں گے تیری یادوں کے چراغ

واصب کو اس لمحے اس گھڑی' اس وقت ''قائد'' کی حیات ارضی کے آخری لمحات والی باتیں یاد آئی تھیں۔ جو ابا جی اکثر بڑے جذب میں بتایا کرتے تھے۔

''واصی! میرے بابا (فادر) 11 ستمبر 1948ء کی شب کو دس بج کر پچیس منٹ پر ہم سے جدا ہوئے تھے' اناللہ و انا الیہ راجعون۔ یہ وہ فادر تھا جس کے لیے پاکستان اپنی اولاد' اپنے جسم و جان سے بڑھ کر تھا' اپنا آرام' مفاد' ضروریات کیا کیا نہیں نثار کیا تھا' فادر نے اس ملک کے لیے۔ جب پاکستان بن گیا تو بھی انہیں

اس کی بقاء ترقی جی جان سے عزیز ہوئی۔ جب زندگی موت کی کشمکش میں مبتلا تھے ان لمحات میں بھی اس کشتۂ قوم کی بے ہوشی میں جب چند سانسوں کا اضافہ ہوا تو اس عالم میں بے ساختہ زباں سے جاری ہوا۔

''اللہ! پاکستان ...... یہی والہانہ محبت اور جذبوں کی گرمی میں اپنے واصی کے اندر دیکھنا چاہتا ہوں۔''

جلد ہی آزادی کی صبح وارد ہونے والی تھی' چراگاہیں' جو سرسبز و شادابی اور وسائل معاشی کا ذریعہ ہیں' لہلہاتے بل کھاتے اشجار کی کوکھ میں پہاڑوں کو خوش آمدید کہنے کے لیے تیار ہو چکی تھیں۔ ان کی بالیاں ان کے کشادہ سینوں اور شانوں پر محو مست جھوم رہی تھیں میں (ابا جی کا واصی) بوجھل دل کے ساتھ اٹھا کہ یہی تو وہ دن تھا جب ایک قائد (میرے بابا) مجھے الوداع کہہ کر گیا تھا کبھی نہ ملنے کے لیے کہ جس نے میری ذات کے وہ ماضی کو جو ہر بھی میرے سامنے رکھ دیئے تھے جن سے میں خود بھی آگاہ نہ ہوسکا تھا اور یہ انقلاب جو میری ذات میں جبل ہمت بنا ہوا تھا یہ نشاۃ الثانیہ اسلام کے محرک محمد علی جناح ہی کی تو مرہون منت تھا۔ سارا دن میرا قائد مجھے یاد آتا رہا اور میں ''قائد'' کے پورٹریٹ کے سامنے آنسوؤں کا دریائے عمیق اندرون خانوں میں اتارتا رہا۔ اجالے نے جو ذرا تیرگی کا سامان کیا خود بخود قدم گھر سے باہر کی جانب اٹھ گئے۔

کشادہ گلی میں کچھ گھنٹوں قبل ہونے والی برسات کے آثار نمایاں تھے اور کئی سبز ہلالی پرچم کی جھنڈیاں زمیں پر محو استراحت اور اپنی بے حرمتی پر نوحہ کناں تھیں' عین اسی لمحے پھر وہ میرے سامنے (میرا قائد) آ کھڑا ہوا تھا' میں نے گھر کو ان سبز ہلالی پرچم نما جھنڈیوں سے مزین نہ کیا تھا لیکن اب میں دیوانہ وار ان کو اٹھاتا سینے سے لگاتا بوسے دینے لگا تھا۔ میرا لباس گرد سے اٹ گیا تھا لیکن میرا دل جذبہ حب الوطنی اوڑھے ہوا تھا' اس کا ظاہر و باطن روز روشن کی طرح عیاں تھا' تاریخ کے ناقابل فراموش اوراق پر۔

مجھے یہاں بھی اپنا قائد (میرے بابا) یاد آیا تھا' جو خالق پاکستان کے ساتھ کھڑا مسکرا رہا تھا جو دور افق کی جانب دیکھتے مستقبل کے معیار کے شانے ہولے سے تھپکتا کہہ رہا تھا۔

''تم نے آج جھنڈا نہیں لہرایا تو کیا ہوا' اصل عظمت کا اظہار تو تم نے راستے میں گرے جھنڈے اٹھا کر کیا ہے۔' میں اپنے دامن میں ڈھیر ساری جھنڈیاں لیے اٹھ کھڑا ہوا تھا شب کے اس پہر ویرانی میں ایک سات سالہ معصوم بچہ اس اونچے لمبے خوش پوش مرد کو جو ڈاکٹریٹ میں اعلیٰ منصب پر فائز تھا' کوسرنگوں بدن پر ہاتھ باندھے بڑے اشتیاق سے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا' پھر اس نے سمجھی اور نا سمجھی کے مدار میں اس کی حرکات و سکنات کا مطالعہ کیا تھا بس اس آزاد وطن کے آزاد باسیوں کے دلوں کے اندر سوئے ضمیر کو جگانے کی ضرورت تھی۔

''ضمیر سڑک پر لگے اس سائن بورڈ کی طرح ہے جو راستہ اور صحیح سمت تو بتاتا ہے مگر اس راہ پر چلنے کے لیے مجبور نہیں کرتا۔'' پھر سے میرے بابا میرے قائد میرے روبرو آ کھڑے ہوئے تھے جنہوں نے میرے ضمیر کو صحیح سمت کی جانب راغب کیا تھا۔ ہزاروں سلام اور ہزاروں بار شکریہ۔

میرے بابا میرے ''قائد'' کا......
آج میں جس منزل پر کھڑا ہوا
اس پر پیچھے مڑ کر دیکھوں
تو اک روشن موڑ پر اب بھی
وہ ہاتھوں میں
آنے والے دن کی جلتی مشعل تھامے
میری جانب دیکھ رہا ہے
جانے کیا وہ سوچ رہا ہے......!!

میں حجاب ہوں

نورالمشال شہزادی

"ارے سنو تو سہی۔"

"نہیں مجھے کچھ نہیں سننا۔" غصے سے حجاب کو دیوار پر دے مارا اور وہ منہ بنا کر بولنے لگی۔

"ہر مہینے ساٹھ روپے بھرو پورا مہینہ انتظار کرو حجاب آئے گا حجاب آئے گا...... ڈاک خانے کے جھمیلوں سے نبٹو، جاں گسل انتظار تو سولی پر لٹکاتا ہے۔ دیدے پھاڑ پھاڑ کے دیکھو ہمارا نام آیا ہوگا مگر مجال ہے جو ذرا سا ہمارا نام چھپ جائے حجاب میں۔ پتا نہیں حجاب کا معدہ اتنا کمزور کیوں ہے ہمارا نام اس کے حلق سے نیچے نہیں اترتا حالانکہ ہمارا نام اتنا ثقیل بھی نہیں ہے۔"

"شزرے بس ذرا سا او کھا۔" اس کی زبان سو کی اسپیڈ سے دوڑ رہی تھی حجاب کے خلاف، حال کا ٹو تو لہو والا ہوا تھا نام جو نہیں آیا تھا حجاب میں۔

"اچھا شزرے" حجاب نے اپنی صفائی دینے کے لیے منہ کھولا۔

"اتنی دیر سے تمہاری سن رہا تھا اب کچھ میری بھی سنو۔ میں حجاب ہوں آنچل کی سہیلی ہمجولی! تمہیں انتظار والی مشقت سے بچانے کے لیے میرا اجراء کیا گیا مگر میں کیا کروں کبھی تمہاری تحریر پہنچتی ہے تو میں اختتامی مراحل میں ہوتا ہوں۔ کبھی تمہاری تحریر چائے، بسکٹ، پانی اشیاء خورد نوش کی تمام چیزوں کے ذائقے سے مزین ہوتی، سوائے کام کی بات کے۔ مدیرہ کو تحریر کے ورق میں سوائے نمکو کی بساند کے کچھ نہیں ملتا اس لیے مجبوراً اسے ردی کی ٹوکری کی نذر کرتی ہیں لکھنا تمہیں افسانہ بھی نہیں آتا، بھیج تم پورے سو صفحات کا ناول دیتی ہو یہ تو پڑھنے والی کا دل گردہ جگرا ہے جو تمہاری ناقابل برداشت لفاظی کو صبر کے ساتھ ہضم کرتی ہے اور تمہیں جواب دیتی ہے۔ تحریر قابل اشاعت ہو تو جب بھی دو گھنٹے کا پیکیج لگاتی ہو اپنی خالہ، امی، باجی، بھابی کو فون کرنے کے بعد بچے ہوئے منٹس کو ادارہ حجاب میں فون کھڑکانا اپنا فرض سمجھتی ہو۔"

"میرا افسانہ کب شائع ہوگا وہ ناقابل اشاعت کیوں ہے اُسے اشاعت کے قابل بنایا جائے اگر یہ کہانی کسی نامور رائٹرز نے لکھتی ہوتی تو حجاب نے اپنے ماتھے پر جھومر کی طرح سجا لینی تھی۔ میں نے بھی تو ان کی تحریر لکھی، نہیں نہیں مطلب ہے کہ بڑے رائٹروں کی طرح لکھا ہے بس نام ہی تو بدلے ہیں کردار تو وہی لیے ہیں۔"

"شکوے شکایات کا نیا دفتر کھول کے بیٹھ جاتی ہو حالانکہ تمہیں پتا ہے کسی کی تحریر کو اپنے نام کا ٹیگ لگا کر بھیجنا جرم ہے میں (حجاب) بلیک لسٹ کر سکتا ہوں لیکن میری اعلیٰ ظرفی دیکھو میں پھر بھی تمہارے لیے حسن خیال، بزم سخن وغیرہ وغیرہ میں جگہ بنا لیتا ہوں حالانکہ تمہاری جگہ بنتی تو نہیں (بوجہ موٹاپا) ہاہاہا۔"

"شزرے! تم اسی پر اکتفا نہیں کرتی ہو بلکہ مجھے پڑھنے کے بعد اپنے چھوٹے بیٹے کے ہاتھوں میں دے دیتی ہو جو مجھے نہتا کشمیری سمجھ کر خوب ظلم و ستم کے پہاڑ توڑتا ہے پھر بھارتی رعونیت لیے میرے پھٹے ہوئے اعضاء اپنی بڑے بھیا کو دیتا ہے، جو جہاز بنا کر کشتیاں چلا کر اپنے دوستوں میں خوب داد وصول کرتا ہے۔ رہی سہی کسر تمہارے صحن میں کھڑی بکری پوری کر دیتی ہے، جو روہنگیا مسلمان سمجھ کر مجھے چبانا فخر سمجھتی ہے اور جس حجاب میں تمہارا نام آ جائے اُسے تم سینت سینت کے رکھتی ہو۔ کسی متاع کی طرح وہ بھی حجاب ہے جس میں نام نہ آیا وہ بھی حجاب ہے بلا آخر حجاب ہے آخر یہ ناانصافی کیوں؟ میری بھی آخر کوئی عزت ہے تمہارے رویے میں اتنا تضاد کیوں، کبھی تو مجھے الماری میں سجا دیتی ہوں، کبھی میرے صفحوں کے جہاز بنا کر اڑاتی ہو۔ مجھے بہت دکھ ہوتا ہے، تم خود غرض ہو، جن کے نام ہر ماہ آتے ہیں، وہ بھی تمہاری طرح ماضی میں ناتواں پود تھی اگر آج وہ ثمر دار ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ انہوں نے زمانے کی سختیاں (اشاعت کے مراحل) نہیں دیکھے ہیں بلکہ اب وہ بھٹی میں پک پک (لکھ لکھ) کے کندن بن چکی ہیں۔"

"شزرے! مجھے امید ہے تم میری بات سمجھ چکی ہوگی میری سالگرہ آ رہی ہے تیاری کر لو۔ منہ پھلا کے بیٹھنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ پچھلی مرتبہ تمہارا نام نہیں آیا تو کیا ہوا ہو سکتا ہے سالگرہ پر تمہارا کوئی افسانہ لگ جائے اور بغیر چاند کے تمہاری عید ہو جائے۔ میری طرف سے اپنا دل صاف کر لو میری بھی سو مجبوریاں ہوتی ہیں۔ معیار میری اولین ترجیح ہوتی ہے کہانی اصلاحی ہو گرفت مضبوط ہو انداز بیاں اسلوب منفرد ہو تو میں ضرور اپنے ماتھے پر جھومر کی طرح سجاؤں گا تمہارا افسانہ پیاری شزرے!"

"سچ......" اس نے بے یقینی کی کیفیت میں حجاب کو سینے سے لگایا اور محنت جاری رکھنے کا عزم خود سے کیا تھا۔ آخر ایک دن اس نے بھی نامور مصنفہ بننا تھا۔

وقت کا کام ہے گزر جانا

زعیمہ خان

میدان زندگی میں نہیں بیٹھنے سے کام
صرف گر پاؤں ٹوٹ جائیں یہاں سر کے بل چلو

تین حرف سے بنا یہ لفظ وقت کسی کا بھی وفادار نہیں ہوتا' اس کا اپنا کام ہے اس کا اپنا نام ہے۔ گزر جائے تو یاد کرتے ہیں' آنے والا ہو تو انتظار کرتے ہیں۔ خوشی میں ہوں تو دعا کرتے ہیں "اے کاش یہ وقت کبھی نہ گزرے" اور غم و دکھ میں ہوں تو دعا کرتے ہیں "اے کاش یہ وقت جلدی گزر جائے' ہمیں پتا بھی نہ چلے کہ...... "ہم پر برا وقت آیا تھا مگر یہ کسی کی بھی نہیں سنتا اس کا اپنا کام ہے گزرنا اور پھر گزر جانا۔

لفظ وقت سے وفا کی امید مت رکھو
اس کا کام ہے گزرنا اور پھر گزر ہی جانا

ہم سمجھتے ہیں ہمارے پاس ابھی بہت وقت ہے' غلط بالکل غلط کیا کبھی کسی قبرستان کے باہر یہ لکھا ہوا پڑھا ہے کہ "یہ جگہ بڑی عمر کے لوگوں کے لیے مخصوص ہے" ہمیں اپنا ہر قدم یہ سوچ کر اٹھانا چاہیے کہ ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔ اگر قائداعظم محمد علی جناح بانی پاکستان نے یہ سوچا ہوتا کہ ابھی وقت بہت ہے' کیا ضرورت ہے اتنی محنت کرکے راتوں کو جاگ جاگ کر الگ مملکت حاصل کرنے کی تو آج ہم ایک آزاد ملک میں نہ رہ رہے ہوتے۔ ہمارا سکھ چین سب کچھ چھن چکا ہوتا' برما کے مسلمانوں کی طرح اپنا سر' گردنیں اور ہاتھ پاؤں کٹوا کر ظلم کی عملی تصویر بنے ہوتے (اللہ معاف کرے) اللہ سب کو ایک آزاد مملکت میں رہنے کا حق عطا کرے۔ بات وقت کو اپنے ہاتھ میں لینے کی نہیں ہے بات اپنے کام' اپنی محنت' عبادت و جستجو کو انجام تک پہنچانے کی ہے۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

سردیاں آتی ہیں (دسمبر) ہم سردیوں کی تیاری شروع کردیتے ہیں' گرم کپڑے' شالیں اور کمبل سب کچھ تیار رکھتے ہیں اور اسی دوران گرمیوں کے ملبوسات بند کرکے رکھ دیتے ہیں کہ گرمیاں آئیں گی تو پھر ضرورت پڑے گی کبھی سوچا ہے؟ کہ سردیوں میں اگر ہم مرگئے تو ہمیں گرم کپڑے' شالیں اور کمبل کون دے گا؟ نماز کو تو سردیوں میں خیرآباد کہہ دیتے ہیں جیسے کوئی گرمیوں کی چیز جو کہ ہمیں سردیوں میں سوٹ نہیں کرے گی (نعوذ باللہ) جبکہ اللہ تعالیٰ کو انسان کے عمل میں سے دو چیزیں بہت پسند ہیں......

"سردیوں کی نماز اور گرمیوں کے روزے"

کبھی ہم نے سوچا ہے کہ جو فرشتے ہمارے گناہوں کے حساب و کتاب لے کر بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوتے ہیں' اللہ رب العزت انہی کے ہاتھ ہمارا رزق بھیجتا ہے (سبحان اللہ)۔

وقت طلوع دیکھا' وقت غروب دیکھا
اب فکر ہے آخرت کی' دنیا کو خوب دیکھا

اس سال (2017) کا اختتام ہو رہا ہے اور اگر ہم اپنا محاسبہ کریں کہ اس سال ہم نے کیا کمایا اور کیا کر دکھایا؟ کتنے لوگوں کی مدد کی؟ کتنی نمازیں پڑھیں؟ کتنا کچھ اللہ کے نام پر دیا تو ہمیں کوئی خاص عمل نہیں نظر آئے گا' ہمیں ہمارا ضمیر ملامت کرتا نظر آئے گا کہ یہ سال بھی تم نے بنا عمل کیے گنوا دیا۔

ضمیر مرتا ہے' احساس کی خاموشی سے
یہ وہ وفات ہے جس کی خبر نہیں ہوتی

ہم اتنا زور اپنے آپ کو درست کرنے میں نہیں لگاتے جتنا زور دوسروں کو اپنے سے زیادہ غلط ثابت کرنے میں لگاتے ہیں۔ نہ خود احکام الٰہی کے مطابق جیتے ہیں اور نہ ہی دوسروں کو جینے دیتے ہیں یہ سب کچھ نہیں چلے گا۔

قبرستان ایسے لوگوں سے بھرے پڑے ہیں
جو سمجھتے تھے دنیا ان کے بغیر نہیں چل سکتی

اس ایک آخری دعا کے ساتھ یہ ناچیز اجازت چاہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام امت مسلمہ کے اس سال کے گناہوں کو معاف فرما کر آنے والے سال میں نیک عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

جیسا میں نے دیکھا

رفاقت جاوید

شاعری اک گناہ کبیرہ

زمانہ قدیم سے ہی پروین جیسی نڈر اور بے باک شاعرہ ہر صدی میں پیدا ہوتی رہی ہیں میں چند کا ذکر ان کی یاد میں ان کی جرأت اور ثابت قدمی کے پیش نظر انہیں خراج تحسین پیش کرنے کی غرض سے کرنا چاہ رہی ہوں۔

قرۃ العین طاہرہ یہ لڑکی اس دور میں پیدا ہوئی جب آنکھ، کان اور زبان کا حجاب بھی بہت اہم سمجھا جاتا تھا اس نے پردہ کرنے سے انکار کیا اور سولہ سال کی عمر میں طبعاً حساس ہونے کی وجہ سے اس نے شعر گوئی شروع کی، اس منفرد، نئے اور انوکھے راستے کا انتخاب کرتے ہوئے وہ اپنے معاشرے کی روایات کو بھول گئی اور عورت کی آزادی کا علم اٹھائے اپنے راستے پر گامزن ہوگئی ظلم وتشدد، سنگ زنی اور قید و بند کی صعوبتیں جھیلنے کے باوجود اس کی مستقل مزاجی کو دیکھ کر اسے بے دردی سے جلاوطن کردیا گیا اور آخر کار زہر سے موت لاحق ہوئی ان تمام سزاؤں اور آزمائشوں کے باوجود اس نے سر تسلیم خم نہ کیا تھا وہ آخری سانس تک نسوانی آزادی پر قلم کے زور سے اپنا پیغام نئی نسل تک پہنچاتی رہی۔

نویں صدی کی شاعرہ Kassia کا تعلق یونان سے تھا اس نے قلم اٹھایا اور اپنی زندگی خدمت خلق کے نام لکھ دی اس کی مذہبی شاعری مدتوں تک گریک چرچ کا حصہ بنی رہی، اس لیے اس پر کسی قسم کا امتحان نہ آیا تھا دسویں صدی میں جرمنی کی شاعرہ نے بہت کم سنی مذہبی شاعری کی اور معاشرتی عتاب سے محفوظ رہی۔

بارہویں صدی میں ہندوستان کی سرزمین سے ایک مہادیوی شاعرہ اٹھی اس کا تعلق ہندو مذہب سے تھا نیز اس کی شاعری بھی مذہب کے اردگرد گھومتی رہی رواج اور عقیدے کے مطابق وہ دس سال کی عمر میں ایک مندر کی دیوی بنی بعد میں اس کی شادی اسی علاقے کے سردار سے کردی گئی جو کامیاب نہ ہوئی تو اسی ناکامی کے احساس میں مذہبی شاعری وجود میں آئی بے پناہ مقبولیت ملی گیارہویں صدی میں ہسپانوی شاعرہ Walladr جو قرطبہ میں پیدا ہوئی اور عورت کی آزادی پر شاعری کرتی رہی جسے سرکش اور باغی کے نام سے پکارا جاتا تھا تیرہویں صدی میں نیدر لینڈ کی شاعرہ Wijich Hade صوفیانہ شاعری سے لوگوں کو محظوظ کرتی رہی۔

پندرہویں صدی میں میرابائی پیدا ہوئی وہ دس سال کی عمر میں راج کماری ہونے کے باوجود کرشن کی داسی بنی لیکن شادی کے بعد اس نے کالی دیوی کو اپنے مذہب سے نکال دیا نیز اس کی پوجا سے سب کو منع کرنے لگی اس کی شاعری کی مخالفت کرنے والے دیوتاؤں نے اسے زہر سے مارنے کی کوشش کی جس کے بعد اس نے اپنا ملک چھوڑ دیا اور ہر مندر میں حاضری دے کر اپنے مقصد کو پھیلانے کی کوشش کرنے لگی اس کی شعری بھجن کی روح مانی جاتی ہے۔

سولہویں صدی میں ہسپانوی شاعرہ Therasa کیتھلک عقیدے کی پابند بے حد مشہور شاعرہ ثابت ہوئی اپنے عقیدے کی اصلاح کا سفر اس کے لیے نہایت کٹھن تھا مگر صوفیانہ شاعری میں رکاوٹ نہ بن سکا۔

سترہویں صدی میں ایک شاعرہ Sor Juana میکسیکو میں پیدا ہوئی اپنی زندگی کی تمام آسائشوں کو خیر باد کہہ کر ایک راہبہ بن کر عورت کی ذہنی آزادی پر بے باک اور باغیانہ شاعری کرنے لگی اس ناقابل معافی غلطی کو چرچ نے بھی ہمیشہ یاد رکھا۔

جرمنی کی شاعرہ Catherine جسے پروٹسٹنٹ عقائد پر یقین رکھنے کی وجہ سے دیس سے نکال دیا گیا اس کی شاعری میں مذہبی ہم آہنگی عورت کی عزت وتکریم اور اس کے حقوق سے لگاؤ کا اظہار ہے جو صنف نازک میں بہت مقبول رہی۔

روسی شاعرہ Karolina نے بھی سب کی مخالفت کے باوجود شاعری کو اپنایا اور آخر تک اپنے نظریات سے کنارہ کشی اختیار نہ کی۔

ترکی کی مشہور شاعرہ Goyla بھی اپنا گھر، اپنے والدین اور بہن بھائی چھوڑ کر درویشوں کی دنیا کی باسی بن گئی آزمائش میں صرف پروین ہی مقید نہیں تھی صنف نازک میں جب جب انفرادیت نے سر ابھارا ہے اس کی زندگی کو کانٹوں سے ہم کنار کردیا گیا ہے۔

اس گناہ کبیرہ کی پاداش میں اس کی تمام خوبیوں، اچھائیوں اور نیکیوں سے چشم پوشی کی گئی ایسا ردعمل ہر معاشرے اور ہر صدی میں رونما ہوتا رہا ہے کیا خوب کہا ہے۔

ٹماٹو کیچپ

ہمارے ہاں
شعر کہنے والی عورت کا شمار عجائبات میں ہوتا ہے
ہر مرد خود کو اس کا مخاطب سمجھتا ہے
اور چونکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہوگا
اس لیے اس کا دشمن ہوجاتا ہے
(انکار)

ایرانی شاعرہ فروغ فرخ زاد سے متاثر

میں نے پروین کی زبانی ایرانی شاعرہ فروغ فرخ زاد کے بارے میں بہت کچھ سن رکھا تھا چند دن قبل میں نے اس کی بائیوگرافی بھی

پڑھی تو مجھے احساس ہوا کہ پروین شاکر ہی اس معاشرے کے مطابق گناہ گار ثابت نہیں ہوئی ان کے ساتھ فرخ زاد بھی برابر کی شریک ہے دونوں نے محبت و عشق کی لذتیں ہجر وصال کی شدتیں اور انتظار و جفا کی اذیتیں جس بے باکی اور فراخ دلی سے بیان کی ہیں اور کم سنی میں ہی ایسی شہرت اور نام کمایا کہ شاعروں اور سخن وروں نے دانتوں میں انگلیاں دبالیں، مرد شاعر حضرات نے تو بہت جلد دونوں کو اپنے روبرو کھڑا کرلیا لیکن خواتین شاعرہ نے ان کی کامیابی کو ہضم کرنے کے لیے ذہنی اختراعات کا سہارا لیا کچھ مقابل آنے سے کنارہ کشی اختیار کرگئیں اس لیے ان کی طرف سے حسد و عناد پر بھی مٹی پڑ گئی اور کچھ مسلسل تگ و دو میں جیسا منفرد انداز اپنانے میں ناکام رہیں تو دل کے کسی گوشے میں خلش بتدریج بڑھتی رہی۔

شدت کی نفرتوں میں سدا جس نے سانس لی
شدت کا پیار پا کے خلا میں بکھر نہ جائے

آج لکھنے سے پہلے میں نے دونوں کا تجزیہ کیا مجھے کچھ حادثات و واقعات ایک دوسرے سے کافی مشابہہ لگے ہیں دونوں کم سنی میں ہی جوان نسل کے دلوں کے تار چھیڑنے میں کامیاب رہیں اور پھر ان کے کردار پر بے تحاشا الزامات اور تہمتوں کی بھرمار کردی گئی، نئی نسل کو باغی اور سرکش بنانے کا الزام اس پر عائد کردیا گیا جس کے نتیجے میں فرخ زاد کے مرنے کے بعد دس سال تک اس کی کتابوں کی اشاعت اور فروخت پر حکومت ایران نے پابندی لگادی تھی اس کا پروین کو بہت دکھ تھا اللہ کا شکر ہے کہ ایسا سانحہ پروین کی شاعری کو پیش نہ آیا تھا۔

فرخ زاد کی شادی سولہ سال کی عمر میں ہوئی پروین اپنی عمر کے چھبیسویں سال میں ازدواجی رشتے میں منسلک ہوئی دونوں کو اولاد نرینہ پیدا کرنے کا شرف حاصل ہوا فرخ زاد بتیس سال کی عمر میں اور پروین شاکر بیالیس سال کی عمر میں ایک کار کے حادثے میں جاں بحق ہوئیں۔

فرخ زاد کے تین مجموعے اور پروین کی شاعری کے چار مجموعے معجزوں کی صورت میں رونما ہوئے اور ہر دل کی دھڑکن بن گئے جہاں تک ان کی شاعری کی کامیابی اور ازدواجی زندگی کی کلفتوں اور اذیتوں کا تعلق تھا ان میں مشابہت بہت خوب تھی شاعری کی زبان پر عبور حاصل تھا خیالات اور سوچ میں گہری مطابقت تھی رسوائی میں بھی یکجائی تھی شہرت میں بھی خوب سمیٹی اور اپنی محنت کی اجرت بھی خوب وصول کی جرأت، بے باکی اور حوصلہ مندی کی دونوں میں کمی نہ تھی طلاق کے بعد دونوں نے دوسری شادی کرنے سے انکار کردیا دنیا کے ملکوں میں سیاحت بھی کی اور ان پر لکھا بھی خوب لیکن دونوں میں کچھ عادات کا مختلف ہونا قدرتی امر تھا۔

ایرانی شاعرہ نے لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کی اور ڈاکومنٹری فلمیں بنائیں جبکہ پروین کسٹم آفیسر ہونے کے ناتے لوگوں سے رابطے میں بھی رہی اور ادبی معروفیات میں بھی حصہ لیتی رہی بے شمار اعزازات کا شرف بھی حاصل کیا دوسروں پر اعتماد کا فقدان اس کی شخصیت کا حصہ بن چکا تھا اس کے باوجود دنیا والوں سے کنارہ کشی اختیار نہ کرسکی تھی بے شک بے وجہ کسی سے ملنا پسند نہیں کرتی تھی۔

فرخ زاد ایک آزاد اور ماڈرن گھرانے کی پروردہ تھی اس کے بھائی کا تعلق بھی فلم انڈسٹری سے تھا جسے قتل کردیا تھا اس کے لباس، گفتگو اور وضع داری میں نئے دور کی فرد ہونے کی بھرپور عکاسی تھی اس نے دوسروں کے الزامات کی پروا کیے بغیر اپنے شاعرانہ مزاج کو تقویت پہنچائی تھی اسے اپنے کردار کی سیاہی پر قطعاً غم یا پچھتاوا نہ تھا اپنے منفرد اور باغیانہ انداز پر مکمل بھروسا تھا جسے تنہائی میں جلا بخشا کرتی تھی۔

جبکہ پروین کے حالات زندگی فرخ زاد سے مختلف تھے اس کے متوسط مذہبی گھرانے نے اسے مشرقی اقدار اور روایات کا ادراک سونپا تھا وہ خالصتاً مشرق کی بیٹی تھی اسے بیوی کے روپ میں ایک مضبوط چھت، شوہر کا بھرپور لگاؤ اور تحفظ چاہیے تھا وہ اپنے معاشرے میں ایک مشرقی عورت کی طرح سرخرو ہونے کی آرزومند تھی وہ اپنے ڈھیلے ڈھالے باپردہ پہناوے، رکھ رکھاؤ، عزت و لحاظ کی پاسداری کرنے والی ہستی تھی جب اخبارات میں نازیبا افواہیں پھیلنے لگیں تو وہ اس درد کو دل سے لگا بیٹھی تھی اسے اس کا قلق تھا مگر اپنی صفائیاں پیش کرنے سے ان افواہوں کو طول دینے کے بجائے دب جانے کی منتظر رہنے لگی تھی۔ یہی کرب، قلق اور لاچارگی اس کی دھماکہ خیز شاعری کا سبب بنی مزاجاً اور طبعاً دونوں میں بہت فاصلہ تھا لیکن مستقل مزاجی اور ثابت قدمی دونوں کی شخصیت میں نمایاں تھی۔

پروین نے فرخ زاد کی ذات میں اپنے جیسے عزم و حوصلے کو محسوس کرتے ہوئے اس پر نظم بھی لکھی، دکھ و کرب سے کئی بار اس کی تقدیر کی لکھت پر پژمردہ ہوجایا کرتی تھی۔ اسے معلوم نہ تھا کہ اس کی موت کا فیصلہ بھی اسی سے مشابہت رکھتا ہے دونوں جوانی میں ہی اپنے خالق حقیقی سے جاملیں اور دونوں نے محبت و عشق کا ان مٹ باب اپنی روئے زمین پر ہمیشہ کے لیے وا کردیا۔

بزمِ سخن

سمیہ عثمان

نورین خان...... جہلم

تیری رحمتوں کا دریا سرِ عام چل رہا ہے
مجھے بھیک مل رہی ہے میرا کام چل رہا ہے

مہک تنویر...... کراچی

وہ ختم قید کی میعاد بھی نہیں کرتا
مگر میں زحمت فریاد بھی نہیں کرتا
کبھی کبھی وہ مجھے اتنا یاد آتا ہے
میں ضد میں آ کر اسے یاد بھی نہیں کرتا

عفت نعمان...... گوجرانوالہ

اب مت کھولنا میری زندگی کی پرانی کتابوں کو
جو میں تھا وہ اب رہا نہیں جو میں ہوں وہ کسی کو پتا نہیں

ہانی تبسم...... کوہاٹ

گونجتے رہتے ہیں سناٹے اکیلے گھر میں
در و دیوار کو وہ ایسا دکھی چھوڑ گیا
کہیں تنہائی کے دریا میں نہ پیاسا مر جاؤں
جانے والا میری آنکھوں میں نمی چھوڑ گیا

شہنیلہ ادریس...... پنڈ دادن خان

اب تو آواز بھی دو گے تو نہیں آئیں گے
ٹوٹنے والے قیامت کی انا رکھتے ہیں

صوبیہ آصف...... حیدرآباد

تم یاد بھی آؤ تو چپ رہتے ہیں
کہ آنکھوں کو خبر ہوئی تو برس جائیں گی

ناز مہک...... کراچی

نہ جانے اب کیا نیا تماشہ ہوگا یہاں
اس نے ایک بار پھر اپنی محفل میں بلایا ہے

عشرت ناز...... ڈگری

یوں تو میری ہر بات سمجھ جاتے ہو تم
پھر بھی کیوں مجھے ستاتے ہو تم
تم بن کوئی نہیں میرا
کیا اس بات کا فائدہ اٹھاتے ہو تم

ہالہ سلیم...... کراچی

خاک سے تم اور خاک سے ہم
پھر کیوں "خاص" ہو تم اور "عام" ہیں ہم

نازش خان...... میر پور خاص

کوئی تو ہو جو ان رسموں سے اعلان بغاوت کرے
کہیں تو اندھیرے میں کوئی چراغ جلانا چاہیے

ہما اقبال...... کنری، سندھ

شدت درد میں کمی نہ آئی ذرا بھی
درد، درد ہی رہا الٹا بھی لکھا سیدھا بھی

عائشہ مہک...... میر پور خاص

میرے دل پر کیسے کیسے عالم گزر رہے ہیں
میرا شہر جل رہا ہے میرے لوگ مر رہے ہیں

فضا علی...... ٹنڈو اللہ یار

عجب ہنر ہے میرے ہاتھ میں یہ شعر لکھنے کا
میں اپنی بربادیاں لکھتا ہوں لوگ واہ واہ کرتے ہیں

سعدیہ جہانگیر...... کراچی

تجھے بھولنے کی کوششیں کبھی کامیاب نہ ہو سکیں
تیری یاد شاخ گلاب ہے جو ہوا چلی تو مہک گئی

حنا مبشر...... لاہور

رات گہری تھی ڈر بھی سکتے تھے
ہم جو کہتے تھے کر بھی سکتے تھے
تم جو بچھڑے تو یہ بھی نہ سوچا
کہ ہم تو پاگل تھے مر بھی سکتے تھے

اقرا افضین...... ٹنڈو محمد خان

اس شرط پہ کھیلوں گی پیا! پیار کی بازی
جیتوں تو تجھے پاؤں، ہاروں تو پیا تیری

ماریہ ذکی...... سکھر

عجیب طرح سے گزر رہی ہے زندگی
سوچا کچھ، کیا کچھ، ہوا کچھ، ملا کچھ

تہمینہ فردوس...... کراچی

میری قسمت میں تو صرف تیری یادیں ہیں
تم جس کے مقدر میں ہو اس کی تقدیر کو سلام

طوبیٰ جعفر...... لاڑکانہ

تم میرے لیے کوئی الزام نہ ڈھونڈو
چاہا تھا تمہیں یہی الزام بہت ہے

مہرین سمیر...... حیدرآباد

یہ سفر بھی کتنا طویل ہے یہاں وقت کتنا قلیل ہے
کہاں لوٹ کر کوئی آئے گا جو گزر گیا وہ گزر گیا

سحرش اویس...... کراچی

نکلے تھے اس آس پہ کسی کو بنا لیں گے اپنا
اک خواہش نے عمر بھر کا مسافر بنا دیا

کنول بلال...... آزاد کشمیر

ممکنہ فیصلوں میں ایک ہجر کا فیصلہ بھی تھا
ہم نے تو ایک بات کی تھی اس نے کمال کر دیا

یاسمین...... کوہاٹ

وہ اپنی ذات میں کل کائنات تھا
دنیا کے ہر فریب سے ملوا دیا مجھے

سمیرا نعیم...... جہلم

ابھی تک یاد کر رہے ہو پاگل ہو تم قسم سے
اس نے تو تیرے بعد بھی ہزاروں بھلا دیے

شازیہ فردوس...... بہاولپور

سنو جاناں اگر میں یہ کہوں تم سے
کہ تم بن نامکمل ہوں تو کیا تکمیل ممکن ہے

عشرت ماہ جبین...... نواب شاہ

کبھی کسی سے پیار مت کرنا
ہو جائے تو انکار مت کرنا
نبھا سکو تو چلنا اس کی راہ پر
ورنہ کسی کی زندگی برباد مت کرنا

انجم ریحانہ...... کراچی

پردہ نشین رہتا نہیں کوئی عمر بھر
وقت کی رفتار سے اترتے ہیں نقاب لوگوں کے

ثمن رحمان...... کراچی

آج جواب بھی دینے کی فرصت نہیں جنہیں
کبھی سلام سے پہلے سلام تمہارا ہوا کرتا تھا

ثمرین عبدالرحمان...... کراچی

کانچ کے ٹکڑے بن کر بکھر گئی زندگی میری
کسی نے سمیٹا نہیں ہاتھ زخمی ہونے کے ڈر سے

صائمہ مہوش...... فیصل آباد

محبت کے انداز بھی جدا جدا سے ہوتے ہیں
کسی نے ٹوٹ کر چاہا تو کوئی چاہ کر ٹوٹ گیا

امبرین سحر...... ٹنڈو آدم

کچھ الگ تھا کہنے کا انداز ان کا
کے سنا بھی کچھ نہیں کہا بھی کچھ نہیں
کچھ اس طرح بکھرے ان کے پیارے میں ہم
کے ٹوٹا بھی کچھ نہیں اور بچا بھی کچھ نہیں

حسن شاہد...... کہروڑ پکا

وہ ایک بات بہت تلخ کہی تھی اس نے
بات تو یاد نہیں یاد ہے لہجہ اس کا

سلطانہ عارفین...... پشاور

کبھی لفظ بھول جاؤں کبھی بات بھول جاؤں
تجھے اس قدر چاہوں کہ اپنی ذات بھول جاؤں
اٹھ کر تیرے پاس سے جو میں چل دوں
جاتے ہوئے خود کو تیرے پاس بھول جاؤں

مہک زبیر...... اکبر روڈ، کراچی

وہ سوئے اتفاق آ ملے تھے ہم سے
ہم نادان سمجھے ہماری دعاؤں میں اثر ہے

bazsuk@aanchal.com.pk

کچن کارنر

زہرہ جبین

لذیذ چائنیز سوپ

اجزاء:

یخنی	چار پیالی
انڈہ	ایک عدد
سویا ساس	دو کھانے کے چمچ
انگور کی بیل کے خشک پتے چار چائے کے چمچ (پاؤڈر بنالیں)	
نمک	حسب ذائقہ
سیاہ مرچ	ایک کھانے کا چمچ

ترکیب:۔

ابلتی ہوئی یخنی میں سیاہ مرچ اور نمک حسب ذائقہ ملادیں۔ انڈے کو اس قدر پھینٹیں کہ اس کا جھاگ بن جائے اب اسے کھولتی ہوئی یخنی میں دھار باندھ کر آہستہ آہستہ ملادیں اور سیٹ ہونے دیں پھر چمچ سے ہلائیں سوپ کے پیالے میں تیار شدہ سوپ انڈیلیں اس میں سویا ساس ملائیں اور انگور کے پتوں کا پاؤڈر ڈال کر نوش فرمائیں۔

پروین افضل شاہین ...... بہاولنگر

مغز کڑاہی

اجزاء:۔

گائے کا مغز	ایک عدد
تیل	حسب ضرورت
پیاز چار عدد	باریک کٹی ہوئی
دہی	آدھی پیالی
ادرک لہسن کا پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
گرم مصالحہ پسا ہوا	ایک چائے کا چمچ
لال مرچ پسی ہوئی	ایک کھانے کا چمچ
دھنیا پسا ہوا	دو کھانے کے چمچ
لیموں	دو عدد
ہرا دھنیا باریک کٹا ہوا	ایک گٹھی
ہری مرچ باریک کٹی ہوئی	چار عدد
ادرک باریک کٹی ہوئی	دو کھانے کے چمچ
نمک	حسب ذائقہ

مغز ابالنے کے لیے

لہسن کے جوئے	چھ عدد
کالی مرچ	چھ عدد

ترکیب:۔

پہلے گائے کے مغز کو پانی ڈال کر ایک دیگچی میں ڈالیں۔ ساتھ ہی اس میں لہسن کے جوئے اور کالی مرچ ڈال کر اُبال لیں۔ پھر نکال کر اس کی رگیں صاف کریں اور جھلی اُتار کر چھوٹے ٹکڑے کرلیں۔ اب کڑاہی میں تیل گرم کر کے پیاز گولڈن براؤن کریں اور آدھی نکال لیں۔ اس کے بعد آدھی پیاز میں دہی، ادرک لہسن کا پیسٹ، گرم مصالحہ، نمک، لال مرچ اور پسا دھنیا ڈال کر اچھی طرح بھونیں اور مغز شامل کردیں۔ ساتھ میں لیموں کا رس ڈال دیں اور چمچ نہیں چلائیں۔ کڑاہی کو پکڑ کر ہلاتے رہیں، یہاں تک کہ تیل اوپر آجائے۔ آخر میں اس میں ہرا دھنیا، ہری مرچ اور ادرک ڈال دیں۔ اس کے بعد باقی بچی پیاز ڈال کر سرو کریں۔

اقراء بتول ...... ڈی جی خان

قیمہ ان میکرونی

اجزاء:۔

قیمہ	۳۵۰ گرام
اُبلی میکرونی	آدھا پیکٹ
دار چینی	ایک عدد
ٹماٹو پیوری	چوتھائی کپ
پسی لال مرچ	ایک چائے کا چمچ
زیرہ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
تیل	آدھا کپ
لونگ	۳ عدد
ٹماٹر	۲ کپ
نمک	حسب ذوق
ادرک پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچ

کالی الائچی	ایک عدد
نان/ چاول	سرونگ کے لئے

ترکیب:۔

تیل گرم کرکے ثابت گرم مصالحہ اور قیمہ ڈال کر فرائی کرلیں۔ جب پانی سوکھ جائے تو اس میں باریک کٹے ٹماٹر، ٹماٹو پیوری، تمام مصالحے اور پانی ڈال کر پکائیں۔ میکرونی کو ڈش میں نکال لیں اور اوون میں ۱۸۰ ڈگری سینٹی گریڈ پر ۱۵ منٹ تک گرم کریں۔ اب اُبلے پانی میں ڈال کر اُبالیں اور خشک کریں۔ آخر میں قیمے میں شامل کرکے ۵ منٹ تک دم پر رکھیں۔ تیار ہونے پر چاولوں کے ساتھ سرو کریں۔

عائشہ سلیم......اورنگی کراچی

کلیجی مصالحہ

اجزاء:۔

بکرے کی کلیجی	آدھا کلو
ادرک لہسن کا پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
پیاز (پسی اور تلی ہوئی)	آدھا کپ
لال مرچ (پسی ہوئی)	ایک کھانے کا چمچ
ہلدی	ایک چوتھائی چائے کا چمچ
نمک	ایک چائے کا چمچ
دھنیا (پسا ہوا)	ایک کھانے کا چمچ
ٹماٹر (کٹے ہوئے)	تین عدد
سفید زیرہ	ایک چائے کا چمچ
دہی	آدھا کپ
گرم مصالحہ	آدھا چائے کا چمچ
قصوری میتھی	ایک چائے کا چمچ
ہرا دھنیا (کٹا ہوا)	دو کھانے کے چمچ

ترکیب:۔

پہلے تیل گرم کرکے اس میں ادرک لہسن کا پیسٹ، پیاز، پسی لال مرچ، ہلدی، نمک، پسا دھنیا اور ایک چوتھائی کپ پانی شامل کرکے اچھی طرح فرائی کرلیں۔ اب اس میں ٹماٹر شامل کرکے اچھی طرح بھون لیں۔ پھر اس میں سفید زیرہ، بکرے کی کلیجی اور دہی ڈال کر ڈھک کر دس منٹ پکائیں۔ جب پانی خشک ہوجائے اور تیل اوپر آجائے تو اس میں گرم مصالحہ، قصوری میتھی اور ہرا دھنیا شامل کردیں۔

ارم صابرہ......تلہ گنگ

کوفتے

اجزاء:۔

گائے کا گوشت	آدھا کلو
انڈہ	ایک عدد
ہری پیاز	چار عدد
لہسن	چھ جوئے
پیپریکا	ایک چائے کا چمچ
کالی مرچ	ایک چائے کا چمچ
دار چینی (پسی ہوئی)	آدھا چائے کا چمچ
نمک	آدھا چائے کا چمچ
زیرہ	دو چائے کے چمچ
دہی	دو کھانے کے چمچ
تیل	چار کھانے کے چمچ
پودینہ	چار کھانے کے چمچ
شاشلک اسٹک	حسب ضرورت

ترکیب:۔

گائے کا گوشت، انڈہ، ہری پیاز، لہسن، پیپریکا، کالی مرچ، پسی دار چینی، نمک، زیرہ، دہی اور پودینے کو اچھی طرح پیس لیں۔ اب اس کے بالز بنا کر شاشلک اسٹکس پر لگائیں۔ آخر میں تیل گرم کرکے بنائے ہوئے کوفتے گولڈن براؤن کریں۔ مزے دار گرلڈ کوفتے تیار ہیں۔

صدف گل......لاہور

آلو گوشت کا سالن

اجزاء:۔

گائے کا گوشت	ایک کلو
آلو	آدھا کلو
پیاز	پانچ عدد
لال مرچ (ثابت)	آٹھ عدد
لونگ	چھ عدد
دار چینی	ایک ڈنڈی

کالی الائچی	دو عدد
ہری الائچی	دو عدد
کالی مرچ	آٹھ سے دس عدد
ادرک	ایک سے دو انچ کا ٹکڑا
لہسن	بارہ جوے
ہری مرچ	آٹھ عدد
سرکہ	ایک چوتھائی کپ
ہلدی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچ
زیرہ	آدھا چائے کا چمچ
رائی دانہ	آدھا چائے کا چمچ
ثابت دھنیا	ایک کھانے کا چمچ
تیل	حسب ضرورت
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب:۔
پین میں تیل ڈال کر گرم کریں۔ آلو کاٹ کر گولڈن فرائی کرلیں اور سائیڈ پر رکھ دیں۔ ہلکی آنچ پر زیرہ، رائی دانہ، ہلدی پاؤڈر، ثابت لال مرچ ڈال کر کڑکڑا لیں اور ٹھنڈا کرکے اتار لیں۔ پھر بلینڈر میں ڈال کر پیس لیں۔ اب اس میں ادرک لہسن، کالی الائچی، ہری الائچی، کالی مرچ، لونگ، ثابت دھنیا، دار چینی اور سرکہ ڈال دیں اور پیسٹ تیار کرلیں۔ پیاز ڈال کر براؤن کرلیں اور گوشت ڈال کر بھون لیں۔ اب اس میں تیار پیسٹ ڈال دیں اور کچھ دیر بھون لیں۔ تھوڑا سا پانی شامل کرکے پکنے رکھ دیں۔ جب گوشت گل جائے تو اس میں فرائی کئے ہوئے آلو اور ہری مرچ ڈال کر پکائیں اور ڈھکن سے ڈھانپ دیں۔ جب تیل اوپر آجائے تو اسے ڈش آوٹ کرلیں اور نان یا چاول کے ساتھ پیش کریں۔

انعم نعیم......کراچی

سرسوں کا ساگ

اجزاء:۔

سرسوں کا ساگ	ایک کلو
پالک	۴۰۰ گرام
بتھوا	۲۰۰ گرام
لہسن	۵/۶ جوئے
ادرک	۲ انچ کا ٹکڑا
ہری مرچ	۶ عدد
نمک	حسب ذوق
مکئی کا آٹا	چوتھائی کپ
چینی	ایک چائے کا چمچ
گھی	چوتھائی کپ
پیاز	آدھا کپ
ٹماٹر	ایک کپ
لال مرچ پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچ
ہلدی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچ
زیرہ	ایک چائے کا چمچ
ثابت لال مرچ	۷/۸ عدد
سفید مکھن	سرونگ کے لئے
چھاج	سرونگ کے لئے

ترکیب:۔
پالک، سرسوں اور بتھوے کو اچھی طرح دھو کر صاف کرنے کے بعد کاٹ لیں۔ ادرک، لہسن اور ہری مرچوں کو بھی کاٹ لیں۔ پریشر ککر میں پالک، سرسوں، بتھوا، ادرک لہسن اور ہری مرچ ڈال کر پکائیں۔ پھر اسے ٹھنڈا کرکے گرائنڈر میں پیسٹ بنا کر چھوڑ دیں۔ ایک پین میں گھی گرم کرکے پیاز، زیرہ اور ثابت لال مرچ ڈال کر پکائیں۔ جب پیاز کا رنگ ہلکا براؤن ہوجائے تو اس میں نمک، پسی لال مرچ، پسی ہلدی اور تھوڑی چینی شامل کرکے پکنے دیں۔ ساتھ ہی ٹماٹر کا پیسٹ بھی ڈال کر بھون لیں۔ آخر میں ساگ کا پیسٹ اور مکئی کا آٹا شامل کرکے اچھی طرح مکس کریں۔ تیار ہونے پر ڈش میں نکال لیں۔ اوپر سے مکھن ڈالیں اور مکئی کی روٹی کے ساتھ سرو کریں۔

سمیرا حمید......ملتان

آرائش حسن

حدیقہ احمد

سردیوں کے لیے میک اپ ٹپ:

سردی کے آغاز سے قبل ہی ہماری حساس جلد مختلف مسائل سے دوچار ہوجاتی ہے اور اگر آپ میک اپ کرنے کی شائق ہیں تو میک اپ چہرے پر جمائے رکھنا سرد موسم میں بہت مشکل ہوجاتا ہے تاہم شہناز حسین (میک اپ ایکسپرٹ) موسم سرما میں میک اپ کی بعض تکنیکس سے آپ کو روشناس کرا رہی ہیں۔ آئیے ملاحظہ کرتے ہیں۔ سردیوں کے دوران فاؤنڈیشن لگانے سے قبل موئسچرائزر لگائیے۔ دن میں باہر نکلنے سے پہلے اپنے چہرے پر سن بلاک لگا کر پانچ منٹ انتظار کرنے کے بعد فاؤنڈیشن لگائیں۔ سردیوں میں چہرے کے لیے کریمی فاؤنڈیشن مناسب رہتی ہے۔ گیلے اسفنج سے فاؤنڈیشن پیشانی اور ناک کے دونوں جانب لگانے کے لیے ہلکا نم دار اسفنج استعمال کریں۔ اور اچھی طرح فاؤنڈیشن باہر کی جانب پھیلالیں۔ اس کے بعد فاؤنڈیشن کو تھوڑی اور جبڑے کی ہڈیوں تک پھیلا کر اُوپر کی جانب یعنی رخساروں کی جانب اسٹروک لگائیں پھر گردن کی جانب اسٹروک لگائیں۔ اچھی طرح بلینڈنگ کے بعد غور سے دیکھیں کہ فاؤنڈیشن کے اسٹروک نظر تو نہیں آرہے۔ فاؤنڈیشن کو جمانے کے لئے چہرے پر پاؤڈر لگانے کے بعد روئی یا صاف برش سے زائد پاؤڈر صاف کرلیں۔ آئی شیڈو کریمی لیں۔ پاؤڈر آئی شیڈو سردیوں میں جلد کو سیکٹر دیتا ہے۔ کریمی آئی شیڈو لگانا تھوڑا سا دشوار ہے لیکن خشکی پیدا نہیں کرتا اور سردیوں میں اچھا لگتا ہے۔ سردیوں میں گلوسی لپ اسٹک کا انتخاب مناسب ہے۔ میٹ لپ اسٹک میں مزید جلد خشک ہوتی ہے۔ ہونٹوں کی آؤٹ لائن بنانے کے لیے لپ پنسل لگائیں پھر اسے رنگ سے بھرلیں۔ اس مقصد کے لیے لپ برش استعمال کریں۔ لپ اسٹک لگانے کے بعد بے رنگ گلوس لگانا مت بھولیں۔ یہ لک سردیوں میں اچھی لگے گی۔ اگر آپ کے ہونٹوں کی رنگت گہری ہے تو ہونٹوں کی رنگت ہلکی کرنے کے لیے رات بھر بادام کی کریم ہونٹوں پر لگائیں۔ لپ اسٹک لگاتے ہوئے ہونٹ کے ہلکے رنگ پر براؤن رنگ لگائیں پھر دونوں ہونٹوں کا رنگ یکساں لگے گا۔ سردیوں کے دوران لپ بام لگانا مت بھولیے گا۔ یہ ہونٹوں کو نمی فراہم کرتا ہے۔

جلد کی ٹون سے کریں ہیئر کلر کا انتخاب

بالوں کو ایک نئے انداز سے سنوارنا ہو یا بالوں کے موجودہ رنگ سے تنگ آگئی ہوں تو اسٹریکس ڈالنا سب سے مناسب رہتا ہے لیکن اگر بال ممکن طور پر کسی دوسرے رنگ میں ڈائی کرنے کو جی چاہے تو کوئی بھی رنگ استعمال مت کریں ایسا رنگ منتخب کریں جو آپ کی جلد کی ٹون سے مطابقت رکھتا ہو۔ ہم میں سے ہر شخص کے جسم میں میلانن نامی پگمنٹ ہوتا ہے جو دراصل بالوں' آنکھوں اور جلد کی رنگت کی وجہ ہوتا ہے۔ میلانن یہ طے کرتا ہے کہ مختلف موسموں میں آپ کی جلد کون سے رنگ بدلے گی۔ میلانن کی تقسیم، مقدار، شیپ اور سائز ہمیں مختلف جلدی ٹون فراہم کرتے ہیں۔ ہمیشہ یاد رکھیں کہ بالوں کے لئے ڈائی کا انتخاب کرتے ہوئے ہمیشہ اپنی جلد کی ٹون کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔ غلط انتخاب آپ کی پوری شخصیت کو متاثر کرسکتا ہے اور آپ کی شخصیت غیر فطری دکھائی دے گی۔ ایک خطہ کی عورت پر جو کچھ اچھا لگنا ضروری ہے۔ بالوں کو رنگنے میں قبل بعض باتوں کو جان لینا ضروری ہے۔

آپ کی جلد کی ٹون کون سی ہے! اپنی جلد کی رنگت کے مطابق ہیئر کلر کے انتخاب کے لیے ضروری ہے کہ آپ جانیے کہ آپ کی جلد کی ٹون گرم ہے یا سرد! ایک آسان طریقے سے آپ یہ جان سکتی ہیں۔ جن لوگوں کی رنگت دھوپ میں سرخی مائل ہوجائے ان کی ٹون سرد ہے جبکہ اگر دھوپ میں آپ کی رنگت سنولا جاتی ہے تو پھر آپ گرم ٹون کی مالک ہیں۔ ایک اور طریقہ یہ ہے اپنی کلائیوں کو بغور دیکھیں اگر رگیں سبز نظر آئیں تو آپ گرم ٹون اور نیلی نظر آئیں تو سرد ٹون کی مالک ہیں اگر یہ پتہ نہ چل سکے کہ رگوں کا رنگ نیلا ہے یا سبز تو اس کا مطلب ہے آپ نیوٹرل ٹون کی مالک ہیں جس کی وجہ سے رنگت زیتونی ہوجاتی ہے جیسے جینیفر لوپیز کی رنگت۔

ہیئر کلر کے آئیڈیاز: جدید انداز آرائش کو اپناتے

ہوئے ایسا رنگ منتخب کریں جو آپ کی جلد کی ٹون سے مطابقت رکھتا ہو۔ کچھ رنگ سرد ٹون اور کچھ گرم ٹون والی رنگت پر اچھے لگتے ہیں۔

ا۔ ایسا رنگ منتخب کریں جو آپ کے بالوں کے اصلی رنگ سے ایک یا دو شیڈ ہلکا یا گہرا ہو۔

۲۔ آنکھوں کی پتلیوں کے رنگ سے ملتا جلتا رنگ بطور ہیئر ڈائی منتخب کرسکتی ہیں۔

۳۔ گرم ٹون والوں کے لیے گرم رنگ مناسب ہیں مثلاً تانبہ جبکہ ٹھنڈی ٹون والوں کے لیے ٹھنڈے رنگ مناسب ہیں مثلاً اخروٹی براؤن۔

آپ کے لیے بہتر رنگ کونسا ہے! قدرتی ہیئر کلرز: پاکستانی خواتین پر براؤن اور برگنڈی کے تمام شیڈز کے علاوہ اسٹریکس کے لیے سرخی مائل رنگ مناسب ہیں اگر آپ کی جلد کی رنگت ہلکی ہے تو آپ گولڈ کے تمام شیڈز سے دور رہیں۔ ایش براؤن بھی آپ کے لیے موزوں نہیں۔ اگر آپ دھوپ میں سرخ ہوجاتی ہیں تو سرخی مائل رنگت سے اجتناب کریں۔

برگنڈی: یہ پاکستانی خواتین کی رنگت کے ساتھ بہت اچھا لگتا ہے۔

براؤن: اس رنگ کو یوں تو فیشن کے حلقوں میں ڈل سمجھا جاتا ہے لیکن اس میں شیڈز کی اتنی زیادہ تعداد موجود ہے کہ ہر نوعیت کی جلد پر اثر دکھاتا ہے۔ اگر آپ گرم ٹون کی مالک ہیں تو آپ پر چاکلیٹ براؤن اور ایش براؤن اچھا لگے گا۔ ٹھنڈی ٹون کی صورت میں مہاگنی اور چیس نٹ بہترین رہیں گے۔

سرخ: یہ بھی بہت سے شیڈز میں آتا ہے لیکن اسے لگانا پیچیدہ معاملہ ہے۔ درست شیڈز کے انتخاب میں محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ اگر آپ صاف رنگت کی مالک ہیں تو ہلکا سا کوپر سرخ استعمال کرسکتی ہیں زیتونی رنگت کی مالک خواتین کے لیے بلو بیسڈ سرخ جیسا گہرا رنگ مناسب رہے گا۔ گرم ٹون والی خواتین پر مندرجہ ذیل رنگ بہار دکھاتے ہیں۔ چاکلیٹی براؤن، چیس نٹ، اوبرن، گولڈ اور گولڈن براؤن۔ اسٹریکس کے لیے گرم گولڈ، سرخ اور تانبہ کا رنگ مناسب لگے گا۔ انوکھے رنگوں کے علاوہ گہرا سیاہ استعمال کرنے سے گریز کریں۔ سرد ٹون رکھنے والی خواتین کے لیے مندرجہ ذیل رنگ مناسب ہیں برگنڈی اور بورڈ یوکس، براؤن، سرخ، بلونڈ اسٹریکس ڈالنے کے لیے گندم، شہد اور ایش براؤن کا انتخاب کیا جاسکتا ہے۔

بالوں کی افزائش کے چند مشورے

جڑی بوٹیوں، پھلوں سبزیوں اور روغنیات کے استعمال سے بالوں کو نہ صرف خوبصورت اور مضبوط بنایا جاسکتا ہے بلکہ ان کی سفیدی کو بھی ان طریقوں سے روکا جاسکتا ہے:

ا۔ ایسے اسٹائل جن سے بالوں کی جڑیں تازہ ہوا اور سورج کی روشنی سے محروم رہیں، بالوں کو کمزور بناتے ہیں ان کی قدرتی چمک دمک کو زائل کرتے ہیں اور انھیں وقت سے پہلے سفید کردیتی ہیں، ایسے ہیئر اسٹائلوں سے گریز کریں۔

۲۔ بالوں کی صحت و توانائی کے لیے کاسمیٹک ہیئر آئلز کی بجائے ہمیشہ نباتاتی روغنیات مثلاً روغن بادام، روغن زیتون، روغن ارنڈی (کیسٹر آئل)، روغن کنجد (تلوں کا تیل) اور روغن کھوپرا (گری کا تیل) استعمال کریں۔ ان سے بال مضبوط ہوتے ہیں، ان کی چمک دمک قائم رہتی ہیں اور جلدی سفید نہیں ہوتے۔

۳۔ پھل اور سبزیاں زیادہ استعمال کریں۔ ان سے بالوں کو نشوونما ہوتی ہے اور خوبصورتی میں اضافہ ہوتا ہے۔

۴۔ پیشانی کے فالتو بال جو بدزیبی کا باعث ہوں، موچنے یا ہیئر ریموور سے صاف کرلیں۔

۵۔ سرسوں کا تیل، انڈا اور دہی ان تمام اشیاء کو یکجا کرکے بالوں میں ملیں۔ سر پر اسکارف باندھ لیں۔ ایک گھنٹے کے بعد دھولیں۔ یہ آمیزہ بالوں کی خشکی دور کرنے کے لیے اکسیر ہے۔

عالم میں انتخاب

نزہت جبین ضیاء

غزل

کبھی کوئی روٹھ جائے تو بڑی تکلیف ہوتی ہے
سہارے چھوٹ جائیں تو بڑی تکلیف ہوتی ہے
برسوں سے محبت کی رگوں میں سانسیں چلتی ہیں
بھروسا ٹوٹ جائے تو بڑی تکلیف ہوتی ہے
کسی کے ساتھ چلنے کی نہ اب قسمیں کبھی کھانا
یہ قسمیں ٹوٹ جائیں تو بڑی تکلیف ہوتی ہے
سنو ہر اک سے یہ نہ کہنا کہ تیرے ہیں فقط تیرے
یہ راز چھوٹ جائیں تو بڑی تکلیف ہوتی ہے
امیدوں سے ہوتی ہے وابستہ زندگی فراز
امیدیں ٹوٹ جائیں تو بڑی تکلیف ہوتی ہے

شاعر: احمد فراز

انتخاب: سونیا نورین گل...... دندہ شاہ بلاول

غزل

تم صبح کی کرنوں جیسی ہو
میں شام کے تارے جیسا ہوں
تم نیلی جھیلوں جیسی ہو
میں سبز کناروں جیسا ہوں
تم برف کے گالوں جیسی ہو
میں ایک شرارے جیسا ہوں
تم اٹھتی لہروں جیسی ہو
میں گرتے دھارے جیسا ہوں
تم پھر بھی میرے جیسی ہو
میں پھر بھی تمہارے جیسا ہوں

شاعر: حسن عباس

انتخاب: پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

بے وفائی کی مشکلیں

جو تم نے ٹھان ہی لی ہے
ہمارے دل سے نکلو گے
تو اتنا جان لو پیارے
سمندر سامنے ہوگا
اگر ساحل سے نکلو گے
ستارے جن کی آنکھوں نے
ہمیں اک ساتھ دیکھا تھا
گواہی دینے آئیں گے
پرانے کاغذوں کی بالکونی سے
بہت سے لفظ جھانکیں گے
تمہیں واپس بلائیں گے
کئی وعدے
فسادی قرض خواہوں کی طرح
رستے میں روکیں گے
تمہیں دامن سے پکڑیں گے
تمہاری جان کھائیں گے
چھپا کر کس طرح چہرہ
بھری محفل سے نکلو گے
ذرا پھر سوچ لو جاناں
نکل تو جاؤ گے شاید
پر مشکل سے نکلو گے

شاعر: امجد اسلام امجد

انتخاب: مدیحہ نورین مہک...... گجرات

دسمبر

دسمبر اب کے آؤ تم
تم اس شہر تمنا کی خبر لانا
کہ جس میں جگنوؤں کی کہکشائیں جھلملاتی ہیں
جہاں تتلی کے رنگوں سے فضائیں مسکراتی ہیں
وہاں چاروں طرف خوشبو وفا کی ہے
اور جو اس کو پوروں سے نظر سے چھو گیا
پل بھر مہک اٹھا
دسمبر اب کے آؤ تو
تم اس شہر تمنا کی خبر لانا

جہاں پریت کے زرے ستارے ہیں
گل وبلبل مہہ وانجم وفا کے استعارے ہیں
جہاں دل وہ سمندر ہے کہ جس کے کنارے ہیں
جہاں قسمت کی دیوی مٹھیوں میں جگمگاتی ہے
جہاں دھڑکن کی لے پر بے خودی نغمہ سناتی ہے
دسمبر ہم سے نہ پوچھ ہمارے شہر کی بابت
یہاں آنکھوں میں گزرے کارواں کی گرد ٹھہری ہے
محبت برف جیسی ہے یہاں
اور دھوپ کے کھیتوں میں اگتی ہے
یہاں جب صبح آتی ہے تو
شب کے سارے سپنے راکھ کے اک ڈھیر کی صورت
ڈھلتے ہیں
یہاں جذبوں کی ٹوٹی کرچیاں آنکھوں میں چبھتی ہیں
یہاں دل کے لہو میں اپنی پلکوں کو
ڈبو کر ہم سنہرے خواب سیتے ہیں
پھر ان خوابوں میں جیتے ہیں
انہی خوابوں میں مرتے ہیں
دریدہ روح کو لفظوں سے سینا گو نہیں ممکن
مگر پھر بھی......؟
دسمبر اب کے آؤ تو......
تم اس شہر تمنا کی خبر لانا
دسمبر اب کے آؤ تو

شاعرہ: ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ
انتخاب: مہرین کنول......ڈیرہ اسماعیل خان

بابا بھلے شاہ

پڑھ پڑھ کتاباں علم دیاں تو نام رکھ لیا قاضی
ہتھ وچ پھڑ کے تلوار نام رکھ لیا غازی
کل مدینے گھوم آیا تے نام رکھ لیا حاجی
او بھلیا حاصل کی کیتا؟
جے توں رب نا کیتا راضی

شاعر: بابا بھلے شاہ
انتخاب: زعیمہ روشن......آزاد کشمیر

دل نادان

دل ناداں تجھے ہوا کیا ہے
آخر اس درد کی دوا کیا ہے
ہم ہیں مشتاق اور وہ ہیں بے زار
یا الٰہی یہ ماجرہ کیا ہے
ہم بھی منہ میں زبان رکھتے ہیں
کاش وہ پوچھے کہ مدعا کیا ہے
ہم کو ان سے ہے وفا کی امید
جو نہیں جانتے کہ وفا کیا ہے
ہاں بھلا کر تیرا بھلا ہوگا
اور درویش کی صدا کیا ہے
جان تم پہ نثار کرتا ہوں
میں نہیں جانتا وفا کیا ہے

شاعر: مرزا اسد اللہ خان غالب
انتخاب: جینا کومل صہیب

دھوپ کا موسم

میں رنگ میں دیکھتی تھی خوشبو میں سوچتی تھی
مجھے گماں تھا
کہ زندگی اجلی خواہشوں کے چراغ لے کر
مرے دریچوں میں روشنی کی نوید بن کر اترہی ہے
میں کہر میں چاندنی پہن کر
بنفشی بادل کا ہاتھ تھامے
فضا میں پرواز کر رہی تھی
سماعتوں میں سحاب لہجوں کی بارشیں تھیں
بصارتوں میں گلاب چہروں کی روشنی تھی
ہوا کی ریشم رفاقتیں تھیں
صبا کی شبنم عنایتیں تھیں
حیات خوابوں کا سلسلہ تھی
کھلیں جو آنکھیں تو سارے منظر دھنک کے اس پار
رہ گئے تھے
نہ رنگ میرے نہ خواب میرے
ہوئے تو بس کچھ عذاب میرے

نہ چاندراتیں نہ پھول باتیں
نہ نیل صبحیں نہ جھیل شامیں
نہ کوئی آہٹ نہ کوئی دستک
حروف مفہوم کھو چکے تھے
علامتیں بانجھ ہوگئی تھیں
گلابی خوابوں کے پیرہن راکھ ہو چکے تھے
حقیقتوں کی برہنگی
اپنی ساری سفاکیوں کے ہمراہ
جسم وجاں پراتر رہی تھی
وہ مہرباں، سایہ دار بادل
عذاب کی رت میں چھوڑ کر مجھ کو جا چکا تھا
زمین کی تیز دھوپ آنکھوں میں چبھ رہی تھی
شاعرہ: پروین شاکر
انتخاب: سمیہ عثمان...... کراچی

غزل

نیاز و ناز کے جھگڑے مٹائے جاتے ہیں
ہم ان میں اور وہ ہم میں سمائے جاتے ہیں
شروع راہ محبت ارے معاذ اللہ
یہ حال ہے کہ قدم ڈگمگائے جاتے ہیں
یہ ناز حسن تو دیکھو کہ دل کو تڑپا کر
نظر ملاتے ہیں مسکرائے جاتے ہیں
مرے جنون تمنا کا کچھ خیال نہیں
لجائے جاتے ہیں دامن چھڑائے جاتے ہیں
جو دل سے اٹھتے ہیں شعلے وہ رنگ بن بن کر
تمام منظر فطرت پہ چھائے جاتے ہیں
میں اپنی آہ کے صدقے کہ میری آہ میں بھی
تری نگاہ کے انداز پائے جاتے ہیں
رواں دواں لیے جاتی ہے آرزوئے وصال
کشاں کشاں ترے نزدیک آئے جاتے ہیں
کہاں منازل ہستی، کہاں ہم اہل فنا
ابھی کچھ اور یہ تہمت اٹھائے جاتے ہیں
مری طلب بھی اسی کے کرم کا صدقہ ہے
قدم یہ اٹھتے نہیں ہیں اٹھائے جاتے ہیں
الٰہی ترک محبت بھی کیا محبت ہے
بھلاتے ہیں انہیں وہ یاد آئے جاتے ہیں
کلام: جگر مرادآبادی
انتخاب: فہمیدہ غوری...... کراچی

رات اور شاعر

رات

کیوں میری چاندنی میں پھرتا ہے تو پریشان
خاموش صورت گل مانند بو پریشان
تاروں کے موتیوں کا شاید ہے جوہری تو
مچھلی ہے کوئی میرے دریائے نور کی تو
یا تو مری جبیں کا تارا گرا ہوا ہے
رفعت کو چھوڑ کر جو پستی میں جا بسا ہے
خاموش ہوگیا ہے تار رباب ہستی
ہے میرے آئینے میں تصویر خواب ہستی
دریا کی تہ میں چشم گرداب سو گئی ہے
ساحل سے لگ کے موج بیتاب سو گئی ہے
بستی زمیں کی کیسی ہنگامہ آفریں ہے
یوں سو گئی ہے جیسے آباد ہی نہیں ہے
شاعر کا دل ہے لیکن نا آشنا سکوں سے
آزاد رہ گیا تو کیونکر مرے فسوں سے
شاعر: علامہ اقبال
انتخاب: صبا ایشل...... بھگووال

شاعر

میں ترے چاند سے کھیتی میں گہر بوتا ہوں
چھپ کے انسانوں سے مانند سحر روتا ہوں
دن کی شورش میں نکلتے ہوئے شرماتے ہیں
عزت شب میں مرے اشک ٹپک جاتے ہیں
مجھ میں فریاد جو پنہاں ہے سناؤں کس کو
تپش شوق کا نظارہ دکھاؤں کس کو
برق ایمن مرے سینہ پر پڑی روتی ہے
دیکھنے والی ہے جو آنکھ کہاں سوتی ہے

صفت شمع لحد مردہ ہے محفل میری
آہ اے رات بڑی دور ہے منزل میری
عہد حاضر کی ہوا راس نہیں ہے اس کو
اپنے نقصان کا احساس نہیں ہے اس کو
ضبط پیغام محبت سے جو گھبراتا ہوں
تیرے تابندہ ستاروں کو سنا جاتا ہوں
شاعر:علامہ اقبال
انتخاب:راؤ رفاقت علی

دعا

یا رب دل مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے
پھر وادی فاراں کے ہر ذرے کو چمکا دے
پھر شوق تماشا دے پھر ذوق تقاضا دے
محروم تماشا کو پھر دیدہ بینا دے
دیکھا ہے جو کچھ میں نے اوروں کو بھی دکھلا دے
بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل
اس شہر کے خوگر کو پھر وسعت صحرا دے
پیدا دل ویراں میں پھر شورش محشر کر
اس محمل خالی کو پھر شاہد لیلا دے
اس دور کی ظلمت میں ہر قلب پریشان کو
وہ داغ محبت دے جو چاند کو شرما دے
رفعت میں مقاصد کو ہمدوش ثریا کر
خوداری ساحل دے آزادی دریا دے
بے لوث محبت ہو بے باک صداقت ہو
سینوں میں اجالا کر دل صورت مینا دے
احساس عنایت کر آثار مصیبت کا
امروز کی شورش میں اندیشہ فردا دے
میں بلبل نالاں ہوں اک اجڑے گلستاں کا
تاثیر کا سائل ہوں محتاج کو داتا دے
شاعر:علامہ اقبال
انتخاب:شمع مسکان

غزل

رات کی بیکراں خموشی میں
سن رہا ہوں اذاں خموشی میں
اپنی آنکھوں سے کوئی بات نہ کر
لطف ہے میری جاں خموشی میں
خواب نیلام ہو نہیں پائے
بند کر دی دکاں خموشی میں
یہ برا وقت کل نہیں ہوگا
دے ذرا امتحان خموشی میں
دل میں اک یاد سی سلگتی ہے
اٹھ رہا ہے دھواں خموشی میں
اوڑھ لے شال موسم گل کی
ڈھل چکی ہے خزاں خموشی میں
چھپ گیا آفتاب اور کہیں
سو گئے ہیں مکاں خموشی میں
شاعر:آفتاب خان
انتخاب:سلمٰی عنایت حیا...... کھلابٹ، ٹاؤن شپ

غزل

فروغ رنگ گلستاں کا استعارہ بنے
کوئی خیال تو ہو جس سے گل ستارہ بنے
اگر کہو تو ادھورا رہے یہ خواب جمال
اگر کہو تو یہ تصویر گل دوبارہ بنے
نئے خطوط یہ ہوئی ہے گر نئی تشکیل
تو ایک خطہ تمہیں یہ جہاں سارا بنے
کوئی عبارت ہستی کی شرح کیسے کرے
تمام حرف بنائیں تو اک اشارہ بنے
صدائے نور یہ آتی ہے کہکشاؤں سے
کہ یہ زمین محبت کا گہوارہ بنے
شاعر:اسلم انصاری
انتخاب:ہالہ وسلیم......کراچی

alam@aanchal.com.pk

ہما ذوالفقار

ماں

ایک دن میں نے ماں سے پوچھا۔
"جن کی ماں نہیں ہوتی، ان کے لیے دعا کون کرتا ہے؟"
وہ بولیں۔ "دریا اگر سوکھ بھی جائے تو ریت سے نمی نہیں جاتی۔"

انیقہ احمد...... کوٹ سارنگ

رشتہ تقدس

حق گوئی ایک عبادت ہے رشتہ کوئی بھی ہو اگر اس میں تقدس نہ ہو تو اس تعلق کی بنیاد پامال ہو جاتی ہے اور وہ ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔
تعلق کی بنیاد صدق دل کی سچائی پر نہیں بلکہ دو پارٹ پر مشتمل ہے۔
دل کی سچائی، عقل کی جنگ
پوائنٹ آف ویو کا مطلب ہی ہر اس رشتے کی الجھنوں کو سلجھانا ہے جو بے دریغ پامال ہوتے ہیں فی الفور انہیں پامالی سے بچایا جائے۔
رشتے کا مطلب تو سبھی کو پتا ہے لیکن تقدس وہ لفظ ہے جو کم لوگوں کو سمجھ آتا ہے۔
ت ق دس
ت سے تمیز
رشتوں کی تمیز کی دیوار جب تک برقرار رہے تو سب ٹھیک رہتا ہے تمیز ایک ایسا محاورہ ہے اگر چہ کوئی آپ کو کوئی برقراری بھی دے جائے آپ تمیز کی دیوار قائم رکھتے ہیں۔
ق سے قیمت
اگر چہ تمیز انسانیت میں اہم پہلو ہے اسی بنا پر قیمت بھی بڑی مثال ہے دنیا میں چاہے جتنے بھی کام ہوں لیکن اگر وقت پر ہو جائے تو مثال قائم کر دیتا ہے چونکہ اگر کوئی حادثہ ہمارے خود کے ساتھ ہو پھر ہمیں دوسرے کی قیمت کا پتا چلتا ہے چاہے وہ وقت ہو، انسان ہو یا کوئی مادی اشیاء ہو۔
د سے دل
دل ایک ایسا نرم گوشہ ہے، جس کا ہمیشہ انتظار رہتا ہے جیسے درد، دلدل وغیرہ، لیکن دل پاکیزہ ہستی ہے کچھ لوگوں کا ذہن، دل کے کنٹرول میں ہوتا ہے کچھ کا دل ذہن کے قابو میں ہوتا ہے درد سے آپ تعریف وصول کر سکتے ہیں عقیدت نہیں، اس طرح دلدل ایک ایسا لفظ ہے اگر اسے الگ الگ لکھا جائے تو یہ دل دل ہی بنتا ہے۔ جیسا کہ دل، دل، دلدل...... وغیرہ۔
دل اور دلدل کا مشترکہ بندھن ہے مثال کے طور پر خوشی وغمی کا، دکھ وسکھ کا جنت ودوزخ کا زندگی وموت، بیٹی و بیٹا کا۔
س سے سکھ
سکھ ایک ایسا محاورہ ہے، جس کی ہر ایک کو ضرورت ہوتی ہے امیر، غریب، بڑا، چھوٹا کوئی بھی ہو، اگر اسے سکون نہیں تو اسے دنیا کی ہر نعمت پھیکی لگتی ہے اور رشتہ ایسی صلاحیت ہے جو سکھ کے ساتھ تھوڑے دکھ بھی دیتا ہے عاقل اور بالغ بلکہ سب کو اسے صبر کے ساتھ ہینڈل کریں۔
ت ق دس ایسا پوائنٹ آف ویو ہے اگر کوئی اس کی وضاحت کرنا شروع کر دے تو ورق ختم ہو جائیں وقت تھم جائے لیکن پھر بھی کوئی نہ کوئی کردار باقی رہ جاتا ہے اگر ہم ان کرداروں کو سمجھ جائیں تو ہم بزنس لائف، پولیٹیکل لائف، لاء لائف، ازدواجی، لائف بنا کسی پریشانی اور تکلیف کے بغیر گزار سکیں گے۔

مہوش آرائیں......

چیخ و پکار

چیخ و پکار انسان کے وقار میں کمی کا باعث بنتی ہے۔
لوگوں کو اپنی خاموشی سے خوفزدہ کرنا سیکھو۔
(بانو قدسیہ)

شزا بلوچ...... جھنگ صدر

ایک شہید کی فریاد

اے میری قوم کے لوگو! میرے خواب مجھے لوٹادو
کی تھی تمہارے لیے محنت دن رات، مجھے لوٹادو
سوچا تھا مستحکم ملک کا خیال مجھے لوٹادو
تیاگ دیا اس مٹی کے لیے تن من مجھے لوٹادو
نہیں دیکھ سکتا سسکیاں یہ آنسو مجھے لوٹادو
بے کسوں بے بسوں کے دکھ درد مجھے لوٹادو
بنایا تھا جو میں نے وطن پاک مجھے لوٹادو

سعدیہ حورعین حوری...... ستوں کے پی کے

یاد رکھنے کی باتیں

☆کسی چیز کے نہ ہونے کی محرومی کا دکھ اتنا نہیں جتنا رشتوں کی محرومی کا ہوتا ہے۔

☆سب کے پیار میں دکھاوا ہوسکتا ہے لیکن ماں کے پیار میں نہیں۔

☆وقت، رشتے اور حالات یہ تینوں چیزیں انسان کو کبھی بہت بزدل اور کبھی بہت نڈر اور بے خوف بنادیتے۔

☆اگر تم کسی سے جیت جاؤ تو اتنا خوش نہ ہو کیونکہ اگر تم ہارنے والے کی آنکھوں میں چھپا درد دیکھ لو تو تمہیں اپنی جیت بے معنی لگے گی۔

رقیہ امیر...... ڈی آئی خان

آج کی بات

جس گاؤں میں بارش نہ ہو وہاں کی فصلیں خراب ہوجاتی ہیں اور جس گھر میں دین نہ ہو وہاں کی نسلیں خراب ہوجاتی ہیں۔

مدیحہ کرن...... وزیرآباد

دل

حساس دل ہونا برا تو نہیں مگر کبھی کبھی حالات اور بدلتے وقت کو دیکھ کر لگتا ہے حساس دل ہونا بھی ایک خامی ہے ذرا سا گرم و سرد سہنا بھی بس سے باہر ہوتا ہے، دل یوں تڑپتا ہے کہ لگتا ہے بس اب کے دل پروقت نزع ہے۔ مگر ذرا سی آس پر پھر جی اٹھتا ہے ایک عجب باغی سے واسطہ پڑا ہے میری کوئی مانتا ہی نہیں ہے ہمیشہ اس بے وفا کی طرف داری کرتا ہے جو اس کا ہے ہی نہیں اے میرے دل باز آجا بے موت مارا جائے گا۔

سیدہ جیا عباس کاظمی...... تلہ گنگ مرالی

توفیق

رابعہ بصری سے کسی نے پوچھا کہ
''کیا گناہگار کی توبہ قبول ہوتی ہے؟''
فرمایا: ''انسان اس وقت تک توبہ کر ہی نہیں سکتا جب تک اللہ توفیق نہ دے اور جب توفیق مل جائے تو پھر قبولیت میں کوئی شک نہیں رہتا۔''

طیبہ خاور سلطان...... عزیز چک، وزیرآباد

سچی بات

لوگ کیا کہیں گے؟ یہ ایک ایسا فقرہ ہے جو روزانہ لاکھوں خواب چکنا چور کردیتا ہے۔

عنبر مجید...... کوٹ قیصرانی

کیڑے

جھوٹ، غیبت اور ناشکری ایسے کیڑے ہیں جو رزق کی کشادگی اور گھر کی خوشحالی کو آہستہ آہستہ کھا جاتے ہیں۔

مدیحہ نورین مہک...... گجرات

لوکرلو عشق

وہ گلی سے گزر رہی تھی میں نے اس کے قدموں کے نشان چوم لیے فراز
وہ ہمارے گھر آئی اور بولی ماسی تواڈا منڈا مٹی کھاندا اے لوکرلو عشق

فاخرہ شوکت...... گگومنڈی

افسانچہ

ہائے تم کہاں چلے گئے ہو تمہیں پتا ہے کہ تمہارے دیدار کے بغیر میرا ایک دن بھی نہیں گزارتا اور تم کو تین دن ہوگئے ہمیں یاد ہے تم کو ہماری زلفوں سے کتنا پیار ہے دن میں کم از کم تم تین دفعہ تو میری زلفوں کے ساتھ کھیلتے تھے مجھ پر ہر رنگ سوٹ کرتا ہے جب سے تم کھوئے ہو میری زلفیں الجھ گئی ہیں تمہارے بغیر میرا دن گزرتا ہے نہ رات پلیز میرے پیارے سوئٹ لال ڈاکس والے کنگھے لوٹ

آؤ نا پیارے لگتے۔

اقصیٰ شوکت...... گگو منڈی

ڈبل

میں نے اپنی بیوی سے کہا ”میرا دل ایک موبائل ہے اور تم اس کی سم کارڈ ہو۔“ بیوی آہستہ سے بولی ”ایک بات پوچھوں آپ سے۔“ میں نے کہا ”ضرور پوچھو۔“ وہ ڈرتے ڈرتے بولی ”تمہارا موبائل ڈبل سم والا تو نہیں ہے ناں؟“

ارم کمال...... فیصل آباد

کیا بات ہے

محبوب نے محبوبہ سے پوچھا ”اگر تمہیں مجھ سے محبت تھی تو تم نے میرے پہلی مرتبہ اظہار محبت پر ناراضگی کیوں دکھائی تم نے تو مجھے پہلے ہی مسترد کر دیا تھا۔“

محبوبہ: ”میں دیکھنا چاہتی تھی کہ تم کیا رد عمل دکھاتے ہو۔“

محبوب: لیکن بھئی یہ بھی تو ہوسکتا تھا کہ میں تمہارے جواب پر مایوس یا ناراض ہو کر چلا جاتا اور پھر کبھی بھی لوٹ کر نہیں آتا۔“

محبوبہ: ”ایسا نہیں ہوسکتا تھا کیونکہ میں نے دروازے کو تالا لگا رکھا تھا۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

قیمتی باتیں

☆ عقل کی کروڑوں دلیلیں اللہ سے ایک گناہ بھی معاف نہیں کرا سکتی لیکن ندامت کا ایک آنسو زندگی بھر کے گناہ معاف کرا سکتا ہے لوٹ آؤ اللہ کی طرف اس سے پہلے کہ لوٹ جاؤ تم اللہ کی طرف۔

☆ جس طرح اچانک آپ کے پاس مہمان آتے ہیں اسی طرح اچانک موت بھی آسکتی ہے کیا ہم نے موت کی تیاری کی ہے۔

☆ آپ سب دوستوں سے گزارش ہے کہ کم از کم نمازوں کا خاص خیال رکھیں کیونکہ موت کبھی بھی آسکتی ہے۔

☆ ہر وہ دن تمہارے لیے عید کا ہے، جس دن تم سے کوئی گناہ نہ ہوا ہو۔

☆ اچھے لوگوں کا آنا تمہاری زندگی میں تمہاری قسمت ہوتی ہے اور انہیں سنبھال کر رکھنا تمہارا ہنر ہے۔

☆ اس شخص کو کبھی مت گنوانا جس کے دل میں تمہارے لیے محبت اور تمہارے لیے فکر ہو۔

نورین انجم...... کراچی

سادگی

سادگی بذات خود ایک حسن ہے
یہ ایک ایسی خوب صورتی ہے
جس کو نہ تولا جاسکتا ہے
نہ دیکھا جاسکتا ہے
اس کو صرف محسوس کیا جاسکتا ہے

شبنم حنیف...... لاہور

حلوہ

ایک مولوی بس میں جا رہا تھا، اگلی سیٹ پر بیٹھی عورت بار بار اپنے بچے کو کہہ رہی تھی۔ ”بیٹا یہ حلوہ کھالو ورنہ میں اس مولوی کو دے دوں گی۔“

جب چوتھی بار عورت نے کہا تو مولوی تنگ آ کر بولا ”بی بی جلدی فیصلہ کرلو تمہارے حلوے کے چکر میں، میں چار اسٹاپ آگے آ گیا ہوں۔“

مسکان جاوید اینڈ ایمان...... نور کوٹ، ساہیہ

ضمیر

انسان کا ضمیر بھی عجیب شے ہے یہ اگر سو جائے تو انسان پستیوں میں جا گرتا ہے، اسے یہ احساس ہی نہیں رہتا کہ وہ اس کائنات کا مرکز ہے۔ وہ جو کچھ کرتا چلا جا رہا ہے وہ اس کے شایان شان نہیں، اسے یہ بھی احساس نہیں رہتا کہ وہ خود کیا ہے؟ اس کی تخلیق کا مقصد کیا ہے؟ لیکن اگر یہی ضمیر بیدار ہو تو انسان کو خود بخود ان راہوں پر لے جاتا ہے جہاں انسانیت کے اعلیٰ معیار ہیں۔ اسے شعور ہوتا ہے کہ کائنات اور اس کا تعلق کیا ہے اور وہ کس مقصد کے تحت اس کائنات میں موجود ہے۔ ضمیر کا یہ عمل بڑی حد تک لاشعوری ہوتا ہے، انسان کو پتا ہی نہیں چلتا کہ وہ کس

وقت کیا ہے؟

امجد جاوید کی عشق کا قاف سے اقتباس:۔
مصطفیٰ...... جہلم

زندگی کے رہنما اصول

❁ بدترین شخص وہ ہے، جس کے ڈر سے لوگ اس کی عزت کرنے پر مجبور ہوجائیں۔

❁ خونی رشتوں سے قطع تعلق کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔

❁ اس شخص پر دوزخ حرام ہے جو نرم مزاج اور نرم خو ہو۔

❁ دولت مت جمع کرو کفن میں جیب نہیں ہوتی۔

❁ دنیا کے بازار میں زندگی کا سب سے قیمتی سکہ حوصلہ ہے۔

❁ بلند حوصلہ بلند مقاصد کی تکمیل ہے۔

❁ بھوکا سویا رہنا مقروض ہوکر اٹھنے سے بہتر ہے۔

❁ ہم دولت سے ہم نشین حاصل کرسکتے ہیں دوست نہیں۔

❁ زندگی میں تین چیزیں نہایت سخت ہیں۔
خوف مرگ...... شدت مرض...... ذلت قرض

ماریہ کنول...... چک ورکاں

حضور ﷺ کی عظمت آئینہ علم میں

ایک نامعلوم متعصب ذہنیت رکھنے والا مورخ یوں رقمطراز ہے

"یہ بات مجھے ورطۂ حیرت میں ڈالتی ہے کہ چند ایک غریب اور مفلوک الحال مسلمان ایک ایسی مسجد میں بیٹھتے ہیں جس کی چھت کھجور کے پتوں سے ڈھکی ہے، حتیٰ کہ بارش ہو تو چھت ٹپک ٹپک کر نیچے کیچڑ ہوجاتی ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار جب سجدہ کرتے ہیں تو پیشانی کیچڑ سے لت پت ہوجاتی ہے۔

مگر یہ لوگ جب مسجد میں بیٹھ کر مشورے کرتے ہیں تو ایران و روم کی سلطنتوں کو تخت و تاراج کرتے اور آتش کدہ ایران کو ٹھنڈا کر کے خدائے واحد کی حکمرانی کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں اور پھر ہم دیکھتے ہیں کہ چند ہی سالوں میں یہ ایسا کر دکھاتے ہیں۔ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا تو قائل نہیں ہوں مگر یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ اتنا بڑا انقلاب کیسے آ گیا۔"

(واصف علی واصف)
شبیر احمد...... کراچی

حکمت معرفت کی سوغی

❁ حق تعالیٰ رشاد فرماتا ہے، اے ابن آدم! ظالم بادشاہ اور امیر کبیر سے مت ڈر جب تک میری سلطنت ہے اور وہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

❁ اے ابن آدم! کسی سے کچھ مت مانگ، جب تک تو مجھ سے پائے اور مجھے جب تک چاہے گا پائے گا۔

❁ اے ابن آدم! میرے غصے سے بے باک نہ ہو، جب تک تو پل صراط سے گزر کر بہشت میں داخل نہ ہوجائے۔

❁ اے ابن آدم! میں تیرا دوست ہوں تو بھی میرا دوست بنا رہ اور میری صحبت اور عشق کے غم سے خالی نہ ہو۔

شجاع جعفری...... تلہ گنگ

ڈاکٹر

بیوی: شوہر کی ٹائی پیار سے کھینچتے ہوئے بولی کہ "آپ جب بھی مجھے بلاتے ہیں بھینس بکری کہہ کر بلاتے ہیں اور وہ فائزہ کا شوہر اسے ہمیشہ چاند تارا کہہ کر بلاتا ہے۔"

شوہر: "تمہیں پتا ہے کہ فائزہ کا شوہر ماہر فلکیات ہے اور میں ڈنگر ڈاکٹر۔"

ماریہ کنول ماہی...... چک ورکاں

shukhi@aanchal.com.pk

جوہی احمد

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! اللہ عزوجل کے بابرکت نام سے ابتدا ہے جو وحدہ لاشریک ہے۔ سب سے پہلے تو حجاب کے سالگرہ نمبر کو سراہنے پسند کرنے اپنی آرا و تجاویز سے نوازنے کا بے حد شکریہ۔ آپ کے یہ چند تعریفی کلمات ہمارے لیے بے حد قیمتی اور اہمیت کے حامل ہیں امید ہے دسمبر کا یہ شمارہ بھی آپ کے ادبی ذوق کے عین مطابق ہوگا۔ اپنے تبصروں کے ذریعے اپنی تعریف و تنقید ہم تک پہنچاتے رہیے تاکہ مصنفین کے قلم کا حق بھی وصول ہو سکے آئیے اب چلتے ہیں حسن خیال کی جانب جہاں آپ بہنوں کے خیالات اس محفل کو رونق بخش رہے ہیں۔

ماورا طلحہ..... گجرات

سوز فراق یار میں مرنا کمال نہیں
ہجر کے ہجر یار میں جینا کمال ہے

السلام علیکم! سب پڑھنے والوں کو، لکھنے والوں کو اور انتظامیہ کو تہہ دل سے سلام عرض ہے۔ امید کرتی ہوں سب ٹھیک اور زندگی کے ساحل سے خوشیوں کے موتی تلاش کرنے میں مگن ہوں گے۔ آپ سب کے لیے دعاؤں کے خزانے قبول فرمائیے۔ حجاب کی سالگرہ گزر گئی۔ دو سال گزر گئے اور پتا بھی نہیں چلا، ابھی پچھلے دنوں کی بات لگتی ہے جب آنچل میں پڑھا کہ آنچل کی بہنا حجاب کا اجرا کیا جارہا ہے اور اس کے لیے لکھاری بہنوں کا تعاون درکار ہے اور آج ماشاء اللہ حجاب اپنی پہچان بنا چکا ہے۔ حجاب کو یہاں تک لانے میں انتظامیہ کی بھرپور محنت شامل ہے اور وہ اس کے لیے مبارکباد کے حقدار ہیں۔ ٹائٹل پہ ماڈل سرخ لہنگا پہنے دلہن بنی براجمان تھی۔ ٹائٹل اچھا تھا مگر پچھلے چند ماہ کے ٹائٹل ایسے زبردست پیش کیے گئے تھے کہ اس ماہ بھی ہم ویسی ہی امید لیے بیٹھے تھے۔ چلیں خیر زندگی کا ساتھ رہنا چاہیے چیزیں اچھی ہوتی رہتی ہیں۔ اگر فہرست کی بات کروں تو فہرست دیکھ کر دل باغ باغ ہوگیا۔ ماشاء اللہ نامور لکھاری حجاب سالگرہ نمبر کو رونق بخشے ہوئے تھیں۔ نزہت آپا، رفاقت جاوید، صائمہ آپی، سباس آپی، یاسمین نشاط، طلعت نظامی، رابعہ افتخار، نازیہ جمال، ندا حسنین اور سمیرا غزل۔ ایک سے بڑھ کر ایک نام اور یہ سب نام ایسے ہیں جو کسی بھی ڈائجسٹ کی کامیابی کی ضمانت ہیں اور جب یہ سب ستارے اکٹھے ہو جائیں تو محفل کا عالم کیا ہوگا؟ یہ آپ سب بہتر جانتے ہیں۔ بات چیت میں قیصر آرا آپا حجاب سے متعلق لکھنے والوں کی کاوشوں کو سراہ رہی تھیں۔ نازیہ کنول نازی کو ہماری طرف سے بھی کتاب کے پہلے حصے کی اشاعت پہ مبارکباد اور سلمیٰ فہیم گل کو بھی اس کامیابی پہ ڈھیروں مبارکباد۔ آخر میں آپا نے سوشل میڈیا کے ساتھیوں کو سراہا تو اس میں کچھ حصہ میرا بھی شامل ہے تو اس کے لیے بہت شکریہ آپا، دعاؤں میں یاد رکھیے۔ حمد و نعت سے دل منور کیا۔ مہ وش افسر کی حمد کا ہر شعر کمال تھا۔ نعت کی تعریف ممکن ہی نہیں ہر شعر دل میں اتر گیا۔

انہی کی ذات اقدس وجہ تخلیق دو عالم ہے
جو کھاتے پیتے ہیں ہم سب، وہ ہیں صدقات پیغمبر

اب چلتے ہیں حجاب کی پریوں کی طرف' مہوش نواز، شازیہ لطیف، راحیلہ بتول اور اریقہ بشیر اپنا تعارف کیے حاضر تھیں۔ مہوش آپ اور میں ایک ہی سال دنیا میں تشریف لائے تھے بس آپ کا مہینہ تھوڑا آگے ہے۔ آپ کے پسندیدہ ناول واقعی پسند کیے جانے کے قابل ہیں۔ شازیہ بہت اچھا لگا آپ کے متعلق جان کر، آپ کی پسندیدہ رائیٹرز کس کو نہیں پسند اور آپ کا پسندیدہ شعر تو میری بھی پسند ہے۔ راحیلہ بتول آپ اور میں ایک دن ہی پیدا ہوئے اور ضلع بھی ایک ہی ہے، مبارک ہو ہم دونوں کو (ہاہاہا)۔ اریقہ آپ کے متعلق پڑھ کر خوشی ہوئی بہن بھائیوں کا پیار بہت انمول ہوتا ہے خدا سلامت رکھے۔ رخ سخن میں بھی فردوس جلوہ افروز تھیں۔ انہی کو جاسوسی گروپ میں بحث و مباحثہ کرتے اکثر دیکھا ہے اور دور سے ہی دیکھا ہے مگر آپ کے متعلق بہت اچھی رائے ہے۔ ہمیشہ خوش رہیں اور آگے بڑھتی جائیں۔ ''سالگرہ کا دن آیا ہے'' سروے میں حجاب کے متعلق سب کے جواب پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ ان شاء اللہ وہ دن دور نہیں جب حجاب ہر کسی کے دل میں جگہ بنا چکا ہوگا۔ رفاقت جاوید کا ناولٹ بہت اچھا لگا۔ ناولٹ کا نام بہت منفرد لگا اور کہانی بھی زبردست تھی۔ رفاقت آپا کی کہانیوں کا ابتدائیہ بہت زبردست ہوتا ہے اور یہی چیز قاری کو اپنے سحر میں جکڑ لیتی ہے۔ آپا آپ کے لیے ڈھیروں نیک تمنائیں۔ یاسمین نشاط بہت اچھا لکھتی ہیں اور یہ کہانی اس کا ثبوت ہے۔ آج کل یہ حالات ہر جگہ دیکھنے میں آرہی ہے، ہماری ضعیف الاعتقادی جاہل لوگوں کو زیادہ منافع دیتی ہے۔ یہ کہانی تو ہر گلی محلے کی ہے اور اگر اس کے خلاف بولنے کی جرأت کریں تو ردعمل میں ہم سے مسلمان ہونے کا حق چھین کر کافر منافق اور نہ جانے کیا کیا بنا دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت دیں اور اپنی حفظ و امان میں رکھیں۔ ''شبنم بدست لوگ'' طلعت آپا پہلے تو خوبصورت نام کے لیے داد قبول کریں۔ نام سے کہانی کا کوئی اور رخ سوچا تھا مگر پڑھ کے اندازہ ہوا کہانی کچھ اور ہے۔ آپ نے بہت اچھی طرح اپنا نقطہ نظر واضح کیا اور میرے خیال میں یہی سوچ ہے جو لڑکیوں کے بگاڑ کا سبب بن رہی ہے۔ اخلاق کو پس پشت ڈال کر شکل و صورت پہ مرنے والے لوگ بہت سے اچھے لوگوں کی دل آزاری کر جاتے ہیں۔ رابعہ افتخار کی کہانیاں آج کل کے پریشان کن حالات میں تھوڑے ہلکے پھلکے موضوعات لیے ہوئے ہوتی ہیں اور یہی چیز خوش کرتی ہے۔ گھریلو ماحول، محبت اور رشتوں سے گندھی کہانی بہت اچھی لگی۔ رابعہ آپی کرداروں کی منظر کشی بہت اچھے سے کرتی ہیں یوں لگتا ہے کہ ان کے لکھے کردار سامنے گھوم رہے ہوں۔ آپ کے لیے بہت سی نیک تمنائیں۔ ''میرا عشق بھی تو'' نزہت آپا کامیاب ناول کے لیے بہت سی مبارکباد قبول کریں۔ آپ کے افسانے اور ناولٹ تو پڑھ چکی تھی مگر ناول پہلا پڑھا ہے اور بہت بہت اچھا لگا۔ انشال کا احساس ذمہ داری اور اس کی کاوشیں دل کو چھو گئیں مگر اسے مصطفیٰ کو اعتماد میں لینا چاہیے تھا۔ وہ تو صد شکر کہ مصطفیٰ آ گیا ورنہ ہمارے ہاتھوں اس کی خیر نہیں تھی۔ آپا ایسا ہی اچھا اچھا لکھتی رہیں۔ نازیہ جمال کمال لکھنے والی لکھاری ہیں کم لکھتی ہیں مگر خوب لکھتی ہیں۔ کافی عرصے بعد نازیہ کا لکھا پڑھا اور بہت اچھا لگا۔ نازیہ آپ کے قاری آپ کو پڑھنا چاہتے ہیں پلیز زیادہ زیادہ لکھیں۔ آپ کا افسانہ بہت اچھا تھا۔ قول و فعل میں تضاد پہ لکھی آپ کی تحریر کامیاب ٹھہری، آپ کے لیے بہت سی دعائیں۔ ''محبت

میری آخری شرارت تھی'' شکر ہے دوسری قسط ملی۔ صائمہ آپی کہانی بہت اچھی جا رہی ہے اور اب تو ماہ گل اور ماہ روش کا قصہ بھی مکمل گیا ہے۔ دیکھتے ہیں اب گل میر صاحب کا کیا انجام ہوتا ہے۔ ''دھڑکنو تھلیہ'' ''محبت میری آخری شرارت تھی'' واویہ سطر تو دل میں اودھم مچا گئی۔ آگے کے لیے نیک تمنا ئیں۔ ویسے اس دفعہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ ہر کہانی کا عنوان کمال تھا۔ ہر عنوان چونکانے کی صلاحیت سے بھرپور اور اس میں اضافہ کیا عنقا نے۔ ندا آپی کمال کر دیا۔ سارا افسانہ چشم بددور تھا مگر کچھ پیراگراف تو افسانے کو عروج پہ لے گئے۔ علامتی اور ذو معنی جملوں نے افسانے کو چار چاند لگا دیے اور مجھے یقین ہے یہ افسانہ آپ کے فینز میں اور اضافہ کرنے والا ہے۔ سباس آپی بہت اچھا ناولٹ لکھا آپ نے۔ بزرگ گھروں کے لیے بہت گھنے سایہ دار درخت ہوتے ہیں اور ہمیں قدر کرنی چاہیے۔ پلیز ہم منتظر ہیں کوئی اچھا سا ناول لے کر آئیے۔ کافی عرصے سے افسانوں پر کیے بیٹھے ہیں۔ سمیرا کا چھوٹا سا افسانہ بھی اچھا لگا۔ مزاح کی جھلک نے زیادہ مزا دیا اور ہلکے پھلکے انداز میں سبق آموز باتیں بھی تھیں۔ خواب پچھلی شب کا ثنا نے اچھا لکھا۔ خواب زندگی میں بہت اہمیت رکھتے ہیں مگر آخر میں ترکی کی ٹکٹس تو میرا بھی دل خراب کر گئی۔ بھائی گھومنے پھرنے کی جنونی ہوں ایسی باتیں پڑھ کے کچھ کچھ تو ہوگا ناں۔ اب بات ہو جائے قسط وار ناولز کی تو ہر لکھنے والا چاہتا ہے کہ اس کا لکھا سراہا جائے اور اتنے طویل تبصرے کے بعد خود ہی شرمندگی ہوتی ہے کہ سب کہانیوں پہ تبصرہ کیا قسط وار رہ گئیں مگر آپ سب کے بہت اچھے نام اور کام ہیں اور آپ سب کے لیے نیک تمنا ئیں۔ ان شاء اللہ ناول آنے پہ ضرور پڑھوں گی۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو کامیاب کریں۔ ''حجاب نگری'' صرف اس محبت کے زیر اثر لکھا جو آنچل اور حجاب سے وابستہ سب لوگوں نے دی (اور بہت خوب لکھا) مجھے بولتے ہوئے واقعی پتا نہیں چلتا اگر کسی کو برا لگا ہو تو معذرت خصوصاً صبا آپی کی کافی تعریف کی اور تب سے مجھے گھوریوں سے نواز رہی ہیں۔ ''مظلوم مسلمان'' ماہم آپ نے جس موضوع پہ قلم اٹھایا یہ سب مسلمانوں کی تکلیف کا باعث ہے اور ہم اپنے مسلمان بھائیوں بہنوں کے لیے فقط دعا کر سکتے ہیں اللہ تعالیٰ قبول کریں۔ رفاقت آپا کے قلم کی دھار جیسا میں نے دیکھا میں واضح نظر آئی ہے۔ آپا آپ کا ہر انتخاب کمال تھا اور پروین شاکر کا لکھا ہر لفظ ہی تعریف کے قابل ہے۔

وہ تو خوشبو ہے ہواؤں میں بکھر جائے گا
مسئلہ پھول کا ہے پھول کدھر جائے گا

یہ غزل جب جب پڑھو تب تب خیالات میں اودھم مچا دیتی ہے۔ بزم سخن میں سب کا انتخاب بہت اچھا تھا مگر کنول نایاب اور حنا ملک کا انتخاب زیادہ پسند آیا۔ کچن کارنر زہرہ جبین میں منتظر ہوں آسان سی ترکیب کی مگر آپ میری صلاحیتیں آزمانے پہ مائل ہیں اب تو کچھ آزمانا پڑے گا (ہی ہی ہی)۔ آرائش حسن بھی اچھا سلسلہ ہے مگر وہ کیا ہے کہ ہم قدرتی حسین ہیں۔ عالم میں انتخاب میرا پسندیدہ سلسلہ ہے۔ زبردست انتخاب پڑھنے کو ملتا ہے۔ اس مرتبہ مجھے اپنا انتخاب ہی بہترین لگا کیونکہ فیض محمد سری کی نظم واقعی کمال ہے۔ حجاب کا ہر سلسلہ مجھے بہت پسند ہے۔ آپ کی محنت ہے اور ہماری داد اس محنت کو اور نکھارتی ہے۔ آخر میں اتنا کہوں گی جہاں رہیں خوش رہیں، ہنستے مسکراتے رہیں اور دعاؤں میں یاد رکھیں۔ والسلام۔

☆ ڈیئر ماورا، جب آپ کی تعریف و تنقید سب کی محنت کو نکھارتی ہے تو اس مقصد کے لیے ہر ماہ شرکت کرتی رہا کریں آپ کا تبصرہ پسند آیا اور انعام کا حق دار بھی ٹھہرا بہت مبارک ہو آپ کو۔

شازیہ ہاشم صیوانی عرف تمثال ہاشمی...... کھڈیاں خاص۔ السلام علیکم ٹھک ٹھک ٹھک......کون...... ارے پہچانا نہیں' کہاں پہچانا ہوگا؟ کیونکہ پہلی دفعہ حسن خیال کے فلور پر قدم جمانے کی کوشش میں تشریف آوری کا موقع ملا ہے' بوجہ مصروفیت اور دوسری وجہ مجھے رسالہ 12 یا 13 تاریخ کو ملتا ہے۔ اس دفعہ 7 کو ملا اور 8 کو ہم مدرسہ سے فری ہو کر قلم پکڑ کر حجاب کے لیے تعریفی کلمات لکھنے کے لیے صفحہ قرطاس پر اپنے خیالات کی دھنک بکھیرنے کی کوشش میں اتنے مگن کہ...... کیا بتاؤں پر پوچھو بس بات ہی ایسی ہے' جو ہنسا ہنسا کر انسان کو دہرا کر دے' ویسے بھی مجھے مسکرانا پسند ہے اگر آپ ہنسی کا کپا بننا چاہتے ہیں تو آئی ڈونٹ کیئر۔ چلو کچھ نہیں ہوتا کیا یاد رکھو گے یار! مجھے لکھنا نہیں آتا بس میری پنسل اپنی آکسیجن ہوئی انک کو پگھلا پگھلا کر میرے ہرٹ ایموشن کو ہیٹ دے کر میرے ہاتھوں کو فورس کر رہی ہے' لکھو لکھو' بس لکھو۔ اسی لیے لکھ رہی ہوں اے حجاب! رہنا سدا تابندہ اور پرچار کرنا ہمیشہ حیائے نسوانیت کے نوریں اصولوں کا' ارے اب بس حجاب میری طرف غصے سے نہیں بلکہ بہت پیار سے دیکھ رہا ہے کیونکہ اب میں اس پر تبصرہ کرنے والی ہوں ''Bye My Heart Emotional'' جیسے ہی رسالہ دست تمثال میں آیا' سرورق پر سرسری نظر ڈال کر مدیرہ صاحبہ سے گفتگو کی جنہوں نے مجھے حوصلہ دیا کہ تم آؤ تو سہی تمہیں ایک درخشاں ستارے کی شکل حجاب کے صفحات پر روشن کر دیں گے چاہے رائٹر بنوں یا نہ بنوں۔ حمد پر نظر پڑی تو اس کا لفظ لفظ عقیدت سے پڑھ کر رب کی کبریائی اور واحدانیت پر پختہ ایمان رکھتے ہوئے زبان سے بلاساختہ یہ اشعار نکلے۔

اپنے مالک سے اٹھ تُو فریاد کر
دل کو سجدے میں رکھ تُو عباد کر
روح کو نور تقویٰ سے شاد کر
نفس دشمن ہے دشمن کو ناشاد کر
دل کو نور خدا سے آباد کر
اور گناہوں کی خواہش کو تو برباد کر
حمد سے اس زباں کو حماد کر
سر کو چوکھٹ پر اس کی تو سجاد کر
قلب و جاں کو تو اس در پر عباد کر
اور سکون دل و جاں کو قلاد کر
اپنی خوشیوں کو تو اختر برباد کر
اپنے رب کی خوشی سے تو آباد کر

احمد علی کے نعتیہ کلام میں لفظ لفظ موتی پروئے ہوئے ہار کی نورانیت اور عشق و جنون کی کیفیت میں لکھے گئے الفاظ حسین کو دل کی نگری میں جذب کیا اور زبان نے بھی وجد کی کیفیت میں آکر یہ کہنا شروع کیا۔

میرے لب افق پر وہ جو کرن کرن کا پیام تھا
آقا ﷺ کا نام تھا
شب دین میں جو چراغ شب محو کلام تھا
آقا ﷺ کا نام تھا

اور یہ نام ان شاء اللہ مرتے دم تک رہے گا" ذکر اس پری وش کا" مہوش نواز! یار تیرے غصے سے ڈر لگ رہا ہے کہیں غصہ کی لہر ہمیں بہا کر نہ لے جائے۔ اتنے میں لفظوں سے آواز آئی نہیں میشو تو بڑی نرم دل ہے اوہ میری ہم نام شازی بہن میں بھی معلمہ ہوں اور مجھے بھی دسمبر کی راتیں بہت اٹریکٹ کرتی ہیں اچھا لگا آپ سے مل کر۔ واہ راحیلہ 14 اگست کو آئی آپ اور مابدولت 25 دسمبر کو اب ان دونوں کی مناسبت خود قائم کرلو اور آپ کا شعری ذوق بہت اچھا لگا' بحث و مباحثہ کا مجھے بھی شوق ہے اور کتابیں پڑھنے کا بھی۔ اللہ آپ کے علم و ادب میں مزید ترقی کرے ارے ابیہ ابھی تم بھی رہتی ہو چلو پہلے مونگ پھلی کھالو پھر تم سے ملتی ہوں منہ نہ بناؤ یار آ جاؤ تمہاری پسندیدہ چکن کڑاہی پکا کر کھلاؤں تصورات کی وادی میں" Be Always & Happy Brithday"۔ رخ سخن میں فہمی فردوس سے مل کر اچھا لگا۔" سالگرہ کا دن آیا ہے" ہم تو غافل ہی رہے اس میں شریک ہوئے اب اس میں ایڈمیشن مل سکتے ہیں' نہیں تو نا سہی۔ میں قارئین کے سوالات سے اپنے دل کو حوصلہ کی وادی میں لے جا کر تھپکی دے کر سلاتی ہوں کہ اتنی جلدی مان گیا' ویل ڈن ڈیئر رفاقت جاوید" ایک حور ہوں" شروع کے الفاظ نے ہی آکٹوپس کی طرح جکڑ لیا آگے آپ خود سوچیں کہ پھر کتنا سحر میں جکڑی ہوگی۔ زویا کی ماں" زرینہ" بے حد اچھی لگی اور زویا کا انداز فکر اور حق کہنے کی عادت اچھی لگی لیکن سیم ٹائم ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان اپنے آپ کو سب سے بہتر' سمجھتے ہوئے اندھے کنویں میں چھلانگ لگا دیتا ہے لیکن زویا کو گرنے سے پہلے ہی تھام لیا گیا۔ واقعی ایک ماں کو ایسے ہی اپنی بچی کو قدر سکھانی چاہیے۔" بھابی بیگم" منفرد انداز میں لکھی ہوئی دل کو اچھوتے احساسات سے دوچار کرگئی کہ آج سوسائٹی میں ایسے ہی کتنے کردار ہیں جو سادہ لوح مسلمانوں کو راہ مستقیم سے راہ گمراہی کی طرف لے کر جا رہے ہیں ویسے ڈیئر آپی یاسمین! ایک بات بتاؤں' میں بھی بیان وغیرہ کرتی ہوں مگر مجھے عقائد و دین کی بات سنا کر پیسہ لینے والے سخت ناپسند ہیں ہاں اگر بطور ہدیہ دے تو قبول کرتی ہوں' ویسے بھی تمام مدارس ایک جیسے نہیں ہوتے۔ میرے بابا جانی کا مدرسہ ہے اور ابو یہ چاہتے ہیں کہ گھر والے چاہے بھوکے رہیں مگر بچے نہ رہیں اور آج تک ہمیں یہی حسرت رہی کہ ہمارے گھر کا پینٹ ہو جائے لیکن جامعہ کا ہوا ہے جو مابدولت نے کروایا ہے مگر علماء کے درمیان کچھ لوگ ناسور کی طرح پیدا ہوتے ہیں ایسے ناسوروں کو ختم کرنے کی ضرورت ہے" میرے خواب زندہ ہیں" میرا فیورٹ سلسلہ وار ناول ہے' لگتا ہے باسل کے دل میں لالہ رخ کے لیے سافٹ کارنر پیدا ہو گیا ہے ویسے مجھے فراز شاہ بائی کریکٹر اور ہائی نیچر بہت پسند ہے اور ایک بات ایسا فیل ہوتا ہے ابرام اسلام قبول کرے گا کیوں ڈیئر رائٹر ایسی ہی بات ہے؟ ویسے رائٹر! اچھا جا رہا ہے آپ کا ناول لیکن تھوڑی سی اسپیڈ فاسٹ کریں۔" شبنم بدست لوگ" ہلکی پھلکی سی تحریر دل کو بوجھل کرکے آنکھوں میں اشک کو بے قابو کرکے گالوں پر ڈھلکنے پر مجبور کر دیا خاص طور پر سائرہ کے الفاظ نے رلا دیا۔ واہ رابعہ افتخار" کوئی اپنا ہو" میں شعق کے خلوص اور مثبت سوچ دیکھ کر دل نے اس بات کا عندیہ دیا کہ اگر زندگی میں خلوص کی ہوائیں اور مثبت سوچ کی آکسیجن ہو تو مراد من آسانی سے مل جاتی ہے اور انسان قدم قدم راہ کامیابی کی طرف سرشار ہو کر بڑھتا ہے۔" دل کے دریچے" پڑھ کر تو واقعی دل کے دروازے وا ہو جاتے ہیں کہیں روشنی کو دیکھ کر بلا ساختہ کھلنے والے منہ کو بند کیا جاتا ہے' کہیں فائز کی گہری محبت کو دیکھ کر دل کی وادی میں خلوص کے گلابوں سے خوشبو مہکتی نظر آتی ہے' کہیں شاہ پر ترس آتا ہے کہ کچھ برا نہ ہو جائے اور سفینہ تو ہے ہی بیسٹ کریکٹر۔ بہر حال اب کچھ برا نہ کرنا ویسے روشی بڑی خود غرض سی لگی۔" میرا عشق بھی تو" اچھی تحریر تھی' انشال کی ثابت قدمی اور جذبہ ایثار نے متاثر کیا کہ کوئی اپنوں کے لیے اتنا بھی کر سکتا ہے مگر وہ کہتے ہیں کہ یہ رشتے ناطے جھوٹے ہیں چلو خیر مجھے آگے بھی سفر کرنا ہے۔ نازیہ جمال تو نے تو میری دکھتی رگ کو چھیڑ دیا آج کل ایسا ہی ہو رہا ہے۔ بہو کو یہی طعنہ دیا جاتا ہے لیکن کچھ لڑکیاں ایسی ہوتی ہیں جو اپنے اوپر سب کچھ برداشت کرتی ہیں لیکن اوروں کو دکھ میں مبتلا نہیں دیکھ سکتیں۔ دشمہ کا کردار بہت اچھا لگا۔" محبت میری آخری شرارت تھی" صائمہ قریشی معذرت کے ساتھ پورا ہونے پر بھرپور تبصرہ کروں گی کہ آپ مجھے داد دینے پر مجبور ہو جائیں گی اور آپ کا دل خوشیوں اور مسرتوں کے ہنڈولے میں جھولے گا" شب آرزو تیری چاہ میں" واہ ڈیئر نائلہ! یہ اچھا کیا دراج کے دل میں محبت زرکاش کو پیدا کیا ورنہ مجھے غصہ آتا تھا دراج پر لیکن اب نہیں۔ سباس گل اللہ آپ کے قلم میں مزید نکھار دے' آپی آپ نے تو کمال کر دیا یہ ایک بہت پیارا پیغام ہے' بیٹیوں کے لیے' بیٹوں کے لیے' بہوؤں کے لیے ویسے دادا اور دادی کا پیار قابل رشک تھا۔ منال جیسی بچی ہو تو گھر خود بخود دستور جایا کرتے ہیں ویسے آپی آپ کی تحریر نے تمام تحریروں پر غلبہ پالیا۔ امید ہے کہ آپ دوبارہ پھر کوئی ایسا منفرد موضوع لے کر حاضر ہوں گی جو ینگ جنریشن کی تربیت میں اہم کردار ادا کرے۔ مصروفیت کی بناء پر ابھی کچھ تحاریر باقی ہیں مگر" ڈھل گیا ہجر کا دن" لگتا ہے نیا موڑ اختیار کر گیا ہے آرٹیکل ماہم انصاری کا پڑھا تو دل غم کی اندوہ کھائی میں ڈوب گیا اور بلا ساختہ کچھ الفاظ زبان شاز سے ادا ہوئے۔

زمین کی وکالت نہیں چلتی
جب فیصلے آسمانوں پر ہوتے ہیں

اور......

بے گھروں پر کیا گزرتی ہے تمہارے شہر میں
سرد راتوں میں کبھی تم گھر سے باہر نکل کر دیکھنا

بزم سخن میں صابرہ احمد' رافعہ اقرا اور نبیلہ کے اشعار لگے باقی سب کے بھی اچھے تھے۔ کچن کارنر تو دیکھ کر ویسے ہی منہ میں پانی آ جاتا ہے لیکن کسٹرڈ سویاں بنانے کا سوچا جب پکاؤں گی تو آپ کو بھی سینڈ کروں گی' سوری حدیقہ احمد میں آرائش حسن نہیں پڑھتی کبھی کبھار میری سسٹر پڑھتی ہے۔ عالم میں انتخاب صبا ایشل' انجم انجم اعوان اور کوثر خالد کا انتخاب اچھا لگا۔ شوخی تحریر ہمیشہ کی طرح لاجواب تھی لیکن عائشہ رحمان ہنی کی اسٹوڈنٹ لکھم نے ہنسانے میں ایک اہم رول ادا کیا اور شازیہ اختر شازی واقعی اگر انسان ان باتوں پر عمل کریں تو فلاح دارین مل سکتی ہے۔ ڈیئر عائشہ! میرے نام یعنی تمثال کے معنی ہے گڑیا' موری یہ میری اسٹوڈنٹس نے رکھا ہے۔ حسن خیال میں نزمین کو پہلا انعام ملنے پر مبارکاں۔ ویسے یار بتا تو دو انعام کیا ملا ہے؟ نہیں کہتی میں' بہت زبردست تبصرہ تھا دوست کا پیغام آئے' اچھا سلسلہ ہے ویسے ہنی! تم نے مجھے یاد رکھا جزاک اللہ یا عزیزہ! شوبز کی دنیا' آئی ڈونٹ لائک اور ٹو لگے خدیجہ احمد کے پڑھنا اچھا لگتا ہے مگر عمل کرنے سے جان جاتی ہے ویسے ڈیئر آپی خدیجہ! اپنا کان

میرے پاس کرنا ایک بات پوچھنی ہے ایسا تو نگہ بتا ئیں تحسین کیا ہے میں جو ہی احمد کے دل کو رام کر کے انعام لے سکوں جلدی بتاؤ ناں۔ چلو خیر نہ بتاؤ ہیں تو آپ بھی حجاب کے اسٹاف میں سے کیسے بتائیں گی لیکن مجھے بھی انعام کی تمنا نہیں۔ حجاب کی سالگرہ کے لیے کچھ الفاظ قلمبند کرکے اجازت چاہوں گی۔

تیری سالگرہ ہے آئی
مجھے کچھ خبر نہ ہوئی
کوئی پتا نہ چلا
جب آیا نومبر کا شمارہ
دیکھا سوالات کا سلسلہ
تو میں نے بھی چاہا
تجھے دوں خراج تحسین
بس اتنی سی دعا ہے
کہ چمکتا رہے تُو
دمکتا رہے تُو
نسل نو کے لیے
اک پیغام دیتا ہے تُو
ترقی کی جانب
بڑھتا رہے تُو
اور ایک شعر جو مجھے بے حد پسند ہے

لوگ ایسے اکڑ کر چلتے ہیں
جیسے آب حیات پیے ہیں

فی امان اللہ‘ السلام علیکم!

☆ ڈیئر شازیہ آپ کا مکمل و جامع تبصرہ بے حد پسند انعام کی حق دار ٹھہرنے پر ہماری جانب سے مبارک باد، ادارے سے رابطہ کرلیں۔

نرمین سرهیو...... حیدر آباد! اسلام علیکم! اللہ سب کو شاد رکھے اور ادارے کو ترقی و کامیابی عطا کرے آمین۔ پہلے تو حجاب کی دو سالہ کامیابی پر مبارک باد قبول کیجیے۔ حجاب کا سرورق بس کچھ ہی لگا۔ کچھ خاص پرکشش نہیں تھا حالانکہ سالگرہ کا موقع تھا تو امید تھی مختلف ہوگا کچھ، فہرست میں اتنے پیارے نام دیکھ کر بہت خوشی ہوئی خاص کر سینئرز کے۔ اب چلتے ہیں بات چیت کی طرف۔ قیصرہ آپا کیسی ہیں آپ؟ خوش رہیں‘ اللہ آپ کو مزید ترقی عطا کرے آمین۔ پہلے تو نازیہ کنول نازی اور سمیرا فہیم آپی کتابوں کی اشاعت کی مبارک ہو بہت بہت۔ ان شاء اللہ تیرے لوٹ آنے تک میں خریدوں گی۔ باقی بات رہی کہ آنچل کا مقام تو آپا آنچل کا مقام ماشاء اللہ بہت اچھا ہے اور ذاتی طور پر میری امی کو آنچل بہت پسند ہے تو میں چاہتی ہوں آنچل میں ہوں کیونکہ بچپن سے آیا ہے گھر میں اور سب جانتے ہیں باقی رہی بات حجاب کی کامیابی کی تو اس کی بھی کسی حد تک کوشش کرتی ہوں۔ اللہ ضرور حجاب کو بلند مقام دلوائے گا‘ آمین۔ ممکن ہے دوسروں کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ درپیش ہو۔ مہ وش افسر کی حمد بہت اچھی تھی ماشاء اللہ۔ خاص کر یہ شعر۔

ہے تو ہی مالک‘ تو ہی بندہ نواز
جانتا ہے تو ہمارے دم کا راز

احمد علی برقی کی نعت بھی اچھی لگی خاص کر یہ شعر۔

وہ ہیں خیر البشر اور رحمت اللعالمین برقی
بقائے دیں کے تھے ضامن بھی غزوات پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم)

ذکر اس پری وش میں مہوش نواز اور شازیہ لطیف کا ذکر اچھا لگا۔ راحیلہ بتول کا انداز کچھ کچھ حرا قریشی سے ملتا جلتا لگا‘ اچھا لگا۔ اریبہ بشیر کا ذکر دلچسپ رہا اور پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ اللہ آپ سب کو خوش رکھے آمین۔ رخ سخن میں سیاس آپی کا فہمی فردوس کا انٹرویو لینا اچھا لگا۔ فہمی فردوس کے بارے میں جان کر اچھا لگا۔ ان کے حالات جان کر افسوس ہوا لیکن یہاں کہنا چاہوں گی کہ انسان کو اپنے حالات کسی کے سامنے بیان نہیں کرنے چاہیے خاص کر عورت کو۔ فہمی آپی بہت بہت معذرت برا لگا تو لیکن...... بچپن کا جو واقعہ تھا اور آپ بیمار پڑ گئی تھیں۔ حیرت ہوئی اتنی کم عمری میں اتنی حساس تھیں آپ لیکن اچھا لگا کہ لکھاری تو حساس ہوتا ہے۔ یہی حساسیت تو اس سے لکھواتی ہے۔ لڑکیوں کے بارے میں آپ کا پیغام پڑھا۔ اس طرح کی کوئی کہانی آپ کے قلم سے لکھی ضرور پڑھنا چاہوں گی۔ اگر کوئی ہے تو بتائیں یا پھر اس موضوع پر ضرور لکھیں اور مجھے اطلاع دے دیجیے گا۔ مجھے بہت خوشی ہوئی‘ خوش رہیں۔ سالگرہ کا دن آیا ہے میں سب کے سروے پڑھ کر اچھا لگا۔ میں نے بھی بھیجا تھا لیکن دیر سے۔ امید ہے اگلے ماہ شامل ہوگا محفل میں۔ ان شاء اللہ لیکن اس میں بہت سوں کا ذکر رہ گیا تھا۔ ”ایک حور ہوں“ از رفاقت جاوید‘ رفاقت جاوید میری پسندیدہ مصنفہ کی تحریر ہو اور اچھی نہ ہو۔ عمدہ تحریر اور سبق آموز۔ آج ہر جگہ ایسے ملتے جلتے حالات ہی دیکھے جاتے ہیں۔ رفاقت آپا آپ کے ناولز جو کتابی شکل میں دستیاب ہیں ان کے نام بتادیں۔ کوشش کروں گی کہ سب خریدوں۔ (ویسے آپ تحفے میں دینا چاہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ویسے بھی میں تحفے خوشی خوشی لے لیتی ہوں اور بات جب ناولز کی ہو تو آہم آہم اب کیا کہوں) اللہ آپ کے قلم کی روانی قائم رکھے‘ آمین۔ ”بھابھی بیگم“ از یاسمین نشاط‘ یاسمین آپی آپ کا لکھا بہت اچھا ہوتا ہے اور یہ تحریر تو سیدھا دل میں گھر کر گئی‘ دنیا کا اور لوگوں کا ایک تلخ رخ۔ جس سے سب آشنا ہیں لیکن ہر بار جان کر نئے سرے سے دکھ ہوتا ہے۔ آج کل ایسا ہی ہو رہا ہے اور لوگوں کا اندھا یقین۔ کم عقلی پر افسوس ہی کیا جاسکتا ہے۔ ویسے بھابھی بیگم جیسے لوگوں کا یہ نفسیاتی حربہ ہوتا ہے اور لوگ پھر انہی کو ماننے لگتے ہیں۔ خوب بہترین۔ یہ جملہ دل کو بہت بھایا۔ ”ایک سادہ سے دین کو ان جیسے کم عقل و

کم عمل لوگوں نے الجھا کر رکھ دیا ہے۔" اللہ آپ کو مزید ترقی عطا کرے آمین۔ ''میرے خواب زندہ ہیں'' از نادیہ فاطمہ رضوی۔ میں پڑھتی نہیں لیکن امید ہے اچھا چل رہا ہوگا۔ ''شبنم بدست لوگ'' از طلعت نظامی۔ اف...... کیا کمال لکھا۔ آج کل یہی بات سامنے آرہی ہے۔ انسان کے اندر کوئی نہیں دیکھتے۔ علی عباس جلالپوری لکھتے ہیں۔ ''خواہ کوئی لڑکی کتنی ہی ذہین وفہیم ہو اسے اپنے آپ کو حسین ورکشش ثابت کرنے کے لیے کاوش کرنا پڑتی ہے کیونکہ مرد یہی کچھ چاہتا ہے چنانچہ عورتوں نے اپنی غیر معمولی ذہانت کو بھی زیبائش اور ہار سنگھار پر قربان کردیا ہے۔'' اللہ آپ (طلعت نظامی) کو کامیاب کرے آمین۔ ''کوئی اپنا ہو'' از رابعہ افتخار۔ کہانی اچھی تھی۔ سادہ گھریلو، محبت اور توقعات پر مشتمل۔ چلو دیر آئد درست آئد۔ تائی کو احساس تو ہوا۔ سچ کہوں تو یہی حالات آج کل عام ہیں۔ لڑکیاں سسرال کو اپنا تصور نہیں کرتیں۔ آنکھوں دیکھا حال ہے یہ میرا۔ دعا ہے اللہ سب کو عقل سلیم عطا کرے اور ٹھوکر لگنے سے قبل سنبھال لے۔ آمین۔ رابعہ آپ کو اللہ مزید ترقی دے آمین۔ ''دل کے دریچے'' از صدف آصف امید ہے اچھا جا رہا ہوگا۔ ''میرا عشق بھی تو'' از نزہت جبین۔ نزہت آپی کے قلم سے نکلا پہلا مکمل ناول جو میں نے پڑھا ہے وہ یہ ہے شاید یہ ان کا پہلا ہی ناول ہو۔ تلخ حقیقت کو کہانی کی صورت خوب بیان کیا گیا۔ آج کل ایسی محبتیں نایاب ہیں۔ البتہ مصطفی کی سچ بات پر ناراض ہوا۔ اس کا احساس مجھے تائی کی موت پر ہوا اور شدت سے ہوا۔ اللہ آپ کو مزید کامیابی عطا کرے آمین۔ ''اگلے گھر پچھلے گھر'' از نازیہ جمال۔ عذرا بیگم جس خصامیت کی بنا پر دشمہ کی گرویدہ تھیں وہی انہیں چبھنے لگی۔ کہانی اچھی لگی۔ خاص کر کہانی کا موضوع بہت اچھا تھا۔ نئی بننا مشکل ہے اور دنیا کے سامنا کرتے ہوئے اس پر قائم رہنا اس سے بھی زیادہ مشکل۔ نازیہ جمال کی کہانیاں اکثر پڑھتی ہوں اور خوب لکھتی ہیں۔ کم وقت میں ہی ان کی تحریروں نے قاری پر اپنا جادو جگانا شروع کردیا ہے۔ اللہ مزید ترقی دے۔ آمین۔ ''محبت میری آخری شرارت تھی'' از صائمہ قریشی۔ میری پیاری آپی اچھی آپی جلدی سے ختم کریں مجھ سے نہیں صبر ہورہا۔ ختم ہو تو پڑھوں ناں۔ عنقاء از ندا حسنین 'کمال کیا آپی۔ بہت زبردست' کہیں کہیں لگا کہ کلاسیکل ادب سا لکھا افسانہ ہے جو گریا تیں ذومعنی اور علامتی ہوتی کہیں کہیں۔ کہانی عمدہ رہی خاص کر عنقاء پرندے کی مثال عورت سی دینا۔ عنقاء کو انگریزی میں کیا کہتے ہیں آپی؟ کہانی کا موضوع عام تھا لیکن آپ کا انداز بیاں اسے منفرد بنا گیا۔ ٹیچ لائن زبردست تھی اور کہانی کا اثر تادیر رہا۔ تحریر نے دل میں جگہ خود بنالی۔ ایسا لگا بہت دل سے لکھا ہے آپی آپ نے اس کو۔ ''شب آرزو تیری چاہ میں'' از نائلہ طارق۔ ختم ہوگیا ہے اب جلد ہی پڑھ کر تبصرہ کروں گی ان شاء اللہ ابھی ناول چل رہا ہے۔ ''گھر کی جنت'' از سباس گل۔ کمال لکھا آپی' زبردست' دادا دادی کا ملاپ' منال اور نوفل کی پلاننگ' زبردست۔ اچھی لگی کہانی۔ اللہ آپ کو مزید ترقی دے' آمین۔ ''جیون ایک خواب سفر'' از سمیرا غزل۔ اتنا ہی کہوں گی کہ دیر آئد درست آئد۔ اچھی لگی کہانی۔ انداز نکھا ہوا تھا۔ کہانی بھی اچھی رہی۔ سادہ انداز بیاں اور اچھا سبق۔ اللہ آپ کو کامیابی عطا کرے آمین۔ ''ڈھل گیا ہجر کا دن'' از نادیہ احمد امید ہے اچھا چل رہا ہوگا یہ قسط وار ناول۔ ''خواب پچھلی سب کا'' از نگاہ ناز۔ آپ کا نام سنا سنا سا لگ رہا ہے۔ شاید فیس بک پر۔ اچھی لگی کہانی۔ بہت اچھی بس ایک چیز کا ذکر کروں گی کہ ایسا لگا کہ خوامخواہ طوالت کا شکار ہوا افسانہ۔ کچھ سین لگے۔ معذرت برا لگا تو خوش رہیں۔ اللہ آپ کے قلم کو مزید روانی دے آمین۔ حجاب نگری از ماورا کتنا بولتی ہو ادھر بھی چپ نہ رہنا لڑکی تم تو۔ شکر یہ میرا ذکر کرنے کا تفصیل کر دیتیں تو کیا ہوجاتا؟ ویسے عصر پیا دیس نہیں سدھاری جہاں تک میرا خیال ہے۔ تم نے مجھے بھی کنفیوز کردیا ہے۔ اچھی لگی تمہاری آمد۔ ویسے صبا آپی کا کیا زبردست تعارف کروایا۔ بچی دل خوش ہوگیا۔ صبا آپی ایسے تو نہ گھوریں اب بچی سچ بھی نہ بولے؟ ''مظلوم انسان'' از ماہم نور۔ آرٹیکل اچھا لگا۔ اثر تھا انداز بیان میں اور جذبے بھی سچے تھے۔ ماہم یہ بھی تو بتائیں کیا کرسکتے ہیں ہم؟ کیا کریں؟ احتجاج تو ہی سطح پر تو مشکل ہے۔ کچھ ایسا بتائیں جو ہم لڑکیاں کرسکیں۔ قلم سے یا فیس بک پر موجود آبادی کرسکے۔ آپ کے جواب کی منتظر رہوں گی۔ ''جیسا میں نے دیکھا'' رفاقت آپا آپ کے لفظوں میں جادو ہے۔ سحر ایسا کہ بندہ بس آپ کو پڑھتا جائے۔ سچ کہا کچھ چیزیں وقتی جذبات کی بدولت لکھ لی جاتی ہیں یا گہری سوچ میں غرق ہوکر تخلیق پاتی ہیں اور لوگوں ایسی باتوں پر تخلیق کار کو پرکھنے لگتے ہیں۔ یہ سلسلہ مجھے بہت پسند ہے اگر صفحات میں اضافہ ہوجائے تو میری دلی مراد بر آئے گی۔ بزم سخن میں اچھی لگی شاعری۔ کچن کارنر میں چاکلیٹ کیک کی ترکیب اچھی لگی۔ میٹھی ٹکیاں اتفاق سے میں نے حال ہی میں بنائی ہیں۔ کوشش کروں گی بھی انڈوں کے حلوے کی ترکیب بھیجوں۔ عالم میں انتخاب بھی خوب رہا۔ شوخی تحریر خوب رہا۔ حسن خیال میں تبصرے سب پڑھے میں نے۔ اچھے لگے خاص کر اقراء جٹ کا۔ ہومیو کارنر میں زبردست معلومات ملیں۔ دوست کا پیغام آئے میں بھی کوئی مجھے بھی پیغام بھیج دے ہائے۔ شوبز کی دنیا اچھا تھا۔ ٹوٹکے زبردست۔ اللہ حافظ۔ فی امان اللہ۔

ریمانور رضوان...... کراچی۔ السلام علیکم! دل کی تمام تر گہرائیوں اور سچائیوں کے ساتھ منفرد ہوتے ہوئے منفرد لفظوں کے ساتھ حجاب ڈائجسٹ اسٹاف' حجاب ڈائجسٹ ریڈرز' حجاب ڈائجسٹ رائیٹرز' حجاب ڈائجسٹ سے جڑے ہر فرد واحد کو ریما نور رضوان کا پیار وخلوص بھرا السلام علیکم! آپ سب کے ذہنی وقلبی سکون کے لیے دعا گو ہوں۔ کیسے جناب حجاب فیملی سے وابستہ افراد کیا حال واحوال ہیں۔ امید ہے کہ میری دعاؤں سے آپ سب شاد وآباد ہوں گے۔ مجھے بھی دعاؤں میں یاد رکھا کریں۔ دعا سے خوبصورت کوئی رشتہ نہیں۔ سب سے پہلے آنچل گروپ آف پبلی کیشنز کو حجاب کی دوسری سالگرہ کی ڈھیر ساری مبارک باد دعاؤں کے ہمراہ باری تعالی محترم طاہر قریشی بھائی سعیدہ آپی اور دیگر اسٹاف ممبرز آپ سب کی زیر صدارت نکلنے والے پرچے کو مزید کامیابیوں سے نوازے آمین ثم آمین۔ حجاب ڈائجسٹ دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے آمین ثم آمین۔ ٹائٹل گرل دولہن صاحبہ بہت پیاری لگی جھیل سی گہری لینس لگی گہری آنکھیں شرم وحیا سے گھنیری پلکوں کی باڑ گرائے بہت ہی حسین لگی۔ میری پیاری قیصرہ آپی جانی کیسی ہیں۔ حمد ونعت سے مستفید ہونے کے بعد آگے بڑھے۔ ذکر اس پری وش کا میں تینوں پریوں سے مل کر بہت اچھا لگا۔ رخ سخن میں سباس ڈیئر کمال کردیا نبھی صاحبہ سے ملاقات واہ زبردست! ریڈرز سمجھتے ہیں کہ رائیٹرز بہت خوش قسمت ہوتے ہیں جن کی زندگی خوشیوں سے بھری ہوتی ہے۔ نبھی آپی کے حالات زندگی جان کر احساس ہوا کہ وہ بھی ہماری ہی طرح ہیں۔ دکھ سکھ سب ہماری قسمت میں درج ہیں۔ باری تعالی کی طرف سے ہیں یہ سب۔ سروے سالگرہ کا دن آیا ہے میں لاکھ چاہنے کے باوجود شرکت نہیں کرسکی افسوس رہے گا۔ سروے کے سوالات اور جوابات دونوں ہی بہترین رہے۔ ''میرے خواب زندہ ہیں'' پچھلے کچھ ماہ سے پڑھ نہ سکی تو اب کہانی کی سمجھ ہی نہیں آئی کہ کیا چل رہا ہے۔ ''دل کے دریچے'' بھی نہیں پڑھ سکی۔ ''میرا عشق بھی تو'' از نزہت جبین ضیاء۔ نزہت اپیا مکمل ناول لکھنے پر مبارکباد قبول کریں اکثر ڈائجسٹوں میں آپ کے افسانے ہی پڑھے ہیں۔ مکمل تحریر پرتجسس ودلچسپ رہی۔ تائی اماں کی موت واقع نہ ہوتی تو مصطفی سے میں نے بدگمان ہی رہنا تھا۔ ہاہاہا۔ ''گھر جنت'' از سباس گل! واقعی ڈیئر تم نے پروف کردیا کہ ہماری سوچ مثبت سمت میں ہو تو گھر جنت بن جاتا ہے۔ بھابھی بیگم' از یاسمین نشاط' منفرد عنوان منفرد طرز تحریر بھابھی بیگم موضوعاتی اعتبار سے نئی تحریر نہیں لیکن اس کی بنت نے اسے خاص

بنا دیا۔ معاشرے سے جڑی تلخ حقیقت پر مبنی کہانی بہت اچھی اتنی اچھی لگی کہ آف دی ملتھ رہی۔ دو سے تین بار پڑھی۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ آمین ثم آمین ڈیئر آپی۔ ''شبنم بدست لوگ'' از طلعت نظامی۔ طلعت آپا عنوان پڑھ کر زیر لب کئی مرتبہ بڑبڑایا عنوان سے مفہوم تحریر واضح نہ ہوسکا تو الجھے ہوئے دماغ کے ساتھ کہانی کا آغاز کر دیا جوں جوں پڑھتی گئی داد و تحسین دل سے نکلتی رہی۔ واقعی آپی ہمارے یہاں ہنر مند لڑکی پر خوش شکل لڑکی کو ہی فوقیت دی جاتی ہے۔ ''کوئی اپنا ہو'' از رابعہ افتخار۔ سادہ سا طرز تحریر اور ہمارے آس پاس بکھری کہانی بہت اچھی لگی۔ لڑکی کا اصل گھر وہی ہے جہاں اس کا شوہر ہے۔ افسوس کچھ لڑکیاں سسرال کو اپنا تصور نہیں کرتیں اور یہی بات رشتوں میں بگاڑ پیدا کر دیتی ہے۔ بس جی اس سے آگے کوئی تحریر نہ پڑھ سکی اسی لیے تبصرہ کرنے سے قاصر ہوں۔ مستقل سلسلے سارے ہی بہترین رہے۔ اچھا جی اب اجازت چاہتی ہوں۔ ان شاء اللہ پھر ملاقات ہوگی۔ مجھے دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔ فی امان اللہ۔

☆ ڈیئر ریما، تبصرہ پسند آیا آئندہ بھی جامع و مفصل تبصرے کے ساتھ شامل محفل رہیے گا۔

کوثر خالد...... جڑانوالہ۔ پیارے حجاب، سلام محبت! نامہ کے ہمراہ کوثر آرہی ہے۔ سرورق سہیلی اختر کی یاد دلا رہا ہے جو دلہن نے کی محرومی لیے پاگل پن و بیماری کو گلے لگائے جنت سدھار گئی بوجہ بڑی بہن کی شادی نہ ہوئی باپ نے چھوٹی کو نہ بیاہا (قسمت کے کھیل) مجموعی طور پر حجاب کی تحریریں زبردست رہیں۔ انفرادی تبصرہ یوں ہے کہ ''بات چیت'' ہم سے کی، شکریہ، حمد و نعت، خوب صورت شاعر اعلیٰ ثنا گوئی۔ مہ وش پری، واہ بھئی واہ۔ پری وش پھر مہوش، خوش رہو شازیہ۔ ''دعاوالے'' کو دعا دی۔ راحیلہ تم نمبر لے گئیں زبردست شعر و تعارف، چھری کی دھار سے بجی نہیں چراغ کی لو۔ بدن کی موت سے کردار نہیں سکتا، بھئی بہادر بچی بتاؤ روہنگیا کے مسلمانوں کی مدد کیسے کریں؟ اپنی کلاس فیلو یاد کروا دی۔ رخ سخن بھی فردوس (فردوس ہماری ممانی بھی ہے) زبردست حقائق لائیں، بہترین سوال و جواب ہوئے۔ سالگرہ کا دن'' مبارک ہو جناب! حجاب ہمیں تو کوئی مشورہ نہیں دینا سوائے اس کے کہ تم خوش رہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں نظر آتی رہیں۔ ''ایک حور ہوں'' جی ہم تجربہ کر کے بتائیں کی رفاقت جی، بہوا تو جائے ناں۔ ''بھابی بیگم'' ہم کسی کے عمل کو نہیں بلکہ اس کی بات کو دیکھتے ہیں اور خود کا محاسبہ کرتے ہیں کیونکہ اگر ہم ٹھیک ہیں تو سب ٹھیک ہیں اگر اس جگہ ہم ہوتے تو ڈائریکٹ میلاد والی کو سمجھاتے لوگوں کو نہیں۔ ''میرے خواب زندہ ہیں'' بے شک بلاشبہ اور زندہ ہی رہیں گے ان شاء اللہ۔ ''شبنم بدست لوگ'' طلعت نظامی، حقیقت سے متعارف کروایا کرتی ہیں۔ نئے دور کی مجبوریاں اور لاچاریاں، ہم بھی ''ابا'' جیسے ہیں، ہم سدا سے روایتیں و فضول رسم و رواج کے خلاف ہیں۔ ہم نے اپنی شادی پر باجے منع کیے اب اپنے بیٹے کی مہندی بھی نہیں کی آئندہ بھی ان شاء اللہ۔ ''کوئی اپنا ہو'' جی ہر کسی کا کوئی نہ کوئی تو اپنا ہوتا ہی ہے، اچھی تحریر، سمجھ دار ہیرو جو دل جیت لے وہی اپنا ہے۔ ''دل کے دریچے'' روشن رہی اور اب نظروں کے سامنے ثناء کلثوم کا تعارف جگمگا رہا ہے۔ بے حد منفرد خوب صورت ہیروں سی باتیں (ثناء ہماری بھتیجی اور کلثوم چچا زاد ہے)۔ ''میرا عشق بھی تو'' اللہ ایسے عشق سے بچائے۔ ''اگلے گھر پچھلے گھر'' جی ہمیں تو چاہیے آخری گھر۔ ''محبت آخری شرارت'' انجام محبت دیکھنا ہے ابھی، عنقا......

ہزار روپ ہیں اپنے ہم تو عنقا ہیں
پکڑتے پکڑتے ہمیں تھک جاؤ گے تم

مگر ہر عورت عنقا نہیں بنتی کاش...... زور قلم مزید دلگیر ہو۔ ''شب آرزو تیری چاہ میں'' حد سے گزر جائیں گے۔ ''گھر کی جنت'' ساس کے سنگ سارا کریڈٹ دادا دادی کو جاتا ہے اگر بزرگ ایسے ہوں تو خوشیاں لوٹ ہی آتی ہیں۔ ہماری دعا ہے ہم بہترین بزرگ بنیں جذبے جوان ہی رہیں مگر سالگرہ کجرے وجرے ان کی ہرگز ضرورت نہ بڑی جوانی میں بھی کام کام بس کام...... بس اسی لو سے دوام آج ہم نے ساس کو نہلایا کہ انہوں نے میٹر توڑ کر جا ہی مچا دی۔ آدھا دن لگ گیا، شملہ گوشت پکایا، بہت مزے دار بنا تو خالد کے نام کا باجی نصرت کو دے آئے (تنہا پرہیز گار عورت ہے بیچکی) اس نے ہمیں شکر پارے دیے جو اکیلے ہی کھا گئے ہم (بچے نہیں کھاتے میٹھا) ''جیون خواب سفر'' کچی بڑے مزے دار ہے۔ خدمتیں اور قربانیاں ہی رنگ لاتی ہیں ورنہ طلاق کا جھومر یا علیحدگی کا دیس مقدر۔ ''ڈھل گیا ہجر کا دن'' اور جا ملا آنسو سے دھواں دھار۔ ''خواب پچھلی شب کا'' پہنچے اگلی شب کا، دلچسپ قلم خوب رہی تحریر ہنستی کھلکھلاتی روداد۔ کیا ہے انداز، ثناء ناز ''حجاب نگری'' ایک نظم موجب نئی بوجہ نام پیش خدمت ہے۔

حجاب نگری آباد نگری
خواب نگری یہ شاد نگری
قربتوں کی شاداب وادی
سحاب نگری آزاد نگری
سوچ کے در کھولتی ہے
آداب نگری روداد نگری
بانٹتی ہے خزینے علمی
رباب نگری جواد نگری
سنائے قصے پارینہ ہم کو
سیماب نگری سجاد نگری
سیم و زری ہے قسمت
چناب نگری فولاد نگری
سدا ہی مہکے یہ بن کر
گلاب نگری سواد نگری

''مظلوم مسلمان'' ماہم انصاری، اللہ ہمارے جذبے اور دعائیں قبول کرلے ہم متحد ہو جائیں ورنہ......

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پر روتی ہے

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

جیسا میں نے دیکھا ہم پروین کی ساری شاعری اس صفحے پر پڑھنا چاہتے ہیں۔ بزم سخن......

السلام اے کربلا کے تاجدار
السلام اے کربلا کے شاہسوار
السلام اے داعیٔ حق کے سپوت
السلام اے جان باز و جانثار

کچن کارنر' مونگ کا حلوہ بازاری بہت کھلایا خالد نے۔ اب بٹی نے سنا تو بولی بنا کر دو ماں' تو پھر ان شاء اللہ بنے ہی بنے۔ مگر کھاتو ہم نے ہی جانا ہے' وہ تو ذرا ذرا کھاتے ہیں ہم منہ بھر بھر کے۔ آرائش حسن جی گلیسرین گلاب عرق لیموں منگالیا ہے۔ عالم میں انتخاب' جینا کومل اول ریحانہ دوم' نوخ تارودی سوم رہے۔ اشرف مکمل بیسٹ ترین کیونکہ انہوں نے ہمیں ''حمد'' دے دی آپ بھی سنیں۔

رہتا ہے مجھ کو سدا رب سے محو گفتگو
بے مثال و منفرد لب سے محو گفتگو
آنکھ اٹھتی ہے جدھر کو تو ہی تو جلوہ نما
ہوگئے پھر ہم بھی تاب و تب سے محو گفتگو
حمد کہنی ہے تیری تو تجھ سے ہی مانگیں حرف
آج پھر ہونے لگے نئے ڈھب سے محو گفتگو
یا خدا تیرہ شبی کی وارداتیں ختم ہوں
تو اگر جو ہوجائے سب سے محو گفتگو
ازل سے پہلے بھی تو اور بعد ابد بھی ٹو ہی ٹو
کون بتلائے گا ہے ٹو کب سے محو گفتگو؟

حسن خیال میں پسندیدہ دوستوں کی کمی کھلی بہرحال انعام والوں کو مبارک' اللہ حافظ۔

صباء ایشل...... بھگووال۔ السلام علیکم حجاب کی محفل میں مجھے خوش آمدید (اب کوئی اور نہ کہے تو خود بھی نہ کہیں) سالگرہ ٹائٹل پر دلہن بھی سنوری ہوئی دمکی ہوئی یہ بتارہی تھی کہ یہ خاص نمبر ہے۔ میری جانب سے بھی حجاب کو دوسری سالگرہ بہت بہت مبارک ہو۔ بس تھوڑا سا عرصہ اور پھر حجاب کی عمر اسکول جانے کی ہو جائے گی اور آنچل کی طرح حجاب بھی کامیابی کی ہر منزل عبور کرے گا۔ ان شاء اللہ اس بار موسم نے ایسا لپیٹ میں لیا کہ مسلسل اسموگ نے پریشان ہی کردیا۔ موسمی بیماریوں سے جہاں روٹین متاثر ہوئی وہیں اسموگ کی وجہ سے آنکھوں اور سر درد نے اس ماہ مطالعے سے دور رہنے پر مجبور کردیا۔ اسی لیے اس ماہ مکمل حجاب تو نہیں پڑھ سکی لیکن جتنا پڑھا ہے اس پر تبصرہ حاضر ہے۔ سب سے پہلے ماورا کا حجاب نگری پڑھا تھا۔ (دبے لفظوں میں ماورا نے مجھے بتا جو دیا تھا کہ آپ کی بہت تعریف کی ہے۔) اللہ اللہ! میری گناہ گار آنکھیں یہ کیا دیکھ رہی ہیں۔۔۔ صبا ایشل اور ظالم عورت وہ بھی چالیس سالہ! (زیادہ ہی نہیں کردی ماورا کی بچی) ویسے آپس کی بات ہے اکثر لوگ سوشل میڈیا پر میرا سخت انداز دیکھ کر مجھے اتنا ہی بڑا سمجھتے ہیں۔ حیرانی اور دکھ سے میری آنکھیں ڈبڈبا گئیں ہیں اللہ ایسی دوست کسی دشمن کو بھی نہ دے۔ نفشن بر طرف بہت خوبصورت شگفتہ انداز میں لکھا ہوا آرٹیکل تھا جو مجھے بہت پسند آیا۔ ماورا میں تو کہوں گی مزاح لکھنے کی کوشش کرو۔ محبت میری آخری شرارت ہے میں ماہ گل کی گتھی سلجھ گئی ہے۔ صائمہ بہت اچھا لکھ رہی ہے بلکہ اچھا ہی لکھتی ہیں۔ صائمہ ماہ گل اور گل میر دونوں نام بہت خوبصورت ہیں۔ دیکھتے ہیں اگلی قسط میں آپ ہمیں کہاں تک لے جاتی ہیں۔ اس ناول کے لیے ڈھیروں نیک تمنائیں۔ ندا حسنین کی عنقاء پسند آئی۔ نام سے ہی اندازہ ہوگیا تھا کہ کہانی کچھ خاص ہوگی۔ عنقاء پڑھ کر عنقاء کو بھی جانا۔ عورت تو واقعی ایک پہیلی ہے جو کبھی سلجھائی نہیں جاسکتی۔ اور اسے سلجھانے کے تجسس میں مبتلا مرد اسے پرت در پرت کھولنا چاہتے ہیں۔ بہت اچھا افسانہ لکھا ندا نے۔ بہت سی داد۔ سلسلے وار ناولز تمام ہی بہت اچھے جارہے ہیں۔ یاسمین نشاط کی بھابھی بیگم جاندار کہانی تھی۔ نام پڑھ کر میرے ذہن میں بھابھی بیگم کا کوئی اور عکس اترا تھا لیکن جب پڑھی تو کہانی برعکس تھی۔ کہانی کا پلاٹ بہت اچھا تھا۔ کاش لوگ ایسے سمجھ بھی سکیں۔ ایسی ہزاروں بھابھی بیگم ہمارے آس پاس ہی تو ہیں۔ فائزہ افتخار کا لکھا ہوا مجھے ہمیشہ پسند آتا ہے۔ اس بار بھی کوئی اپنا ہو بہت اچھی لگی۔ اور یہ بات تو واقعی سچ ہے خواتین صرف میکے کو ہی اپنا سمجھتی ہیں۔ باقی کہانیاں ابھی پڑھ نہیں سکی۔ ان شاء اللہ اگلی بار پھر ملاقات ہوگی۔ حجاب کے لیے ڈھیروں دعائیں۔

میں لوٹنے کے ارادے سے جارہا ہوں
مگر سفر سفر ہے میرا انتظار نہ کرنا

☆اب اس دعا کے ساتھ آئندہ ماہ تک کے لیے اجازت کہ اللہ سبحان وتعالیٰ ہم سب کو صحت و عافیت سے بھرپور زندگی عطا فرمائے اور سب کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔

قابل اشاعت:۔ رہائی، آ وے کا آوا، میرا درد، نغمہ بے صدا، اک لمحہ
نا قابل اشاعت:۔ پہلی بوند ایک خوشی، محبت میں اور تم، میں جینا چاہتی ہوں۔

husan@aanchal.com.pk

ہومیو کارنر

طلعت نظامی

قے (Vomiting)

ہمارے دماغ کے عقبی اور زیریں حصے میں کچھ مراکز ہوتے ہیں جنہیں (Vomiting Centers) کہا جاتا ہے دماغ کے متعلقہ حصے کو (Medulia Oblangata) سے ملا ہوا دماغی حصہ کہا جاتا ہے قے دراصل بذات خود کوئی مرض نہیں بلکہ نظام ہضم کی خرابی سے پیدا ہوتی ہے۔

قے ہونے کی وجوہات:۔

عضویاتی اسباب (OrganicCauses)

نفسیاتی اسباب (PhysicalCauses)

نفسیاتی اسباب میں کسی ناخوشگوار بو کا احساس یا کسی ناپسندیدہ چیز کا نظارہ شامل ہے۔

عضویاتی وجوہات:۔

مہلک بیماریاں (MelignantDisease)

رسولی کی وجہ سے رکاوٹ

تشنج

معدہ میں کسی قسم کا ابھار یا دانہ پیدا ہوجائیں۔

غذا کی نالی یا معدہ میں پھیلاؤ یا فالج کا اثر ہو۔

قے کیسے واقع ہوتی ہے:۔

قے کے دوران معدے کی دیواریں سکڑتی ہیں تو سینے اور پیٹ کے درمیان عضلاتی دیوار ڈیافرام سختی سے نیچے کو دب جاتی ہے اس دوران شکم کے عضلات میں سکڑاؤ پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے فم معدہ Cardiac کھل جاتا ہے اور معدہ میں جو غذائی اجزاء وغیرہ ہوتے ہیں قے کی صورت میں خارج ہوتے ہیں یہ اس دباؤ کے نتیجے میں ہوتا ہے جو کہ معدہ پر پڑتا ہے یہ دباؤ سینہ اور شکم کے درمیان عضلاتی دیوار درستگی عضلات کی وجہ سے ہوتا ہے اور اس دباؤ کی وجہ سے معدہ میں پیچھے کی جانب مہروں کی وجہ سے ایک دباؤ پیدا ہوتا ہے اس دوران بواب معدہ (Pyloric سوراخ) بند ہوجاتا ہے لیکن دباؤ کی وجہ سے یہ فوراً کھل جاتا ہے تو صفرا اور آنتوں کے اجزا معدہ میں داخل ہوجاتے ہیں جو قے کے ساتھ باہر خارج ہوتے ہیں اور قے کا مرکز میڈولا (Medulla) ہوتا ہے یہ اس وقت کام کرتا ہے جب معدہ سے کوئی ارتعاش اس میں تحریک پیدا کردے اور یہ یاد رہے کہ اس مرکز کا کام اس وقت بھی شروع ہوجاتا ہے جب کوئی نشہ آور چیز یا کوئی زہر اس کے اوپر یعنی میڈولا پر اثر انداز ہو مثلاً مارفین ہیروئن وغیرہ۔

قے کے اسباب:۔

بعض ادویات کے استعمال سے مارفین ارگاٹ Ergot ڈیجی ٹیلس اپی کاک سن کرنے والی تمباکو وغیرہ۔

دماغی رسولی Cerebral Tumor یا دماغی دباؤ کی وجہ سے۔

گردوں کے فیل ہونے سے یا پتھری پیدا ہوجانے کی وجہ سے قے ہوتی ہے اگر گردے فیل ہونے کی وجہ سے قے ہو تو بلڈ یوریمیا BloodUraemia ہوتا ہے۔

خون میں کیلشیم Calcium کی زیادتی۔

قوت سماعت سے منسلک اعصابی نظام کے متاثر ہونے سے قے کی کیفیت شروع ہوجاتی ہے۔

ایسی خوراک کا استعمال جو معدے میں تکلیف دہ علامات پیدا کردے مثلاً زیادہ چکنائی والی یا باسی اور گلی سڑی اشیا کا استعمال۔

زہر مثلاً آرسینک، فاسفورس وغیرہ۔

نشہ والی ادویات مثلاً الکوحل

معدے کے امراض جیسے معدے کا زخم Gastric Ulcer اور گیسٹرک کینسر GastricCancer میں قے کی عام شکایت رہتی ہے۔

پتے کے امراض اور بعض جگر کے امراض میں قے کا پیدا ہونا یعنی صفرائی پیدائش میں زیادتی۔

آنتوں میں زخم کی وجہ سے۔

اپینڈی سائٹس یا آنتوں کے کیڑے۔

چھوٹی آنت کی رکاوٹ اور معدے کے سرے Pyloric End کی رکاوٹ کی صورت میں بھی قے کی شکایت پیدا ہوجاتی ہے۔
عورتوں میں حمل کے دوران قے یا متلی کی شکایت
پھیپھڑوں کی تپ دق۔
سانس کی نالی میں رکاوٹ کی وجہ سے سخت کھانسی جس کی وجہ سے قے پیدا ہوجائے یا کالی کھانسی کے دورے کے آخر میں قے کی شکایت۔
معدے یا فوطوں پر چوٹ کی وجہ سے قے کا عارضہ لاحق ہوجائے۔
مرکزی اعصابی نظام کی بیماریوں میں قے۔
کسی مخصوص اجزا مثلاً بدبودار، ذائقہ یا دیکھنے میں کسی چیز کا اچھا نہ لگنا، دماغ میں خون کی کمی، دماغ میں پانی بھر جانا، سمندر میں نہانے یا سفر کرنے سے یا گاڑی میں سفر کرنے سے قے ہوجائے، مرگی یا دماغ میں خون کا بہہ جانا، جذباتی خلل، ہسٹریا کی وجہ سے قے ہونا وغیرہ۔
قے کی اقسام:۔ Cerebellatvomit یہ دماغی بیماریوں کی وجہ سے ہوتی ہے اور یہ قے فوراً ہوتی ہے اس میں مریض کو متلی محسوس نہیں ہوتی۔
Cyclie Vomit یہ قے بار بار اور بے ترتیب اوقات میں ہوتی ہے یہ قسم عام طور پر بچوں کو ہوتی ہے۔
Dry Vomit شروع میں متلی محسوس ہوتی ہے اور اس میں مریض قے کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن سوائے گیس کے کچھ خارج نہیں ہوتا۔
Fecal Vomit یہ ایسی قے ہوتی ہے جس میں آنتوں کے اجزا خاص طور پر فضلے کی شکل میں خارج ہوتے ہیں یہ عام طور پر آنتوں کی بندش یا اپنڈی سائٹس میں ہوتی ہے۔
Hysterical Vomit اس قسم کی قے عام طور پر ہسٹریا کے مریضوں میں ہوتی ہے اسی وجہ سے اس کو ہسٹریکل قے کہتے ہیں۔
Nervous Vomit جب معدے کی کسی بیماری کی وجہ سے اعصابی تناؤ پیدا ہو اور اس کی وجہ سے ہوجائے تو اسے اعصابی قے کہتے ہیں۔
Perinicious Vomit ایسی قے جو حاملہ عورتوں میں موجود ہو اور اتنی شدید کہ اس کی وجہ سے اس کی زندگی خطرے میں ہو۔
VomitofPrejnancy حاملہ عورتوں کی قے جو عموماً صبح سویرے لاحق ہوتی ہے۔
Progectile Vomit ایسی قے جو کہ پوری قوت سے باہر پھینکی جاتی ہے۔
Black Vomit یہ قے خون کی آمیزش کی وجہ سے ہوتی ہے، جو کہ معدے کے جوس میں شامل ہوجاتا ہے۔
Bilious Vomit یہ قے صفرا کی وجہ سے ہوتی ہے۔
CoffiePround Vomit یہ قے گہرے رنگ میں تبدیل شدہ خون کی ہوتی ہے۔ جس میں معدے کے اجزا شامل ہوتے ہیں اس کا رنگ کافی کی طرح یعنی سیاہی مائل بھورا ہوتا ہے۔
قے کے اجزا اور اس کی نوعیت:۔
قے کے خواص اور اس کے اجزا مرض کی تشخیص کے لحاظ سے نہایت اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔
قے کی مقدار VomitQuantity
اگر قے زیادہ مقدار میں ہو تو اس بات کا امکان ہے کہ معدہ کے سرے Pylorus پر کسی قسم کی رکاوٹ یا اس میں سرطان ہوگیا ہے اس کے علاوہ معدے کے آخری سرے پر رکاوٹ کا باعث بنے تو اس صورت میں بھی قے کی مقدار زیادہ ہوگی اور ترش ہوگی بدبودار ہونے کے علاوہ اس کے اوپر جھاگ موجود ہوگا اگر قے میں زیادہ لیس دار مادہ ہو تو یہ بھی Pyloric سوراخ بند ہونے کی نشانی ہے یا سانس کی نالیوں میں خرابی کی غمازی کرتی ہے۔
قے میں بو OdourinVomit
قے شدہ مادہ میں کھٹاس کی بو اس میں تیزابیت Acid کی موجودگی کو ظاہر کرتی ہے جو کہ اس مادہ (قے)

میں موجود ہوتا ہے لیکن اگر بونا قابل برداشت ہوتو اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ معدہ کی گزرگاہ Pylorus یعنی آخری سرے پر رکاوٹ کی وجہ سے یہ مادہ آگے نہیں جاسکا جس کی وجہ سے معدہ میں اس کے ٹھہراؤ کی مدت بڑھ گئی ہے اور اس مادہ کے کیمیائی تعامل کا وقت بڑھ گیا Fermantation یعنی عمل خمیر جس کی بنا پر اس مادہ میں مخصوص بو پیدا ہوگئی۔

آنتوں میں رکاوٹ کی صورت میں مریض جو قے کرتا ہے اس میں بھی ایک تعفن ہوتا ہے لیکن یہ بو بھی تعفن فضلہ کی بو سے مشابہ ہوتی ہے اور آنتوں میں رکاوٹ پیدا ہونے کے کافی عرصے بعد اس قسم کی بدبو والے مادے کی قے ہوتی ہے۔

الکوحل یا دیگر قسم کے زہر مثلاً کاربالک ایسڈ اور تیزاب کی موجودگی قے کی بدبو سے معلوم ہوجاتی ہے آنتوں کی جھلی کی سوجن اور آنتوں کی رکاوٹ قے میں فضلے کی بدبو سے ظاہر ہوتی ہے۔

قے کی رنگت Colour

الٹی شدہ مادے میں خون کی موجودگی قے شدہ مادے کو لال یعنی سرخ چمکدار رنگ دیتا ہے مثلاً معدہ میں خون کے جریان Hemorrhage کے بعد ہوتا ہے لیکن اکثر اوقات خون معدہ میں ہی پڑا رہتا ہے جس کی وجہ سے اس خون کی رنگت گہری بھوری DarkBrown ہوجاتی ہے یعنی سیاہی مائل بھورا رنگ ہوجاتا ہے اور کافی Coffee کے رنگ کے مشابہ ہوجاتا ہے یہ رنگ خون سے ایک رنگت پیدا کرنے والا مادہ Acid Hematin قے شدہ مادے میں ردعمل سے پیدا ہوجاتا ہے۔

صفرا Bile بالعموم قے شدہ مادے ہیں موجود ہوتا ہے جس کی وجہ سے قے شدہ مادے میں مائل کی مقدار بڑھ جاتی ہے جبکہ قے معدہ کے اگلے سرے Cardia کی رکاوٹ کی سے ہوتو قے شدہ مادے میں صفرا Bile نہیں ہوتا اس کے برعکس آنتوں کی رکاوٹ کی وجہ سے قے میں صفرا زیادہ مقدار میں موجود ہوتا ہے جو کہ بھوری رنگت کا ہوتا ہے یہ بھوری رنگت چھوٹی آنت سے خارج شدہ مادے کی بنا پر پیدا ہوتی ہے اور اس میں فضلے کی مانند بو ہوتی ہے قے میں بلغمی مادہ Mucus قے شدہ مادے کو جیلی کی مانند ظاہر کرتا ہے اور یہ قے میں عام طور پر تھوڑی بہت مقدار میں موجود رہتا ہے اگر قے میں بلغمی مادے کی مقدار زیادہ ہوتو یہ پرانی گیسٹرک سوزش کی نشاندہی کرتی ہے۔

بعض حالتوں میں الٹی شدہ مادے میں پیپ Pus بھی ہوتی ہے یہ پیپ منہ کے اندر یا حلق کے اندر پیپ والے زخم سے پیپ نکلنے کی صورت میں قے کے اندر ظاہر ہوتی ہے اس کے علاوہ قے میں بافتوں کے ٹکڑے Tissues بھی موجود ہوتے ہیں۔

معمولی خون کی دھاری اس بات کی نشاندہی لیے کہ خوراک کی نالی میں جریان خون واقع ہوا ہے کالی کھانسی میں اکثر لیس دار بلغم کے ساتھ خون خارج ہوتا ہے جو کہ سانس کی نالی سے خارج ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ہی قے ہوجائے تو لیس دار مادہ اور خون اکٹھے خارج ہوتے ہیں۔

مذکورہ بالا اجزاء کے علاوہ الٹی شدہ مادے میں کیڑے Parasites یا ان کے انڈے OVA بھی موجود ہوتے ہیں۔

قے شدہ مادے کا ردعمل: Peaction قے شدہ مادے کی تیزابیت کا اندازہ لگانا ہوتو قے شدہ مادے کو Litmus پیپر سے ٹیسٹ کر کے تیزابیت کا پتا چلایا جاسکتا ہے۔

ملیحہ احمد

آنچل فرینڈز کے نام

میری پیاری نند فریدہ جاوید فری اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کے بھائی کو مکمل صحت عطا فرمائے آمین۔ پچھلے خط میں آپ کے نام پیغام تھا مگر وہ پرنٹنگ میں مس ہوگیا دلکش مریم اللہ تعالیٰ آپ کے والد کو نسرین اختر آپ کے والد کو آنسہ شبیر آپ کے بھائی کو جنت میں جگہ عطا فرمائے اور آپ لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین، رفاقت جاوید اللہ تعالیٰ آپ کو صحت دے آمین۔ عائشہ پرویز شادی کی مبارکباد قبول فرمائیں حنا کنول آپ کو بھی مبارکباد منزہ عطا میرے لیے اولاد کی فکرمندی کا شکریہ فائزہ بھٹی، نجم انجم رقیہ ناز، ارم کمال آپ سب کا شکریہ آپ نے مجھ سے میری والدہ کی وفات پر تعزیت کی اللہ آپ کو اس کا اجر دے۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

نٹ کھٹ سی آنچل فرینڈز کے نام

ڈیئر فرینڈز کیا حال احوال ہے کیسی گزر رہی ہے زندگانی جنہوں نے اس ناچیز کو مس کیا ان کا شکریہ اور جن بے مروتوں نے نہیں کیا پھر بھی یہ پری وش شکریہ کہتی ہے حسینہ ایچ ایس مائے سوئٹ لولی کوئن ہاؤ آر یو کہاں گم ہو حسینہ یار۔ کرن شہزادی تم سناؤ بے وفالڑکی صوفیہ، ماریہ، ارم ناز، کائنات بشیر (اٹک) مائنڈ نہ کرنا رابعہ عزیز، رمشہ مختار، لائبہ اقبال، بشریٰ شاہ، یار تم لوگ تو ایسی غائب ہوئی ہو جیسے گھوڑے کے سر سے سینگ اب ہر وقت گدھے کی مثال تو نہ دے نہ گھوڑے کا کیا تصور ہے (ہاہاہاہا) حیا بھی ہو پلیز رابطہ کرو بھلا چاہتے ہو تو بھول جاؤ اجازت ہے۔ خوشی ہم نے دیکھی نہیں غم کی مجھے پروا نہیں۔ ارم کمال، کوثر خالد، پروین افضل، نجم انجم آنٹیز کیا حال چال ہیں انیلا طالب آپ سناؤ لائبہ میر، عنزہ یونس، اقرا لیاقت دلکش مریم، پارس شاہ، لعل کوئن نورین انجم، طیبہ خاور، بہت انا پرست ہو بالکل بھی یاد نہیں کرتی پھر بھی ہمارا دل بہت بڑا ہے۔ دل بہلانے کے لیے کبھی گفتگو کرلیا کرو ہم سے۔ معلوم تو ہمیں بھی ہے کہ ہم کسی کو اچھے نہیں لگتے۔ پروین آپی آپ کی امی کا سن کر بہت افسوس ہوا اللہ آپ کو صبر و سکون عطا فرمائے تمنا بلوچ آپ نے اپنی بیٹی کو اللہ جی کے پاس بھیج دیا یہ دکھ بہت بڑا ہے لفظوں میں بیاں نہیں ہوسکتا۔ اللہ کی امانت تھی اس نے واپس لے لی یہ بات ہمیں یاد رکھنی چاہیے خدا آپ کو صبر و جمیل عطا کرے آمین۔

آمنہ رحمان اینڈ عائشہ رحمان (مری) ثانیہ مسکان، نازی کنول آپی، عائشہ پرویز کے نام،

ہم رکھتے ہیں کچھ منفرد اصول وفا دوستو

ہم سانس چھوڑ سکتے ہیں بنائے ہوئے دوست نہیں

حرا قریشی مجھے آپ کا منفرد انداز بہت اچھا لگتا ہے علیشہ نور تم بھیر کنڈ کون سی جگہ پر رہتی ہو پلیز ضرور بتانا ملالہ اسلم جیون ساتھی کی مبارکباد۔

سمیرا سواتی...... بھیر کنڈ

فاخرہ گل اور آنچل فیریز کے نام

السلام علیکم فاخرہ آپی ہاں وہ ہستی ناگزیر جس کا کوئی نعم البدل نہیں وہ شفیق ہستی جس کا کوئی ثانی نہیں وہ ٹھنڈی چھاؤں جو حالات کی گرمی سے پناہ فراہم کرتی ہے تو یہ افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ آپ سے وہ سایہ برضائے خدا چھن گیا جس کا بے حد افسوس ہے اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔ نورین مسکان آپ نے مجھ کو دوستی کی آفر کی مجھے دل و جان سے قبول ہے ڈیئر مگر دوستی نبھانا ضرور کیونکہ نا جانے قسمت کیسی ہے کہ کوئی دوستی نبھاتا نہیں ہے۔ اس کے علاوہ حرا قریشی اور لاریب انشال آپ کو دوستی کی آفر کی آپ نے جواب نہیں دیا پلیز جواب دینا اچھا جی رب راکھا، سدا خوش رہو آمین۔

پرنسز اقو...... تلہ گنگ

ڈیئر فرینڈ تہمینہ کے نام

السلام علیکم امید ہے کہ خیریت سے ہوگی ہیپی برتھ ڈے ٹو یو ڈیئر تہمینہ ہمیشہ خوش و خرم رہو اللہ تعالیٰ تمہاری عمر دراز کرے ثمینہ آپی آپ کی بھی جولائی میں سالگرہ ہے آپ کو بھی سالگرہ بہت بہت مبارک ہو دعا ہے کہ آپ صدا پھولوں کی طرح مسکراتی رہیں ہمیشہ خوشیاں آپ کا مقدر بنیں میرا سرپرائز کیسا لگا ضرور بتائیے گا اجازت چاہوں گی خدا حافظ۔

ندا افتخار...... چشتیاں

کوثر خالد اینڈ فرینڈز کے نام

السلام علیکم تمام آنچل فرینڈز کو میری طرف سے بہت سی دعائیں خاص کر سدرہ، غزالہ، علینہ، فرزانہ اور علیشبہ کو میری پیاری ٹیچر سلمٰی اور نجمہ آپ مجھے بہت یاد آتی ہیں میری دعا ہے کہ صدا سلامت رہیں اور اس طرح بچوں کی رہنمائی کرتی رہیں آمید کوثر خالد کیا آپ مجھ سے دوستی کریں گی کوئی زبردستی نہیں ہے میری دعا ہے کہ خدا آپ کو ہمیشہ خوش رکھے اور سکون کی دولت سے بھی مالا مال کرے آمین۔ دلکش مریم آپ کا نیم بہت پیارا ہے امید ہے کہ آپ اس سے بھی زیادہ پیاری ہوں گی آپ مجھ سے دوستی کرو گی ضرور بتانا پلیز انیلا طالب، سلمٰی غزل اور نجم انجم اعوان کیا آپ سب بھی میری اس چھوٹی سی ریکوئسٹ پر غور کریں گی پلیز جواب ضرور دیجیے گا آخر میں آپ سب کے لیے ایک شعر عرض ہے۔

عروج سب کو ملے اتنا زمانے میں کہ

آسماں بھی تیری قسمت پر رشک کرے

رقیہ ناز.......میلسی

خاص فرینڈز کے نام

السلام علیکم! آنچل اینڈ حجاب اسٹاف ریڈرز سب کیسے ہو پہلے تو حجاب کو سالگرہ مبارک آنچل میں دلکش مریم آپ کے والد کی رحلت کا سن کر بہت افسوس ہوا کوئی چیز کوئی دلاسا آپ کے دکھ کا مداوا نہیں کرسکتا آہستہ آہستہ صبر آ ہی جائے گا تمنا بلوچ آپ کی بیٹی کا، پروین افضل شاہین اور سویرا فلک آپ دونوں کی والدہ کا بھی سنا کہ خالق حقیقی سے جا ملی ہیں اللہ تعالیٰ سے التجا ہے کہ وہ آپ سب کو صبر جمیل عطا فرمائے اور مرحومین کو جنت میں جگہ دیں آمین۔

فائزہ بھٹی، سمیرا تعبیر، مائم فاطمہ، کشف ظہور کیسی ہو سب۔ شمع مسکان آپ تو ایسے گم ہیں جیسے شادی کے بعد طیبہ نذیر میرا شک ٹھیک ہے کیا؟

ارم کمال، انجم انجم، مدیحہ نورین اور نورین انجم آپ لوگوں نے تو یاد کرنا ہی چھوڑ دیا ہے میں نے کافی پیغام آپ لوگوں کے نام لکھے لیکن پہنچ نہیں پائے خیر سناؤ سب کیسے ہو اور کہاں مصروف ہو۔

نازیہ آپی آپ کی ناساز طبیعت کے بارے میں پڑھا خدا آپ کو جلد صحت کاملہ عطا فرمائے پیاری فریدہ فری آپ کی بیماری کا سنا دعا گو ہوں کہ آپ کی بیماری بھی اڑن چھو ہو جائے اور آپ کا بیٹا بھی صحت یاب ہو جائے آمین۔

ثمر اور ردمیسہ آپ لوگ (مریدکے) سے ہو جان کر بہت خوشی ہوئی کیونکہ ہمارا آبائی گھر بھی وہیں ہے حق نے ملایا تو پھر ملیں گے اللہ حافظ۔

کرن ملک.......جتوئی

تمام دوستوں کے نام

السلام علیکم تمام حجاب فرینڈز امید ہے سب خیریت سے ہوں گے پتا نہیں یہ کتنی بار لکھ رہی ہوں دعا ہے کہ اس بار آپ سب تک یہ پیغام پہنچ جائے فاخرہ آپی، سیدہ جیا، حمیرا نوشین، پروین افضل آپی آپ بہنوں کی والدہ کے بارے میں بہت افسوس ہوا اللہ پاک آپ سب کی ماؤں کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین طیبہ نذیر بہنا آپ کے والد جی کے بارے میں مجھے کچھ ماہ پہلے ہی پتا چلا اور تب سے آپ کو ہر بار کئی پیغام لکھے جو شاید ردی کی ٹوکری کی نذر ہو گئے اللہ پاک انہیں جنت میں اعلیٰ درجات عطا فرمائے، آمین اور آپ کی شادی کا احوال حجاب کے کون سے ماہ میں شائع ہوا تھا پلیز ضرور بتائے گا۔ شبانہ شوکت جی کے شوہر کو اللہ پاک جنت نصیب فرمائے واقعی مجھے دل سے دکھ ہوا، اللہ پاک ہم سب کے شوہروں کو سلامت رکھے آمین، اسما صدیقہ جی میرے اور حریم فاطمہ کے نام پیغام لکھنے اور حوصلہ دینے کا شکریہ اللہ آپ کو اس کا اجر دے آمین اقرا جٹ پروین آپی محسن عزیز سلمٰی عنایت دلکش مریم ایس شہزادی اور زیبا حسن مخدوم میرے لیے دعا کرنے کا شکریہ، روشی وفا آپ کو سلام قبول ہو طیبہ نذیر رشک حنا مدیحہ نورین مہک، بہن دعا کرنے کا شکریہ، اللہ پاک آپ سب کی دعا قبول فرمائے آمین۔ نورین مسکان ڈسکہ آپ کی اپیا نے آپ کو یاد کرلیا خوش رہیں بات کرتی رہا کریں عائشہ رحمان ہنی (ریالی مری) آپ کی دوستی قبول ہے یاد کرنے کا شکریہ جواب کی منتظر تمنا، انجم باجی کہاں غائب ہیں آپ کی بہن پر کیا کیا بیتی مگر آپ نے تو پلٹ کر خبر تک نہ لی کئی بار آپ کو پیغام لکھے پر وہ آپ تک پہنچنے سے محروم رہے اپنے گھر آنے کی ڈھیروں مبارک باد یہ نیا گھر آپ کے لیے ہزاروں خوشیاں لائے آمین۔ دعا ہے کہ اللہ پاک تمام حجاب فیملی کو ہر مصیبت ہر دکھ سے بچائے آمین۔

تمنا بلوچ.......ڈی آئی خان

چاہنے والوں کے نام

السلام علیکم امید ہے سب خیریت سے ہوں گی اور زندگی کے نشیب و فراز کو خوش دلی سے برداشت کرتے ہوئے زندگی کو انجوائے کر رہی ہوں گی پیاری ارم ریاض میں نے آپ کو کیوں بھولنا ہے ڈیئر آپ تو ہمیشہ یاد رہیں گی کیسی ہیں آپ اور اسٹڈی کیسی جارہی ہے آپ کی؟ فائزہ بھٹی کبھی مجھے بھی یاد کرلیا کرو ظالم لڑکی میری پیاری سی دو فرینڈز صبا عزیز اور رالقہ کیسی ہو آپ دونوں کتنے سال بعد رابطہ ہوا ہمارا کتنے اچھے گزارے کالج کے دن ہے ناں بڑا اچھا لگا آپ دونوں سے دوبارہ مل کر بات کرکے اللہ تعالیٰ آپ دونوں کو ہمیشہ خوش رکھے اور ہمارے درمیان کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہو آمین۔ پیاری صائمہ سکندر سومرو کیسی ہو بے وفا لڑکی اور صبیرہ کیسی ہے کبھی یاد بھی کرلیا کرو پوری بے وفا ہو چکی میں شزا بلوچ کہاں گم ہو آپ کوئی لفٹ ہی نہیں ہائے شبنم کنول نو لفٹ وائے، ارم کمال، طیبہ نذیر، پروین افضل آپی، جیا عباس آپی، کیسی ہیں آپ اور انیلہ طالب، عائش کشمالے، مدیحہ کنول سرور کدھر گم ہیں باقی تمام پڑھنے والوں کو دعاؤں کے ساتھ محبت بھرا اسلام دلکش مریم آپ کے والد محترم کی رحلت کا بہت افسوس ہوا اللہ ان کی مغفرت فرمائے آمین اور بے شک ان کا نعم البدل نہیں ہے اللہ آپ لوگوں کو صبر عطا کرے آمین چاند رات کو خالد کی ڈیتھ ہوئی ان کی مغفرت کے لیے دعا کیجیے گا سب اور دعا کیجیے گا میری امی اور بھائی جلد صحت یاب ہوں آمین۔

زندگی رہی تو پھر ملیں گے

نہ رہی تو قیامت کے دن ملیں گے

مدیحہ نورین مہک.......گجرات

ٹوٹکے

خدیجہ احمد

باورچی خانے میں بعض اوقات پیدا ہونے والے چھوٹے چھوٹے مسائل دشواری پیدا کردیتے ہیں۔ اس طرح سے کھانے کی کئی چیزیں ضائع ہوجاتی ہیں۔ ہم ذیل میں ایسی تدابیر بتارہے ہیں، جن سے آپ ان مسائل پر قابو پاسکتی ہیں:

آلو کو سفید رکھیے: جب آپ آلو چھیل کر پلیٹ میں رکھ دیتی ہیں تو وہ بھورے ہوجاتے ہیں، اس لیے کہ ان میں سے بے رنگ نشاستہ نکلتا ہے، جو ہوا کے ساتھ مل کر اپنی رنگت تبدیل کرلیتا ہے۔ اس سے چھٹکارا پانے کے لیے چھلے ہوئے آلوؤں کو ٹھنڈے پانی میں ڈال دیں۔ ان کی رنگت بدستور سفید رہے گی۔

ٹماٹر کو زیادہ عرصے تک تازہ رکھیے: ٹماٹر جلدی گل سڑ جاتے ہیں۔ انہیں خراب ہونے سے بچانے کے لیے ڈھل والے حصے کی طرف سے اوندھا رکھیے۔ یہ وہ حصہ ہے، جہاں سے ٹماٹر پودے کی شاخ سے لٹکتا ہے۔ اس حصے پر خراشیں پڑجاتی ہیں اور نمی تیزی سے اثر انداز ہوتی ہے۔ اوندھا کرکے رکھنے پر ہوا کا اثر اس پر کم ہوتا ہے۔ یہ ترکیب اس صورت میں آزمایئے، جب آپ کے پاس ریفریجریٹر نہ ہو، ورنہ دوسری سبزیوں کے ساتھ ٹماٹروں کو اس میں رکھا جاسکتا ہے۔

کاٹنے پر پھل بھورے ہوجاتے ہیں: پھل وقت سے پہلے کاٹ لیے جاتے ہیں، لیکن جب مہمان آتے ہیں تو ان کی رنگت بھوری اور بدنما ہوجاتی ہے۔ اس پریشانی سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک لیموں کاٹ کر اس کا رس خاص طور پر کٹے ہوئے سیبوں پر ٹپکا دیجیے۔ اس کے علاوہ ایک حصہ شہد میں دو حصے پانی ملا کر کٹے ہوئے سیبوں پر ڈالنے سے بھی ان کی رنگت تبدیل نہیں ہوتی، اس لیے کہ لیموں میں حیاتین ج (وٹامن سی) کے علاوہ سٹرک ایسڈ بھی ہوتا ہے اور شہد میں امینو ایسڈ، جس کی وجہ سے کٹے ہوئے سیبوں پر ہوا اثر انداز نہیں ہوتی اور پھلوں کی رنگت برقرار رہتی ہے۔

خراب انڈے چیک کرنے کا طریقہ: بہت سے انڈے ایک ساتھ استعمال کرنے سے پہلے اگر آپ انہیں چیک کرنا چاہتی ہیں، تاکہ پکوان خراب نہ ہو تو ٹھنڈا پانی ایک تسلے میں بھرلیں اور انڈے اس میں ڈال دیجیے۔ اگر انڈے پانی میں بیٹھ جائیں تو کھانے کے قابل ہیں، ورنہ نہیں۔ انڈا جوں جوں پرانا ہوتا جاتا ہے، اس کے مساموں سے ہوا اس میں چلی جاتی ہے اور انڈے کی سفیدی اور زردی کو خراب کردیتی ہے۔ چنانچہ خراب انڈا پانی میں تیرنے لگتا ہے۔

انڈے کا چھلکا صفائی سے اتاریے: انڈے اُبالتے وقت پانی میں تھوڑا سا سرکہ یا کھانے کا سوڈا ملادیجیے۔ اس طرح سے ان کا چھلکا کسی دشواری کے بغیر اتر جائے گا۔

ترش پھلوں سے زیادہ رس نچوڑیں: لیموں، نارنگی یا مالٹے سے زیادہ رس نکالنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے انھیں ریفریجریٹر میں رکھ دیجیے۔ پھر جب یہ ٹھنڈے ہوجائیں تو پندرہ سے بیس سیکنڈ کے لئے مائکروویو اوون میں رکھ دیں۔ اس کے بعد انھیں دبائیں۔ پھر انہیں لمبائی میں کاٹ لیں۔ ترش پھلوں سے خوب رس نکلے گا۔

کیک تازہ رکھیے: پورا کیک نہ کھانے کی صورت میں اسے رکھ دیا جاتا ہے تو وہ سوکھ جاتا ہے۔ آپ کیک کو جس طرف سے کاٹ کر ٹکڑے بناتی ہیں، اس طرف ڈبل روٹی کا ایک سلائس ٹوتھ پک کے ذریعے سے کیک سے جوڑ دیں۔ سلائس سے چپکا رہنے کی صورت میں کیک کی نمی برقرار رہے گی اور سوکھے گا نہیں۔

اپنے ہاتھوں سے بُو دور کیجیے: لہسن اور پیاز چھیلنے سے جب آپ کے ہاتھوں میں بُو رچ بس جاتی ہے تو ناگوار لگتا ہے۔ اس سے نجات پانے کے لیے آپ صابن استعمال کرتی ہیں، لیکن مہک پھر بھی آتی رہتی ہے۔ اس بُو پر قابو پانے کا مناسب طریقہ یہ ہے کہ لیموں کا رس، کھانے کا سوڈا یا اسٹین لیس اسٹیل کے برتن استعمال کریں۔ اسٹین لیس اسٹیل کے بارے میں سن کر آپ چونکی ہوں گی، لیکن یہ حقیقت ہے کہ جب آپ اپنے ہاتھ اسٹین لیس اسٹیل کے کسی برتن پر رگڑتی ہیں تو اس کے سالمے بُو کو کھینچ لیتے ہیں۔

پتیلی میں ابال کیسے روکیں؟ چولھے پر پتیلی چڑھانے کے بعد آپ عموماً فکرمند رہتی ہیں کہ اس میں اُبال نہ آئے اور پکتی ہوئی دال باہر نہ گر جائے۔ دادی اماں کے زمانے کا ایک طریقہ آزمایئے اور پتیلی کے منہ پر لکڑی کا لمبی ڈنڈی والا بڑا چمچہ رکھ دیجیے۔ جھاگ اُبل کر باہر نہیں آئے گا، اس لیے کہ ٹھنڈے

چمچے سے گرم بلبلے ٹکراتے ہی پھٹنا شروع ہوجاتے ہیں۔ ان کا درجہ حرارت گرجاتا ہے اور وہ پانی بن جاتے ہیں۔ اُبال پر زیتون کے تیل کی چند بوندیں ٹپکا دینے سے بھی بلبلے پھٹ جاتے ہیں۔

پیاز کاٹتے وقت آپ کے آنسو ٹپکتے ہیں: جب آپ پیاز کاٹ رہی ہوں تو ڈبل روٹی کا ایک ٹکڑا اپنے منہ میں رکھ لیں۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو نہیں بہیں گے۔ پیاز میں امینو ایسڈ سلفو اوکسائڈ ہوتا ہے۔ جب اسے کاٹا جاتا ہے تو سلفر گیس نکلتی ہے۔ یہ اوپر اٹھتی ہے اور آگر آپ کی آنکھوں سے ٹکراتی ہے۔ آنکھوں کے پانی سے مل کر سلفیورک ایسڈ تیار ہوجاتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آپ چھینکنے اور آنسو بہانے لگتی ہیں۔ جب آپ کے منہ میں ڈبل روٹی کا ٹکڑا ہوتا ہے تو گیس آنکھوں تک نہیں پہنچ پاتی اور ناک کے راستہ منہ کے اندر جا کر ڈبل روٹی کے ٹکڑے میں جذب ہوجاتی ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پیاز کاٹنے سے پیشتر اسے خوب ٹھنڈا کر دیجیے، کیوں کہ ٹھنڈا ہونے پر پیاز کے خامرے کم متحرک ہوتے ہیں، لہٰذا پیاز کاٹنے سے دو گھنٹے پہلے اسے ٹھنڈے پانی میں ڈال دیں۔ اس میں سے نکلنے والی سلفر گیس آپ کو پریشان نہیں کرے گی۔ ایک جدید تحقیق کے مطابق پیاز کاٹتے وقت آنکھوں سے جو آنسو بہتے ہیں ان سے بینائی پر اچھا اثر پڑتا ہے۔

ٹوتھ پیسٹ سے صفائی

کیا آپ نے کبھی سوچا کہ جب ٹوتھ پیسٹ آپ کے دانتوں کو صاف کرسکتا ہے تو گھر کی دوسری چیزوں کو جو مسلسل استعمال میں آتی رہتی ہیں، کیوں صاف نہیں کرسکتا؟ ٹوتھ پیسٹ جادوئی طور پر داغ دھبے صاف کردیتا ہے، کیوں کہ اسے تیار کرتے وقت اس میں ایسے اجزا شامل کیے جاتے ہیں، جو چیزوں کو صاف کرتے ہیں۔ ذیل میں ہم کچھ ایسی چیزوں کا ذکر کررہے ہیں، جو ٹوتھ پیسٹ سے صاف کی جاسکتی ہیں۔

چائے کا مگ:

چائے اور کافی کے مگ مسلسل استعمال میں رہتے ہیں تو انھیں کئی کئی بار دھونے سے بھی اندرونی دھبے دور نہیں ہوتے۔ بجائے اس کے کہ آپ کوئی تیز واشنگ پاؤڈر لیں، تھوڑا سا ٹوتھ پیسٹ لے کر مگ کے اندرونی حصوں پر لگائیں اور رگڑیں، داغ دھبے فوراً ہی صاف ہوجائیں گے، ٹوتھ پیسٹ سے آپ چائے کی میز بھی صاف کرسکتے ہیں۔ اس کے داغ دھبے منٹوں میں دور ہوجائیں گے۔

زیوارات، چھری، چمچے اور کانٹے:

چمچے، کانٹے اور چھریوں کو صاف کرنے کے لیے ایک کپڑے پر تھوڑا سا پیسٹ لگائیے۔ پھر اس کپڑے کو ان پر رگڑنے کے بعد دھوڈالیے، چمچے، کانٹے اور چھریاں چمک جائیں گی۔ زیورات کو صاف کرنے کے لیے برش پر ٹوتھ پیسٹ لگا کر ان پر رگڑیں اور دھوڈالیں۔

کریون کے دھبے:

گھر میں چھوٹے بچے جب ڈرائنگ بناتے ہیں تو کریون رنگوں کا استعمال کرتے ہیں۔ پھر وہ ان کریون سے دیواروں پر بھی تصاویر بناتے ہیں۔ یہ تصویریں صابن لگانے سے صاف نہیں ہوتیں اور بدنما معلوم ہوتی ہیں۔ گھبرائیے نہیں۔ ایک کپڑے پر تھوڑا سا ٹوتھ پیسٹ لگا کر دیوار پر بنی ہوئی تصویروں پر رگڑ دیں۔ تصویریں منٹوں میں صاف ہوجائیں گی۔

بچوں کے دودھ کی بوتل:

بچوں کو جن بوتلوں سے دودھ پلایا جاتا ہے، وہ عموماً بدبودار ہوجاتی ہیں۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ برش پر ٹوتھ پیسٹ لگا کر بوتل کو اندر سے صاف کیجیے۔ پھر گرم پانی سے دھوڈالیے۔ بوتل کی بو جاتی رہے گی۔

اسپورٹس شوز:

اسپورٹس شوز جاگنگ کرتے وقت ضرور پہنے جاتے ہیں، لہٰذا ان میں مٹی لگ جاتی ہے، خاص طور پر جہاں سفید ربڑ لگا ہوتا ہے، وہاں داغ دھبے پڑجاتے ہیں۔ ان داغوں پر برش سے ٹوتھ پیسٹ لگا کر ملیں اور دھوڈالیے۔ جوتے بالکل نئے ہوجائیں گے۔

بلب اور گاڑیوں کی ہیڈلائٹیں:

دھول جمنے کے باعث گھر میں لگے ہوئے بلب اور آپ کی کار کی ہیڈلائٹیں مدھم روشنی دینے لگتی ہیں۔ دونوں چیزوں پر کپڑے سے ٹوتھ پیسٹ لگا کر رگڑیں۔ پھر گیلے کپڑے سے صاف کردیں۔ ہیڈلائٹیں اور بلب چمک جائیں گے اور تیز روشنی دیں گے۔